وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ

الطریق الاسلم

اردو شرح

مُسندِ الامام الاعظم

مُسندِ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ۵۲۳ احادیث مبارکہ کا ترجمہ، تخریجِ احادیث حلِ لُغات، سندِ حدیث پر بحث اور ایک منفرد اسلوب میں مفہومِ حدیث کی وضاحت کے ساتھ

ترجمہ وتشریح

مولانا محمد ظفر اقبال صاحب مدظلہ

مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-7224228-7355743

الطریق الاسلم

اردو شرح

مسند الامام الاعظم

الطَّرِیْقُ الاَسْلَم

اُرْدُوْ شرح

مُسندِ الامامِ الاعظم

مُسندِ امامِ اعظم ابُو حنیفہ "جو کہ ۵۲۳ احادیث مبارکہ پر مشتمل ہے"
کا اُردو ترجمہ، تخریجِ احادیث، حلِ لغات، سندِ حدیث پر بحث
اور ایک مُنفرد اسلوب میں مفہومِ حدیث کی وضاحت کے ساتھ

ترجمہ وتشریح

مولانا محمد ظفر اقبال صاحب

مکتبہ رحمانیہ
اِقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور
فون: 042-7224228-7355743
MAKTABA-E-REHMANIA

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

نام کتاب: .... الطریق الاسلم اردو شرح مسند الامام الاعظم

ترجمہ وتشریح: ---------- مولانا محمد ظفر اقبال

ناشر: ---------- مکتبہ رحمانیہ

مطبع: ---------- لعل سٹار پرنٹرز لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

مسند امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

﴿کتاب العلم﴾

﴿کتاب الطهارة﴾

﴿کتاب الصلوة﴾

﴿کتاب المزارعة﴾

﴿کتاب الفضائل﴾

﴿کتاب فضل امته صلی اللہ علیہ وسلم﴾

﴿کتاب الاطعمة والاشربة والضحايا والصيد والذبائح﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ احساساتکی زبانِ شکر ﴾

الحمد لمن ليس له بواب ينادى، ولا صاحب يغشى، ولا وزير يؤتى، ولا غيره رب يدعى، والصلوة والسلام على من اوتى جوامع الكلم، وجواهر الحكم، وعلى آله واصحبه قادة الامم والتابعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الالم، اما بعد!

قرآن کریم ''جو کہ کلام اللہ ہے'' کے بعد احادیث مبارکہ ''جو کہ کلامِ حبیب اللہ ہیں'' کا جو مقام و مرتبہ ہے، وہ اظہر من الشمس ہے، اور قرآن کریم ہی کی طرح احادیث مبارکہ کا حجت ہونا بھی روایۃً و درایۃً ثابت ہے، چنانچہ ماضی بعید اور ماضی قریب دونوں زمانوں میں اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں اس موضوع کا احاطہ کیا ہے۔

حدیثِ پیمبر کے ساتھ مسلمانوں کا جذباتی اور عقیدت مندانہ تعلق ذات پیمبر کے ساتھ والہانہ الفت و عقیدت کا نتیجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے جید اور ممتاز علماء کرام نے ''جس طرح بھی ممکن ہو سکا'' حدیث پیمبر کی خدمت کر کے ذات پیمبر کی خدمت کا تصور اپنے سامنے رکھا، اس سلسلے میں انہوں نے اتنے موضوعات پیدا کیے کہ ہر موضوع کے لیے ایک مستقل فن کی بنیاد رکھنا پڑی اور اتنی دیانت داری کا مظاہرہ کیا گیا کہ اگر اپنے قریبی رشتہ دار بھی روایت حدیث کے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے تو قرابت اور رشتہ داری کا لحاظ پس پشت ڈال کر وہ حدیث پیمبر کا لحاظ کرتے تھے۔

آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کی حیثیت مخدوم الکتب کی سی ہے، اور پیغمبرانہ تعلیمات میں کلامِ مصطفیٰ ﷺ کو یہ مقام بلند حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم حفاظت الٰہی کے وعدے میں محفوظ ہے، حدیث پیمبر بھی بعینہٖ اسی طرح محفوظ ہے، گو کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے دو سو سال بعد امام بخاریؒ تشریف لائے، اس وقت تک حدیث کا محفوظ رہنا عقلی طور پر ناممکنات میں سے ہے، اور گو کہ حضرات محدثین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے مفصل اور تسلی بخش جوابات دیے ہیں، لیکن میں ایک عام فہم بات عرض کرتا ہوں کہ پوری دنیا کے مسلم اور غیر مسلم

محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں نے سماء الرجال کی صورت میں جوفن ایجاد کر کے پانچ لاکھ مسلمانوں ''جن کا تعلق روایت حدیث سے رہا'' کے مکمل حالات اور سوانح عمری مہیا کی ہے' یہ ان ہی کا امتیاز ہے' دنیا کے کسی اور مذہب کی تعلیمات نقل کرنے والوں کے حالات تو بڑی دور کی بات' نام تک محفوظ نہیں' غور طلب بات یہ ہے کہ حدیث کی سند میں آنے والے پانچ لاکھ راویوں کے حالات تو محفوظ ہو سکتے ہیں لیکن حدیث پیمبر محفوظ نہیں ہو سکتی۔ یاللعجب!

کتبِ حدیث میں ''مسند امام اعظم'' کے مقام و مرتبہ پر بحث کرنے سے قبل ''صحاح ستہ'' کا مختصر تعارف معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ کتب حدیث میں ان کی حیثیت ہر مسلک و مشرب سے تعلق رکھنے والے علماء کے یہاں انتہائی معتبر ہے' یہ تعارف ناکارہ راقم الحروف نے محنت و جستجوئے بسیار کے بعد تقریباً ایک سال پہلے مرتب کیا تھا جو بہت سی تحقیقات کا ایک جزو ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

مختصر تعارف صحاح ستہ

(۱) صحیح بخاری میں کل کتابوں کی تعداد: ۹۷
صحیح بخاری میں کل ابواب کی تعداد: ۳۳۵۰
صحیح بخاری میں کل احادیث کی تعداد: ۷۵۶۳
صحیح بخاری کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں' وہ کتاب الجہاد والسیر ہے کہ اس میں ۱۹۹ ابواب ہیں' اور وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے' وہ کتاب المغازی ہے کہ اس میں کل ۵۲۵ احادیث مبارکہ ہیں۔

(۲) صحیح مسلم میں کل کتابوں کی تعداد: ۵۴
صحیح مسلم میں کل ابواب کی تعداد: ۱۳۳۴
صحیح مسلم میں کل احادیث کی تعداد: ۵۸۰۰ (مکررات کو نکال کر)
صحیح مسلم کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں' وہ کتاب الایمان ہے کہ اس میں کل ۹۶ ابواب ہیں' اور وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے' وہ کتاب الحج ہے کہ اس میں ۵۲۲ احادیث مبارکہ ہیں۔

(۳) سنن ابی داؤد میں کل کتابوں کی تعداد: ۴۰
سنن ابی داؤد میں کل ابواب کی تعداد: ۱۸۱۱
سنن ابی داؤد میں کل احادیث کی تعداد: ۵۲۷۴

سنن ابی داؤد کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں، وہ ''کتاب الصلوٰۃ'' ہے کہ اس میں کل ۲۵۱ ابواب ہیں اور سب سے زیادہ احادیث بھی کتاب الصلوٰۃ ہی میں ہیں، جن کی تعداد ۷۷۰ ہے۔

(۴) سنن ترمذی میں کل کتابوں کی تعداد: ۴۶

سنن ترمذی میں کل ابواب کی تعداد: ۲۱۱۷

سنن ترمذی میں کل احادیث کی تعداد: ۳۹۵۶

سنن ترمذی کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں وہ ''کتاب الصلوٰۃ'' ہے کہ اس میں کل ۲۱۳ ابواب ہیں، اور سب سے زیادہ احادیث کتاب تفسیر القرآن میں ہیں، جن کی تعداد ۴۲۰ ہے۔

(۵) سنن نسائی میں کل کتابوں کی تعداد: ۵۱

سنن نسائی میں کل ابواب کی تعداد: ۲۵۲۶

سنن نسائی میں کل احادیث کی تعداد: ۵۷۶۱

سنن نسائی کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں، وہ ''مناسک الحج'' ہے کہ اس میں کل ابواب کی تعداد ۲۳۱ ہے اور سب سے زیادہ احادیث بھی اسی میں ہیں اور ان کی تعداد ۴۶۷ ہے۔

(۶) سنن ابن ماجہ میں کل کتابوں کی تعداد: ۳۷

سنن ابن ماجہ میں کل ابواب کی تعداد: ۱۵۱۳

سنن ابن ماجہ میں کل احادیث کی تعداد: ۴۳۴۱

سنن ابن ماجہ کی وہ کتاب جس میں سب سے زیادہ ابواب ہیں، وہ ''کتاب اقامۃ الصلوٰۃ'' ہے کہ اس میں کل ۲۰۵ ابواب ہیں اور سب سے زیادہ احادیث بھی اسی میں ہیں اور ان کی تعداد ۶۳۰ ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحاح ستہ میں سب سے زیادہ مفصل کتاب ''بخاری شریف'' ہے کیونکہ اس میں کتابوں کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے یعنی ۹۷ اور ابواب کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے یعنی ۳۵۵۰، اور احادیث کی تعداد بھی سب سے زیادہ اسی کتاب میں ہے یعنی ۷۵۶۳، بقیہ پانچ کتابوں میں احادیث کی تعداد کے اعتبار سے یوں درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔

① صحیح مسلم: ۵۸۰۰

② سنن نسائی: ۵۷۶۱

③ سنن ابی داؤد: ۵۲۷۴

④ سنن ابن ماجہ: ۴۳۴۱

⑤ سنن ترمذی: ۳۹۵۶

اس اعتبار سے سنن ترمذی احادیث کی تعداد کے لحاظ سے صحاحِ ستہ کی سب سے چھوٹی کتاب ہے' یہ الگ بات ہے کہ اس کا درجہ کم از کم سنن ابن ماجہ سے تو بہت اونچا ہے' بعض حضرات نے اسے صحیحین کے بعد تیسرے نمبر پر جگہ دی ہے اور بعض حضرات نے سنن ابی داؤد کے بعد سنن ترمذی کا درجہ قرار دیا ہے۔

❀❀❀

﴿ مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف ﴾

یہ کتاب خود حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تصنیف و تالیف نہیں ہے بلکہ ان کے بعد ان کے شاگردوں سے نسلاً بعد نسلٍ ہم تک نقل ہوئی ہے' امام صاحبؒ کی مرویات کو ان کے مختلف شاگردوں اور بڑے بڑے محدثین نے مسانید کی شکل میں لکھا ہے مثلاً حافظ محمد بن مخلد بن حفص دوریؒ، حافظ ابن عقدہ' حافظ ابو القاسم' حافظ اشنائیؒ، امام حارثیؒ، حافظ ابن عدی صاحب الکامل' حافظ ابن شاہین' امام دارقطنی' حافظ ابونعیم اصفہانی اور امام ابن عساکر وغیرہ۔

اس وقت جونسخہ ہمارے یہاں متداول ہے وہ امام حارثی رحمۃ اللہ علیہ کا جمع کردہ ہے جو وہ امام صاحب سے متعدد واسطوں سے نقل کرتے ہیں' لیکن چونکہ اس کی ترتیب مسانید کی طرز پر ہے اس لیے اس میں امام صاحبؒ کی مرویات ان کے شیوخ حدیث کے حوالے سے منقول ہیں اور کسی خاص ترتیب کے بغیر' یہی وجہ ہے کہ اس میں تکرار بھی پیدا ہو گیا ہے' اس مشکل کو علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا عابد سندی رحمۃ اللہ علیہ نے حل کیا چنانچہ اول الذکر نے اس کا اختصار کر کے تکرار کو حذف کیا اور ثانی الذکر نے اسے ابواب فقہیہ اور کتب حدیث کی ترتیب کے مطابق مرتب کر دیا' گویا اس وقت امام صاحبؒ کی یہ تصنیف ہمارے ہاتھوں میں متعدد تبدیلیوں کے بعد پہنچی ہے۔

راقم الحروف کی دلی تمنا ہے کہ مسند امام اعظم کو اس کے شایان شان طریقے سے اعلیٰ معیار پر شائع کیا جائے اور اس کی باقاعدہ تبویب' ترقیم اور تخریج وتہذیب کی جائے جس کے لیے راقم نے ترقیم وتخریج کا کام تو کر دیا ہے' تبویب وتہذیب بھی کر دی ہے اور مکتبہ رحمانیہ ''جہاں سے یہ کتاب طبع ہو رہی ہے'' کو اس کام کی طرف متوجہ بھی کر دیا ہے اور اپنی خدمات انہیں پیش بھی کر دی ہیں' اللہ کرے یہ کام جلد از جلد ہو جائے اور فقہ حنفی اور حدیث کا یہ عظیم ذخیرہ اعلیٰ معیار پر شائع ہو جائے۔

مسند امام اعظمؒ کے اس مختصر تعارف کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کی مرویات اور اس کے راوی صحابۂ کرامؓ کا ایک جامع تجزیہ پیش نہ کر دیا جائے چنانچہ ذیل میں اسی کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

❀❀❀

﴿مسند امام اعظمؒ کی مرویات کا جائزہ﴾

الرقم	اسم الكتاب	عدد الاحاديث	الرقم	اسم الكتاب	عدد الاحاديث
١	كتاب الايمان والاسلام والقدر والشفاعة	٣٠	١٨	كتاب الرهن	١
٢	كتاب العلم	١١	١٩	كتاب الشفعة	٣
٣	كتاب الطهارة	٣٩	٢٠	كتاب المزارعة	٢
٤	كتاب الصلوٰة	١١٧	٢١	كتاب الفضائل	٣٤
٥	كتاب الزكوة	٣	٢٢	كتاب فضل امته ﷺ	٦
٦	كتاب الصوم	١٩	٢٣	كتاب الاطعمة والاشربة والضحايا	٣٤
٧	كتاب الحج	٣٧	٢٤	كتاب اللباس والزينة	٨
٨	كتاب النكاح	٢٥	٢٥	كتاب الطب وفضل المرض والرقى	١٣
٩	كتاب الاستبراء	١	٢٦	كتاب الادب	٣٢
١٠	كتاب الرضاع	٢	٢٧	كتاب الرقاق	٣
١١	كتاب الطلاق	١٥	٢٨	كتاب الجنايات	٣
١٢	كتاب النفقات	٢	٢٩	كتاب الاحكام	١٠
١٣	كتاب التدبير	٣	٣٠	كتاب الفتن	٣
١٤	كتاب الايمان	٧	٣١	كتاب التفسير	١٥
١٥	كتاب الحدود	٦	٣٢	كتاب الوصايا والفرائض	٦
١٦	كتاب الجهاد	٧	٣٣	كتاب القيمة وصفة الجنة	٣
١٧	كتاب البيوع	٢٣		كل تعداد	٥٢٣

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسند امام اعظم کی وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے زیادہ ہے' وہ ''کتاب الصلوٰۃ'' ہے' اور وہ کتاب جس میں احادیث کی تعداد سب سے کم ہے' وہ کتاب الاستبراء اور کتاب الرہن ہے۔

❀❀❀

﴿مرویات صحابہؓ در مسند امام اعظم﴾

(بترتیب حروفِ تہجی)

نمبر شمار	نام صحابی	تعداد مرویات
۱	حضرت اسامہ بن زیدؓ	۱
۲	حضرت اسامہ بن شریکؓ	۱
۳	حضرت انس بن مالکؓ	۲۳
۴	حضرت براء بن عازبؓ	۳
۵	حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ	۲۸
۶	حضرت ثوبانؓ	۱
۷	حضرت جابر بن سمرہؓ	۲
۸	حضرت جابر بن عبداللہؓ	۴۱
۹	حضرت جریر بن عبداللہؓ	۳
۱۰	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ	۱
۱۱	حضرت حذیفہ بن الیمانؓ	۱۲
۱۲	حضرت خزیمہ بن ثابتؓ	۳
۱۳	حضرت رافع بن خدیجؓ	۲
۱۴	حضرت زید بن ثابتؓ	۱
۱۵	حضرت سبرہ بن معبد الجہنیؓ	۱
۱۶	حضرت سعد بن عبادہؓ	۱
۱۷	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	۵
۱۸	حضرت سعید بن زیدؓ	۱
۱۹	حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ	۱
۲۰	حضرت عبداللہ بن انیسؓ	۱
۲۱	حضرت عامر بن ربیعہؓ	۱
۲۲	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	۱
۲۳	حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدیؓ	۱
۲۴	حضرت عبداللہ بن شدادؓ	۱
۲۵	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۴۳
۲۶	حضرت عبداللہ بن عثمانؓ (سیدنا صدیق اکبرؓ)	۱
۲۷	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۷۹
۲۸	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۴۹
۲۹	حضرت عبداللہ بن مغفلؓ	۱
۳۰	حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیؓ	۱
۳۱	حضرت عثمان بن عفانؓ	۱
۳۲	حضرت عدی بن حاتمؓ	۱
۳۳	حضرت عطیہ قرظیؓ	۱
۳۴	حضرت علی مرتضیٰؓ	۷
۳۵	حضرت عمران بن حصینؓ	۲
۳۶	حضرت عمر بن الخطابؓ	۶
۳۷	حضرت قطبہ بن مالکؓ	۱
۳۸	حضرت مغیرہ بن شعبہؓ	۴

نمبر	نام	تعداد	نمبر	نام	تعداد
۳۹	حضرت نعمان بن بشیرؓ	۴	۵۰	حضرت ابو قتادہ انصاریؓ	۲
۴۰	حضرت واثلہ بن اسقعؓ	۱	۵۱	حضرت ابو مسعود انصاریؓ	۱
۴۱	حضرت وائل بن حجرؓ	۴	۵۲	حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ	۷
۴۲	حضرت ابو ایوب انصاریؓ	۲	۵۳	حضرت ابو ہریرہؓ	۲۲
۴۳	حضرت ابو بردہ بن نیارؓ	۱	۵۴	حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ	۱
۴۴	حضرت ابو بکرہؓ	۱	۵۵	حضرت حفصہؓ	۱
۴۵	حضرت ابو جحیفہؓ	۲	۵۶	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۵۳
۴۶	حضرت ابو الدرداءؓ	۱	۵۷	حضرت عائشہ بنت عجردؓ	۱
۴۷	حضرت ابو ذر غفاریؓ	۴	۵۸	حضرت ام سلیمؓ	۱
۴۸	حضرت ابو سعید خدریؓ	۲۱	۵۹	حضرت ام عطیہؓ	۲
۴۹	حضرت ابو عامر الثقفیؓ	۱	۶۰	حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ	۱۲

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسند امام اعظمؒ میں جن صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مرویات آئی ہیں' ان کی تعداد ساٹھ ہے جن سے ۴۷۸ روایات نقل کی گئی ہیں' جبکہ بقیہ مرویات میں مراسیل اور نامعلوم الاسم صحابہ کرامؓ کی روایات شامل ہیں' اس فہرست کے مطابق مسند امام اعظم میں سب سے زیادہ مرویات حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی گئی ہیں کہ ان کی تعداد ۹۷ ہے' دوسرے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے جن کی مرویات کی تعداد ۵۳ ہے جبکہ تیسرے نمبر پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام آتا ہے جن کی مرویات کی تعداد ۴۹ ہے۔

مسند امام اعظم کی خصوصیات میں یوں تو بہت سی چیزیں شامل ہیں لیکن ایک خصوصیت ایسی ہے جو اسے بعد کی کتب حدیث ہی میں نہیں' اپنے زمانے کی کتب حدیث میں بھی انتہائی اہم مقام سے سرفراز کرتی ہے اور وہ یہ کہ موطا امام مالک سے لے کر صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں مؤلفِ کتاب اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ موطا امام مالک کی سب سے عالی سند روایت ''ثنائی'' ہوتی ہے اور صحیح بخاری شریف ''جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے'' میں سب سے عالی سند روایت ''ثلاثی'' آئی ہے اور وہ بھی اتنی بڑی کتاب میں بہت زیادہ نہیں' صرف ۲۲ روایات ثلاثیات بخاری ہیں جنہیں راقم الحروف الگ سے جمع کر کے طبع کروا چکا ہے اور اب وہ راقم کی کتاب ''موضوع روایات'' کا حصہ ہے۔

جبکہ مسند امام اعظم میں ایسی روایات کی تعداد ''جن میں امام صاحبؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف صحابی کا واسطہ ہے اور جنہیں وحدانیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کی سند عالی ترین ہے'' آٹھ ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	حدیث نمبر	نام صحابیؓ جو امام صاحب اور نبی علیہ السلام کے درمیان واسطہ ہیں
۱	۳۳	حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدیؓ
۲	۹۲	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ
۳	۴۰۲	حضرت عائشہ بنت عجردؓ
۴	۴۴۶	حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ
۵	۴۷۱	حضرت انس بن مالکؓ
۶	۴۷۷	حضرت انس بن مالکؓ
۷	۴۷۹	حضرت عبداللہ بن انیسؓ
۸	۴۸۰	حضرت واثلہ بن اسقعؓ

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حضرت الامام رحمۃ اللہ علیہ کو کم از کم سات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زیارت و روایت کا شرف حاصل ہے، گو کہ حضرت جابرؓ کے سن وفات اور امام صاحبؒ کے سن ولادت کو سامنے رکھ کر یہ بات ناممکن ہو جاتی ہے کہ امام صاحبؒ کو ان سے شرف ملاقات حاصل ہوا ہو، اسی طرح حضرت عائشہ بنت عجردؓ کے تفصیلی حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے تاہم اگر ان دونوں کو الگ کر بھی لیا جائے تب بھی پانچ صحابہ کرامؓ سے روایت تو مسند امام اعظم سے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔ **وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء**

شرحِ مسند کا تعارف اور ہمارا اسلوبِ شرح

مسند امام اعظم کی جو شرح اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اور جو ناکارہ راقم الحروف کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس کے مطالعہ سے قبل یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ یہ کسی منجھے ہوئے فقیہہ و محدث اور عالم کی تحقیق نہیں، محض ایک طالب علمانہ کاوش ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جدید تحقیقات سے اس کتاب کو لبریز سمجھ کر خریدنے والے مایوسی کا شکار ہوں گے، البتہ شرح حدیث کے حوالے سے اگر کچھ مل جائے تو یہ اس ذات کی برکت سے ہوگا جس کی طرف حدیث کو منسوب کیا جاتا ہے۔

راقم الحروف نے مسند امام اعظم کی شرح کو مندرجہ ذیل پانچ حصوں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) عبارت اور ترجمہ: سب سے پہلے تو حدیث کی سنداً و متناً عبارت کو درج کیا گیا ہے اور اس کی تشکیل بالاعراب کی گئی ہے اور اس کے بعد اس کا بامحاورہ مفہوم بیان کیا گیا ہے، لفظی ترجمہ سے گریز کرتے ہوئے منشاء نبوی کی وضاحت کو

فوقیت دی گئی ہے اور اس میں مسند امام اعظمؒ کے کسی ترجمہ کو سامنے نہیں رکھا گیا' بلکہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب پوری کتاب کا ترجمہ ہو چکا تو اس کے بعد حضرت مولانا خورشید عالم صاحب کا ترجمہ علم میں آیا اور افسوس ہوا کہ اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو ان ہی کے ترجمے سے استفادہ کر لیتا۔

(۲) حل عبارت: ترجمے کے بعد صرفی ونحوی تحقیق کے ساتھ ساتھ عبارت کے حل پر بھی زور دیا گیا ہے تاکہ عبارت کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط بھی واضح ہو جائے اور عبارت میں کسی قسم کی پیچیدگی بھی باقی نہ رہے' نیز مشکل الفاظ کا لغوی معنی بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

(۳) تخریج حدیث: مسند امام اعظم کی شرح میں جس چیز نے راقم الحروف کو تھکاوٹ کی لذت سے سب سے زیادہ آشنا کیا' وہ اس کی احادیث کی تخریج تھی' اور اس لذت کو وہی جانتے ہیں جو اس راہ سے کبھی گزرے ہوں یا ان صعوبتوں سے واقف ہوں' اس سلسلے میں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک ایک حدیث کا حوالہ تلاش کرنے میں چار چار پانچ پانچ گھنٹے بھی صرف ہوئے اور ایسا بھی ہوا کہ صرف ایک گھنٹے میں دسیوں حدیثوں کا حوالہ مل گیا۔

تخریج کے دوران مسند امام اعظم کے حاشیہ ''تنسیق النظام'' سے بہت مدد ملی اور اس کے مؤلف حضرت مولانا محمد حسن سنبھلیؒ کی محدثانہ شان کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرنا پڑا' لیکن یہ خیال بھی دامن گیر ہوا کہ اگر حضرت ہم سے جیسے نکموں کے لیے کتب حدیث کے حوالے کے ساتھ ساتھ ان کے ابواب اور کتب کا حوالہ بھی دے دیتے تو بہت آسانی ہو جاتی' اس سلسلے میں مفتاح کنوز السنۃ' نیل الاوطار اور صحیح ابن حبان کے جدید نسخوں سے بہت فائدہ ہوا جن کے آخر میں اطراف حدیث کی فہرست سے حدیث تلاش کرنے میں سہولت رہتی اور متعلقہ مقامات پر حدیث دستیاب ہو جاتی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ فضل خداوندی اور توفیق ایزدی نے یاوری کی اور مسند امام اعظم کی صرف آٹھ احادیث کو چھوڑ کر باقی تمام احادیث کا حوالہ مل گیا' لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ حوالہ جات نقل کرنے میں میں نے اس چیز کا التزام نہیں کیا کہ کتبِ حوالہ اور مسند کی روایت کے الفاظ بعینہٖ ایک جیسے ہوں' بلکہ اگر دو حدیثوں کا مفہوم ایک ہوا اور معمولی لفظی اختلاف بھی باقی رہا تو اس اختلاف کو نظر انداز کر دیا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تمام روایات میں ایسا ہوا ہے بلکہ اکثر مقامات پر لفظی اختلاف تو ہے ہی نہیں' اس لیے ان کا حوالہ بھی سپرد قلم کر دیا گیا۔

رہی یہ بات کہ وہ آٹھ حدیثیں کون سی ہیں جن کا راقم کو حوالہ نہیں مل سکا تو ان کے نمبر حسب ذیل ہیں۔

(۱) ۱۳۰	(۲) ۱۸۶	(۳) ۲۹۸	(۴) ۳۴۰
(۵) ۳۴۷	(۶) ۳۸۷	(۷) ۴۴۶	(۸) ۴۵۳

اور اس کی بھی بنیادی وجہ راقم الحروف کا ناقص استقراء اور کم زور تتبع ہے جس کا اسے یقین واعتراف ہے' اور دوسری وجہ حدیث کی امہات الکتب کی عدم دستیابی بھی ہے جس کی عدم دستیابی سے متاثر ہونے والوں میں راقم الحروف تنہا نہیں ہے۔

(۴) سند حدیث پر بحث: مسند امام اعظم کی ایک تہائی سے زیادہ روایات تو ''ثنائیات'' کے زمرے میں آتی ہیں' اس لیے وہاں تو سند حدیث پر بحث کرنے کی کوئی خاص ضرورت ہے اور نہ ہی فائدہ' البتہ اس بات کی وضاحت پھر بھی ضروری ہے کہ دیگر کتب حدیث کی نسبت اس کتاب کی روایت کو کیوں تفوق حاصل ہے؟ سو اس سلسلے میں راقم الحروف نے ابتداءً اس عنوان کا بھی التزام رکھا ہے تاہم جب اس چیز کا احساس ہو گیا کہ قارئین امام صاحبؒ کی سند کی اہمیت سے واقف ہو چکے تو اسے ترک کر دیا گیا۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مسند امام اعظم کی بعض اسانید اور بعض راویوں پر بعض حضرات کے کچھ تحفظات ہیں جن پر وہ حضرات محدثین کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں' لیکن ہماری نظر میں ان تحفظات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے کہ کسی راوی کے بارے میں تمام محدثین کا ہم خیال ہونا ممکن تو ہے لیکن ضروری نہیں' یہی وجہ ہے کہ ایک ہی راوی کے بارے محدثین کرام کی متضاد آراء سامنے آتی ہیں اور اس کی ایک دو نہیں' سینکڑوں مثالیں موجود ہیں' اس لیے اگر مثلاً امام بخاریؒ ایک راوی کو متروک یا ضعیف قرار دیتے ہیں تو ان کے پاس وہ وجوہات اور اسباب موجود ہوتے ہیں جن کی بناء پر وہ یہ حکم لگاتے ہیں اور اگر اسی راوی کے بارے مثلاً امام مسلم قابل احتجاج ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ بھی دلائل کی بنیاد پر ہوتا ہے' دیگر محدثین اور امام صاحبؒ کے درمیان بھی اگر اسی ضابطے کو پیش نظر رکھ لیا جائے تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہے گا۔

(۵) مفہوم: چونکہ مسند امام اعظمؒ کی بہت سی مرویات ایسی ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی فقہی حکم سے ہے' اس لیے شرح حدیث کے وقت فقہی اختلافات کا ذکر ضروری ہو جاتا ہے' بالخصوص جبکہ یہ کتاب درس نظامی میں بھی شامل ہے اور فقہ حنفی کے اہم مآخذ میں سے بھی ہے لیکن اس کتاب پر جب قلم اٹھانے کا ارادہ کیا گیا تو اسی وقت یہ عزم کر لیا تھا کہ انشاء اللہ اس شرح میں فقہ الحدیث کو شرح حدیث کے طور پر لیا جائے گا' اور فقہی اختلافات' ان کے دلائل اور جوابی دلائل سے گریز کیا جائے گا۔

کیونکہ فقہی اختلافات تو کتب فقہ میں بڑی تفصیل سے ذکر کر دیے جاتے ہیں' نیز دورۂ حدیث کی کتابوں میں بھی ہر مسئلہ پر اختلافی نقطۂ نظر شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جس کی بنیاد پر یہ ایک عام نظریہ بن چکا ہے کہ کتب حدیث بھی درحقیقت کتب فقہ ہیں' اس میں کوئی شک نہیں کہ کتب حدیث میں دلائل فقہ ملتے ہیں اور اختلاف ائمہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے علماء اور طلبہ کا محور صرف فقہی

اختلافات ہی رہ جاتے ہیں اور وہ انہی کو ازبر کرنے میں لگے رہتے ہیں اور حدیث کا جو بنیادی مقصد تعلیم و تربیت ہے' اس کی طرف توجہ نہیں کرتے' وہ احادیث کو صرف اختلافات میں بنیاد بناتے ہیں' اتفاقیات میں ان پر عمل نہیں کرتے' پھر ہر ایک' دوسرے کی تغلیط یا تضعیف کے درپے ہوتا ہے۔

اس تمام صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہی اختلافات کو فقہی کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے یہاں شرح حدیث کے ان پہلوؤں سے بحث کی جائے گی جس میں ان احکام کا پس منظر' حکمت اور عملی راہ ہموار ہو سکے' اور صرف علماء ہی نہیں' عوام بھی اس کی روشنی میں اپنی زندگی کا تجزیہ کر سکیں اور الحمد للہ! میں آخر تک اس روش پر قائم رہا ہوں جس کی بہتری یا عدم بہتری قارئین کی رائے پر موقوف نہیں۔

اس کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے میں شکر کے جن جذبات اور احساسات سے لبریز ہوں' قلم ان کی ترجمانی سے انکاری ہے' اللہ کی توفیق سے صرف تین ماہ میں یہ ساری کتاب قبلہ رو بیٹھ کر لکھی گئی ہے' حضرت امام صاحبؒ کی محبت سے زیادہ حدیث پیمبر کے ساتھ قلبی لگاؤ کا اس کتاب کے منصۂ شہود پر آنے میں عمل دخل ہے۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مکتبہ رحمانیہ کے منتظمین کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے' جنہوں نے اس کام کی طرف متوجہ کیا اور اس کی طباعت کا اہتمام کیا' اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے اس خدمت کو ذخیرۂ آخرت بنائے' حضرت امام صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور حدیث پیمبر اور ذات پیمبر کے ساتھ قلبی اور والہانہ عقیدت و محبت عطاء فرمائے۔ آمین

محمد ظفر غفرلہ

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ بروز منگل

❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث اور نبوت دونوں کی تاریخِ آغاز ایک ہی ہے، ہر نبی کا کلام حدیث اور ہر حدیث کا ماخذ لسان نبی رہی ہے، اس لیے جو اہمیت کسی نبی کو حاصل ہوتی ہے، وہی اہمیت وحیثیت اس نبی کی احادیث کو بھی حاصل ہوگی، اور یوں بھی ہر نبی معصوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ معصوم کی باتیں بھی معصومیت سے بھرپور ہوں گی اس لیے کلام نبوت میں عصمت اور معصومیت کا ہونا ایک بدیہی اور واضح بات ہے۔

ہم جس کتاب کا آغاز کر رہے ہیں اس کا تعلق بھی کلام نبوت سے ہے۔ یعنی ان الفاظ و اقوال سے جو لسان نبوت سے ادا ہوئے، تلمیذان مصطفیٰ ﷺ کے اذہان وقلوب نے انہیں محفوظ کیا اور اپنے شاگردوں تک انہیں منتقل کر دیا اور آج تک یہ سلسلہ نسل درنسل ہم تک چلتا چلا آ رہا ہے اور انشاء اللہ تاحکم رب چلتا ہی رہے گا۔

یوں تو حدیث کی ہر کتاب کے آغاز میں حدیث سے متعلق اجمالی معلومات تحریری اور تقریری طور پر ذکر کی جاتی ہیں جس سے بعض اوقات تکرار کا بھی شبہ بلکہ یقین پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہاں ہمیں حدیث کے حوالے سے اور پھر اس کتاب اور صاحب کتاب کے حوالے سے تین مختلف ابواب میں چندنئی باتیں ذکر کرنا ہیں تاکہ ان کا فائدہ زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے اور وہ نادر و نایاب جواہرات جو مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، ان تک بآسانی رسائی ہو سکے۔

واللہ الموفق والمیسر

❀❀❀

باب اول

﴿تعارف حدیث﴾

عام طور پر کتب حدیث واصول حدیث میں ''حدیث'' کی تعریف یوں کی جاتی ہے

"الحدیث هو قول النبی ﷺ وأفعاله وتقریره"

اور ''علم حدیث'' کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔

"هو علم یعرف به اقوال رسول الله ﷺ وأفعاله وتقریراته"

لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر حدیث کی تعریف ''نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کی مکمل تاریخ'' کی جائے تو اس میں نبی علیہ السلام کی زندگی کا ہر شعبہ بھی شامل ہو جائے گا اور مذکورہ تعریف بھی اس کا ایک حصہ بن جائے گی' البتہ اس پر یہ اشکال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی پیش کردہ تعریف حدیث ''جو آپ کی خود ساختہ اور نو ایجاد بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ''بدعت'' ہے'' کا ماخذ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ اور ایک متجسس طالب علم کے لیے اس اشکال کا پیدا ہونا ضروری بھی ہے۔

میں اس سوال کا کوئی بھی جواب دیئے بغیر آپ کی توجہ صحیح بخاری شریف کے اصل نام کی طرف مبذول کرائے دیتا ہوں' جواب آپ کی سمجھ میں انشاء اللہ خود بخود آ جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ صحیح بخاری کا اصل نام **''الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول الله ﷺ وسننه وایامه''** ہے' اس کے آخری لفظ ''ایام'' کا عام فہم ترجمہ کسی بھی مستند عربی دان سے پوچھ لیجیے' وہ آپ کو اس کا ترجمہ تاریخ ہی بتائے گا اور یہی میں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

تدوین حدیث: حضور نبی مکرم' سرور عالم ﷺ کی زندگی اور دور نبوت کا ایک ایک گوشہ اور اس کی مکمل تاریخ یوں تو عملی طور پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسے جانثار و جاں سپار فدائیوں کی صورت میں موجود تھی لیکن اسے علمی طور پر محفوظ کیے بغیر مطمئن ہو کر بیٹھا نہیں جا سکتا تھا اس لیے اسے سب سے پہلے یادداشتوں کی صورت میں محفوظ کیا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا جمع کردہ **''الصحیفة الصادقة''** حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جمع کردہ ''صحیفہ علی'' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نوشتہ

''صحیفۂ جابرؓ'' صحیفۂ سمرہ بن جندبؓ، صحیفہ ابن عباسؓ، صحیفۂ سعد بن عبادہؓ اور صحیفۂ ابن عمرؓ اسی کی مختلف صورتیں تھیں اور وہ املائی فرامین اس کے علاوہ ہیں جو خود حضور نبی مکرم' سرور دو عالم ﷺ نے لکھوائے تھے جن میں سب سے زیادہ اہمیت ''کتاب الصدقۃ'' کو حاصل ہے۔

دور صحابہ کے بعد دور تابعین میں بھی ہمیں ان تحریری یادداشتوں کو مختلف مجموعوں کی صورت میں محفوظ کرنے کے شواہد ملتے ہیں چنانچہ علامہ ابن حزمؒ، امام زہریؒ اور امام شعبیؒ کے مرتب کردہ مجموعہائے حدیث اسی دور کی یادگار ہیں لیکن اس دور کی سب سے اہم ترین خدمت حدیث جو تحریری صورت میں ہمارے سامنے آج بھی موجود ہے وہ صحیفہ ہمام بن منبہ ہے جو سیدنا ابوہریرہؓ کی مرویات کا امین اور انہی کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہؒ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے' گو کہ اس صحیفے میں حضرت ابوہریرہؓ کی تمام مرویات کا احاطہ نہیں کیا گیا لیکن اس میں موجود تمام احادیث کا جب مسند احمد کی احادیث سے تقابل کیا گیا تو دونوں نسخوں میں رتی برابر بھی فرق نہیں نکلا۔

اسی دور میں ایک جامع کتاب کے طور پر باضابطہ تصنیف ''مسند امام اعظم'' کی صورت میں سامنے آئی' جس میں حضرت الامام ابوحنیفہؒ کی کبار تابعین سے مروی روایات درج ہیں' اس کتاب کی خصوصیات اور اہمیت وحیثیت پر انشاء اللہ ہم تیسرے باب میں تفصیلی کلام کریں گے۔

عہد اتباع تابعین میں جمع حدیث کا کارنامہ جن ممتاز اہل علم نے سرانجام دیا' ان میں معمر بن راشدؒ صاحب کتاب الجامع' ابن جریجؒ صاحب کتاب الآثار اور امام مالکؒ صاحبِ موطا بہت نمایاں ہیں' قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن الشیبانیؒ کی کاوشیں بھی اسی دور میں اہل علم کے لیے باعث صد افتخار بنیں۔

اس کے بعد مسانید کا دور آتا ہے جن میں مسند احمد' مسند امام شافعی' مسند ابوداؤد الطیالسی اور مسند نعیم بن حماد وغیرہ زیادہ نمایاں ہیں' پھر اصحاب صحاح کا دور آیا جس نے باقی تمام ادوار پر نمایاں فوقیت حاصل کر لی' یہی وہ زمانہ تھا جس میں صحاح ستہ کی تالیف ہوئی اور اصحاب صحاح نے اپنے اپنے ذوق اور دِقت نظر کے مطابق احادیث کے ایسے مجموعے مرتب اور مدون کر دیئے جو رہتی دنیا تک کے لیے سند اور حجت بن سکیں' امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار بھی اسی دور کی یادگار اور اسی پائے کی کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

تدوین حدیث کی یہ مختصر تاریخ ''جس کے بعد بھی کتب حدیث کا ایک بہت قابل قدر ذخیرہ اہل علم اور محدثین کی کاوشوں سے وجود میں آیا'' اس لیے ذکر کی گئی تا کہ ایک تو اس کا مکمل پس منظر واضح ہو جائے اور دوسرے اس اعتراض کی مکمل بیخ کنی ہو جائے جو بعض لوگ ناواقفیت اور کم علمی کی بناء پر کرتے ہیں کہ احادیث تو نبی ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے تقریباً دو سو سال بعد لکھی گئی ہیں' اس طویل عرصے میں کسی بات کا بعینہٖ محفوظ رہ جانا ممکن نہیں ہے۔ اور تیسرے یہ کہ اس باب میں ہمارے اکابر اور اسلاف صالحین کی خدمات اور کاوشوں سے بھی کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل ہو

جائے۔

راویانِ حدیث: اس عنوان کے تحت ہمیں ''رواۃِ حدیث'' کا جائزہ لینا مقصود نہیں بلکہ یہاں ان مشہور اور کثیر الروایہ صحابہ کرامؓ کا ذکر کرنا مقصود ہے جن سے مروی روایات کتب حدیث کے اوراق میں منتشر اور پھیلی ہوئی ہیں اور ہر طالب حدیث کے کان ان مبارک ناموں سے مانوس ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) آپ سے ۸۴۸ احادیث مروی ہیں۔
۲۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ (۵۸ھ) آپ سے ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں۔
۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ (۵۹ھ) آپ سے ۵۳۷۴ احادیث مروی ہیں۔
۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) آپ سے ۱۶۶۰ احادیث مروی ہیں۔
۵۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۷۳ھ) آپ سے ۲۶۳۰ احادیث مروی ہیں۔
۶۔ حضرت ابوسعید خدریؓ (۷۴ھ) آپ سے ۱۱۷۰ احادیث مروی ہیں۔
۷۔ حضرت جابرؓ (۷۸ھ) آپ سے ۱۵۴۰ احادیث مروی ہیں۔
۸۔ حضرت انسؓ (۹۳ھ) آپ سے ۲۲۶۶ احادیث مروی ہیں۔

(آثار الحدیث ج ۱ ص ۳۸۰)

اسی فہرست میں حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ حضرات بھی آتے ہیں اور ان کی مرویات بھی معتد بہ مقدار میں موجود ہیں۔

مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعداد پر ایک چھوٹا سا مناقشہ

عام طور پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایات کی تعداد دو ہزار دو سو دس بیان کی جاتی ہے جیسا کہ آثار الحدیث کے حوالے سے حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کی رائے ابھی گزری' اور حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی ''سیرت عائشہ'' میں جو ان کی شہرۂ آفاق کتاب ہے' یہی تعداد ذکر کی ہے لیکن ان حضرات کی علمیت اور عملی عظمت' محدثانہ وفقیہانہ' متکلمانہ اور صوفیانہ رفعت و بلندی کے باوصف اور اس اعتراف حق کے ساتھ کہ ان اکابر کے پاؤں کی جوتیوں کی ساتھ خاک کے جو ذرات لگے رہے ہیں' راقم سطور ان سے بھی کم تر اور ادنیٰ حیثیت رکھتا ہے' تاہم اس علمی امامت کو' 'جو ان اکابر کی برکت اور زکوٰۃ ہے'' نئی نسل تک پہنچانا بھی ضروری ہے' اس لیے یہ عرض کرنے کی جرأت و جسارت کی جا رہی ہے کہ مذکورہ رائے کی صحت میں کلام کیا جا سکتا ہے کیونکہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صرف ان روایات کی تعداد کو معلوم کر لیا جائے جو ان سے نقل ہو کر ''امام احمد بن حنبل'' کے

ذریعے ہم تک پہنچی ہیں تو ان ہی کی تعداد دو ہزار چار سو چونتیس بنتی ہے' اب یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو تعداد مذکورہ شیوخ نے بیان فرمائی ہے وہ بحذف مکررات ہے اور مؤخر الذکر تعداد بشمول مکررات ہے کیونکہ شیوخ حدیث یا رواۃ حدیث کی نقل کردہ روایات کی تعداد اسانید کے اعتبار سے شمار کی جاتی ہے نہ کہ متون کے اعتبار سے' اور ظاہر ہے کہ سند حدیث تو ہر روایت میں بدل جاتی ہے اس لیے بظاہر مؤخر الذکر عدد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

O.....O.....O

باب دوم

کچھ صاحبِ کتاب کے بارے میں

یوں تو ہر دور میں تاریخ کا دھارا موڑ دینے کی صلاحیت رکھنے والی عظیم اور عبقری شخصیات موجود رہی ہیں اور ان پر عظیم تصنیفات وتالیفات کے ذریعے التفات بھی کیا گیا لیکن تاریخ کی کچھ شخصیات انتہائی ''مظلوم'' بھی ہیں جن کے پاکیزہ دامن پر ہر زمانے کے کچھ سفہاء اور حمقاء گھٹیا اور لچر الزامات لگاتے رہے ہیں' ان میں سب سے زیادہ مظلوم شخصیت حضرت امیر معاویہؓ کی ہے جن کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ یزید کے ابا تھے' لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ وہ سرور دو عالم ﷺ کے رشتے میں سالے لگتے تھے' وہ کاتب وحی تھے' وہ صحابی رسول تھے' وہ مسلمانوں کے عادل خلیفہ تھے' وہ ایک اسلامی فلاحی مملکت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے والے مدبر حکمران تھے اور نواسۂ رسول' جگر گوشۂ بتول' سیدا شباب اہل الجنۃ حضرات حسنینؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' آخر ان چیزوں کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟

اسی طرح تاریخ کی دوسری مظلوم ترین شخصیت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جنہیں ہر زمانے میں بالخصوص اور عصر حاضر میں بالعموم اس طرح موردطعن وتشنیع بنایا جاتا ہے جیسے معاذ اللہ وہ اسلام کے دشمن ہوں' اور سب وشتم کی اس دوڑ میں وہ بھی شامل ہیں جن کے علمی مقام ومرتبہ کو یہ چیز زیب نہیں دیتی اور وہ بھی جنہیں ''علم'' نام کی کسی چیز کے ساتھ ادنیٰ مناسبت بھی نہیں' امام صاحبؒ کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی بے شمار نعمتوں میں سے ایک اہم ترین نعمت ''عقل'' کو استعمال کر کے بہت سے غیر منصوص احکام کا استخراج کر لیتے ہیں یا دو متضاد چیزوں کا تضاد دور کر دیتے ہیں یا دو میں سے کسی ایک کو ترجیح دے لیتے ہیں لیکن ان کا یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ آج تک اسے معاف نہیں کیا گیا' یہ الگ بات ہے کہ میں اس قسم کے مواقع پر اپنے آپ کو اس شعر سے تسلی دے لیتا ہوں۔

اذا اتتك مذمتي من ناقص

فهي الشهادة لي باني كامل

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام نعمان اور والد محترم کا نام ثابت تھا' آپ کے خانوادے میں سب سے پہلے آپ کے دادا نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سیدنا علی مرتضیٰؓ مسند خلافت پر رونق افروز تھے' ایک مرتبہ آپ کے دادا اپنے بیٹے ثابت کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے' اس وقت ''ثابت''

بچے تھے، سیدنا علی مرتضیٰؓ نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے دعائے برکت کی جسے اللہ نے یقینی طور پر حضرت الامام کی صورت میں شرف قبولیت عطاء فرمایا۔

آپ کی پیدائش کوفہ میں ۸۰ھ میں ہوئی جہاں اس زمانے میں علم کی گرم بازاری پورے عروج پر تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے ہزاروں شاگرد نے اس نو آباد چھاؤنی کو ایسا بارونق اور علمی ذوق سے بھرپور شہر بنا دیا تھا جہاں پوری دنیا کے منتخب اور مُمتاز اہل علم قیام پذیر تھے، اسی وجہ سے طبعی طور پر فقہ حنفی کے اکثر مسائل مذکورہ دونوں صحابہؓ کی روایات ودرایت کے انتہائی قریب ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ خوش رو، خوش لباس، خوشبو پسند کرنے والے، خوش مجلس، نہایت کریم النفس اور اپنے رفقاء کے بڑے ہمدرد تھے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قد میانہ تھا، نہ بہت کوتاہ نہ زیادہ دراز، گفتگو نہایت شیریں، آواز بڑی دلکش اور وہ خود بڑے قادر الکلام تھے، عمرؒ امام اعظمؒ کے پوتے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کسی قدر دراز قامت تھے، آپ کے رنگ پر گندم گونی غالب تھی، اچھا لباس پہنتے، عام طور پر اچھی حالت میں رہتے، خوشبو کا اتنا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل وحرکت کا اندازہ خوشبو کی مہک سے ہو جاتا تھا بنیادی طور پر آپ ریشمی کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے اور آپ ماتحتی میں بے شمار ورکر اور کارکن کام کرتے تھے لیکن کبھی کسی کو امام صاحب سے شکایت نہیں ہوئی۔

امام صاحبؒ نے کم از کم چار صحابہ کرامؓ کو پایا ہے۔

۱۔۲۔ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کو کوفہ میں۔

۳۔ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ کو مدینہ منورہ میں۔ ۴۔ حضرت ابوالطفیل عامر بنؓ واثلہؓ کو مکہ مکرمہ میں۔

بعض حضرات نے یہ تعداد اس سے بھی زیادہ بیان کی ہے جیسا کہ عنقریب آپ مسند امام اعظم کے تعارف میں پڑھ آئے ہیں لیکن ہمارا مقصد صرف اتنی بات سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور ہم بجا طور پر امام صاحب ﷫ کو تابعین میں شمار کر سکتے ہیں۔

حضرت امام صاحبؒ کے فضائل ومناقب یوں تو بہت زیادہ ہیں اور ان کے سوانح نگاروں نے ان کا احاطہ بھی کیا ہے، اسی طرح ان پر کیے جانے والے سطحی اور بیکار اعتراضات بھی بہت زیادہ ہیں، جن میں سے ایک اہم ترین اعتراض ان کی محدثانہ حیثیت پر ہے، چونکہ یہ کتاب ان کی محدثانہ حیثیت اور شان وشوکت کا منہ بولتا ثبوت ہے اس لیے یہاں اس اعتراض کا جائزہ لینا ضروری ہے اور ہماری رائے میں حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنیؒ کی تحریر اس سلسلے میں بہت عمدہ اور مضبوط ہے، اس لیے ہم اسے ہی نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مولد و مدفن

آپ کی پیدائش کوفہ میں اور وفات بغداد میں ہوئی ہے، علمی پایہ کے لحاظ سے کوفہ ہمیشہ ممتاز شہر رہا ہے علامہ

کوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں اس کی مختصر تاریخی لکھی ہے ہم اس کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی کے ۱۷ھ میں بحکم امیر المومنین تعمیر کیا گیا تھا' اس کے ارد گرد فصحاء عرب بسائے گئے اور ان کے تعلیمی نظم و نسق کے لیے سرکاری طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا' ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو یہ لکھا تھا کہ ابن مسعودؓ کی مجھے یہاں خود بھی ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھ کر تمہاری تعلیم کے لیے ان کو بھیج رہا ہوں' انہوں نے یہاں بیٹھ کر عہد عثمانؓ کے آخری دور تک لوگوں کو قرآن پاک اور دین کے مسائل کی تعلیمی دی۔ ان کی تعلیمی جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض محدثین کے بیان کے مطابق اس نو آباد شہر میں چار ہزار علماء و محدثین پیدا ہو گئے حتی کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے تو علم کی یہ شان دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھے "اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے انہوں نے تو اس بستی کو علم سے بھر دیا۔ کوفہ بحالتِ موجودہ ہی کیا کم تھا کہ اس مدینۃ العلم کی آمد نے اسے اور چار چاند لگا دیئے' ایک سعید بن جبیر تنہا یہاں ابن عباسؓ کے علوم کا ایسا نسخہ موجود تھے کہ جب کوفہ والے ان کے پاس کوئی فتویٰ پوچھنے جاتے تو وہ فرماتے کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر موجود نہ تھے یعنی ان کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

شعبیؒ کے علم کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابن عمرؓ ان کو مغازی پر بحث کرتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے میں ان غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہ چکا ہوں مگر ان کی یادداشت ان کو مجھ سے بھی زیادہ ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کا تو کہنا ہی کیا ہے' ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ اہل نقد کے نزدیک ان کے سب مراسیل صحیح سمجھے جاتے ہیں' انہوں نے ابوسعید خدریؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کا زمانہ پایا ہے ابوعمران نے ان کو اپنے زمانہ کے تمام علماء سے افضل کہا ہے۔ ۹۵ء میں جب ان کی وفات ہوئی تو ابوعمران نے ایک شخص سے کہا آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ شخص کو دفن کر دیا' اس نے کہا کیا حسن بصریؒ سے بھی زیادہ؟ انہوں نے کہا ایک حسن بصریؒ سے نہیں بلکہ تمام اہل بصرہ' اہل کوفہ' اہل شام اور اہل حجاز سے بھی۔

شعبی کہا کرتے تھے کہ ابراہیم فقہ کے گھوارہ میں تو پیدا ہی ہوئے تھے اس کے بعد وہ ہمارے پاس آئے اور ہماری وہ حدیثیں جو بے غبار تھیں اپنی فقہ میں شامل کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔

مسروق جو کبار تابعین میں ہیں فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا خلاصہ میں نے ان چھ اشخاص میں دیکھا علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ابوالدرداءؓ، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم پھر نظر ڈالی تو ان سب کے علم کا خلاصہ پہلے دو شخصوں میں پایا' حضرت معاذ بن جبلؓ نے جو زبان رسالت سے اعلم بالحلال والحرام کا تمغہ حاصل کر چکے تھے اپنے خاص شاگرد عمرو بن میمون کو حکم دیا تھا کہ تحصیل علم کے لیے تم حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں کوفہ جاؤ۔

کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مصر میں آنے والے صحابہ کی تعداد محمد بن ربیع جیزی اور

سیوطی تین سو سے زیادہ پیش نہیں کر سکے' اس کے بالمقابل صرف ایک کوفہ میں عجلی پندرہ سو صحابہ کا قیام لکھ رہے ہیں جن میں ستر صحابہ بدری تھے' عراق کے بقیہ شہروں میں بسنے والے صحابہ کا ابھی ذکر نہیں ہے (اور یہ تعداد بھی کم ہے ورنہ جو مقام مرکزی چھاؤنی بنا دیا گیا ہو معلوم نہیں کہ وہاں کتنے اور صحابہ کا گزر ہوا ہوگا) رامہرمزی اپنی کتاب ''الفاصل'' میں قابوس سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں؟ یہ ابن مسعودؓ کے شاگرد تھے۔ فرمایا اے جان پدر! بات یہ ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خود ان کے پاس مسائل دریافت کرنے کے لیے آتا دیکھتا ہوں۔ شریح جو یہاں کے قاضی تھے ان کے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے ''اے شریح! اٹھو اور فیصلہ کرو کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو۔'' ان کے علاوہ تینتیس (۳۳) اشخاص یہاں اور بھی ایسے موجود تھے جو صحابہ کی موجودگی میں ارباب فتویٰ سمجھے جاتے تھے۔

اس دور کے بعد دوسرا دوران حضرات کے تلامذہ کا شروع ہوتا ہے ان کا عدد بھی ہزاروں سے متجاوز تھا' امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ دیر جماجم میں حجاج سے جنگ کرنے کے لیے ایک عبدالرحمٰن بن الاشعث کے ساتھ جو جماعت نکلی تھی اس میں چار ہزار کی تعداد صرف قراء تابعین کی تھی۔ رامہرمزی انس بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت وہاں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہا موجود تھے۔ نیز عفان[1] بن مسلم سے ناقل ہیں کہ جب ہم کوفہ پہنچے تو ہم نے وہاں صرف چار ماہ اقامت کی' حدیث کا وہاں یہ چرچا تھا کہ اگر ہم ایک لاکھ حدیثیں لکھنا چاہتے تو لکھ لیتے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثوں ہی پر اکتفاء کیا اور صرف وہی حدیثیں جمع کیں جو جمہور کے نزدیک مسلم تھیں انتہیٰ۔

اسی لیے مسلم ائمہ وحفاظ کو بھی طلب حدیث کے لیے کوفہ کا سفر کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اگر آج بھی آپ رجال کی کتابیں کھول کر بیٹھیں تو ہزاروں راوی آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے جن کی روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں۔ حتی کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں شمار نہیں کر سکتا کہ حدیث حاصل کرنے کے لیے کتنی بار کوفہ گیا ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو اگر مہبط وحی ہونے کا فخر حاصل تھا تو کوفہ کو ہزاروں صحابہ کے مرجع ومسکن ہونے کا بجا فخر حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کو دیگر بلاد اسلامیہ کے ساتھ اہل کوفہ کا تعامل بھی بڑی اہمیت سے نقل کرنا پڑا ہے۔ یہاں تک کہ امام ترمذیؒ نے فقہ کا کوئی باب کم چھوڑا ہے جہاں اعتناء کے ساتھ اہل کوفہ کا مذہب نقل نہ کیا ہو۔

---

[1] یہ عفان بن مسلم امام احمدؒ اور بخاریؒ وغیرہ کے شیخ ہیں۔ علی بن مدینی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی عادت تھی کہ اگر حدیث کے کسی حرف میں ان کو ذرا شبہ پڑ جاتا تو اسے سرے سے ترک کر دیا کرتے تھے۔ (تقریب) اب اندازہ فرمائیے کہ جب اس سخت شرط کے ساتھ پچاس ہزار حدیثوں کا ذخیرہ ان کو کوفہ میں مل سکتا ہے تو حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا مرتبہ کیا ہوگا۔

یہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مولد اور ان کا علمی گہوارہ جس کے آغوش میں رہ کر ان کی علمی پرورش ہوئی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جو فقہ اس سرزمین میں مدون کی گئی ہو وہ سرِ مو بھی کتاب وسنت سے تجاوز کر سکتی ہے۔

اخلاق کریمانہ

آپ ریشم کی تجارت کرتے تھے' قیس بن الربیع بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب مشائخ اور محدثین سے ایک رقم لے کر ان کے لیے بغداد سے سامان خریدتے اور کوفہ لا کر اسے فروخت کر دیتے اور سال بہ سال اس کا نفع اپنے پاس جمع رکھتے اور اس نفع سے محدثین کے خورد ونوش اور لباس وغیرہ کی ضروریات مہیا کرتے اس سے جو بچ رہتا وہ ان کے حوالہ کر دیتے اور کہتے کہ اسے اپنی دیگر ضروریات میں صرف کر لو اور خدا کا شکر ادا کرو' میرے شکر کی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے یہ مال اپنے پاس سے تو تم کو دیا نہیں تمہارے ہی مال کا نفع ہے' یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم ہے کہ اس نے اس کا ذریعہ مجھے بنا دیا ہے۔

حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ اہل مجلس میں سے ایک شخص پر امام صاحب نے خستہ لباس دیکھا اس سے کہا بیٹھ جاؤ۔ جب محفل برخاست ہوگئی اور یہ تنہا رہ گیا تو فرمایا مصلّیٰ اٹھا کر جو اس کے نیچے تم کو ملے وہ لے لو' اس نے جائے نماز اٹھائی تو نیچے ہزار درہم تھے' آپ نے فرمایا یہ لے لو اور اپنا لباس درست کر لو۔ وہ بولا میں خود صاحب وسعت ہوں' مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' فرمایا تو پھر اپنا حال ایسا بناؤ کہ تمہیں دیکھ کر تمہارے بھائی کو غم نہ ہو یہ حدیث تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنے نعمت وکرم کے آثار دیکھنا پسند کرتا ہے۔

جعفر بن عون بیان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے ایک ریشمین کپڑا آپ سے مانگا آپ نے ایک کپڑا اس کے لیے نکالا تو وہ بولی میں بڑھیا عورت ہوں اور یہ معاملہ امانت کا ہے' مناسب ہے کہ آپ کو جتنے میں پڑا ہے اسی قیمت میں میرے ہاتھ فروخت کر دیجیے۔ فرمایا چار درہم دے دے۔ اس نے کہا بڑھیا کا مذاق نہ بنائیے اور ٹھیک ٹھیک قیمت بتا دیجیے۔ آپ نے فرمایا میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ایک ہی کپڑے سے چار درہم کم میری پوری قیمت وصول ہوگئی تھی' اب یہ کپڑا مجھے چار ہی درہم میں بچ رہا ہے۔ [1]

ابن مبارک نے سفیان ثوریؒ سے پوچھا ابوحنیفہؒ غیبت کرنے سے بہت دور رہتے ہیں حتی کہ اپنے دشمن کی غیبت بھی نہیں کرتے؟ سفیانؒ نے جواب دیا ابوحنیفہؒ اس سے بالاتر ہیں کہ اپنی نیکیوں پر اپنے دشمن کو مسلط کریں۔ (کہ وہ قیامت کے دن اپنی غیبت کے بدلہ میں ان کی نیکیاں لے لے) [2]

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۱ و ۳۶۲۔

[2] خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۳۔

اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں' مفصل تذکروں میں دیکھے جا سکتے ہیں ان چند واقعات میں امام صاحبؒ کی صرف ہمدردی اور مساوات قابل غور نہیں ہے۔ دنیا میں سخی اور کریم اور بھی گزرے ہیں دیکھنا تو یہ ہے کہ یہاں آپ نے صرف ہمدردی نہیں کی بلکہ بے منت ہمدردی کرنے کے اصول بھی بتا دیئے۔ ہمدردی کا اخفاء محتاج کی حاجت روائی کرنا پھر اس کو سبک روح رکھنا اور ایسے طریقے نکال لینا جن سے اپنے نفس کو محسن اور محتاج کو ندامت کا خطرہ بھی نہ گزر سکے۔ سرِدست اس کی حاجت رفع ہو جائے اور آئندہ کے لیے اس کو سوال کی عادتِ بد بھی نہ پڑنے پائے۔ یہ ایک قیمتی سبق ہے جو ان چند واقعات سے ہم کو ملتا ہے۔

تحصیل علم

زفر بن ہذیل روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام اعظمؒ سے سنا ہے کہ مجھے علم کلام کا پہلے اتنا شوق تھا کہ میں اس علم میں شہرۂ آفاق ہو گیا تھا۔ حماد بن ابی سلیمان کا[1] حلقۂ درس میرے قریب تھا' ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس نے مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا ایک شخص کی بی بی باندی ہے وہ سنت کے موافق اسے طلاق دینا چاہتا ہے کتنی طلاقیں دے؟ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کیا جواب دوں۔ میں نے کہا حماد سے پوچھ اور واپس آ کر مجھے بھی بتا۔ وہ حماد کے پاس گئی' انہوں نے فرمایا جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو جماع کرنے سے پہلے اسے صرف ایک طلاق دینا چاہیے۔ جب دو حیض اور گزر جائیں تو پھر وہ اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اس نے واپس آ کر مجھ سے ان کا جواب نقل کیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ علم کلام بھلا کس کام کی چیز ہے اور اپنے جوتے اٹھا حماد کی خدمت میں حاضر ہو گیا وہ مسائل بیان کرتے' میں ان کو سنتا اور یاد رکھتا۔ جب دوسرے دن وہ تشریف لاتے پھر ان کا اعادہ فرماتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ میں نے ان مسائل کو صحیح ضبط کیا ہے اور ان کے دوسرے شاگردوں نے غلطیاں کی ہیں اس لیے انہوں نے فرمایا کہ میرے سامنے صدر مقام پر ابوحنیفہؒ کے سوا اور کوئی شخص نہ بیٹھے۔ دس سال مسلسل بلکہ ان کی وفات تک میں ان کے ساتھ رہا۔ حماد کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے تھے جب

---

[1] حماد ابراہیم نخعی کے خاص تلامذہ میں تھے۔ تاریخ اصبہان میں ابوالشیخ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن نخعی نے ان کو ایک درہم کا گوشت لانے کے لیے بازار بھیجا۔ زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی ادھر سے ان کے والد کہیں گھوڑے پر سوار آ رہے تھے یہ صورت دیکھ کر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور زنبیل لے کر ہاتھ سے پھینک دی۔ جب ابراہیم نخعیؒ کی وفات ہو گئی تو حدیث کے طلبہ ان کے والد (مسلم بن یزید) کے دروازہ پر آئے اور دستک دی' یہ چراغ لے کر باہر نکلے تو انہوں نے کہا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں۔ آپ کے فرزند حماد کی ضرورت ہے یہ خفیف ہو کر اندر تشریف لے آئے اور حماد سے کہا جاؤ بھئی باہر جاؤ' اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ مقام تمہیں ابراہیم کی زنبیل کی بدولت ہی نصیب ہوا ہے۔ ابن عدی نے ''الکامل'' میں نقل کیا ہے کہ حماد فرماتے تھے کہ میں قتادہ' طاؤس اور مجاہد سے ملا ہوں۔ جب ابراہیم نخعیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے مسائل کا حل کس سے کیا کریں تو انہوں نے حماد ہی کا نام لیا تھا۔ (مقدمہ زیلعی)

واپس تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ اس اثناء میں آپ کو زیادہ یاد کس کی رہی' میرا خیال تھا وہ یہی فرمائیں گے تیری لیکن انہوں نے ابوحنیفہؒ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابوحنیفہؒ سے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا۔

روایت مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کی عمر کا ابتدائی حصہ علم کلام میں صرف ہوا ہے اور زمانہ تلمذ سے ہی آپ کی کنیت ابوحنیفہؒ تھی یہ تحقیق نہیں ہوسکا کہ یہ کنیت امام صاحب نے خود اختیار کی تھی یا دوسروں نے آپ کی یہ کنیت مقرر کی تھی۔ اسی روایت سے امام صاحب کے صحت ذوق' سلامتی فطرت اور قوت حفظ کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے صرف درس حدیث کے صدرنشین نہ ہونے سے یہ خیال قائم کر لینا کہ آپ کا حفظ کمزور تھا بہت سطحی نظر ہے۔

ماخذ علم

خطیب بغدادی روایت کرتا ہے کہ امیر المومنین ابوجعفر نے امام صاحبؒ سے پوچھا آپ نے کن صحابہ کا علم حاصل کیا ہے؟ فرمایا عمر بن الخطاب' علی بن ابی طالب' عبداللہ بن مسعود اوعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردوں کا۔ فرمایا آپ نے تو بہت صحیح اور پختہ علم حاصل کیا' یہ ہستیاں بہت مبارک اور بڑی مقدس ہستیاں تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ظاہر ہے کہ میرے بعد اگر کوئی شخص نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں جن کو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ رہ گئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کی قرآن دانی اور قرآن فہمی امت میں ضرب المثل ہو چکی ہے اب سوچئے کہ جو علم اتنے جامع اور مضبوط ماخذ سے حاصل کیا گیا ہوگا وہ کتنا عمیق اور کتنا مستحکم ہوسکتا ہے۔ نفسیاتی طریق پر بھی مسائل حنفیہ کا مرجع یہی اصحاب ہونے چاہئیں' کوفہ جو امام اعظمؒ کا مسکن تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بسایا اور آباد کیا ہوا تھا پھر جو صحابی اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لیے سرکاری طور پر مقرر کیے گئے وہ ابن مسعودؓ ہی تھے۔ حضرت علیؓ کا تو کوفہ دارالخلافت ہی رہ چکا تھا اس لیے اہل کوفہ کے لیے ان اصحاب میں علمی کشش کے علاوہ ایک فطری کشش بھی موجود تھی۔ کسی مجتہد کے متعلق یہ خیال قائم کرنا کہ اس کے استفادہ کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہر ہر جزئی میں ایک مقلد کی طرح اتباع کرتا ہوگا انتہا درجہ کی ناواقفی ہے بلکہ اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ ان کے زیر تربیت رہ کر اس کا جو علمی مذاق اور انداز طبیعت قائم ہو چکا تھا' وہ ان حضرات ہی سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے اصول استنباط' اصول فکر' مصالح و مضار پر غور و خوض کا زاویۂ نظر سب ان ہی سے متحد تھا۔ اس لیے دونوں کے مجتہدات اور مسائل میں ایک قسم کی یک رنگی اور یکسانیت پیدا ہو جانا بھی ضروری امر تھا۔

اصول وعقائد

یحیٰ بن ضریس کہتے ہیں کہ میں سفیانؒ کے پاس حاضر تھا ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو امام صاحبؒ پر

کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے فرمایا اعتراض کیا ہوتا میں نے تو خود انہیں یہ فرماتے سنا ہے کہ میں سب سے پہلے قرآن کو لیتا ہوں اگر کوئی مسئلہ اس میں نہیں ملتا تو پھر سنت رسول اللہ ﷺ میں تلاش کرتا ہوں۔ اگر کتاب اللہ اور حدیث رسول دونوں میں نہیں ملتا تو پھر میں آپ کے صحابہ کے اقوال تلاش کرتا ہوں اور ان میں جو زیادہ پسند آتا ہے اسے اختیار کر لیتا ہوں مگر ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا ہاں جب تابعین کا نمبر آتا ہے تو پھر ان کا اتباع کرنا لازم نہیں سمجھتا جیسا انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کر لیتا ہوں۔[1]

ابو یوسف روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا خراسان میں دو قسم کے لوگ سب سے بدتر ہیں، جہمیہ اور مشبہہ۔ ابو یوسفؒ سے دوسری جگہ اس طرح منقول ہے کہ امام صاحب جہم بن صفوان کی مذمت کیا کرتے تھے اور اس کی باتوں پر نکتہ چینی فرماتے تھے۔ عبدالرحمان حمانی کہتے ہیں میں نے ابو حنیفہؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جہم بن صفوان کافر ہے، یحیٰی بن نصر کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ شیخین کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتے تھے ختنین سے محبت رکھتے تھے، تقدیر کے قائل تھے اور اس میں کوئی مین میخ نہیں نکالتے تھے مسح علی الخفین کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے اور متقی عالم تھے۔[2] ابو سلیمان جوز جانی اور معلی بن منصور رازی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ میں کسی نے قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا ہاں بشر مریسی اور ابن ابی دُاوٗد نے اس مسئلہ میں بحث شروع کی اور انہوں ہی نے امام صاحبؒ کے تلامذہ کو بدنام کیا۔[3]

محدثین کی نظروں میں امام اعظمؒ کی ثقاہت

امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مالکؒ پر رحمت نازل فرمائے اپنے وقت کے امام تھے، شافعیؒ پر رحمت نازل فرمائے اپنے وقت کے امام تھے۔ ابو حنیفہؒ پر رحمت نازل اپنے زمانہ کے امام تھے۔[4] امام احمدؒ جب کبھی امام ابو حنیفہؒ کے کوڑے کھانے اور قضاء قبول نہ کرنے کا واقعہ ذکر فرماتے تو رو پڑتے تھے اور امام صاحب کے لیے دعاء رحمت فرماتے۔[5]

حسن بن علی حلوانی شبابۃ سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کے بارے میں شعبہ اچھا خیال رکھتے تھے علی بن مدینی کہتے ہیں کہ امام صاحب سے ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشیم، وکیع، عباد، جعفر بن عون، جیسے اجلۂ محدثین نے روایت کی ہے وہ ثقہ ہیں ان کی روایت میں کوئی سقم نہیں۔ یحیٰی بن معین سے پوچھا گیا اے ابو زکریا (ان کی کنیت

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۸ [2] ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۷

[3] ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۸

[4] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۳

[5] تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۴

ہے) کیا ابو حنیفہؒ حدیث کے بارے میں سچے شمار ہوتے تھے انہوں نے فرمایا نہایت سچے اور بالکل صحیح روایت کرنے والے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا' کیا ابو حنیفہ کبھی خلاف واقع بھی حدیث روایت کرتے تھے؟ فرمایا محدثین ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے حق میں بڑی زیادتی کرتے ہیں۔ ان کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھی۔[1]

خطیب یحییٰ بن معین سے نقل کرتا ہے کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدیث روایت کرنے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے برابر یاد رہنی چاہیے اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا درست نہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ امام صاحب کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو دوبار فرمایا ثقہ ہیں' ثقہ ہیں۔ ایک مرتبہ یہ کہا کہ حدیث و فقہ میں ثقہ اور سچے ہیں اور خدا کے دین کے بارے میں بھروسہ کرنے کے قابل ہیں۔[2] خارجہ بن مصعب اور ابو وہب عابد کہتے ہیں کہ جو شخص مسح علی الخفین کا قائل نہ ہو یا ابو حنیفہؒ پر نکتہ چینی کرے وہ بلاشبہ ناقص العقل ہے۔[3]

حافظ ابن حجر شافعیؒ نے امام صاحب کے مناقب نقل کر کے یحییٰ بن معین سے اس کے خلاف کوئی نقل پیش نہیں کی اور آخر تذکرہ میں لکھا ہے کہ امام صاحبؒ کے مناقب بہت ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور جنت فردوس میں ان کو جگہ دے۔ ذہبی نے مناقب امام پر مستقل ایک تصنیف لکھی ہے۔

فقہ حنفی کا امتیاز

اس عنوان پر علامہ کوثری مصری نے زیلعی کے مقدمہ میں ایک مختصر مقالہ سپرد قلم کیا ہے' ہم یہاں اس کا اختصار ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

فقہ حنفی صرف ایک شخصی رائے نہیں بلکہ چالیس علماء کی جماعت شوریٰ کی ترتیب دادہ ہے۔ امام طحاویؒ اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کی یہ جماعت شوریٰ چالیس افراد پر مشتمل تھی جن میں ممتاز ہستیاں یہ تھیں۔ ابو یوسف' زفر بن الہذیل' داؤد الطائی' اسد بن عمرو' یوسف بن خالد السمتی (یہ امام شافعیؒ کے شیوخ میں ہیں) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ۔ خطیب نے امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں ان اسماء کا اور اضافہ کیا ہے۔ عافیہ ازدی' قاسم بن معن' علی بن مسہر' حبان' مندل۔

اسد بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف جوابات پیش کیے جاتے پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے' اسی طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن زیر بحث رہتا' اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا تھا۔ صیمری بیان فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ امام صاحب کے ساتھ

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹

[2] خطیب ج ۱۳ ص ۴۱۹ و ۴۲۰

[3] ایضاً ج ۱۳ ص ۳۶۴ و ۳۶۸

مسائل میں بحث و تمحیص کرتے اگر اس وقت قاضی عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو آپ فرماتے' ان کے آنے تک ابھی مسئلہ کا فیصلہ ملتوی رکھو جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کر لیتے تو امام صاحبؒ فرماتے اب اس کو لکھ لو۔ جب تک مسئلہ تحقیق و تفتیش کے مراحل طے نہ کر لیتا آپ اس کو لکھنے سے منع کرتے۔ یحیٰ بن معین ''التاریخ والعلل'' میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک دن امام ابو یوسفؒ سے فرمایا اے یعقوب جو کچھ مجھ سے سنا کرو اسے فوراً ہی نہ لکھ لیا کرو کیونکہ کبھی ایک مسئلہ کے متعلق میری رائے آج کچھ ہوتی ہے اور کل کچھ ہو جاتی ہے۔ اس روایت سے موفق مکی کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ امام صاحب کا مسلک شورائی مسلک ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنے تلامذہ پر اپنے مسائل تسلیم کرنے کے متعلق کبھی جبر نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس کی پوری آزادی دی کہ وہ بہت خوشی سے اپنی اپنی رائیں پیش کریں پھر اس پر خوب جرح وقدح ہو'اس کے بعد اگر سمجھ میں آ جائے تو اس کو قبول کر لیں۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کی مجلس شوریٰ نقلی و عقلی ہر دو لحاظ سے بہت مکمل مجلس تھی۔ اس میں اگر حفاظ و محدثین' عربیت و تفسیر کے جاننے والے تھے تو زفر بن ہذیل جیسے میزان عقل پر تولنے والے بھی موجود تھے۔ ان ہی اہل علم وفہم علماء کے تبادلۂ خیالات کا نتیجہ تھا کہ مسئلہ کا ہر پہلو اتنا صاف ہو جاتا تھا اس کے مصالح و مضار سب اس طرح سامنے آ جاتے تھے کہ زمانہ کی ہر ضرورت کی اس میں پوری پوری رعایت ہو جاتی تھی۔

خطیب امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے وکیع سے کہا ابو حنیفہؒ نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے۔ وکیع نے فرمایا ابو حنیفہؒ غلطی کر کیسے سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ ابو یوسفؒ و زفرؒ جیسے قیاس کے ماہر' یحیٰ بن ابی زائدہ' حفص بن غیاث' حبان و مندل جیسے حفاظِ حدیث اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے جاننے والے داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی شامل ہوں۔ اگر وہ غلطی کھائیں گے تو کیا یہ لوگ ان کی اصلاح نہ کریں گے۔ دراصل فقہ حنفی کی عام مقبولیت کا منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا مگر اس کا یہی کمال محدثین کی نظروں میں موجب نقصان بن گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ عام محدثین کا طور فکر بالکل اس سے جداگانہ تھا۔ وہ اس تمام غور و خوض کو رائے کی مداخلت تصور کرتے تھے اور وہ اس میں بڑی حد تک معذور بھی تھے' کیونکہ آئین شریعت کی اس طرح ترتیب و تشکیل کا امت میں یہ پہلا قدم تھا اسے اوپری نظروں سے دیکھا جانا چاہیے تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پھر شدہ شدہ دوسرے اماموں کو بھی اسی ترتیب کی ضرورت محسوس ہوئی حتیٰ کہ کوئی امام ایسا نہیں رہا جس کی فقہ بالآخر اسی مرتب شکل پر نہ آ گئی ہو مگر ''البادی اظلم'' کے قاعدہ کے موافق اصحاب[1] الرأی کا اولین مخاطب صرف حنفیہ رہ گئے۔

---

[1] ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن جو امام مالکؒ کے استاد ہیں اپنی اسی خدمت کی وجہ سے ربیعۃ الرأی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے عبدالعزیز بن ابی سلمۃ کہتے تھے اے اہل عراق تم تو ربیعۃ الرأی کہتے ہو اور خدا کی قسم ہے میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث شخص تھے مگر اس کے باوجود ان کی طرف رائے کی نسبت اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ ان کا لقب ہی ربیعۃ الرأی پڑ گیا تھا۔

یہ مسئلہ بہت اہم اور طویل الذیل ہے کہ فقہ حنفی کے امتیازی اصول کیا کیا ہیں اور کیا ان کو مداخلت رائے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام کا استقصاء اس مختصر تذکرہ میں نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر یہاں ہم صرف ایک دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن پر غور کرنے کے بعد آپ فقہ حنفی کی گہرائی معلوم کر سکیں گے اور اس کے بعد یہ یقین کرنا بھی آسان ہو جائے گا کہ محدثین کی فقہ حنفی سے برہمی اور حنفیہ کی معذوری دونوں اپنی اپنی جگہ بجا ہیں' امام شاطبیؒ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ بہت سے محدثین امام صاحب پر طعن کرنا اس لیے جائز سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک آپ نے بہت سی صحیح اخبار آحاد کو ترک کر دیا تھا۔ حالانکہ امام صاحبؒ کا ضابطہ یہ تھا کہ آپ پہلے خبر واحد کا اس باب کی دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے۔ قرآن کریم کے بیان سے بھی ان کو ملاتے تھے۔ اگر وہ قرآن کریم اوران احادیث کے بیان کے مطابق ہو جاتیں تو ان پر عمل کر لیتے ورنہ انہیں شاذ قرار دیتے اور عمل نہ کرتے۔''[1]

انصاف کیجیے کہ ایک آئینی نظر کے لیے آئین سازی کا یہ کتنا صحیح راستہ تھا مگر جن مزاجوں میں معیار صحت صرف اسناد ٹھیر گیا ہو وہ اس کا نام صحیح احادیث کا ترک رکھ لیتے تھے۔ اس کی بہت مشہور مثال حدیث مصراۃ ہے حنفیہ پر اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ لے دے کی گئی اور یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے محض اپنی رائے سے اس حدیث کو ترک کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حنفیہ نے تاوان کے وسیع باب میں' اس قسم کا تاوان کہیں نہ دیکھا اور اس لیے یہاں بھی اس باب کے عام ضابطہ ہی پر عمل کر لیا تو کچھ بے جا بھی نہیں کیا۔ بقول حافظ ابوعمرو کون ایسا ہے جس نے ہر باب کی ہر حدیث کو من وعن تسلیم کیا ہو' اپنے استقراء واجتہاد کے بعد جب ایک حدیث کو مختار و معمول بہ بنا لیا گیا تو اس کی مخالف حدیث میں سب نے تاویل وتوجیہ جائز قرار دی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ نے اکثر مواضع میں اصول کو جزئیات پر قربان نہیں کیا۔ جب کسی بات میں ان کے نزدیک صاحب شریعت سے ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو گیا تو پھر انہوں نے اس کے برخلاف جزئیات کو عموماً قابل تاویل سمجھا ہے۔ مثلاً انسانی حاجت کے لیے بیٹھنے کا ایک آئین یہ ہے کہ قبلہ کو اپنے سامنے یا پشت کی جانب نہ رکھنا چاہیے۔ اس ضابطہ کو حنفیہ نے پہلے منقول اور معقول ہر طریق پر جانچا تولا جب ان کے نزدیک ادب واحترام کا یہ آئین ثابت ہو گیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے صرف ایک جزئی واقعہ کی بنا پر کہ انہوں نے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاء حاجت کے لیے قبلہ کی جانب پشت کیے ہوئے بیٹھے دیکھا تھا' اس ضابطہ کلیہ کی تاویل نہیں کی بلکہ اس واقعہ ہی کی کوئی توجیہ کر لینا زیادہ مناسب سمجھا۔

دوسری مثال نماز میں بات کرنے کا مسئلہ ہے۔ عام طور پر احادیث سے نماز میں بات کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہاں کسی استثناء کی طرف ادنیٰ اشارہ نہیں ملتا صرف ایک ذوالیدین کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں کسی کو سہواً اور کسی کو عمداً بات چیت کرنے کی نوبت آ گئی تھی اس کے باوجود ان

---

[1] الموافقات ج ۳ ص ۲۴

کی نمازوں کو فاسد نہیں سمجھا گیا۔ دیگر ائمہ نے اس ایک جزئی واقعہ کی وجہ سے اصل قاعدہ ہی کی تخصیص و توجیہ شروع کر دی' جبکہ حنفیہ نے یہاں بھی قاعدہ میں کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ اس کو بدستور اپنے عموم پر قائم رکھا ہے اور اس ایک واقعہ ہی کی کوئی توجیہ یا تاویل کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جہاں حنفیہ نے قاعدہ کلیہ کے مقابلہ میں جزئیات ہی کی تاویل کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ ضابطہ ہمیشہ ایک رہتا ہے اور جزئیات منتشر' اس لیے تاویل کرنے والوں کی صف میں زیادہ پیش پیش حنفیہ ہی نظر آنے لگے اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کا نام ترک حدیث رکھ لیجیے یا عمل بالحدیث رکھئے۔ اسی قسم کے امتیازات کی بناء پر ہر دور میں امت کا نصف حصہ اسی فقہ پر عمل پیرا رہا ہے اور اسی اصولی نظر کی وجہ سے حنفی فقہ میں اتنی لچک ہے کہ اتنی دوسری فقہ میں نہیں اگر علماء انسانوں کی ضرورت اور دین حنیف کی سہولت کو پیش نظر رکھتے تو ان کو حنفی کتاب الحیل پر اتنا غصہ نہ آتا اور نہ وہ حنفیہ کو محض رائے کا مقلد قرار دیتے۔

امام اعظمؒ کا علمی پایہ

شداد بن حکیم فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم نے امام صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ وکیع فرماتے ہیں میں کسی عالم سے نہیں ملا جو ابوحنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے بہتر نماز پڑھتا ہو۔ نضر بن شمیل کہتے ہیں لوگ علم فقہ سے بے خبر پڑے ہوئے تھے' ابوحنیفہؒ نے آ کر انہیں بیدار کیا۔ یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں ہم خدا کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے' واقعی بات یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ سے بہتر فقہ ہم نے کسی کی نہیں سنی اور اس لیے ان کے اکثر اقوال ہم نے بھی اختیار کر لیے ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ فتوے میں یحییٰ بن سعید کوفیوں کا قول اختیار کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں جسے علم فقہ میں مہارت حاصل کرنا ہو اسے لازم ہے کہ ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کو نہ چھوڑے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں ان کے محتاج ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ فقہ تو بس امام ابوحنیفہؒ ہی کی ہے جعفر بن ربیع کہتے ہیں میں پانچ سال ابوحنیفہؒ کی خدمت میں رہا' ان جیسا خاموش انسان میں نے نہیں دیکھا۔ ہاں جب ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو اس وقت کھل جاتے اور دریا کی طرح بہنے لگتے تھے۔ عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ اہل اسلام پر فرض ہے کہ وہ اپنی نمازوں کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے لیے دعا کیا کریں اور ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے امت کے لیے آنحضرت ﷺ کی سنتیں اور مسائل فقہ جمع کر کے رکھ دیئے ہیں۔ روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ میں ابن جریج کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انہیں امام صاحبؒ کی وفات کی خبر پہنچی' انہوں نے فوراً انا للہ کہا اور فرمایا افسوس کیسا عجیب علم جاتا رہا۔ اسی سال ابن جریج کا بھی انتقال ہوا ہے۔[1]

---

[1] خطیب' مناقب امام

علم فقہ کا انتخاب

جو شخص امام صاحبؒ کے مناظرات و حالات سے ذرا بھی واقف ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ امام صاحب کو جمیع علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ علم کلام سے آپ کی ابجد شروع ہوتی ہے اور حدیث و تفسیر و فقہ تو آپ کا مشغلہ ہی تھا۔ مورخ ابن خلکان آپ کے متعلق یہ لکھتا ہے "ولم یکن یعاب بشیء سوی قلة العربیة" یعنی آپ پر قلت عربیت کے سوا اور کوئی نکتہ چینی نہیں کی گئی۔ اس کے اسباب بھی جو کچھ ہیں وہ تحقیق کے بعد کچھ نہیں رہتے لیکن ہم اس سلسلہ میں ان چند اسباب کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن کی بناء پر امام صاحبؒ نے دیگر علوم کی بجائے علم فقہ کو اپنا دائمی مشغلہ بنا لیا تھا۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ جو شخص حدیث و قرآن نہیں جانتا وہ فقہ سے بھی کوئی مجتہدانہ مذاق نہیں رکھتا۔

ہمارے نزدیک اس موقعہ پر اختیاری اسباب کے ساتھ کچھ قدرتی اسباب بھی ایسے پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے فقہ ہی آپ کا سب سے بڑا مشغلہ ہو جانا چاہیے تھا۔ مناقب موفق اور تاریخ خطیب میں مذکور ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد علم فقہ کی مہارت کے لحاظ سے جن پر نظریں پڑتی تھیں وہ حماد بن ابی سلیمان مفتی کوفہ تھے جب تک یہ بقید حیات رہے لوگ ان کی وجہ سے دوسروں سے بے نیاز رہے لیکن جب ان کی وفات ہو گئی تو اب اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ان کا کوئی دوسرا جانشین ہو ادھر ان کے تلامذہ کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ ان کے محترم استاد کا نام اور ان کا علم کہیں ختم نہ ہو جائے۔ حماد کے ایک فرزند تھے جو اچھے عالم تھے' ان پر اتفاق ہو گیا کہ انہیں اپنے والد کی مسند پر بٹھا دیا جائے۔ ابوبکر نہشلی اور ابوبردہ وغیرہ جو ان کے شاگرد تھے اب ان کے پاس آنے جانے لگے لیکن ان حضرات پر شعر و سخن کا ذوق غالب تھا یہ اس جگہ کو نبھا نہ سکے' پھر لوگوں کا خیال ابوبکر نہشلی کی طرف گیا ان سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ابو بردہ کی خدمت میں یہ مسند پیش کی گئی مگر انہوں نے بھی انکار کیا۔ آخر لوگوں نے امام صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا میرا دل یہ نہیں چاہتا کہ علم فنا ہو جائے اس لیے ان کی درخواست کو منظور کر لیا اور مسند افتاء پر بیٹھ گئے۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱)

واقعہ یہ ہے کہ جب مفتی کوفہ کی مسند پر بیٹھنے کے لیے قدرت نے امام صاحب ہی کو انتخاب کیا ہو تو اس جگہ کوئی دوسرا کیسے بیٹھ سکتا تھا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ امام ابو حنیفہ وہی ہیں جن کے سامنے جب منصب قضاء پیش کیا گیا تو ہر سختی و ذلت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے مگر منصب قضا قبول نہ کیا اور یہی ہیں کہ جب ان سے ایک آزاد علمی خدمت کی درخواست کی گئی تو فوراً قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بہرحال اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ اتفاقات

سماویہ کی بناء پر علم کی جو مسند امام صاحب کے لیے مخصوص ہو چکی تھی وہ علم نبوت ہی کی گہرائیوں میں شناوری کی مسند تھی۔ اس لیے قدرتی طور پر آپ کا مشغلہ فقہ ہی بن جانا چاہیے تھا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے اعمش نے ایک مسئلہ دریافت کیا اس وقت میرے اور ان کے سوا وہاں کوئی اور موجود نہ تھا۔ میں نے اس کا جواب دیا انہوں نے فرمایا اے یعقوب یہ جواب تم نے کس حدیث سے اخذ کیا ہے۔ میں نے کہا اسی حدیث سے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی انہوں نے فرمایا یعقوب! یہ حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے سے یاد تھی مگر میں آج تک اس کا یہ مطلب نہ سمجھ سکا تھا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ اعمش اور امام صاحب کے درمیان بھی پیش آیا ہے۔ عبیداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں اعمش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص ان کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا' وہ اس کا جواب نہ دے سکے دیکھا تو وہاں ابوحنیفہؒ بھی بیٹھے ہوئے تھے فرمایا اے نعمانؒ اس کے متعلق تم کچھ بولو انہوں نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے۔ اعمشؒ نے فرمایا کہاں سے کہتے ہو؟ امام صاحبؒ نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے روایت کی تھی۔ اس پر اعمش نے کہا نحن الصیادلة وانتم الاطباء (تم لوگ اطباء ہو اور بھئی ہم تو عطار ہیں) یعنی عطار کے پاس صرف دواؤں کا اسٹاک ہوتا ہے وہ اس کی ترکیب وخواص نہیں جانتا' اطباء ان کے اثرات اور ترکیب بھی جانتے ہیں۔[1]

خطیب بغدادی امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ان سے اعمش نے پوچھا کہ آپ کے استاذ نے عبداللہ کا یہ مسئلہ کیوں ترک کر دیا کہ باندی کے آزاد ہونے سے اس پر طلاق ہو جاتی ہے' انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی اسی حدیث کی بناء پر جو آپ نے ان سے بواسطہ ابراہیم واسود کے نقل فرمائی تھی کہ بریرہ جب آزاد ہو جائیں تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے پہلے نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کر دیں اس پر اعمش نے کہا بے شبہ ابوحنیفہؒ نہایت سمجھدار شخص ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اعمشؒ کو امام صاحب کا یہ استنباط بہت پسند آیا تھا۔[2]

امام ترمذیؒ اپنی جامع میں غسل میت کے مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں وکذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحدیث۔ فقہاء نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے اور حدیث کے مطالب یہی لوگ زیادہ سمجھتے ہیں۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حدیث وفقہ دو علیحدہ چیزیں نہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ محدث کے نزدیک الفاظ حدیث کا حفظ مقدم ہوتا ہے اور فقیہ کے نزدیک ان کے معانی کا فہم مقدم۔

---

۱ جامع بیان العلم ص ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱

۲ خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۱

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب نے شغل فقہ صرف امت کے نفع کی خاطر اختیار فرمایا تھا اور بجا اختیار فرمایا تھا۔ الفاظ حدیث تو محفوظ ہو ہی چکے تھے اب جس خدمت کی ضرورت تھی وہ استخراج و استنباط مسائل اور ان کی آئینی تشکیل و ترتیب ہی کی تھی۔ محدثین ہزاروں موجود تھے لیکن فقہ کا یہ مقام خالی پڑا ہوا تھا اس لیے امام صاحب نے اس خالی گوشہ کو پُر کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ امام صاحب فن حدیث و قرآن سے ناآشنا تھے' ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ محدثین اگر الفاظ حدیث کے ذمہ دار ہیں تو فقہاء اس کے صحیح استعمال کے جاننے والے ہیں وہ عطار ہیں تو یہ اطباء' فقہ کا تمام تار و پود قرآن و حدیث سے ہی قائم ہے۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ کبار ائمہ کی قلت روایت کو ان کی علم حدیث سے بے بضاعتی کی دلیل سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ شریعت کا ماخذ کتاب و سنت ہی ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی شرعی مسائل کے استنباط و ترتیب کا ارادہ کرے گا اس کے لیے کتاب و سنت کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ امام صاحب کی قلت روایت کا مبنیٰ اس علم سے بے بضاعتی نہ تھی بلکہ درحقیقت روایت و تحمل کے وہ شرائط تھے جن کا معیار آپ نے عام محدثین سے بہت بلند قائم کیا تھا۔ اس لیے آپ کے لیے روایت کا میدان بھی زیادہ وسیع نہیں رہا تھا۔ امام صاحب کے علم حدیث میں ماہر اور مجتہد ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ محدثین کے درمیان آپ کی فقہ ہمیشہ بنظر اعتبار دیکھی گئی ہے ایک طرف جہاں امام احمدؒ و امام شافعیؒ کا مسلک نقل کیا گیا ہے اسی کے پہلو بہ پہلو امام صاحب کا مسلک بھی نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ محدثین کے نزدیک آپ کی فقہ بھی اسی درجہ پر معتبر تھی جیسا کہ دیگر فقہاء محدثین کی' خلاصہ یہ کہ رد و قبول کے اعتبار سے اس کا زیر بحث رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ کی فقہ بھی دیگر محدثین کی فقہ کی صف میں رہنے کے قابل تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر ایک جماعت اسے قبول کرتی رہی تو دوسری جماعت ترک کرتی رہی۔[1]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی صحیح مراد اور اس میں مسائل کے مآخذ امام صاحب سے زیادہ جاننے والا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا بعض مرتبہ میں آپ کی رائے چھوڑ کر کسی حدیث کے ظاہر پہلو کو اختیار کر لیتا تو بعد میں مجھے تنبہ ہوتا کہ حدیث کی صحیح مراد سمجھنے میں امام صاحب کی نظر مجھ سے زیادہ گہری تھی۔[2]

اسرائیل جو مسلم ائمہ حدیث میں ہیں امام صاحب کی مدح میں بطریق تعجب فرماتے ہیں نعمان کیا خوب شخص ہیں جو احادیث مسائل فقہیہ سے متعلق ہیں وہ ان کو کیسی محفوظ ہیں اور کس خوبصورتی سے وہ ان سے مسائل فقہ استنباط فرماتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ محدثین میں وکیع اور یحییٰ بن سعید القطان جیسے اشخاص امام اعظم کی فقہ کے مطابق فتوے

---

[1] مقدمہ ص ۳۱۲۔
[2] خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۰

دیتے تھے حافظ ابن عبدالبر یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں۔

وکان (وکیع) یفتی برأی ابی حنیفة وکان یحفظ حدیثه کله وکان قد سمع من ابی حنیفة حدیثا کثیرا۔ [1]

وکیع امام صاحب کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام حدیثیں یاد کیا کرتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔

امام صاحب کے اساتذۂ محدثین کی جو تعداد علماء نے لکھی ہے وہ ہزاروں تک پہنچی ہے لیکن چونکہ دیگر محدثین کی طرح خود امام صاحبؒ نے باضابطہ روایت حدیث کے حلقے قائم نہیں کیے اور ترویج فقہ کو ترجیح دی' اس لیے بعد کے زمانہ میں آپ کی شان محدثیت نظری بن کر رہ گئی۔

محدثین کو امام صاحبؒ سے وجہ نکارت

تاریخ کا یہ بھی ایک تعجب خیز ورق ہے کہ وہ ایک طرف تو امام صاحب کی تعریف وتوصیف میں بکھری جاتی ہے' وہ جلی حروف میں یہ لکھ جاتی ہے کہ آپ عہد صحابہ میں پیدا ہوئے ورع وتقویٰ' جود وسخا' علم وفضل' خرد وعقل کے تمام کمالات آپ میں جمع تھے۔ ائمہ میں امام اعظمؒ آپ کا لقب تھا محدثین وعلماء کا ایک جم غفیر ہمیشہ آپ کے زمرۂ مقلدین میں شامل رہا اور امت مرحومہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق پر دیانت وعقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ کی ذات میں لگا نہیں دیتی۔

خطیب بغدادی نے پورے سو صفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے۔ پہلے امام صاحب کے مناقب میں صفحہ کے صفحہ رنگ دیے ہیں اس کے بعد پورے ۵۴ صفحات پر آپ کی ذات میں وہ وہ نکتہ چینیاں نقل کی ہیں جو دنیا کے پردہ پر کبھی کسی بدتر سے بدتر کافر پر بھی نہیں کی جا سکتیں۔ ایک متوسط عقل کا انسان ان متناقض بیانات کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کوئی انسان بھی ایسے دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے یا پھر عیوب کی یہ طویل فہرست صرف مخترع حکایات اور صریح بہتان ہے۔ مورخ ابن خلکان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تنقید کی ہے۔

وقد ذکر الخطیب فی تاریخه منها شیئا کثیرا ثم اعقب ذلك بذکر ما کان الالیق ترکه والاضراب عنه فمثل هذا الامام لا یشك فی دینه ولا فی ورعه ولا فی حفظه ولم یکن یعاب بشیء سوی قلة العربیة (ج۲ص۱۶۵)

---

[1] جامع بیان العلم ج۲ ص۱۴۹

یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے اس کے بعد ایسی ناگفتنی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا کیونکہ امام اعظمؒ جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہ کیا جا سکتا ہے، نہ حفظ ورع میں، آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی کا کلام یہاں نہایت منصفانہ ہے کیونکہ تنقید کا یہ شاخسانہ صرف ایک امام صاحب کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ اور ائمہ تک بھی پھیلتا چلا گیا ہے۔ اگر ذرا نظر کو اور وسیع کیجیے تو پھر صحابہ کا استثناء بھی مشکل نظر آتا ہے۔ غصہ اور مسرت انسانی فطرت ہے۔ ان دونوں حالتوں میں انسان کے الفاظ کا صحیح توازن قائم نہیں رہا کرتا اسی لیے غصہ کے حال میں فیصلہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے یہ صرف ایک نبی کی شان ہے جس کے منہ سے غضب ورضا کے دونوں حالوں میں بجے تلے الفاظ ہی نکلتے ہیں اب اگر انسانوں کے صرف ان جذباتی پہلوؤں سے تاریخ مرتب کر لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پھر صحابہ کے الفاظ صحابہ کے متعلق اور ائمہ کے ائمہ کے متعلق بھی ایسے مل سکتے ہیں جن کے بعد امت کا یہ مقدس گروہ بھی زیر تنقید آ سکتا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر نے امام شعبی کا کیسا بصیرت افروز مقولہ نقل کیا ہے۔

قال الشعبی حدثنا هم بغضب اصحاب محمد (ﷺ) فاتخذوه دینا۔[1]

شعبیؒ فرماتے ہیں ہم نے تو لوگوں سے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے باہمی غصہ کی حکایات نقل کی تھیں انہوں نے اٹھا کر انہیں عقائد کی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔

اس کے سوا دوسری مشکل یہ ہے کہ محدثین کے جو مبہم الفاظ آج کتب میں مدون نظر آتے ہیں کسے فرصت ہے کہ ان کے اصل معنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے ایک مرتبہ امام صاحب اعمش کی عیادت کے لیے گئے۔ اعمش نے کچھ روکھا پن دکھلایا اور امام صاحب کے متعلق کچھ غصہ کے الفاظ کہے۔ اس اخلاق پر اعمش کا یہ رویہ آپ کو ناگوار گزرا اور گزرنا چاہیے تھا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا اعمش نہ تو رمضان کے روزے رکھتا ہے اور نہ کبھی جنابت سے غسل کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی امام دین پر ان الفاظ کو کتنا ہی چسپاں کیجیے مگر چسپاں نہیں ہو سکتے اگر کہیں ان الفاظ کی تشریح ہمارے سامنے نہ ہوتی تو معلوم نہیں کہ اس مقولہ سے ہمارے خیالات کتنا کچھ پریشان ہو جاتے لیکن جب ان الفاظ کی مراد ہاتھ آ گئی تو آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ ائمہ غصہ کے حال میں بھی ایک دوسرے کے متعلق عوام کی طرح بے سروپا کلمات منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں جب فضل بن موسیٰ سے اس کا مطلب دریافت کیا گیا (اس واقعہ میں وہ امام صاحب کے ساتھ ساتھ تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ اعمش التقاءِ ختانین سے غسل کے قائل نہ تھے بلکہ جمہور کے خلاف اسی مسئلہ پر عمل کرتے تھے جس پر کبھی ابتداء اسلام میں عمل کیا

---

[1] الروض الباسم ج ا ص ۱۴۸

گیا تھا یعنی انزال کے بغیر غسل واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ طلوع فجر کے بعد روشنی پھیلنے تک سحری کھانا درست ہے' ان دو مسئلوں کے لحاظ سے امام صاحب کی یہ دونوں باتیں بھی درست تھیں اور اعمش کا عمل بھی اپنے مختار کے مطابق درست تھا۔[1]

اگر اسی طرح امام کے حق میں بھی بہت سے مشہور مقولوں کی مرادیں تلاش کی جائیں تو ہاتھ آ سکتی ہیں اور اس کے بعد اصل بات بھی اتنی قابل اعتراض نہیں رہتی جیسا کہ الفاظ کی سطح سے معلوم ہوتی تھی۔ کتب تذکرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے محدثین کی ناراضگی کا بڑا سبب صرف اختلاف مذاق تھا نہ کہ اختلاف مسائل امام صاحب کے دور تک عام مذاق یہ تھا کہ مسائل کے متعلق بہت ہی محدود پیمانہ پر غور و خوض کیا جاتا تھا' صرف پیش آمدہ واقعات کا شرعی حکم وہ بھی بڑی احتیاط کے ساتھ معلوم کر لیا جاتا اس کے بعد مسئلہ کی فرضی صورتوں سے بحث کرنا ایک لایعنی مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ خطیب بغدادی نے یہاں ایک بہت دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔

نضر بن محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ قتادہ کوفہ آئے اور ابو بردہ کے گھر اترے' ایک دن باہر نکلے تو لوگوں کی بھیڑ ان کے اِرد گرد جمع ہو گئی۔ قتادہ نے قسم کھا کر کہا آج جو شخص بھی حلال و حرام کا کوئی مسئلہ مجھ سے دریافت کرے گا میں اس کا ضرور جواب دوں گا۔ امام ابو حنیفہؒ کھڑے ہوئے اور سوال کیا اے ابو الخطاب (ان کی کنیت ہے) آپ اس عورت کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کا شوہر چند سال غائب رہا اس نے یہ یقین کر کے کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے اپنا دوسرا نکاح کر لیا اس کے بعد اس کا پہلا شوہر بھی آ گیا اب آپ اس کے مہر کے متعلق فرمائیے کیا فرماتے ہیں اور جو بھیڑ ان کو گھیرے کھڑی تھی ان سے مخاطب ہو کر کہا اگر اس مسئلہ کے جواب میں یہ کوئی حدیث روایت کریں گے تو وہ غلط روایت کریں گے اور اگر اپنی رائے سے فتوے دیں گے تو وہ بھی غلط ہو گا۔ قتادہ بولے کیا خوب! کیا یہ واقعہ پیش آ چکا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا پھر جو مسئلہ ابھی تک پیش نہیں آیا اس کا جواب مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو' امام صاحب نے فرمایا کہ ہم حادثہ پیش آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کرتے ہیں تا کہ جب پیش آ جائے تو اس سے نجات کی راہ معلوم رہے۔ قتادہ ناراض ہو کر بولے خدا کی قسم ہے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ اب میں تم سے بیان نہیں کروں گا۔ ہاں کچھ تفسیر کے متعلق پوچھنا ہو تو پوچھو' اس پر امام صاحب نے ایک تفسیری سوال کیا قتادہ اس پر بھی لاجواب ہوئے اور ناراض ہو گئے۔ آخر کار غصہ ہو کر اندر تشریف لے گئے۔[2]

ابو عمرو نے سلف کے اس مذاق کی شہادت پر بہت سے واقعات لکھے ہیں اور بے شبہ علم و تقویٰ کے اس دور میں مناسب بھی یہ تھا لیکن جب مقدر یہ ہوا کہ علم کا بازار سرد پڑ جائے' ورع و تقویٰ کی جگہ جہل و فریب لے لے ادھر روز مرہ نئے سے نئے واقعات پیش آنے لگیں تو اس سے پہلے کہ جہلاء شریعت میں دست اندازی شروع کر دیں یہ بھی مقدر

[1] دیکھو جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۷ [2] خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۸

ہو گیا کہ شریعت کی ترتیب وتہذیب ایسے ائمہ کے ہاتھوں ہو جائے جنہوں نے صحابہ و تابعین کے دور میں پرورش پائی ہو' انصاف کیجیے اگر قتادہ کے زمانہ کی یہ احتیاط اسی طرح آئندہ بھی چلی جاتی تو کیا شرعی مسائل اسی ضبط وصحت کے ساتھ جمع ہو جاتے جیسا کہ اب جمع ہوئے۔ درحقیقت یہ امام صاحب کی بڑی انجام بینی اور امت کی بروقت دستگیری تھی کہ آپ نے ان کے سامنے شریعت کو ایک مرتب آئین بنا کر رکھ دیا' اسی لیے عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ امت پر آپ کا یہ حق ہے کہ وہ آپ کے لیے نمازوں کے بعد دعائیں کیا کریں۔ یہ خدمت اپنی جگہ خواہ کتنی ہی ضروری اور بروقت سہی مگر واقعہ یہ ہے کہ تھی محدثین کے مذاق کے خلاف۔ جس دور میں آثار ومرفوعات کو علیحدہ علیحدہ ضبط کرنا بھی عام دستور نہ ہو اس دور میں صرف ابواب فقہیہ کی اونچی اونچی تعمیریں کھڑا کر دینا کب قابل برداشت ہوسکتا تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب مسائل منصوصہ سے آپ ذرا قدم ادھر ادھر ہٹائیں گے تو آپ کو اجتہاد سے کام لینا ہوگا۔ ایسے دور میں جہاں خاموشی کے ساتھ عمل کرنے کے علاوہ ایک قدم ادھر ادھر اٹھانا بھی قابل اعتراض نظر آتا ہو' احادیث وآیات کے اشارات' دلالات اور اقتضاء سے ہزاروں مسائل اخذ کر کے ان کو احادیث سے ایک علیحدہ شکل دے دینا کب گوارا کیا جا سکتا تھا۔ آخر جب آپ کا دور گزر گیا تو بعد کے علماء کے سامنے صرف پہلے علماء کی ان ناگواریوں کی نقل باقی رہ گئی۔ پھر استادی وشاگردی کے تعلقات نے حقایق کو ایسا پوشیدہ کر دیا کہ جس نے جہم کو کافر کہا تھا اسے خود جہمی اور کافر کہا گیا۔ جس نے کتاب وسنت کے مقابلہ میں اپنی رائے ترک کرنے کی وصیت تھی اسی پر کتاب وسنت کی مخالفت کرنے کی تہمت رکھی گئی ہاں اگر خوش قسمتی سے ماحول کے تاثرات سے نکل کر کسی اللہ کے بندہ نے تحقیق کی نظر ڈالی تو بہت جلد اس کی آنکھوں سے یہ حجاب اٹھ گیا اور اس نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا ورنہ تاریخ ان ہی افواہوں پر چلتی رہی جو استادی وشاگردی کے انسلاک سے علماء کے حلقوں میں گشت لگا رہی تھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی میں اس کے متعلق مختلف خیالات قائم ہو سکتے ہیں اور فیصلہ کی راہ آسانی سے نہیں نکل سکتی' بہت سی زبانیں اس کی موافقت اور بہت سی اس کی مخالفت میں بولتی ہیں تو اس کی وفات کے بعد جبکہ اس کی شخصیت بھی سامنے نہیں رہتی فیصلہ کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ اسماء الرجال کے فن میں تاریخ کی اس تاریکی کو دور کرنے کی سعی کی گئی ہے اور ایک معتدل مزاج انسان کے لیے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا مشکل بھی نہیں رہا لیکن تاریخ کی جو نقول اوراق میں درج ہو چکی ہیں' اس سے ہر خیال کا انسان اگر مزاجی اعتدال نہیں رکھتا تو اپنے خیال کے موافق فائدہ اٹھانا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس لیے اسماء الرجال کی پیدا کردہ روشنی تاریخ کی پھیلائی ہوئی تاریکی کے دور کرنے میں بسا اوقات ناکام ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ امام صاحب پر جرح کرنے والوں کی صف پر نظر ڈالیں گے تو ان میں زیادہ تر آپ کو وہی افراد نظر آئیں گے جو آپ کے عہد حیات کے بعد پیدا ہوئے ہیں یا نرے محدث ہیں فقاہت سے زیادہ بہرہ ور نہیں صرف سنی ہوئی خبریں ان تک پہنچیں اور وقتی ماحول کی وجہ سے باور کر لی گئیں۔ یوں تو

امام صاحب کے تلامذہ کا دائرہ بھی کچھ مختصر نہ تھا ایک ابوالمحاسن شافعی کی تحریر کی بناء پر ان کی جو تعداد نام ونسب کی قید کے ساتھ ثابت ہوتی ہے وہ نو سو آٹھ تک پہنچتی ہے لیکن ان میں اکثر شاگرد بسلسلۂ فقہ تھے۔

کاش آپ کا درس حدیث کا حلقہ بھی اسی پیمانہ پر قائم ہو جاتا تو شاید امام کی تاریخ کا نقشہ آج آپ کو کچھ دوسرا نظر آتا۔ چنانچہ جس حنفی نے بھی اس شغل کو قائم رکھا ہے اس کے ساتھ تاریخ زیادہ بے دردی کا سلوک نہیں کرسکی۔

ذیل کے ایک ہی واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ افواہ کیا ہوتی ہے اور جب حقیقت سامنے آجاتی ہے تو پھر اس کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

عبداللہ بن المبارکؒ کہتے ہیں کہ میں شام میں امام اوزاعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے مجھ سے پوچھا اے خراسانی کوفہ میں یہ کون بدعتی شخص پیدا ہوا ہے جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے یہ سن کر میں گھر واپس آیا اور تین دن لگ کر امام صاحب کے عمدہ عمدہ مسائل انتخاب کئے۔ تیسرے دن اپنے ہاتھ میں کتاب لے کر آیا یہ اپنی مسجد کے امام ومؤذن تھے انہوں نے دریافت کیا یہ کیا کتاب ہے؟ میں نے ان کے حوالہ کر دی۔ اس میں وہ مسئلے بھی ان کی نظر سے گزرے جن کے شروع میں میں نے یہ لکھ دیا تھا ''اورنعمان اس کے متعلق یہ فرماتے ہیں'' اذان دے کر جب کھڑے وہ کتاب کا ابتدائی حصہ دیکھ چکے تو کتاب اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لی' اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی پھر نکالی اور پڑھنا شروع کی یہاں تک کہ ختم کر دی پھر مجھ سے پوچھا اے خراسانی یہ نعمان کون شخص ہیں؟ میں نے عرض کیا ایک شیخ ہیں' ان سے عراق میں میری ملاقات ہوئی تھی' فرمایا یہ تو بڑے پایۂ کے شیخ ہیں جاؤ ان سے اورعلم سیکھو۔ اب میں نے کہا جی یہ تو وہی ابوحنیفہؒ ہیں جن کے پاس جانے سے ابھی آپ نے مجھے منع کیا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ امام صاحبؒ کے متعلق انہوں نے سن کیا رکھا تھا اور جب حقیقت سامنے آئی تو بات کیا نکلی اس لیے خارجی شہادات اور واقعات سے آنکھیں بند کرکے صرف کالے کالے حروف سے تاریخ مرتب کرنا کوئی صحیح عمل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انسان میں حسد وتنافس کا بھی ایک کمزور پہلو موجود ہے اس کی بدولت بہت سے تاریخی حقایق پوشیدہ ہوکر رہ گئے ہیں۔ سوء اتفاق سے یہاں یہ سب باتیں جمع ہوگئی ہیں۔

عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں' میں نے حسن بن عمارہ کو امام ابوحنیفہؒ کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے دیکھا' وہ امام صاحبؒ کی توصیف کرتے ہوئے یہ بھی کہہ رہے تھے کہ لوگ آپ کے متعلق صرف ازراہ حسد چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ حافظ ابن ابی داوُدؒ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا حاسد یا ان کی شان سے ناواقف' میرے نزدیک ان دونوں میں ناواقف شخص پھر غنیمت ہے۔ وکیع کہتے ہیں کہ میں امام صاحبؒ کے پاس آیا دیکھا تو سر جھکائے کچھ فکر مند سے بیٹھے ہیں۔ مجھ سے پوچھا کدھر سے آرہے ہو میں نے کہا قاضی شریک کے پاس سے۔ آپ نے سر اٹھا کر یہ اشعار پڑھے

ان يحمدوني فاني غير لائمهم
قبلي من الناس اهل الفضل قد حسدوا
فدام لي ولهم مابي ومابهم
ومات اكثرنا غيظا بما نجد

اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو کریں میں تو انہیں کچھ ملامت نہیں کروں گا کیونکہ اہل فضل پر مجھ سے پہلے بھی لوگ حسد کرتے آئے ہیں میرا اور ان کا ہمیشہ یہی شیوہ رہے گا اور ہم میں اکثر لوگ حسد کر کر کے مر گئے ہیں۔

وکیع کہتے ہیں شاید امام صاحبؒ کو ان کی طرف سے کوئی بات پہنچی ہو گی اس لیے انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

جعفر بن الحسن' ابو عمر کے شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا بخش دیا۔ میں نے کہا علم وفضل کے طفیل میں' کہا بھئی فتویٰ تو مفتی کے لیے بڑی ذمہ داری کی چیز ہے۔ میں نے کہا پھر؟ فرمایا' لوگوں کی ان ناحق نکتہ چینیوں کے طفیل میں جو لوگ مجھ پر کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ مجھ میں نہ تھیں۔ (جامع بیان العلم۔ ج۲ص۲۶۶)

ابو عمر تحریر فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے امام صاحب کے حق میں بڑی زیادتی کی ہے اور حد سے بہت تجاوز کیا ہے آپ پر جو زیادہ سے زیادہ نکتہ چینی کی گئی ہے وہ صرف ان دو باتوں پر' ایک آثار کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کا اعتبار کرنا' دوسری ارجاء کی نسبت حالانکہ جس جگہ امام صاحب نے کسی اثر کو ترک کیا ہے کسی نہ کسی موزوں تاویل سے کیا ہے۔ اس کی نوبت بھی ان کو اس لیے آئی ہے کہ انہوں نے مسائل میں بیشتر اپنے اہل بلد کا اعتبار کیا ہے جیسے ابراہیم نخعیؒ اور ابن مسعودؓ کے تلامذہ' اس سلسلہ میں مسائل کی صورتیں فرض کرنے پھر اپنی رائے سے ان کے جوابات دینے اس پر اس کو مستحسن سمجھنے میں آپ نے اور آپ کے تلامذہ نے بھی افراط سے کام لیا ہے ان وجوہ سے سلف میں ان سے مخالفت پیدا ہوگئی ورنہ میرے نزدیک اہل علم میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جسے کسی حدیث کے اختیار کرنے کے بعد کسی نہ کسی حدیث کا ترک یا تاویل یا دعویٰ نسخ کرنا لازم نہ آیا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ دوسروں کو ایسا موقعہ کم پیش آیا ہے اور امام صاحبؒ کو زیادہ۔ اس پر ان کے ساتھ حسد اور بہتان کی مصیبت مزید براں ہے۔ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے ستر مسئلے مجھے ایسے معلوم ہیں جو سنت کے خلاف ہیں امام مالکؒ نے صرف اپنی رائے سے نکالے ہیں اس بارے میں ان سے خط و کتابت بھی کر چکا ہوں۔ ابو عمر کہتے ہیں علماء امت میں یہ حق تو کسی کو حاصل نہیں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث صحت کو پہنچ جائے تو وہ اس کی سند میں طعن یا اسی درجہ کی حدیث سے دعویٰ نسخ یا اس کے مقابلہ میں امت کا اجماع پیش کیے بغیر اس کو ترک کر دے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ اس کو دین کا امام مانا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ سے روایت کرنے

والوں اور آپ کو ثقہ کہنے والوں کی تعداد ان سے زیادہ ہے جنہوں نے آپ پر نکتہ چینی کی ہے پھر جنہوں نے نکتہ چینی کی بھی ہے تو وہ صرف ان ہی دو باتوں پر کی ہے جو ابھی مذکور ہوئیں پھر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ مشہور تھا کہ بزرگی و برتری کا یہ بھی ایک معیار ہے کہ اس کے متعلق لوگ افراط و تفریط کی دو راہوں پر نکل جائیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، یہاں بھی ایک جماعت افراط اور دوسری تفریط میں مبتلا نظر آتی ہے۔[1] آخر میں حافظ ابو عمر بطور[2] قاعدہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عدالت صحت کے درجہ کو پہنچ چکی ہو، علم کے ساتھ اس کا مشغلہ ثابت ہو چکا ہو۔ کبائر سے احتراز کرتا ہو، مروت اور ہمدردی اس کا شعار ہو، اس کی بھلائیاں زیادہ ہوں اور برائیاں کم تو ایسے شخص کے بارے میں بے سروپا الزامات ہرگز قابل نہیں ہوں گے[3] سچ تو یہ ہے کہ مخلوق نے جب اپنی زبان خالق سے بند نہیں کی تو اب ہمہ وشما سے اس کی توقع فضول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار دعا کی اے پروردگار بنی اسرائیل کی زبان سے میرا پیچھا چھڑا دے وحی آئی جب میں نے مخلوق کی زبان اپنے نفس سے، بند نہیں کی تو تم سے کیسے بند کر دوں۔[4]

نوٹ: حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحریر ہم نے سیر الصحابہ سے من وعن نقل کر دی ہے، چونکہ حضرت کا اسلوب تحریر نہایت عمدہ ہے اس لیے قارئین کو اگر بعد کے صفحات میں وہ عمدہ اسلوبِ تحریر مفقود نظر آئے تو وہ اس میں مؤلف کو معذور سمجھیں کیونکہ یہ تو ایک مسلمہ اصول ہے۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

❀❀❀

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ و ۱۴۹

[2] اس قاعدہ کی پوری تفصیل کے لیے طبقات الشافعیہ میں احمد بن صالح مصری اور حاکم کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔ انہوں نے اس کے ہر گوشہ پر تفصیلی بحث کر دی ہے اور اس مجمل ضابطہ میں جس جس قید و شرط کی ضرورت تھی سب ذکر کر دی ہیں۔

[3] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۲

[4] ایضاً ج ۲ ص ۱۶۱۔

باب سوم

﴿تعارف کتاب﴾

حضرت الامام کی اس کتاب عظیم کا تعارف تو خیر ہم جیسا ہیچ مدان کیا کروا سکتا ہے تاہم اس سے قبل چند تمہیدی باتیں اور کچھ مقدمات ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ ابتدائی باتیں بھی معلوم ہو جائیں اور تعارف کتاب میں ہمیں ان کا تعاون بھی حاصل ہو جائے۔

(۱) علم حدیث میں ''سند'' کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس کے بغیر کسی حدیث کو قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا درجہ متعین کیا جا سکتا ہے اس لیے سب سے پہلے سند کی تعریف معلوم ہونا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے

"الطريق الموصل الى المتن"

''وہ راستہ جو متن تک پہنچا دے۔''

اسے ایک مثال سے سمجھئے، مسند امام اعظم کی پہلی حدیث اس طرح ہے:

"أَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ يَحْيٰى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" الخ

''اس میں ''الاعمال بالنیات'' حدیث کا متن ہے جس تک امام ابوحنیفہؒ کی رسائی اس لڑی سے ہوئی ہے جس کے نام اس میں مذکور ہیں یعنی یحییٰ، محمد بن ابراہیم التیمی، علقمہ بن وقاص لیثی اور سیدنا فاروق اعظمؓ، اسی لڑی کو عربی میں ''سند'' کہا جاتا ہے اور سند بیان کرنے کو ''اسناد'' کہتے ہیں اور سند مکمل ہونے کے بعد نبی علیہ السلام کا جو ارشاد یا واقعہ مذکور ہوتا ہے، اسے متن کہتے ہیں۔

یاد رکھیے! کہ سند میں جن راویوں کا نام آتا ہے اگر محدثین کو ان کی قوت حافظہ، امانت و دیانت، ضبط و اتقان، عقل و شعور اور شخصیت پر تحفظات اور اعتراضات ہوں تو ایسی روایت کا درجہ کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے، اور اگر محدثین کو ان پر اطمینان و اعتماد ہو تو ان کی روایت بھی قابل اعتماد قرار پاتی ہے، رہی یہ بات کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ کس راوی کے بارے میں محدثین کی کیا رائے ہے؟ تو اس کے لیے اس فن کی بے شمار کتب موجود ہیں اور ''اسماء الرجال'' کے نام

پر ایجاد کیا جانے والا عظیم اور بے مثل فن ایک ایک راوی کے حالات زندگی کی نقاب کشائی کے لیے کافی سے زیادہ ہے جس میں صرف راوی حدیث ہی سے بحث نہیں کی جاتی' بلکہ یہ تک دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کن استاذوں سے علم حاصل کیا ہے اور اس کے شاگرد کون لوگ ہیں؟

اسی لیے علماء کرام سند اور طلب سند کو اس امت کی خصوصیات میں شمار کرتے ہیں کیونکہ امت مرحومہ سے پہلے کسی امت میں اس چیز کا اہتمام نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کی طرف کوئی توجہ دی گئی۔

(۲) اہل اصول کے یہاں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ سند میں جتنے راوی کم ہوں گے' اس کا درجہ اتنا ہی زیادہ ہوگا اور اس حدیث کو صحت کے اتنا ہی قریب سمجھا جائے گا اور سند میں جتنے راوی زیادہ ہوں گے' اس کا درجہ اتنا ہی کم ہوگا اور وہ صحت سے اتنی ہی دور ہوگی۔

چنانچہ وہ روایات جن میں راوی اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو اور وہ بھی صحابیؓ کا' ان کا درجہ بقیہ تمام روایات سے اونچا ہوگا' اور ایسی روایات کو اصلاح محدثین میں ''وحدانیات'' کہا جاتا ہے' یہیں سے بعض دوسری اقسام حدیث کی تعریف بھی معلوم ہو جاتی ہے چنانچہ

ثنائیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف دو واسطے ہوں۔

ثلاثیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف تین واسطے ہوں۔

رباعیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی علیہ السلام کے درمیان چار واسطے ہوں۔

خماسیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی علیہ السلام کے درمیان پانچ واسطے ہوں۔

سداسیات: ان روایات کو کہتے ہیں جن میں راوی اور نبی علیہ السلام کے درمیان چھ واسطے ہوں۔

مسند امام اعظم کی خصوصیات و امتیازات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں کئی احادیث ''وحدانیات'' کے درجے تک پہنچی ہوئی ہیں یعنی ان میں حضرت الامام اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف صحابیؓ کا واسطہ ہے اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو ائمہ اربعہ میں سے امام صاحبؒ کے علاوہ کسی دوسرے امام حتی کہ امام مالکؒ کو بھی حاصل نہیں۔ مسند امام اعظم کی ایسی روایات کی تعداد سات ہے جبکہ بعض علماء کی رائے کے مطابق ان کی تعداد چار ہے اور اگر مسند امام اعظم کے علاوہ دوسری کتابوں سے بھی امام صاحبؒ کی وحدانیات کو جمع کر لیا جائے تو ان کی تعداد تقریباً ۲۰ تک پہنچ جاتی ہے چنانچہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ نے ''عشرین لابی حنیفۃ'' کے نام سے ایک چھوٹے سے رسالے میں ان تمام احادیث کو جمع فرمایا ہے۔

''وحدانیات'' کے بعد دوسرا درجہ ''ثنائیات'' کا آتا ہے' اس میں امام صاحبؒ کے ساتھ صرف امام مالکؒ شریک ہیں' صحاح ستہ کے مؤلفین تو بڑی دور کی بات' امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ تک کو یہ شرف حاصل نہیں ہے' مسند امام

اعظم میں ایسی روایات کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے جو علیحدہ کتابی شکل میں تخریج حدیث کے ساتھ الامام الاعظم ابو حنیفه و الثنائیات فی مسانیده کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہے' امام صاحبؒ کی یہ روایات عام طور پر بارہ سندوں سے آئی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔	ابوحنیفہ'	عن ابی الزبیرؒ	عن جابر	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔	ابوحنیفہ'	عن نافع	عن ابن عمر	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۳۔	ابوحنیفہ'	عن عبداللہ بن ابی حبیبہ'	عن ابی الدرداء	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۴۔	ابوحنیفہ'	عن عبدالرحمٰن'	عن ابی سعید	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۵۔	ابوحنیفہ'	عن عطیۃ	عن ابی سعید	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۶۔	ابوحنیفہ'	عن شداد بن عبدالرحمٰن	عن ابی سعید	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۷۔	ابوحنیفہ'	عن عطاء	عن ابی سعید	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۸۔	ابوحنیفہ'	عن عاصمؒ	عن رجل من اصحابہ	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۹۔	ابوحنیفہ'	عن عون	عن رجل من اصحابہ	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۰۔	ابوحنیفہ'	عن محمد بن عبدالرحمٰن	عن ابی امامۃ	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۱۔	ابوحنیفہ'	عن مسلم الاعور	عن انس بن مالک	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۲۔	ابوحنیفہ'	عن محمد بن قیس	عن ابی عامرؓ	عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ثنائیات کے بعد تیسرا درجہ ''جو دیگر محدثین و اصحاب صحاح کے یہاں سند عالی کا پہلا اور اہم ترین درجہ ہے'' ثلاثیات کا ہے' ایسی احادیث کی تعداد بخاری شریف جیسی کتاب میں صرف ۲۲ بائیس ہے جنہیں بفضلہٖ تعالیٰ راقم الحروف نے ''ثلاثیات بخاری'' کے نام سے یکجا کر کے رسالے کی صورت میں شائع بھی کروا دیا ہے جبکہ مسند امام اعظم میں ایسی روایات کی تعداد تین سو سے بھی زیادہ ہے۔

ثلاثیات کے بعد چوتھا درجہ ''رباعیات'' کا ہے جس سے نیچے کی سند مسند امام اعظمؒ میں شاذ و نادر ہی کہیں آئی ہوگی' ایسی روایات کی تعداد مسند امام اعظم میں تقریباً ڈیڑھ سو ہے۔

(۳) امام صاحب کی یہ مسند متعدد کبار شیوخ کی سند سے نقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے' آج کل درسِ نظامی میں علامہ حصکفیؒ کا روایت کردہ نسخہ شامل نصاب ہے' پہلے یہ نسخہ شیوخ کی ترتیب پر مرتب تھا لیکن اس سے استخراج حدیث میں کافی مشکلات پیش آتی تھیں' اس لیے علامہ عابد سندھیؒ نے اسے ابواب فقہیہ کی ترتیب پر مرتب کر دیا تاکہ استخراج حدیث اور استنباط مسائل آسان ہو جائے' گویا اس وقت مسند امام اعظم کا جو نسخہ ہمارے ہاتھوں میں ہے'

وہ علامہ عابد سندھیؒ کی ترتیب ہے اور اسے علامہ حصکفیؒ نے امام صاحبؒ سے روایت کیا ہے۔

امام حصکفیؒ کا مختصر تعارف

آپ کا پورا نام صدر الدین موسیٰ بن زکریا بن ابراہیم بن محمد بن صاعد ہے' آپ کی پیدائش دیار بکر کے ایک شہر ''حصن کیفا'' میں ہوئی' اسی کی طرف نسبت کر کے آپ کو ''حصکفی'' کہا جاتا ہے' جبکہ ملا علی قاریؒ کی رائے کے مطابق آپ کا صحیح تلفظ ''حصفکی'' خاء کے ساتھ ہے جس میں فاء پہلے ہے' کاف بعد میں ہے۔

آپ کی نوجوانی کے ایام قاہرہ اور حلب میں گزرے' حافظ دمیاطیؒ کو آپ کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ خود حافظ دمیاطیؒ نے اپنے شیوخ کے معاجم میں ان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ آپ کا انتقال قاہرہ ہی میں ۶۵۰ھ میں ہوا۔

(۴) محدثین کا یہ اصول ہے کہ جب بھی کوئی حدیث پڑھنا شروع کرتے ہیں تو اس کے آغاز میں ''وبہ قال حدثنا'' کہتے ہیں اس لیے ہمیں ہر حدیث کے آغاز میں ''وبہ قال حدثنا'' کہنا چاہیے۔

❀❀❀
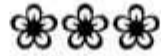
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمين' والصلوة والسلام على سيد المرسلين' وآله ائمة الدين' وصحبه سرج الاسلام والمسلمين اما بعد! فيقول اضعف عباد الله الغنى محمد عابد بن احمد على بن القاضى محمد مراد الواعظ السندى الانصارى' تاب الله عليه انه هو التواب الرحيم' لما كان مسند الامام الاعظم والهمام الاقدم ابى حنيفة النعمان رضی اللہ عنہ من رواية الخصفكى مرتبا على اسماء شيوخه بحسب ما روى عنهم رحمهم الله تعالىٰ وكان استخراج الحديث منه مشكلا' خصوصًا لمن لا يدرى شيخ الامام فى ذلك الحديث اردت ان ارتبه على الابواب الفقهية ليسهل البحث فيه' مستعينا بالله انه مفيض الخير والجود

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے' اور رحمت کاملہ وسلامتی کا نزول ہو اس ہستی پر جو تمام پیغمبروں کی سیادت کا شرف رکھتی ہے' ان کی اس آل پر جو دینی قائدین ہیں اور ان کے ان صحابہ پر جو اسلام اور اہل اسلام کے روشن چراغ ہیں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد! بے نیاز خدا کا سب سے کمزور ترین بندہ محمد عابد بن احمد علی بن قاضی محمد مراد' واعظ' سندھی انصاری عرض کرتا ہے "اللہ اس پر اپنی خصوصی توجہ فرمائے کیونکہ وہ بہت متوجہ ہونے اور بہت رحم کرنے والا ہے" کہ چونکہ امام اعظم ہمام اقدم امام ابوحنیفہ کا وہ مسند جو امام خصفکی کی روایت سے نقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے' ان کے شیوخ کے اسماء گرامی پر بحسب روایت مرتب تھا' جس کی بناء پر اس سے حدیث تلاش کرنا بہت مشکل تھا' خاص طور پر ان حضرات کے لیے جو مطلوبہ حدیث میں اسماء شیوخ سے ناواقف ہوتے تھے' اس لیے میں نے اللہ سے مدد کی درخواست کرتے ہوئے ارادہ کر لیا کہ اس مسند کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر مرتب کر دوں تاکہ اس سے حدیث تلاش کرنا آسان ہو جائے' اللہ ہی خیر وسخاوت کا حقیقی فیضان فرمانے والا ہے۔

حل عبارت: سرج' سراج کی جمع ہے بمعنی چراغ' ارتبہ' باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے "لما كان مسند الامام" شرط ہے اور اس کی جزاء "اردت ان ارتبه" ہے' مستعينا بالله کا تعلق "اردت" کے ساتھ ہے اور اصل عبارت یہ ہے "اردت مستعينا بالله"

مفہوم: اس عبارت میں "اما بعد" سے لے کر آخر تک صرف ایک بات ہی بیان کی گئی ہے اور وہ ہے "وجہ تصنیف کتاب" یا زیادہ صحیح الفاظ میں "وجہ ترتیب جدید" کہ میں نے اس کتاب کو اس جدید انداز میں اور نئے پیرہن میں اہل علم کے سامنے اس لیے پیش کیا کہ اس کے قدیم نسخوں سے کماحقہ فائدہ اٹھانا بہت مشکل ہو گیا تھا کیونکہ اس کتاب کی سابقہ

ترتیب اسماء شیوخ کے اعتبار سے تھی' اب جسے ان سے کچھ مناسبت تھی وہ تو اپنا مقصد حاصل کر لیتا تھا لیکن ایسے لوگ بہت کم رہ گئے تھے اور جسے ان سے کچھ مناسبت بھی نہ تھی اور وہ کتاب ہذا سے مستفید بھی ہونا چاہتے تھے تو انہیں اس میں مشکلات پیدا ہوتی تھیں اور ایسے لوگ بہت زیادہ تھے' چنانچہ میں نے علامہ حصکفیؒ کی اس ترتیب کو بدل کر اسے موجودہ متداول کتب کی ترتیب میں فقہی ابواب پر مرتب کر دیا۔

اب یہ کتاب ۳۳ کتابوں اور اس کے مختلف ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے' جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ کتاب الایمان ۲۔ کتاب العلم

۳۔ کتاب الطھارۃ ٤۔ کتاب الصلوٰۃ

٥۔ کتاب الزکوٰۃ ٦۔ کتاب الصوم

۷۔ کتاب الحج ۸۔ کتاب النکاح

۹۔ کتاب الاستبراء ۱۰۔ کتاب الرضاع

۱۱۔ کتاب الطلاق ۱۲۔ کتاب النفقات

۱۳۔ کتاب التدبیر ۱٤۔ کتاب الایمان

۱٥۔ کتاب الحدود ۱٦۔ کتاب الجهاد

۱۷۔ کتاب البیوع ۱۸۔ کتاب الرهن

۱۹۔ کتاب الشفعه ۲۰۔ کتاب المزارعه

۲۱۔ کتاب الفضائل ۲۲۔ کتاب فضل امته صلی اللہ علیہ وسلم

۲۳۔ کتاب الاطعمة والاشربة ۲٤۔ کتاب اللباس والزینة

۲٥۔ کتاب الطب ۲٦۔ کتاب الادب

۲۷۔ کتاب الرقاق ۲۸۔ کتاب الجنایات

۲۹۔ کتاب الاحکام ۳۰۔ کتاب الفتن

۳۱۔ کتاب التفسیر ۳۲۔ کتاب الوصایا والفرائض

۳۳۔ کتاب القیامة وصفة الجنة

اس فہرست پر نظر ڈالیے اور پھر صحیح بخاری یا صحیح مسلم اور بقیہ کتب صحاح کی فہرست کے ساتھ اس کا تقابل کیجیے' ہر منصف مزاج آدمی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ بلاشبہ امام صاحبؒ اپنے وقت ہی کے نہیں بعد کے تمام زمانوں کے لیے بھی محدث اعظم ہیں۔

(۱) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی، چنانچہ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو وہ سمجھ لے کہ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہوئی ہے اور جس شخص کی ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت سے شادی کی خاطر ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

حل عبارت: **الاعمال** پر الف لام استغراقی ہے اور ہر کسی قسم کا عمل اس میں شامل ہے، **ھجرت** باب نصر ینصر کا مصدر ہے، اور یہ ظاہری بھی ہوتی ہے اور باطنی بھی، ظاہری ہجرت ترک وطن کا نام ہے اور باطنی ہجرت ترک معاصی کا نام ہے "**فمن کانت ھجرتہ**" میں "**ھجرت**" اسم کانت ہے اور اس کی خبر مقصودۃ محذوف ہے اور "**فھجرتہ**" مبتدا ہے جس کی خبر "**مقبولۃ**" محذوف ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخارى: ١، ٥٤، ٢٥٢٩، ٣٨٩٨، ٥٠٧٠، ٦٦٨٩، ٦٩٥٣، ومسلم: ٤٩٠٤، وابوداؤد: ٢٢٠١، والترمذى: ١٦٤٧، والنسائى: ٧٥، ٣٤٣٧، ٣٨٠٣، وابن ماجه: ٤٢٢٧، واحمد: ١٦٨، والطيالسى: ٣٧، والحميدى: ٢٨ والبزار: ٢٥٧، وابن خزيمة ١٤٢.

سند پر بحث: یوں تو تمام محدثین اپنی اپنی کتاب کا آغاز تبرک کے طور پر اسی حدیث سے کرتے ہیں اور اسی طریقہ محدثین کی پیروی کرتے ہوئے امام صاحبؒ نے اپنی اس کتاب کا آغاز بھی اسی حدیث سے کیا ہے، لیکن یہاں ہمیں جس نکتے کی طرف متوجہ کرنا ہے، وہ اس کے راویان حدیث ہیں، آپ گن کر دیکھ لیجئے، اس حدیث میں امام صاحبؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان چار واسطے ہیں گویا یہ "رباعیات" میں سے ہے لیکن یہی روایت جب بخاری شریف میں آتی ہے تو یہ "سداسیات" میں شامل ہو جاتی ہے کیونکہ امام بخاریؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان اس حدیث کی روایت میں چھ راویوں کا واسطہ موجود ہے اب یہ فیصلہ آپ خود کر لیجئے کہ کم واسطوں والی روایت کا درجہ زیادہ اونچا ہوگا یا زیادہ واسطوں والی روایت کا۔

پھر اس نکتے پر بھی غور فرمایئے کہ امام صاحبؒ کی سند میں جن راویوں کا نام آیا ہے، امام بخاریؒ کی سند میں بھی وہی نام ہیں، البتہ فرق یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید انصاری امام صاحبؒ کے براہ راست استاذ ہیں اور امام بخاریؒ کے دو واسطوں سے استاذ بنتے ہیں۔

مفہوم: اس حدیث کے ما لہ و ما علیہ پر کچھ مختصر بحث تو گزشتہ کتابوں میں ذکر کی جا چکی ہے اور کچھ آئندہ کتابوں میں خصوصاً دورۂ حدیث شریف میں آ جائے گی یہاں اختصار کے ساتھ چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

ا۔ حضور نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ کے قلب منور و مطہر پر وحی کا جو سلسلہ اللہ کی طرف سے شروع کیا گیا، اس کا بنیادی مقصد اس بات کی وضاحت تھی کہ کون سے اعمال اختیار کر کے انسان اپنے خالق و مالک کے قریب ہو سکتا ہے اور کون سے اعمال اختیار کر کے وہ اللہ کے قرب سے محروم ہو جاتا ہے، اسی مناسبت سے امام صاحبؒ نے اعمال والی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز فرمایا۔

۲۔ محدثین نے اس حدیث کو خبر متواتر قرار دیا ہے جو کہ اثبات احکام شرعیہ میں آیات قرآنیہ کی طرح ہوتی ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ حدیث تواتر لفظی کے معیار پر تو کسی طرح پوری نہیں اترتی کیونکہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں اس کی روایت صرف حضرت عمر فاروقؓ نے فرمائی ہے حضرت عمرؓ سے نقل کرنے والے بھی ایک ہی راوی ہیں یعنی علقمہ، علقمہ سے نقل کرنے والے بھی ایک ہی راوی ہیں یعنی محمد بن ابراہیم، اور محمد بن ابراہیم سے نقل کرنے والے بھی ایک ہی راوی ہیں یعنی یحییٰ بن سعید، آگے یحییٰ بن سعید سے نقل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے چنانچہ محمد بن علی النقاش کی رائے کے مطابق یحییٰ سے اس روایت کو نقل کرنے والوں کی تعداد ۲۵۰ افراد تک پہنچتی ہے، ابوالقاسم بن مندہ نے تین سو سے زائد نام شمار کروائے ہیں اور حافظ ابو اسمٰعیل انصاری ہروی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث تلامیذ یحییٰ میں سے سات سو افراد سے لکھی ہے، اس لیے اسے ہم زیادہ سے زیادہ تواتر معنوی کے درجے پر رکھ سکتے ہیں کیونکہ چار لڑیوں تک اسے نقل کرنے والے راوی ہر زمانے میں صرف ایک رہے ہیں جبکہ تواتر کے لیے یہ شرط ہے کہ ہر زمانے میں اس کے راوی اتنی بڑی مقدار میں رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عقلاً محال ہو۔

یہاں ایک لطیفہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، ابھی آپ نے پڑھا کہ یہ حدیث سات سو سندوں سے بھی روایت ہوئی ہے، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ جنہیں دنیا ''حافظ الدنیا'' کے نام سے جانتی ہے، فتح الباری ج ۱ ص ۴۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ میں جب سے طلب حدیث کے مشغلہ میں مصروف ہوا ہوں، اس وقت سے لے کر آج تک تمام کتب حدیث کو چھاننے کے باوجود میرے پاس اس حدیث کی جو مختلف سندیں اکٹھی ہوئی ہیں، ان کی تعداد سو تک بھی نہیں پہنچتی جبکہ اس کے علاوہ بعض دوسری روایات سو سے بھی زائد اسناد سے منقول ہیں اس لیے اس قول کی صحت میں مجھے استبعاد معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ اس حدیث کے پس منظر اور شان ورود کے طور پر یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی، اس عورت نے ہجرت کی شرط سے اپنے نکاح کو مشروط کر دیا، چنانچہ اس شخص نے ہجرت کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے اس شخص کو ''مہاجر ام قیس'' کے نام سے پکارا جانے لگا کیونکہ اس عورت کی شناخت ''ام قیس'' کے نام سے ہی ہوتی تھی، بعض علماء نے اس عورت کا نام ''قیلہ'' بتایا ہے لیکن اس پر جزم ظاہر نہیں کیا جاتا، بہرحال! جب یہ سارا ماجرا نبی علیہ السلام کے علم میں آیا تو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے، وہ

اس حدیث کی شکل میں ہمارے سامنے آئے۔

لیکن احقر راقم الحروف اس سلسلے میں ایک واسطے سے اپنے استاذ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے ذوق صحیح کا عاشق ہے جو اس موقع پر انہوں نے اپنی صحیح بخاری کی شرح فضل الباری ''جو اگر پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتی تو یقیناً صحیح بخاری کا جو قرض اردو زبان پر چڑھا ہوا ہے' بڑی حد تک ادا ہو جاتا'' میں تحریر فرمایا ہے' حضرت ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''لیکن ہم کو یہ حسن ظن ہے کہ اس نے فقط ام قیس سے شادی کرنے کی نیت سے ہجرت نہیں کی تھی' کیونکہ وہ مومن اور صحابی تھا' اس کے متعلق ہم ایسا عتقاد نہیں رکھتے بلکہ جس طرح کبھی کبھی ایک عمل میں متعدد پہلوؤں کی نیت ہوتی ہے' ایسے ہی اس کی ہجرت محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے تو تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ نکاح کی نیت بھی مخلوط تھی' چونکہ صحابہ کرامؓ کا زمانہ تھا اور قاعدہ ہے کہ ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' یعنی ابرار کے لیے جو نیکیاں شمار ہوں گی' مقربین کے لیے وہ گستاخی اور گناہ تصور ہوں گے' بڑے لوگوں کا معاملہ بڑا ہی ہوتا ہے' اس لیے وہ بیچارے ذرا سے قصور کی وجہ سے سب کا نشانۂ انگشت بن گئے' اور حضور ﷺ کو ناگوار گزرا کیونکہ اتنی سی بات بھی صحابہ کی شان کے خلاف تھی۔ (فضل الباری ج۱ ص۱۳۹)

کتاب الایمان والاسلام والقدر والشفاعة

یہ کتاب ایمان' اسلام' تقدیر اور شفاعت کے بیان پر مشتمل ہے

(۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ يَحْيىٰ بْنِ يَعْمُرٍ قَالَ بَيْنَا مَعَ صَاحِبٍ لِّيْ بِمَدِيْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذْ بَصُرْنَا بِعَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ فَقُلْتُ لِصَاحِبِيْ هَلْ لَكَ اَنْ نَاتِيَهٗ فَنَسْأَلَهٗ عَنِ الْقَدْرِ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ دَعْنِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّذِيْ اَسْأَلُهٗ فَاِنِّيْ اَعْرَفُ بِهٖ مِنْكَ قَالَ فَانْتَهَيْنَا اِلٰى عَبْدِاللّٰهِ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنَا نَتَقَلَّبُ فِيْ هٰذِهِ الْاَرْضِ فَرُبَّمَا قَدِمْنَا الْبُلْدَةَ بِهَا قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ لَا قَدَرَ فَبِمَا نَرُدُّ عَلَيْهِمْ قَالَ اَبْلِغْهُمْ مِنِّيْ اِنِّيْ مِنْهُمْ بَرِيْءٌ وَلَوْ اَنِّيْ وَجَدْتُ اَعْوَانًا لَجَاهَدْتُهُمْ ثُمَّ اَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا قَالَ بَيْنَما نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَعَهٗ رَهْطٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ اِذْ اَقْبَلَ شَابٌّ جَمِيْلٌ اَبْيَضُ حَسَنُ اللِّمَّةِ طَيِّبُ الرِّيْحِ عَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيْضٌ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَالَ فَرَدَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَرَدَدْنَا مَعَهٗ۔

فَقَالَ اُدْنُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُدْنُ فَدَنَا دَنْوَةً اَوْ دَنْوَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ مُوَقِّرًا لَهٗ ثُمَّ قَالَ اُدْنُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اُدْنُهٗ فَدَنَا حَتّٰى اَلْصَقَ رُكْبَتَهٗ بِرُكْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَلِقَائِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ فَقَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا مِنْ تَصْدِيْقِهٖ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَقَوْلِهٖ صَدَقْتَ كَاَنَّهٗ يَعْلَمُ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ مَا هِىَ قَالَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ لِمَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَالْاِغْتِسَالُ مِنَ الْجَنَابَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهٖ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِحْسَانِ مَا هُوَ قَالَ الْاِحْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَنَا مُحْسِنٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ السَّاعَةِ مَتٰى هِىَ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ لَهَا شَرَائِطُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ قَالَ صَدَقْتَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَنَحْنُ نَرَاهُ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ عَلَىَّ بِالرَّجُلِ فَقُمْنَا فِىْ اَثَرِهٖ فَمَا نَدْرِىْ اَيْنَ تَوَجَّهَ وَلَا رَاَيْنَا شَيْئًا فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِلنَّبِىِّ ﷺ فَقَالَ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ علیہ السلام اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِيْنِكُمْ وَاللّٰهِ مَا اَتَانِىْ بِصُوْرَةٍ اِلَّا وَاَنَا اَعْرِفُهٗ فِيْهَا اِلَّا هٰذِهِ الصُّوْرَةَ۔

ترجمہ: یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مدینہ منورہ میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک ہماری نگاہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر جا پڑی‘ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ کیا خیال ہے‘ ان کے پاس جا کر تقدیر کے متعلق سوال کریں‘ اس نے کہا ٹھیک ہے‘ میں نے کہا کہ پھر سوال مجھے ہی کرنے دینا کیونکہ میں ان کی طبیعت کو زیادہ جانتا ہوں۔

یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس پہنچے‘ وہاں پہنچ کر میں نے عرض کیا اے ابوعبدالرحمٰن! (یہ حضرت ابن عمرؓ کی کنیت تھی) ہم لوگ زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں‘ اس دوران بعض اوقات ہمارا ایسے شہروں میں بھی آنا جانا ہوتا ہے جہاں کے لوگ تقدیر کو نہیں مانتے‘ ایسے لوگوں کو ہم کیا جواب دیا کریں؟

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میری طرف سے انہیں یہ پیغام پہنچا دو کہ میں ان سے بیزار ہوں اور اگر مجھے کچھ مددگار میسر آ گئے تو میں ان سے ضرور جہاد کروں گا۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے ہمیں یہ حدیث سنانا شروع کی کہ ایک مرتبہ ہم نبی مکرم‘ سرور دو عالم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے‘ اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا بھی ایک گروہ تھا‘ اچانک سامنے سے ایک خوبصورت نوجوان آیا جس کا رنگ سفید اور بال خوبصورت تھے‘ اس سے انتہائی عمدہ خوشبو مہک رہی تھی اور اس نے سفید کپڑے زیب بدن کر رکھے تھے‘ اس نے آتے ہی کہا ''السلام علیک یارسول اللہ'' پھر سب کو مخاطب کر کے انہیں

بھی سلام کیا' حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے بھی اس کے سلام کا جواب دیا اور ہم نے بھی۔

اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں قریب ہو سکتا ہوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہو جاؤ' چنانچہ وہ ایک دو قدم آگے ہو گیا' پھر نبی علیہ السلام کے سامنے تعظیماً کھڑا ہو گیا اور دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں قریب آ سکتا ہوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا آ جاؤ' چنانچہ اس مرتبہ وہ اتنا قریب ہوا کہ اپنے گھٹنے سے رسول اکرم ﷺ کے گھٹنوں سے ملا لیے اور کہنے لگا کہ مجھے ''ایمان'' کے بارے بتایئے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ پر' اس کے فرشتوں' کتابوں اور پیغمبروں' اس سے ملنے پر' آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر یقین رکھیں' اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا' ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے نبی علیہ السلام کی تصدیق کرنے اور ''صدقتَ'' کہنے سے ہمیں تعجب ہوا کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ پہلے سے یہ بات جانتا تھا (پھر سوال چہ معنی دارد؟)

پھر اس نے کہا کہ مجھے ''احکام اسلام'' کے بارے بتایئے کہ وہ کیا کیا ہیں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا بشرطیکہ وہاں پہنچنے کی استطاعت بھی ہو' رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت کرنا۔ یہ سن کر اس نے پھر تصدیق کی اور ہمیں پھر تعجب ہوا۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے ''احسان'' کے بارے میں بتایئے کہ اس کی تعریف کیا ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا احسان یہ ہے کہ آپ ہر عمل اللہ کے لیے اس طرح کریں کہ گویا آپ اللہ کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ رہے ہیں' اگر یہ تصور نہیں کر سکتے تو یہ تصور کر لیجیے کہ اللہ تو آپ کو دیکھ رہا ہے' اس نے پوچھا کہ اگر میں اس طرح کرنا شروع کر دوں تو کیا میں ''محسن'' کہلاؤں گا؟ نبی علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا اور اس نے اس کی بھی تصدیق کی۔

پھر اس نے کہا کہ مجھے ''قیامت'' کے بارے بتایئے کہ وہ کب آئے گی؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال پوچھا گیا ہے' وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (دونوں ہی کو معلوم نہیں ہے) البتہ قیامت کی کچھ علامات ہیں' اس کے بعد نبی علیہ السلام نے (اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آپ کو قیامت کا وقت کیوں معلوم نہیں؟ سورۂ لقمٰن کی آخری آیت کی تلاوت کرتے ہوئے) فرمایا بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے' وہی بارش برساتا ہے' وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اگلے دن وہ کیا کمائے گا اور کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا' بیشک اللہ ہی علیم و خبیر ہے' اس نے نبی علیہ السلام کی تصدیق کی اور واپس چلا گیا۔

ہم اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے' تھوڑی دیر کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا ذرا اس آدمی کو میرے پاس بلا کر لانا' ہم اس کے پیچھے پیچھے گئے تو ہمیں کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں چلا گیا اور ہمیں کچھ نظر نہیں آیا' ہم نے آخر سارا ماجرا نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ جبریل تھے' تمہارے پاس دین کی بنیادی باتیں تمہیں سکھانے آئے تھے' بخدا! وہ جب بھی میرے پاس کسی بھی شکل و صورت میں آتے تھے' میں انہیں پہچان لیتا تھا' لیکن اس مرتبہ نہیں پہچان سکا۔

فائدہ: اگلی حدیث بھی چونکہ اسی مضمون کی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے اس کے بعد ایک ہی مرتبہ دونوں سے متعلق چند گزارشات پیش کر دی جائیں گی۔ انشاء اللہ

(۳) اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ جِبْرَئِیْلُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فِیْ صُوْرَةِ شَابٍّ عَلَیْهِ ثِیَابٌ بِیْضٌ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَدْنُوْ؟ فَقَالَ اُدْنُهُ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِیْمَانُ فَقَالَ الْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهٖ صَدَقْتَ كَاَنَّهٗ یَدْرِیْ ثُمَّ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا شَرَائِعُ الْاِسْلَامِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقَامُ الصَّلٰوةُ وَاِیْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهٖ صَدَقْتَ كَاَنَّهٗ یَدْرِیْ ثُمَّ قَالَ فَمَا الْاِحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَمَتٰی قِیَامُ السَّاعَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ فَقَفّٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَیَّ بِالرَّجُلِ فَطَلَبْنَا فَلَمْ نَرَلَهٗ اَثَرًا فَاَخْبَرْنَا النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ ذٰلِكَ جِبْرَئِیْلُ علیہ السلام جَاءَكُمْ یُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِیْنِكُمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک ایسے نوجوان کی صورت میں حاضر ہوئے جس نے سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا' اس نے آ کر کہا ''السلام علیک یارسول اللہ'' نبی علیہ السلام نے سلام کا جواب مرحمت فرمایا اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا میں قریب آ سکتا ہوں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا آ جاؤ (چنانچہ وہ قریب ہو گیا)

اب اس نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ''ایمان'' کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ پر' اس کے فرشتوں' کتابوں' پیغمبروں اور اچھی بری تقدیر (کے اللہ کی طرف سے ہونے) پر یقین رکھو' اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا' ہمیں اس کی اس بات پر تعجب ہوا کیونکہ اس سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس بات کو جانتا تھا پھر سوال کا کیا مطلب؟

اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! احکام اسلام کیا ہیں؟ فرمایا نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' اور غسل جنابت کرنا۔ اس نے پھر تصدیق کی اور ہمیں اس کی تصدیق پر تعجب بھی ہوا' پھر اس نے پوچھا کہ ''احسان کیا ہے؟'' فرمایا کہ ہر عمل اللہ کے لیے اس طرح کرنا کہ گویا تم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو' اور اگر یہ تصور نہ ہو سکے تو کم از کم یہی تصور کر لو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے' اس نے نبی علیہ السلام کی تصدیق کی' پھر کہنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس سے سوال پوچھا گیا ہے' وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

یہ سن کر اس نے پیٹھ پھیری اور چلا گیا' اس کے جانے کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا اس آدمی کو میرے پاس بلا کر لاؤ' ہم

نے اسے تلاش کیا لیکن ہمیں اس کا کوئی نشان نظر نہ آیا' ہم نے نبی علیہ السلام کو یہ بات بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبریل تھے جو تمہارے پاس اس لیے آئے تھے کہ تمہیں تمہارے دین کی بنیادی باتیں سکھا دیں۔

حلِ عبارت: اذ بصرنا میں اذ مفاجاتیہ ہے جو "اچانک" کا معنی دیتا ہے اور "بصرنا" باب کرم یکرم سے ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے "دعنی" میں "دع" باب فتح سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے' ن وقایہ کا اور ی ضمیر متکلم کی مفعول بہ ہے۔ "اعرف" باب ضرب سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ "بھا قوم" یہ "البلدة" کی صفت ہے اور "البلدة" پر الف لام عہد ذہنی کے لیے ہے "ابلغھم" میں "ابلغ" باب افعال سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور "ھم" ضمیر مفعول بہ ہے "رھط" گروہ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق تین سے لے کر دس تک پر ہوتا ہے۔ "اللمة" بال رکھنے کا وہ مسنون طریقہ جس میں بال کانوں کی لو سے متجاوز ہو جائیں۔ "ادنو" اصل میں "ء ادنو" تھا' پہلا ہمزہ جو برائے استفہام تھا' اسے حذف کر کے دوسرے ہمزہ پر اکتفاء کر لیا گیا جیسے "اطلع" کہ اصل میں "ءاطلع" تھا۔ "ادنه" یہ باب نصر سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور آخر میں ہاء سکتہ لگی ہوئی ہے۔ "الصق" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ملانا "شرائع" جمع ہے شریعۃ کی بروزن ومعنی فریضۃ کے "شرائط" جمع ہے شریطہ کی' اور اس کا معنی علامت ہے' بعض لوگ "شرائط" کو "شرط" کی جمع سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے' شرط کی جمع "شروط" آتی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجھما البخاری: ٥٠' ٤٧٧٧' ومسلم: ٩٣' والترمذی: ٢٦١٠' والنسائی: ٤٩٩٣۔٤٩٩٤۔ وابن ماجہ: ٦٤'٦٣ ، وابوداؤد: ٤٦٩٥، واحمد: ١٩١، وابن خزیمة: ٢٥٠٤.

سند پر بحث: زیر بحث دو حدیثوں میں سے پہلی حدیث کی سند میں امام صاحبؒ کے استاذ کا نام "علقمہ" آیا ہے' یہ وہ علقمہ نہیں جن کا ذکر "انما الاعمال بالنیات" والی حدیث کی سند میں آیا ہے کیونکہ ان کا پورا نام ابو واقد علقمہ بن وقاص لیثی ہے اور زیر بحث حدیث کے راوی علقمہ بن مرثد ہیں۔

۲۔ امام صاحبؒ کی سند میں "یحییٰ بن یعمر" نامی راوی حدیث ہی پر اس مضمون کی مسلم شریف میں موجود اکثر احادیث آ کر مجتمع ہو جاتی ہیں جو بعض سندوں میں امام مسلم کے پانچویں استاذ ہوتے ہیں' اور بعض سندوں میں چوتھے استاذ' جبکہ امام صاحب کے وہ دوسرے استاذ ہوتے ہیں اس لیے یہ سند امام مسلمؒ کی نسبت زیادہ عالی ہے۔

۳۔ جس طرح مفسرین کے یہاں یہ اصول ہے کہ "القرآن یفسر بعضه بعضا" اسی طرح محدثین کے یہاں بھی یہ اصول ہے کہ "الحدیث یفسر بعضه بعضا" نیز اصولیین کے یہاں یہ بھی اصول ہے کہ زیادت ثقہ مقبول ہوتی ہے یعنی اگر ایک مضمون کی دو روایتیں کتابوں میں منقول ہوں' ایک روایت میں کچھ الفاظ دوسری کی نسبت زائد ہوں اور راوی قابلِ اعتماد ہو تو اس اضافے کو قبول کر لیا جائے گا' یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ دوسرے راوی نے یہ اضافہ نہیں کیا اس لیے ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔

۴۔ زیر بحث دونوں حدیثوں میں سے پہلی حدیث ثلاثیات میں شمار کی جائے گی اور دوسری حدیث رباعیات میں۔

مَفْهُوْم: ذخیرۂ حدیث میں یہ حدیث انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور اس پر ہر دور کے علماء نے خصوصی توجہ دی ہے لیکن اگر ہم یہاں اس کے تمام مباحث کا احاطہ کرنا شروع کر دیں تو ایک اچھا خاصا ضخیم رسالہ تیار ہو سکتا ہے جس کا یہ مقام نہیں' اس لیے اختصار کے ساتھ چند نکات عرض کیے جاتے ہیں۔

(۱) حدیث میں مذکور واقعہ نبی علیہ السلام کی وفات سے صرف ۸۱ دن پہلے پیش آیا اس لیے اس کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہے۔

(۲) یحییٰ بن یعمر کے دوسرے ساتھی کا نام مسلم شریف کی روایت میں حمید بن عبدالرحمٰن حمیدی آیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ شہر بصرہ میں تقدیر سے متعلق زبان طعن دراز کرنے والا سب سے پہلا شخص معبد جہنی نامی تھا۔

(۳) حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی زبانی تکمیل دین کا جو وعدہ فرمایا تھا' اس کا خلاصہ صحابہ کرامؓ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا' اسی بناء پر اس مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام مشہور حسین وجمیل صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں ''جس میں وہ عام طور پر متشکل ہو کر آتے تھے'' آنے کی بجائے ایک نامانوس اور اجنبی شکل میں آئے اور ایسا انداز اختیار کیا کہ جس سے کسی کو کسی قسم کا شک گزرنے کی بجائے یہی احساس ہو کہ سائل کوئی دیہاتی یا بدو آدمی ہے۔

(۴) تاہم سائل کے حوالے سے مختلف چیزیں صحابہ کرامؓ کے لیے بڑی حیران کن تھیں مثلاً

الف: اگر وہ کہیں دور دراز سے سفر کر کے آیا تھا تو اس پر سفر کے آثار کیوں نہیں دکھائی دے رہے تھے؟

ب: اگر وہ وہیں کا رہائشی تھا تو اسے کوئی جانتا کیوں نہ تھا؟

ج: صحابہ کرامؓ کے عام طریقے کے خلاف وہ نبی علیہ السلام کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر کیوں بیٹھا؟

د: مختلف سوالات کرتے ہوئے اس نے نبی علیہ السلام کا جواب سننے کے بعد نبی علیہ السلام کی تصدیق کیوں کی؟ کیونکہ سوال لاعلمی کی دلیل ہے اور تصدیق مضبوط علم کی دلیل۔

(۵) اس مضمون کی جتنی احادیث بھی مختلف کتابوں میں آئی ہیں' ان میں سے بعض میں پہلا سوال ''ایمان'' سے متعلق ہے اور بعض میں ''اسلام'' سے متعلق' اس سلسلے میں تاویل کرتے ہوئے مختلف علماء کی مختلف آراء ہیں لیکن راقم الحروف کا ذوق یہ ہے کہ چونکہ یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا ہے اس لیے سوالات کی تقدیم و تاخیر راویوں کی طرف سے ہوئی ہے' کسی راوی نے ''ایمان'' کو مقدم کر دیا اور کسی نے اسلام کو' اور بیان و نقل روایت میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

یہ رائے قائم کرنے کے جب فتح الباری کی طرف رجوع کیا گیا تو اس میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی بھی یہی رائے سامنے آئی' والحمد للہ

"فالحق ان الواقع امر واحد، والتقديم والتاخير وقع من الرواة، والله اعلم"

(فتح الباری: ۵۸۲/۱)

(۶) ایمان و اسلام سے متعلق علماء کا بہت تفصیلی کلام کتابوں میں موجود ہے، یہاں صرف اتنی بات ذکر کرنا مقصود ہے کہ ''ایمان'' نام ہے اللہ کو ماننے کو کا، اور اسلام نام ہے اللہ کی ماننے کا، گویا ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور اسلام کا تعلق اعضاء و جوارح کے ساتھ ہے اس کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن ابن ماجہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

"الاسلام علانية، والايمان في القلب"

(۷) یہاں یہ اصول بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ بعض راویوں نے اس حدیث کو جن الفاظ سے نقل کیا ہے، دوسرے بعض راویوں نے اسے بعینہٖ اسی طرح نقل نہیں کیا بلکہ اس میں کچھ زائد الفاظ بھی آئے ہیں مثلاً امام صاحبؒ کی پہلی روایت میں غسل جنابت کا بھی ذکر ہے اور دوسری روایت میں حج کا ذکر نہیں ہے اس کی بنیادی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یا تو بعض رواۃ حدیث ذہول و نسیان کا شکار ہو گئے یا پھر وہ صحیح طرح اسے ضبط ہی نہیں کر سکے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے اور بعض اوقات اختصار کی وجہ سے بھی ایسا ہوتا ہے۔

امام صاحبؒ کی زیر بحث حدیث میں علامات قیامت کا ذکر نہ ہونا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں یہ دو علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱- لونڈی اپنی مالکن کو جنم دے گی یعنی اولاد نافرمان ہو جائے گی۔

۲- انتہائی نادار چرواہے جو کسی وقت ننگے بھوکے، مفلس اور قلاش تھے بڑے بڑے عالی شان محلات بنائیں گے اور ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

اس کی وجہ بھی یہی اختصار ہے جو بعض اوقات رواۃ حدیث کے پیش نظر رہتا ہے اور اس کی بے شمار نظائر صحیح بخاری سے بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔

(۸) **"ما المسئول عها باعلم من السائل"** یہ جملہ فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے اور **"لا ادری"** کی بجائے یہ طویل جملہ استعمال کرنا یقیناً حکمتوں سے بھرپور ہے جن میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ یہی سوال جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت جبریل علیہ السلام کے مابین بھی ہوئے تھے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قیامت کے وقت متعین کے بارے حضرت جبریل علیہ السلام سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: **"ما المسئول عنها باعلم من السائل"** اب اس موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی علیہ السلام سے یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کے الفاظ میں جواب دے کر بتا دیا کہ تم نے خود ہی تو یہ جواب دیا تھا، اتنی جلدی بھول کیسے گئے؟ (فتح الباری ج۱ص۵۸۵)

بَابُ مَا جَآءَ فِی التَّوْحِیْدِ وَالرِّسَالَةِ

(۴) اَبُوْحَنِیْفَةَ، عَنْ عَطَاءٍ اَنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم حَدَّثُوْهُ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ كَانَتْ لَهٗ رَاعِیَّةٌ تَتَعَاهَدُ غَنَمَهٗ وَاَنَّهٗ اَمَرَهَا تَتَعَاهَدُ شَاةً فَتَعَاهَدَتْهَا حَتّٰی سَمُنَتِ الشَّاةُ وَاشْتَغَلَتِ الرَّاعِیَةُ بِبَعْضِ الْغَنَمِ فَجَاءَ الذِّئْبُ فَاخْتَلَسَ الشَّاةَ وَقَتَلَهَا فَجَاءَ عَبْدُاللّٰهِ وَفَقَدَ الشَّاةَ فَاَخْبَرَتْهُ الرَّاعِیَةُ بِاَمْرِهَا فَلَطَمَهَا ثُمَّ نَدِمَ عَلٰی ذٰلِكَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَعَظَّمَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم ذٰلِكَ وَقَالَ ضَرَبْتَ وَجْهَ مُؤْمِنَةٍ فَقَالَ سَوْدَاءُ لَا عِلْمَ لَهَا فَاَرْسَلَ اِلَیْهَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَاَلَهَا اَیْنَ اللّٰهُ فَقَالَتْ فِی السَّمَاءِ قَالَ فَمَنْ اَنَا قَالَتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ فَاَعْتِقْهَا فَاَعْتَقَهَا۔

توحید ورسالت کا بیان

ترجمہ: عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے کئی صحابہ نے ان سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی ایک باندی تھی جو ان کی بکریوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کیا کرتی تھی' انہوں نے اسے ایک خاص بکری پر خصوصی توجہ دینے کا حکم دے رکھا تھا' چنانچہ وہ باندی اس بکری کا زیادہ خیال رکھتی تھی جس کی وجہ سے وہ بکری خوب صحت مند ہوگئی۔

ایک دن وہ باندی دوسری بکریوں کی دیکھ بھال میں مشغول تھی کہ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور اسی بکری کو اچک کر لے گیا اور اسے مار ڈالا' جب حضرت عبداللہ بن رواحہؓ گھر واپس آئے تو بکری کو نہ پایا (باندی سے پوچھا) اس نے سارا واقعہ سنا دیا' انہوں نے غصہ میں آکر اس کے منہ پر ایک طمانچہ زور سے مار دیا' بعد میں انہیں اس پر ندامت ہوئی اور انہوں نے نبی علیہ السلام سے اس واقعہ کا ذکر کیا' نبی علیہ السلام پر یہ چیز بہت گراں گزری' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ایک مومن عورت کے چہرے پر مارا؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو حبشن ہے اسے ''ایمان'' سے متعلق کچھ نہیں پتہ (وہ مؤمنہ نہیں ہے)

نبی علیہ السلام نے اسے بلوایا اور اس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں! نبی علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا اللہ کے پیغمبر! نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ مؤمنہ ہے اس لیے تم اسے آزاد کر دو' چنانچہ انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔

حلِ عبارت: ''تتعاهد'' باب تفاعل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی حفاظت اور دیکھ بھال کرنا ''غنمه'' ''غنم'' اور ''شاة'' دونوں کا ترجمہ عام طور پر ''بکری'' کیا جاتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ''غنم'' مصدر ہے اور اس کا اطلاق جمع پر ہوتا ہے' اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا' واحد کا معنی ادا کرنے کے لیے لفظ ''شاة'' کو وضع کیا گیا ہے' معلوم ہوا کہ ''شاة'' کا ترجمہ ''بکری'' اور ''غنم'' کا ترجمہ ''بکریاں'' یا بکریوں کا ریوڑ ہے۔ ''سمنت'' یہ لفظ سین کے ساتھ موٹاپے اور فربہی کے معنی میں باب کرم سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ ''اشتغلت''

باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب بمعنی مصروف ہونا۔ "الذئب" بھیڑیا اس کی جمع "ذئاب" آتی ہے۔ "اختلس" باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی اچک لینا "فقد" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی گم پانا "فلطمها" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی تھپڑ مارنا "عظم" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی گراں گزرنا "فاعتقها" اس میں پہلا لفظ باب افعال سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور دوسرا اسی باب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آزاد کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۱۱۹۹ (۵۳۷) وابن خزیمه: ۸۵۹، وابن حبان: ۲۲۴۷، وابوداؤد: ۹۳۰، والنسائی ۱۴/۳، واحمد: ۲۴۱۶۵، ۲۴۱۶۹، ۲۴۱۷۴، والدارمی: ۱۵۱۰، والبخاری فی خلق افعال العباد: ۲۶۔

سند پر بحث: ۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے محدثین کا یہ اصول ہے

"الصحابة کلهم عدول"

اور راویٔ حدیث صحابی کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لیے نقصان دہ نہیں، زیر بحث حدیث میں تو رجال صحابہ سے نقل کرنے والے راوی عطاء بن ابی رباح بھی انتہائی ثقہ ہیں اس لیے سنداً اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ تخریج حدیث میں جن کتب کا حوالہ دیا گیا ہے، ان میں یہ واقعہ بعینہٖ اسی طرح منقول ہے، فرق صرف اتنا ہے یہاں مرکزی کردار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور وہاں یہ واقعہ حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ کے حوالے سے منقول ہے لیکن اس سے نفس واقعہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۳۔ درجہ کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثنائیات میں شمار ہوتی ہے۔

مفہوم: حدیث کا نفس مضمون تو ترجمہ سے ہی واضح ہے، البتہ چند باتیں استنباطِ حدیث سے متعلق بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

(۱) خواتین عام طور پر غیروں اور اپنوں کے لگائے ہوئے خوش کن نعروں کے جال میں الجھ کر پھڑ پھڑاتے ہوئے اپنی زبان کو جو مکمل آزادی دے کر بے لگام چھوڑ دیتی ہیں اور اٹھتے بیٹھتے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف تبرا بازی کرتی رہتی ہیں، کیا وہ اس واقعے پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گی کہ کس طرح ایک عورت کو تھپڑ مارنے پر "جو آزاد بھی نہیں، زر خرید کنیز اور باندی تھی" نبی علیہ السلام نے اپنی ناگواری اور ناراضگی کا اظہار فرمایا اور صرف ایک تھپڑ مارنے پر مالک کو یہ حکم دے دیا کہ وہ اپنی باندی کو آزاد کر دے "گو کہ یہ حکم اداء نماز کے حکم کی طرح وجوبی نہیں تھا بلکہ استحباب پر محمول تھا اور یہ حقیقت ذہن نشین کرانے کے لیے تھا کہ عورت بھی مرد ہی کی طرح اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق اور انسانی مشینری کا ایک اہم ترین حصہ ہے" کیا یہ واقعہ اور حکم اسلام میں خواتین کے حقوق پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی نہیں؟

(۲) اس کنیز سے نبی علیہ السلام نے یہ جو سوال پوچھا کہ اللہ کہاں ہے! تو اس سے نبی علیہ السلام کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کو ثابت کرنا نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ ہے اس لیے کہ "مکان" اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود محدود ہوتا ہے اور

اللہ کی ذات لامحدود ہے اس لیے وہ لامکان بھی ہے' اس کی ذات وتجلیات ہر جگہ موجود ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس باندی کے جواب "فی السماء" کو اس کی سادگی اور بھولپن پر محمول کیا گیا ہے اور اس سے اس کا مقصد ذہن کے ان معبودان باطلہ سے امتیاز پیدا کرنا تھا جن کی ناحق عبادت ناحق شناس لوگ کرتے ہی رہے ہیں' ورنہ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے۔

(۳) جو شخص توحید و رسالت کی غیر مشروط طور پر' امامت یا ظلی و بروزی نبوت کی پیوند کاری کیے بغیر گواہی دیتا ہو' وہ مومن ہے اور مسلمانوں کے تمام حقوق و احکام میں برابر کا شریک ہے جیسا کہ اس واقعے سے معلوم ہوا۔

(۴) زیر بحث حدیث کا ترجمۃ الباب سے تعلق کئی طرح سے واضح ہے۔

(الف) توحید و رسالت کی گواہی دینے پر باندی کو "مؤمنہ" قرار دینے سے اس کا تعلق "کتاب الایمان" سے ہوا۔

(ب) مسئلہ تقدیر سے بھی اس کا تعلق بنتا ہے اور وہ اس طرح کہ چونکہ اس باندی نے جان بوجھ کر غفلت نہیں برتی تھی بلکہ دوسری بکریوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہونے کی وجہ سے بھیڑیے نے موقع پا کر اس بکری کو اچک لیا' اس لیے اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا بلکہ اللہ کی طرف سے تقدیر میں یہی لکھا تھا۔

(۵) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِاَصْحَابِهٖ اِنْهَضُوْا بِنَا نَعُوْدُ جَارَنَا الْيَهُوْدِيَّ قَالَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَوَجَدَهٗ فِي الْمَوْتِ فَسَأَلَهٗ ثُمَّ قَالَ اِشْهَدْ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ فَلَمْ يُكَلِّمْهُ اَبُوْهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اِشْهَدْ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُ اِشْهَدْ لَهٗ فَقَالَ الْفَتٰى اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَنِيْ نَسَمَةً مِنَ النَّارِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ لِاَصْحَابِهٖ اِنْهَضُوْا بِنَا نَعُوْدُ جَارَنَا الْيَهُوْدِيَّ قَالَ فَوَجَدَهٗ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ فَنَظَرَ الرَّجُلُ اِلٰى اَبِيْهِ قَالَ فَاَعَادَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَوَصَفَ الْحَدِيْثَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ عَلٰى هٰذِهِ الْهَيْأَةِ اِلٰى قَوْلِهٖ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَنِيْ نَسَمَةً مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا آؤ' ذرا ہم اپنے یہودی ہمسائے کی عیادت کر آئیں' راوی کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام اس کے گھر میں داخل ہوئے تو اسے حالت نزع میں پایا' آپ ﷺ نے اس کا حال دریافت کرنے کے بعد فرمایا "اللہ کے علاوہ کسی معبود کے نہ ہونے اور میرے پیغمبر خدا ہونے کی گواہی دے دو (میں قیامت کے دن تمہاری سفارش کر دوں گا) اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا لیکن اس نے کوئی بات نہیں کی' نبی علیہ السلام نے اس سے پھر یہی فرمایا اور اس نے پھر اپنے باپ کی

طرف دیکھا' اس دوسری مرتبہ میں اس کے باپ نے اسے کلمہ شہادت پڑھنے کی اجازت دے دی اور اس نوجوان نے یہ کلمہ پڑھ لیا

اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله

یہ سن کر نبی ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے ایک شخص کو جہنم کی آگ سے بچا لیا۔

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا جی ہاں پھر نبی ﷺ نے پوچھا کیا تم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں؟ تو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا' تین مرتبہ ایسا ہی ہوا' پھر کہیں جا کر اس کے باپ نے اسے اجازت دی اور اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

حَلِّ عِبَارَت: "جلوسا" جالس کی جمع ہے "انهضوا" باب فتح سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی اٹھنا' چلنا "نعود" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم بمعنی عیادت کرنا' بیمار پرسی کرنا "اليهودی" یہ "جار" کی صفت ہے اور موصوف صفت مل کر "نعود" کے لیے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے۔ "اِشْهَد" باب سمع سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور "اَشْهَدُ" اسی باب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے "انقذ" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچانا۔ "نسمة" بمعنی روح' جان' نفس۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۳۵۶' ۵۶۵۷' وابوداؤد: ۳۰۹۵' وابن السنی' وعبدالرزاق' وابن حبان: ۲۹۶۰' واحمد: ۱۲۸۲۳' والحاکم۔

سَنَد پر بحث: (۱) امام صاحب نے اس حدیث کو حضرت بریدہ بن الحصیب کی روایت سے نقل کیا ہے جبکہ بخاری شریف میں یہی روایت حضرت انس سے مروی ہے۔

(۲) سند کے اعتبار سے یہ حدیث امام صاحب کی ثلاثیات میں شمار ہوتی ہے اور امام بخاری کی رباعیات میں' اس لیے امام صاحب کی سند امام بخاری کی نسبت زیادہ عالی ہے۔

مَفْهُوم: اس حدیث سے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) ہمسائے کے وہ حقوق جو شریعت نے ہر مسلمان پر عائد کیے ہیں' ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور بیمار پرسی کی جائے' اس سلسلہ میں بزار' ابوالشیخ اور ابونعیم کی یہ روایت ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت جابر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں' ایک پڑوسی' تو وہ ہوتا ہے جس کا صرف ایک حق ہے اور یہ سب سے کم درجہ ہے' دوسرا پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کے دو حق ہیں اور تیسرا پڑوسی وہ ہوتا

ہے جس کے تین حق ہیں۔

وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے وہ مشرک پڑوسی ہے جس کے ساتھ قرابت کا کوئی تعلق نہ ہو اس کے لیے صرف ''حق جوار'' ہے وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں' مسلمان پڑوسی ہے جس کے لیے ایک تو ''حق اسلام'' ہے اور ایک ''حق جوار'' اور وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں' مسلمان رشتہ دار پڑوسی ہے کہ اس کے لیے ایک تو ''حق اسلام'' ہے اور ایک ''حق جوار'' ہے اور ایک ''حق قرابت''

(۲) بخاری شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس یہودی نوجوان کی عیادت کے لیے نبی علیہ السلام تشریف لے گئے تھے اور جس کا یہ واقعہ ہے' وہ نبی علیہ السلام کی خدمت اور کام کاج کیا کرتا تھا' اور ابن بشکوال نے اس کا نام ''عبدالقدوس'' ذکر کیا ہے۔

(۳) کسی شخص کو بھی اپنی عبادات و مجاہدات پر ناز نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کفر و شرک کی دلدل میں دھنسے ہوئے کسی شخص کو نظر حقارت سے دیکھنا چاہیے کیونکہ عین ممکن ہے کہ موت کے وقت اسے کلمہ کی دولت عطاء ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

(۴) ہماری وجہ سے اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیں تو ہمیں اس پر فخر کرنے کی بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

(۵) مشرک سے اپنے کام کاج کروانا اور اس سے خدمت لینا اس حدیث کی رو سے جائز ثابت ہوا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ ذَرَارِیِّ الْمُشْرِكِیْنَ.

(٦) اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ وَیُنَصِّرَانِهٖ قِیْلَ فَمَنْ مَاتَ صَغِیْرًا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِیْنَ۔

مشرکین کی اولاد کا کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر بچہ فطرت صحیحہ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی بنا دیتے ہیں' کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ! جو بچے حالت صغرسنی میں ہی فوت ہو جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ انہوں نے بڑے ہو کر جو کام سر انجام دینے تھے' اللہ کو ان کا زیادہ علم ہے۔

حلِ عبارت: ''مولود'' باب ضرب سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مذکر ہے اور ''یولد'' اسی باب سے مضارع مجہول

کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیدا ہونا۔ "یھودانہ" باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی یہودی بنانا' اس طرح "ینصرانہ" بھی یہی صیغہ ہے بمعنی عیسائی بنانا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۱۳۵۸' ۱۳۵۹' ۱۳۸۵' ۴۷۷۵' ۶۵۹۹' ومسلم: ۶۷۵۵ (۲۶۵۸) وابوداؤد: ۴۷۱۴' والترمذی: ۲۱۳۸' والطیالسی: ۲۳۵۹، ومالک: ۱۶۵، والحمیدی: ۱۱۱۱، واحمد: ۷۳۲۱۔

سند پر بحث: ۱۔ یہ حدیث امام بخاریؒ نے جن اسناد سے روایت کی ہے' ان میں کوئی سند بھی "رباعیات" کے درجے سے نیچے نہیں بعض اسانید تو "سداسیات" تک بھی ہیں جبکہ امام صاحبؒ کی سند سے یہ روایت "ثنائیات" کے عالی درجے پر فائز ہے اور اس میں امام صاحبؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف دو واسطے ہیں اس لیے یہ امام صاحبؒ کی سند سے عالی ہے۔

۲۔ امام بخاریؒ وغیرہ دیگر محدثین نے اسے مفصل روایت کیا ہے جبکہ امام صاحبؒ کی روایت میں اختصار ہے۔

مفہوم: اس حدیث میں مندرجہ ذیل امور انتہائی قابل توجہ ہیں۔

(۱) دنیا میں یہودیت' عیسائیت اور ہندومت تین بڑے مذاہب ہیں' یہودیت اور عیسائیت کی مذہبی روایات واقدار کے مطابق دنیا میں آنے والا ہر بچہ ناپاک اور گنہگار ہے' اس ناپاکی اور گناہ کے اثرات کو دور کرنے کے لیے اسے "بپتسمہ" کی مخصوص رسم سے گزرنا ہوگا ورنہ ناپاک اور گنہگار ہی رہے گا۔ اسی طرح ہندومت انسان کو "سات جنم" کے گھن چکر میں الجھا کر اس کے ہر جنم کو پچھلے جنم کا نتیجہ قرار دیتا ہے' گویا انسان نے اپنے پچھلے جنم میں جو کچھ کیا ہے وہ آئندہ ہر جنم میں اسی کا خمیازہ بھگتے گا۔ جبکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو کیسی عظیم خوشخبری سنائی ہے کہ دنیا میں آنے والا ہر بچہ پاک' پاکیزہ اور فطرت صحیحہ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے' گناہوں سے دور اور بالغ ہونے تک گناہوں سے معصوم رہتا ہے۔

کیا دنیا کا کوئی مذہب اور قانون نوزائیدہ بچے کو یہ عظمت دے سکتا ہے جو اسلام نے اسے عطاء فرمائی ہے؟ لیکن اس کا کیا کیا کیجیے کہ ہمیں اسلام پر تبرا کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں آتا۔ فالی اللہ المشتکی۔

(۲) بچے کا ذہن کورے کاغذ کی طرح ہوتا ہے جس پر جو چیز نقش کی جائے گی وہی دکھائے دے گی چنانچہ اگر والدین اس کے ذہن پر یہودیت کے آثار نقش کر دیں گے تو وہ اسے لازماً قبول کر کے یہودی ہی بنے گا' اسی طرح اگر اس کے والدین اس کے ذہن پر عیسائیت' ہندومت' سکھ مت' آتش پرستی یا اسلام جس کے بھی نقوش ابھاریں گے وہ بچہ اسی کا اثر قبول کرے گا۔

(۳) اسلام کا یہ امتیاز تو تمام ادیان و مذاہب میں بالکل واضح ہے کہ اس کے نزدیک ہر بچہ پیدائشی طور پر گناہوں سے پاک صاف' فطرت صحیحہ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے لیکن ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک آدمی جو کفر و شرک کی زندگی بسر کر رہا ہے' اس کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اور پیدائش کے کچھ عرصے کے بعد ہی مر جاتا ہے' کیا اس

بچے کو بھی اس کے والدین کے تابع کر کے مشرک سمجھا جائے گا یا اس پر کوئی حکم ثانی لگایا جائے گا؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس بچے کو بھی مشرک ہی سمجھا جائے گا تو پھر اسلام کی اس سرمدی اور امتیازی تعلیم کا کیا مطلب؟ اور اگر اس پر کوئی دوسرا حکم لگایا جاتا ہے تو پھر اس مشہور ضابطے کا کیا ہوگا جو زبان زد عوام وخواص ہے کہ "الولد تبع لابویہ" سو اس سلسلے میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) مشرکین کے نومولود فوت ہو جانے والے بچوں کے بارے بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچے جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ پیدا ہونے والا بچہ مشرک ہوتا ہے اور نہ کافر، وہ تو فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہو۔

(۲) بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچے اہل جنت کے ان خدام میں شمار اور شامل ہوں گے جن کے بارے قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ بچے ایسے محسوس ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی، ہاتھوں میں آبخورے اور جام لیے اہل جنت کی خدمت کے لیے مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیتے ہوں گے، اولاد مشرکین کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئے گی جیسا کہ سند ضعیف کے ساتھ ایک روایت میں بھی آتا ہے۔

(۳) بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچوں میں سے جن بچوں کے بارے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہو کہ یہ بڑے ہو کر اہل جنت کی طرح اعمال میں اپنی زندگی بسر کریں گے، تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور جن بچوں کے بارے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہو کہ یہ بڑے ہو کر اہل جہنم کے راستے پر گامزن ہوں گے، ایسے بچے جہنم میں داخل ہوں گے۔

(۴) بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچے "مقام اعراف" میں جو جنت اور جہنم کے درمیان ہے رہیں گے کیونکہ انہیں نہ تو نیکیوں کا پتہ ہے جس کی بنا پر وہ جنت میں داخل ہو سکیں اور نہ ہی گناہوں کی خبر ہے جسے بنیاد بنا کر انہیں جہنم میں دھکیلا جا سکے۔

(۵) بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ ایسے بچوں کا آخرت میں اس طرح امتحان لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نار جہنم کو پیش کر کے انہیں اس میں داخل ہونے کا حکم فرمائیں گے، جو بچے اس آگ میں داخل ہو جائیں گے، ان پر تو وہ آگ اسی طرح ٹھنڈی اور سلامتی بن جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو گئی تھی اور جو بچے اس آگ میں داخل ہونے سے انکار کر دیں گے انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

یہ رائے بظاہر بہت اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آخرت دار العمل اور دار التکلیف تو نہیں ہے، وہ تو دار الجزاء ہے، وہاں عمل اور امتحان کا کیا مطلب؟ بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان بچوں کا یہ امتحان اس وقت ہوگا جب اہل جنت اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے ہوں گے اور اہل جہنم اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہو چکے ہوں گے اس کے بعد ان کا مذکورہ طریقے پر امتحان لیا جائے گا۔

(٦) امام شافعیؒ کی رائے کے مطابق ایسے بچوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق معاملہ کریں گے۔ امام مالکؒ سے اس سلسلہ میں کوئی منصوص قول تو مروی نہیں، تاہم ان کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ قاضی عیاضؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کی طرف ان بچوں کے اہل جہنم میں سے ہونے کا قول منسوب کیا ہے لیکن علامہ ابن تیمیہؒ نے اس نسبت کی تغلیط کی ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اس سلسلے میں توقف کے قائل ہیں، اور ہماری رائے کے مطابق ان تمام اقوال میں سے احتیاط کے قریب تر یہی قول ہے اور زیر بحث حدیث کے اس جملے سے بھی فی الجملہ اسی کی تائید ہوتی ہے۔

"الله اعلم بما كانوا عاملين"

بَابُ الْاَمْرِ بِقِتَالِ النَّاسِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

(٧) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔

کلمہ توحید کی گواہی تک لوگوں سے قتال کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں جب تک وہ "لا الہ الا اللہ" کا اقرار نہ کر لیں، جب وہ اس کا اقرار کر لیں تو سمجھ لیں کہ انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا، سوائے اس کلمے کے حق کے، اور ان کا حساب کتاب اللہ کے ذمے ہوگا۔

حل عبارت: امرت باب نصر سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی حکم دینا۔ "اقاتل" باب مفاعلہ سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی قتال کرنا، لڑنا "عصموا" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی بچانا، محفوظ کر لینا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخارى: ٢٥، ١٣٣٥، ٢٧٨٦، ومسلم: (١٢٤ و ١٣١) ٣٢ و٣٨، وابوداؤد ١٥٥٦، ٢٦٤٠، والترمذى: ٢٦٠٦، ٢٦٠٧، ٣٣٤١، وابن ماجه: ٢٩٢٧، والنسائى: ٥٠٠٦، وعبدالرزاق ٦٩١٦، ١٠٠٢٠، ١٨٧١٨، واحمد: ١٤١٨٨۔

سند پر بحث: (١) یہ حدیث پندرہ مختلف صحابہؓ سے مختلف اسانید کے ساتھ مروی ہے۔

(٢) یہ روایت حضرت جابرؓ ہی سے مسلم شریف اور ترمذی وغیرہ میں بھی مروی ہے، تاہم مسلم شریف میں یہ روایت امام مسلمؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان پانچ واسطے آنے کی وجہ سے "خماسیات" کے درجے میں آتی ہے جبکہ امام صاحبؒ کی "ثنائیات" میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے، اس اعتبار سے سنداً یہ حدیث امام صاحبؒ کے عالی سند ہونے کی دلیل ہے۔

(٣) علامہ سیوطیؒ کی رائے کے مطابق سند کے اعتبار سے یہ روایت اگرچہ متواتر نہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے متواتر کے

قریب ضرور ہے۔

مَفْهُوْم :اس حدیث سے متعلق فتح الباری کے چند اقتباسات کا خلاصہ راقم کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

(۱) نبی علیہ السلام جب کسی موقع پر یہ ارشاد فرمائیں کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے'' تو اس میں یقینی طور پر آمر اور حکم دینے والی ذات اللہ کی ہوگی کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور حکم نہیں دے سکتا' اور اگر کوئی صحابیؓ یہ جملہ کہیں کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے'' تو اس میں آمر نبی علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں' کوئی دوسرا صحابی نہیں ہو سکتا کیونکہ تمام صحابہ کرامؓ مجتہد ہیں اور ایک مجتہد کو دوسرا مجتہد کوئی حکم نہیں دے سکتا اور نہ وہ اس کے لیے حجت ہوتا ہے۔

(۲) زمانۂ جاہلیت کی ان تصاویر کو اپنے سامنے رکھ کر ''جن میں مرکز توحید کو بتوں کی گندگی سے آلودہ دکھایا گیا ہے'' ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ بچپن سے ذہنوں اور تفکرات وتخیلات پر چھائی ہوئی وہ بت پرستی جس کے تحت سینکڑوں ہزاروں معبودان باطلہ وجود میں آ چکے تھے اہل عرب کے لوگ وریشہ میں کس طرح سرایت کر گئی ہوگی؟ اور کیا وہ کسی شخص کو اس کے خلاف آواز اٹھانے پر آزادی سے جینے کا حق دیں گے؟ کیا وہ اس نداءِ حق اور منادی برحق کو مارنے اور ختم کرنے پر نہ تل جائیں گے؟ ایسا ہونا اس لیے بھی ضروری تھا کہ ان کے کان اس آواز سے صدیوں سے ناآشنا تھے' ان کے چوہدریوں اور پروہتوں کو اپنی روزی خطرے میں دکھائی دیتی تھی' اور انہیں اس بات کا احساس تھا کہ اگر ہم نے اس دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو صرف اس کا کلمہ پڑھ کر ہی ہماری جاں خلاصی نہیں ہو جائے گی بلکہ ہمیں اس کلمہ کے نظام کو بھی قبول کرنا پڑے گا' اس کلمے کے مطالبات بھی پورے کرنا ہوں گے اور اس کے تقاضوں پر بھی عمل کرنا ہو گا' اس لیے وہ شروع میں کسی کے منہ سے یہ کلمہ سنتے ہی بدک جاتے تھے اور اپنی تمام تر توانائیوں سے اسلام اور اہل اسلام کو مٹانے کے درپے رہتے تھے۔

اس تمہید سے ہمارا مقصد تاریخ عرب کے مخفی گوشے نمایاں کرنا نہیں ہے' بلکہ اس سوال کا جواب دینا ہے کہ اس حدیث میں تو صرف کلمہ طیبہ پڑھنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور وہ بھی نامکمل ہے' کیا بقیہ احکام شرعیہ پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے؟ تو اس کا ایک جواب تو ہماری سابقہ تمہید سے واضح ہوا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب ہم اس حدیث کے دوسرے طرق پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں مکمل کلمہ طیبہ اور اس کے ساتھ اقامت صلوۃ وایتاء زکوۃ کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث مجمل ہے اور اس کے دوسرے طرق اس کی تفصیل' اور ضابطہ ہے کہ مجمل کو مفصل پر محمول کیا جاتا ہے اس لیے ان میں کوئی تضاد بھی نہیں ہے۔

یہاں اس سوال کو بھی واضح کرنا ضروری ہے جو مختلف اذہان میں شکوک وشبہات پیدا کر سکتا ہے کہ اس حدیث میں ''لا الہ الا اللہ'' کہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اس کے کہنے پر جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ''قول'' (کہنے) کا تعلق تو زبان سے ہوتا ہے' اس لیے اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ انسان کے مسلمان ہونے کے لیے

صرف زبان سے کلمہ کا اقرار کافی ہے' دل سے اس کی تصدیق ضروری نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا آخری جملہ اسی سوال کا جواب ہے یعنی ''حسابھم علی اللہ'' کہ مسلمان ظاہر کے مکلف ہیں' باطن پر مطلع ہونے کے وہ مکلّف ہیں اور نہ ہی ان کے لیے یہ ممکن ہے' اس لیے اگر کوئی شخص مسلمانوں کا کلمہ پڑھتا' اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو تو اس کی جان و مال کی حفاظت اسلام کے ہر نام لیوا اور اسلامی خلافت وسلطنت کی ذمہ داری ہو گی۔

یہی وجہ ہے کہ خود نبی علیہ السلام نے اپنے عہد نبوت میں معلوم ہونے کے باوجود بھی کسی منافق کی جان و مال سے تعرض نہیں کیا اور اس کی وجہ یہی بیان فرمائی کہ لوگ تو انہیں بھی کلمہ پڑھتے ہوئے دیکھ کر ہمارا ساتھی سمجھتے ہیں۔

''لئلا یتحدث الناس ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم یقتل اصحابہ

(۳) اس حدیث میں کلمہ طیبہ کا اقرار نہ کرنے تک اور دیگر احادیث میں اس کے ساتھ اقامت صلوۃ وایتاء زکوۃ کا اہتمام نہ کرنے تک ''قتال'' کرتے رہنے کے جس حکم کا اظہار کیا گیا ہے' اس حکم کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ قتل اور قتال دو الگ الگ چیزیں ہیں' ان کے درمیان ترادف کی صورت نہیں ہے' اس لیے کہ قتال اور مقاتلہ باب مفاعلہ سے ہے جس میں وقوع فعل جانبین سے ہوتا ہے جبکہ قتل باب نصر کا مصدر ہے' اس میں وقوع فعل جانبین سے ہونا ضروری نہیں' بلکہ یہ اس کا خاصہ ہی نہیں ہے' اس اعتبار سے قتال اور مقاتلہ کا معنی ہوا باہم ایک دوسرے سے لڑنا اور قتل کا معنی ہوا کسی شخص کو جان سے مار دینا' ظاہر ہے کہ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے' پہلی صورت میں ضروری نہیں ہے کہ باہم ایک دوسرے سے لڑنے والے کسی ذی روح کی جان ضائع ہونے کا ذریعہ بن جائیں لیکن دوسری صورت میں ایسا ہونا یقینی ہے۔

اس مقدمہ کو سامنے رکھ کر حضرت صدیق اکبرؓ کے اس عمل کا بھی جائزہ لیجیے کہ جب نبی علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد مانعین زکوۃ کا ردعمل سامنے آیا اور بعض صحابہؓ نے اس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نرمی برتنے کا مشورہ دیا تو انہوں نے اسی حدیث سے استشہاد کرتے ہوئے اس میں کسی قسم کی نرمی برتنے سے انکار کر دیا اور پورے شرح صدر کے ساتھ مانعین زکوۃ کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر روانہ فرمایا' لیکن یہ بھی مقاتلہ کی صورت تھی' قتل کی صورت نہ تھی' معلوم ہوا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص سے قتال کرنا تو حلال ہوتا ہے لیکن اسے قتل کرنا جائز اور حلال نہیں ہوتا۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ دیگر ائمہ کے علی الرغم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق تارک نماز اور مانع زکوۃ کو قتل نہ کرنے کی بنیاد بھی یہی حدیث ہے' اس سے جہاں امام صاحبؒ کی رائے کی تائید ہوتی ہے' وہیں ان کی دقت نظر اور باریک بینی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

۴۔ زیر بحث حدیث میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں' مگر اس کلمہ توحید کے کسی بھی حق کی وجہ سے یہ وعدہ ختم بھی ہو سکتا ہے' اس کا مطلب بھی اوپر کی تقریر سے واضح ہو گیا کہ کلمہ توحید کا

اقرار کرنے کے بعد ہر شخص کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب وہ جو مرضی کرتا پھرے اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا؟ خواہ وہ دوسرے مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلتا رہے؟ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ پورا کرنا اسلامی سلطنت کی ذمہ داری نہ رہے گا اور اس کی وجہ واضح ہے کہ جس طرح کلمہ توحید پڑھ کر اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کیا ہے' دوسرے شخص نے بھی تو اسی طرح کلمہ توحید کا اقرار کر رکھا ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی جان و مال کی حفاظت نہ کی جائے؟

یہیں سے حدود شرعیہ کا فلسفہ بھی واضح ہو گیا جس کے مطابق کسی شخص کو قتل یا مالی جرمانے کی سزا دی جاتی ہے' گو کہ بعض لوگ ''جن میں نام کے مسلمانوں کی بھی ایک قابل ذکر تعداد ہے'' ان حدود شرعیہ کو غیر انسانی اور ظالمانہ قرار دیتے ہوئے انہیں ختم کرنے کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں لیکن اگر وہ باریک بینی اور انصاف کے ساتھ صرف انہی سطور کو ملاحظہ فرمالیں تو بات بڑی حد تک واضح ہو جائے۔

(۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَا كُنْتُمْ تَعُدُّوْنَ الذُّنُوْبَ شِرْكًا قَالَ لَا قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ فِىْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ذَنْبٌ يَبْلُغُ الْكُفْرَ قَالَ لَا اِلَّا الشِّرْكُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى۔

ترجمہ: ابو الزبیر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت جابرؓ سے پوچھا کیا آپ لوگ گناہوں کو شرک نہیں سمجھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہیں! کیونکہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام سے ایک مرتبہ پوچھا تھا یا رسول اللہ! کیا اس امت میں کوئی ایسا گناہ بھی کیا جائے گا جو حد کفر تک پہنچتا ہو؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا نہیں! سوائے شرک کے۔

حل عبارت: ''ما کنتم'' یہ ''ما'' نافیہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ترجمہ میں اسی صورت کو اختیار کیا گیا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ ''ما'' ای شیء کے معنی میں ہو کر استفہامیہ ہو' مطلب یہ ہوگا کہ قتل' چوری' شراب خوری اور بدکاری وغیرہ میں سے کون سے گناہوں کو آپ شرک سمجھتے تھے؟ لیکن یہ احتمال مرجوح ہے کیونکہ آگے آنے والا جواب اس کی موافقت نہیں کرتا۔ ''تعدون'' باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی شمار کرنا ''الذنوب'' ذنب کی جمع ہے بمعنی گناہ یبلغ باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہنچنا اور یہ ''ذنب'' کی صفت ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی فی مسنده: ۳۵، واحمد: ۱۵۲۵۲

سند پر بحث: ۱۔ احادیث میں بعض اوقات ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک صحابیؓ دوسرے صحابیؓ کے حوالے سے کسی روایت کو پیش کر کے اس سے استشہاد کر رہے ہیں جیسا کہ زیر بحث حدیث میں حضرت جابرؓ خود صحابی ہونے کے باوجود حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے استشہاد کر رہے ہیں' یہ اتصال سند کی بڑی مضبوط علامت ہوتی ہے۔

۲۔ زیر بحث حدیث اس طرح ایک طرف تو ثنائیات میں شمار ہوتی ہے اور دوسری طرف حضرت ابو سعید خدریؓ کا واسطہ آنے

کی وجہ سے ''ثلاثیات'' میں شمار ہوتی ہے۔

مَفْھُوْم: ا۔ خوارج جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے دور خلافت میں ایک بڑا منظم گروہ گزرا ہے' کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کبیرہ مثلاً قتل' چوری' بدکاری اور شراب خوری وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ صرف گناہ نہیں کرتا بلکہ کفر کرتا ہے اور ان گناہوں کے ارتکاب سے وہ کفر کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور گروہ ''جو معتزلہ کے نام سے مشہور ہے'' کی رائے یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مسلمان رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے' بلکہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان معلق ہو جاتا ہے۔

جبکہ اہل سنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب شان مسلم کے خلاف تو ہے لیکن اس سے کوئی بھی شخص دائرہ ایمان سے نہیں نکلتا جیسا کہ خوارج اور معتزلہ کی رائے ہے اور نہ ہی دائرہ کفر میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ خوارج کی رائے ہے کیونکہ کفر ایمان کی نقیض ہے اور ایمان کی حقیقت شہادتین کا اقرار ہے' اب جو شخص شہادتین کا اقرار کرتا ہے اسے کسی طرح کافر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اجتماع نقیض بھی محال ہے اور ارتفاع نقیضین بھی۔

۲۔ زیر بحث حدیث میں ابو الزبیر کا حضرت جابرؓ سے سوال کرنا غالباً اسی وجہ سے ہے کہ وہ خوارج کے من گھڑت عقیدے اور نظریئے کی تردید کے لیے کوئی مستند بات معلوم کرنا چاہتے ہیں تا کہ اپنی اور اپنے جیسے دوسرے بہت سے مسلمانوں کی تسلی کر سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَكْسِرُ اَغْلَاقَ الْمُسْلِمِيْنَ

(۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْكَرِيْمِ ابْنِ اَبِي الْمُخَارِقِ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَرَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَكْسِرُوْنَ اَغْلَاقَنَا وَيَنْقُبُوْنَ بُيُوْتَنَا وَيُغِيْرُوْنَ عَلَى اَمْتِعَتِنَا اَكَفَرُوْا قَالَ لَا قَالَ اَرَاَيْتَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَتَاَوَّلُوْنَ عَلَيْنَا وَيَسْفِكُوْنَ دِمَاءَ نَا اَكَفَرُوْا قَالَ لَا حَتّٰى يَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ شَيْئًا قَالَ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَى اِصْبَعِ ابْنِ عُمَرَ وَهُوَ يُحَرِّكُهَا وَيَقُوْلُ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ فَرَفَعُوْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

مسلمانوں کے تالے توڑنے والوں کا حکم

ترجمہ: طاؤس کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے سوال پوچھتے ہوئے عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! یہ تو بتایئے کہ وہ لوگ جو ہمارے تالے توڑ دیتے ہیں' ہمارے گھروں میں نقب لگا کر گھس جاتے ہیں اور ہمارے ساز و سامان کو تاخت و تاراج کر دیتے ہیں' کیا یہ لوگ کافر ہو گئے؟ فرمایا نہیں' اس نے پھر پوچھا کہ یہ بتایئے' یہ لوگ ہمارے قتل کے جواز پر تاویلیں کرتے ہیں اور ہمارا خون تک بہاتے ہیں' کیا یہ کافر ہیں؟ فرمایا نہیں' جب

تک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں' طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کی وہ انگلی اب تک میری نظروں کے سامنے ہے جسے وہ حرکت دیتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے کہ نبی علیہ السلام کی سنت یہی ہے۔

اس حدیث کو ایک بڑی جماعت نے نبی علیہ السلام سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

حلِ عبارت: "یکسرون" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی توڑنا "اغلاق" جمع ہے غلق کی بمعنی تالا۔ "ینقبون" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی دیوار میں سوراخ کرنا "یغیرون" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی غارت گری کرنا "امتعتنا" متاع کی جمع ہے بمعنی سازوسامان' "یتاولون" باب تفعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تاویل کرنا "یسفکون" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بہانا "اکفروا" میں ہمزہ نفس کلمہ کا نہیں' بلکہ استفہامیہ ہے اور "کفروا" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کفر کرنا "اصبع" بمعنی انگلی اس کی جمع اصابع آتی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٤٦٥٨

سند پر بحث: (۱) یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر "موقوف" ہے۔

(۲) محدثین کا اصول ہے کہ اگر کوئی بات کسی صحابیؓ کی طرف منسوب ہو اور نبی علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت کی تصریح نہ ہو اور وہ بات محض اپنی عقل کے بل بوتے پر نہ کہی جا سکتی ہو' تو صحابیؓ کے اس ارشاد کو نبی علیہ السلام کا فرمان ہی سمجھا جائے گا۔

(۳) محدثین کا یہ بھی اصول ہے کہ اگر کوئی صحابیؓ بیان روایت میں نبی علیہ السلام کی طرف کسی بات کی صراحۃً نسبت تو نہ کریں لیکن اسے نبی علیہ السلام کی سنت قرار دیں تب بھی اسے نبی علیہ السلام ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ زیر بحث حدیث میں یہ دونوں اصول اچھی طرح منطبق ہو جاتے ہیں۔

(۴) سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحب کی "ثلاثیات" میں سے ہے۔

مفہوم: اس حدیث میں ایک اہم اور معرکۃ الآراء مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے "مسئلہ تکفیر اہل قبلہ" یہاں اس کے چند اہم پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱) ایمان میں داخل ہونے کے لیے ان تمام چیزوں پر قلبی یقین و اطمینان پایا جانا ضروری ہے جن کا اہل ایمان سے مطالبہ کیا جاتا ہے مثلاً اللہ کی ذات و صفات' اللہ کے فرشتوں' کتابوں' پیغمبروں' یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان بالغیب' لیکن کفر کے لیے ان تمام چیزوں کا انکار ضروری نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار بھی انسان کو ایمان کے دائرہ اور حدود سے نکال کر کفر کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے۔

(۲) ہمارے اکابر کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ کسی کے خلاف فتویٰ تکفیر جاری کرنے میں انتہائی احتیاط کرتے ہیں' اور جب تک اس سلسلے میں انہیں شرح صدر نہ ہو جائے' اس وقت تک وہ اس انتہائی اقدام سے اجتناب کرتے ہیں اور وہ امام

صاحبؒ کے بیان کردہ اس اصول پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو ننانوے وجوہ سے کافر قرار دیا جا سکتا ہو اور ایک وجہ اسے کافر ہونے سے بچاتی ہو تو ہم اس ایک وجہ کو ترجیح دیں گے اور ان ننانوے وجوہ کو ترک کر دیں گے۔

(۳) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص قولی یا عملی طور پر کسی بدعت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس بدعت کے درجے کے اعتبار سے اسے ''فاسق و فاجر'' تک بھی کہا جا سکتا ہے لیکن محض ارتکاب بدعات کی وجہ سے کسی شخص کی تکفیر نہیں کی جا سکتی' البتہ اگر ان بدعات کا دائرہ ضروریات دین کے انکار تک وسیع ہو جائے مثلاً کوئی شخص نبی علیہ السلام کے بعد اجراء نبوت کا قائل ہو' یا کسی بھی صحابیؓ کی کسی نبی پر فضیلت کا قائل ہو' یا قرآن کریم میں تحریف کا قائل ہو' یا کوئی ایسا عمل کرتا ہو جو عقیدۂ توحید و رسالت کے منافی ہو وغیرہ تو ضروریات دین کا انکار چونکہ انسان کو ایمان کے دائرہ سے خارج کر کے دائرہ کفر میں داخل کر دیتا ہے اس لیے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جا سکے گا خواہ وہ دیگر مسلمانوں کی طرح نماز' روزہ' حج و زکوٰۃ کا پابند ہی ہو' اس کا چہرہ داڑھی سے مزین ہو' اس کی چال ڈھال سنت کے مطابق ہی ہو' اس لیے کہ ایمان بنیادی اکائی ہے' اعمال کی قبولیت کا دارومدار اسی پر ہے' اگر ایمان ہو تو اعمال بھی قبول ہوں گے اور اگر ایمان ہی نہ ہو تو اعمال بھی قبول نہ ہوں گے خواہ ان کی مقدار کتنی ہی زیادہ ہو۔

(۴) پوری امت مرحومہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حلال کو حرام سمجھنا اور حرام کو حلال سمجھنا درحقیقت افتراء علی اللہ اور کفر ہے لیکن حرام کا ارتکاب کرنے والے کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جائے گا جب تک وہ اسے حلال سمجھنا شروع نہ کر دے گا البتہ اسے گناہگار اور فاسق و فاجر ضرور کہا جا سکتا ہے مثلاً ایک شخص شراب خانہ خراب کو'' جسے شریعت نے حرام قرار دے رکھا ہے'' حلال سمجھتا ہے اور دوسرا شخص پیتا تو خوب ہے لیکن اسے حلال سمجھ کر نہیں' بلکہ اسے وہ حرام ہی سمجھتا ہے تاہم بری صحبت اور عادت بد کی وجہ سے وہ اس کے منہ سے چھوٹتی نہیں تو یہ دونوں برابر نہیں' پہلا شخص اسے حلال سمجھنے کی وجہ سے دائرہ کفر میں داخل ہو گیا اور دوسرا شخص اعلیٰ درجے کا گناہگار اور محروم تو ہے لیکن کافر نہیں۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے گناہ اور احساس گناہ' کہ اگر انسان کے دل دماغ سے کسی گناہ کے گناہ ہونے کا احساس بھی مٹ جائے تو اس کے توبہ کرنے کی امید بھی موہوم ہو جاتی ہے کیونکہ توبہ تو وہ اس وقت کرے گا جب گناہ کو گناہ سمجھے گا اور جب وہ گناہ کو نیکی سمجھنا شروع کر دے تو توبہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) ان مختصر گزارشات کی روشنی میں ''تکفیر اہل قبلہ'' کا مسئلہ امید ہے کہ کچھ نہ کچھ حد تک واضح ہو گیا ہو گا اور زیر بحث حدیث کا مقصد بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ان چوروں' ڈاکوؤں' اور قاتلوں کو بھی کافر قرار دینے میں اتنی احتیاط فرمائی کہ سائل کے بار بار تکرار کرنے کے باوجود انہیں کافر قرار نہیں دیا باوجودیکہ ان کی وجہ سے امن عامہ میں خلل پڑتا تھا اور قتل و غارت گری اور چوری و ڈکیتی کی وارداتوں کی وجہ سے لوگوں کا سکون و اطمینان رخصت ہو چکا تھا' اس

احتیاط کی وجہ وہی تھی جو عنقریب مذکور ہوئی۔

بَاب مَا جَآءَ فِيمَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَبِيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا اَنَا رَدِيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا اَبَا الدَّرْدَاءِ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّيْ سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَاِنِّيْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّيْ سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قَالَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ فَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اِصْبَعِ اَبِى الدَّرْدَاءِ السَّبَّابَةِ يُوْمِئُ اِلٰى اَرْنَبَتِهٖ۔

جو شخص توحید و رسالت کی گواہی دے اس کا کیا حکم ہے؟

ترجمہ: عبداللہ بن حبیبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک دن اس دوران کہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک سواری پر پیچھے سوار تھا' نبی علیہ السلام نے فرمایا اے ابودرداء! جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں' تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی' میں نے عرض کیا خواہ اس سے زنا اور چوری کا ارتکاب بھی جائے؟ یہ سن کر نبی علیہ السلام ایک لحظہ خاموش رہے اور کچھ دیر چلنے کے بعد پھر وہی بات فرمائی' میں نے پھر وہی سوال کیا' تین مرتبہ اس طرح ہونے کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا ہاں! اگر اس سے زنا اور چوری کا ارتکاب بھی ہو جائے' اور اگرچہ ابودرداءؓ کی ناک خاک آلود ہی ہو جائے' راوی کہتے ہیں کہ آج بھی حضرت ابودرداءؓ کی شہادت والی انگلی مجھے اپنے سامنے نظر آتی ہے جبکہ انہوں نے اسے اپنی ناک کے نرم حصے پر رکھا تھا۔

حل عبارت: "ردیف" ایک ہی سواری پر بیٹھنے والے دو آدمیوں میں سے پیچھے والے کو کہتے ہیں "زنی" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بدکاری کرنا "سرق" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی چوری کرنا "فسکت" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خاموش ہونا "سار" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی چلنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۵۸۲۷' ومسلم ۲۷۳ (۹۴) ۱۵٤ والترمذی: ۲٦٤٤

سند پر بحث: (۱) محولہ بالا کتب میں یہ روایت حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے' نفس مضمون بعینہ یہی ہے' البتہ مرکزی راوی میں تبدیلی آ گئی ہے۔

(۲) سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثنائیات میں سے ہے' جبکہ بخاری شریف میں یہی روایت کم از کم ''خماسیات'' اور زیادہ سے زیادہ ''سباعیات'' کے درجے تک پہنچتی ہے اور مسلم شریف میں یہی روایت ''ثمانیات'' کے درجے تک پہنچتی ہے۔

مَفْهُوْمٌ : ا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے جو یہ واقعہ بیان فرمایا اس واقعہ کو وہ اپنے ذہن اور قوت حافظہ میں مضبوط طریقے سے موجود پاتے ہوئے صرف نبی علیہ السلام کا ارشاد ہی نقل نہیں فرماتے بلکہ وہ کیفیت تک بیان فرماتے ہیں جس کیفیت میں انہوں نے نبی علیہ السلام سے یہ ارشاد سنا تھا۔

۲۔ اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا میں صدق دل سے توحید اور رسالت کا اقرار کرنے والا ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور داخل ہوگا' خواہ اسے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے ابتداءً جہنم ہی میں کیوں نہ جانا پڑے' قرآن و حدیث میں اس کے واضح دلائل موجود ہیں۔

۳۔ نبی علیہ السلام کی تربیت کی برکت سے حضرات صحابہ کرامؓ کو گناہوں سے ایسی نفرت پیدا ہوگئی تھی کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گناہ نام کی کسی شئے سے بھی وہ واقف نہیں ہیں اور اللہ کی طرف سے ان کے دلوں میں ایمان کی ایسی محبت پیدا ہوگئی تھی جو ان کے رگ و ریشے میں خوب سرایت کر چکی تھی' اس لیے انہیں اس بات پر تعجب ہوتا تھا کہ جنت جیسے پاکیزہ مقام میں ''جو مقام رضاء الٰہی کا نام ہے'' کوئی گناہگار کیسے داخل ہوسکتا ہے؟

اور اس تعجب میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا تھا جب کسی گناہ کا تعلق کسی کی عزت و آبرو کی دھجیاں بکھیرنے سے ہوتا' خواہ فریق مخالف کی رضا مندی سے ہی ہو' یا کسی کے مال و دولت سے ہو' اس لیے جب نبی علیہ السلام نے شہادتین کا اقرار کرنے والے ہر شخص کے حق میں فرمایا کہ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی تو انہوں نے متعجب ہو کر سوچا کہ بعض کلمہ گو ایسے افراد بھی تو ہوں گے جو چوری' بدکاری' قتل و غارت گری اور دیگر گناہوں میں ملوث ہوں گے' کیا یہ لوگ بھی جنت میں چلے جائیں گے؟ اور اسی وسوسے کے ازالے کے لیے انہوں نے بار بار نبی علیہ السلام سے یہ سوال پوچھا کہ یارسول اللہ! اگر چہ کوئی کلمہ گو کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو' تب بھی وہ جنت میں جائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم' سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حکیمانہ فہم و فراست سے مالا مال فرما رکھا تھا' پوری کائنات میں اگر کہیں فہم و فراست کے نمونے دکھائی دیتے ہیں تو وہ اسی کا صدقہ ہیں' جس کا ایک چھوٹا سا نمونہ زیر بحث واقعہ بھی ہے کہ ہر مرتبہ سوال کے بعد کچھ وقفہ تک سکوت فرمایا' پھر اپنی بات کو دہراتے ہوئے یہ احساس دلایا کہ یہ بات میرے منہ سے یوں ہی نہیں نکل گئی بلکہ میں ارادۃً یہ بات کہہ رہا ہوں اور مجھے اس کے آثار و نتائج کا بھی اندازہ ہے۔

اس حکیمانہ اسلوب کے بعد اس عقیدے اور حقیقت کو حضرت ابو درداءؓ یا حضرت ابو ذر غفاریؓ اور ان کے توسط سے پوری امت مسلمہ کے ذہن میں اچھی طرح راسخ کرنے کے لیے آخر میں فرمایا کہ تمہیں یہ بات خواہ کتنی ہی ناگوار

گزرے' اللہ کا فیصلہ بہرحال یہی ہے کہ وہ توحید و رسالت کا اقرار کرنے والے کسی شخص کو خلود جہنم کی سزا نہیں دے گا۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مرتکب کبیرہ ''دخول جہنم'' کا تو مستحق ہے لیکن مؤمن ہونے کی صورت میں وہ ''خلود جہنم'' کا ہرگز مستحق نہیں اور ظاہر ہے کہ ''دخول'' اور ''خلود'' میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

۵۔ پھر اسی حدیث سے داستان عشق و وفاء کا وہ سبق بھی اخذ کیا جا سکتا ہے جسے جماعت صحابہ کرامؓ نے تاریخ اقوام و امم میں انفرادیت کے ساتھ رقم کیا اور آج تک وہ تاریخ عالم میں سنہرے حروف سے لکھی جاتی ہے' ذرا غور تو کیجیے! کہ نبی مکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی کا ایک ضابطہ بیان فرما دیتے ہیں' صحابیؓ کو اللہ کے حلم پر تعجب ہوتا ہے' وہ بار بار سوال کرتے ہیں اور نبی علیہ السلام ہر مرتبہ اسی ضابطے کو بیان فرماتے ہیں اور آخر میں حکیمانہ اور محبت سے بھرپور عتاب کے الفاظ بھی فرما دیتے ہیں' اب عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیان روایت کے وقت وہ صحابیؓ صرف اس ضابطے کو بیان فرما دیں جو نبی علیہ السلام نے پوری امت کے لیے بیان فرمایا تھا اور محبت سے بھرپور عتاب کے ان الفاظ کو ترک کر دیں جن سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہیں سمجھاتے ہوئے ڈانٹنے کا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے لیکن یہ تو ان دیوانوں کی داستان محبت ہے جنہیں اپنے خلیل و حبیب سے ہی نہیں' ان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ سے ایسی محبت تھی جس کا مال و حسن کے پجاری خواب و خیال میں بھی تصور تک نہیں کر سکتے' یہی وہ وارفتگی اور قلبی لگاؤ ہے جس کی بنا پر خلیفہ رابع' حیدر کرار سیدنا علی مرتضیٰؓ کو فاتح خیبر اور امیر المومنین کہلانے سے زیادہ ''ابوتراب'' کہہ کر پکارا جانا زیادہ محبوب تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۱۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ اَبِی مُسْلِمِ الْخَوْلَانِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَ مُعَاذٌ حِمْصَ اَتَاهُ رَجُلٌ شَابٌّ فَقَالَ مَا تَرَى فِيْ رَجُلٍ وَصَلَ الرَّحِمَ وَبَرَّ وَصَدَقَ الْحَدِيْثَ وَاَدَّى الْاَمَانَةَ وَعَفَّ بَطْنَهٗ وَفَرْجَهٗ وَعَمِلَ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ خَيْرٍ غَيْرَ اَنَّهٗ شَكَّ فِى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ اِنَّهَا تُحْبَطُ مَا كَانَ مَعَهَا مِنَ الْاَعْمَالِ قَالَ فَمَا تَرَى فِيْ رَجُلٍ رَكِبَ الْمَعَاصِيَ وَسَفَكَ الدِّمَاءَ وَاسْتَحَلَّ الْفُرُوْجَ وَالْاَمْوَالَ غَيْرَ اَنَّهٗ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ مُخْلِصًا قَالَ مُعَاذٌ اَرْجُوْا وَاَخَافُ عَلَيْهِ قَالَ الْفَتٰى وَاللّٰهِ اِنْ كَانَتْ هِيَ الَّتِيْ اَحْبَطَتْ مَا مَعَهَا مِنْ عَمَلٍ مَا تَضُرُّ هٰذِهٖ مَا عَمِلَ مَعَهَا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ مُعَاذٌ مَا اَزْعَمُ اَنَّ رَجُلًا اَفْقَهَ بِالسُّنَّةِ مِنْ هٰذَا۔

ترجمہ: ابومسلم خولانیؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ نے ''حمص'' میں نزول اجلال فرمایا تو ایک نوجوان شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا' اور کہنے لگا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صلہ رحمی کرتا ہو' نیکی کے کام کرتا ہو' سچ بولتا ہو' امانت ادا کرتا ہو' اپنے پیٹ اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہو اور حسب توفیق نیکی کے دیگر کاموں میں بھی حصہ لیتا

ہو لیکن اللہ اور رسول کے بارے میں شک وشبہ کا شکار ہو؟ فرمایا اس کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

پھر اس نے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو معاصی کے گھوڑے پر سوار رہا' لوگوں کے خون بہاتا رہا' لوگوں کی عزتوں اور مال و دولت کو پامال کرنا حلال سمجھتا رہا لیکن خلوص دل کے ساتھ اس بات کی گواہی بھی دیتا رہا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ مجھے اس کے بارے میں امید بھی ہے اور اندیشہ بھی' یہ سن کر اس نوجوان نے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں شک وشبہ اس کے پاس موجود اعمال کی ساری پونجی کو برباد کر سکتا ہے تو اس کی موجودگی میں یہ اعمال اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے' یہ کہہ کر وہ نوجوان چلا گیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرمانے لگے میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ آدمی سنت کو اتنا جاننے اور سمجھنے والا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الحارثي في مسنده: ۷۲۳۔

حل عبارت: "رجل" موصوف ہے اور "وصل الرحم" سے "غير انه شك" تک اس کی صفات ہیں "وصل" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جوڑنا "بر" ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی حسن سلوک کرنا' نیکی کے کام کرنا' یہ باب نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے "صدق" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سچ بولنا "ادی" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ادا کرنا "عف" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پاکباز ہونا "بطنه" اس کی جمع "بطون" آتی ہے بمعنی پیٹ جیسے "فرج" کی جمع "فروج" آتی ہے بمعنی شرمگاہ "عمل" باب سمع سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی عمل کرنا "استطاع" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طاقت رکھنا۔ "شك" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی شک کرنا۔ "ركب" باب سمع سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سوار کرنا۔

سند پر بحث: ۱۔ ابو مسلم خولانیؒ کبار تابعین میں سے ہیں اور آپ کو حضرات شیخین اور حضرت معاذ بن جبلؓ جیسے جلیل القدر صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے۔

۲۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثلاثیات میں سے ہے۔

۳۔ گو کہ یہ روایت حضرت معاذ بن جبلؓ پر موقوف ہے لیکن محدثین کے اس ضابطے کے مطابق ''جس کا عنقریب تذکرہ ہوا'' درحقیقت یہ مرفوع ہے۔

مفہوم: ۱۔ حضرت معاذ بن جبلؓ جو نبی علیہ السلام کے جلیل القدر اور قریبی صحابہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں' کے ''حمص'' میں ''جو شام کا مشہور شہر ہے'' نزول اجلال کے بعد لوگوں نے ان سے خوب استفادہ کیا اور ان کے ذریعے اپنی علمی تشنگی کو بجھایا کیونکہ یہ حضرت معاذ بن جبلؓ وہی ہیں کہ جب نبی علیہ السلام نے انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو چلتے چلتے ان سے پوچھا تھا کہ لوگوں کے معاملات کس طرح نمٹاؤ گے اور فیصلے کس طرح کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلے

کروں گا' نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ کا حل کتاب اللہ میں نہ ملا تو کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ سنت مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں فیصلے کروں گا' نبی ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ کا حل سنت میں بھی نہ ملا تو کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فیصلے کروں گا' یہ سن کر نبی ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا

الحمد لله الذی وفق رسول رسوله لما یحبه ویرضاه

۲۔عوام کے سامنے اجتماعی طور پر کوئی ایسی بات بلاضرورت نہ کہی جائے جس سے انہیں نیکیوں کی طرف رغبت نہ رہے یا وہ گناہوں پر جری ہو جائیں جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ عام طور پر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے کافر ماضی اور حال میں ایسے بھی نظر آتے ہیں جن کے کندھے بہبود عامہ کے کاموں اور کارناموں پر ملنے والے تمغوں سے سجے نظر آتے ہیں' ان کے چہرے خدمت خلق میں مصروف رہنے کی وجہ سے اطمینان وسکون کی جیتی جاگتی تصویریں ہوتے ہیں اور ان کے جنازوں میں خلقت کے اژدہام سے بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اللہ نے اس کی بخشش کر دی ہوگی' اگر ایسا نہیں تو اس کے ان اعمال کا کیا ہو گا؟

اسی طرح بہت سے مسلمان ''جو نام کے مسلمان ہوتے ہیں'' ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی میں کسی نیکی کے قریب نہیں جاتے' کسی گناہ سے دور نہیں بھاگتے' ان کی زندگی اللہ و رسول کی نافرمانی سے عبارت ہوتی ہے' ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ آیا کلمہ کی برکت سے انہیں جہنم سے نجات مل جائے گی یا اپنے گناہوں کی پاداش میں وہ جہنم کا ایندھن بنا دیے جائیں گے؟

حضرت معاذ بن جبل﵁ کے پاس آنے والے نوجوان کا سوال بھی یہی تھا اور وہ ان سے اس سوال کا تشفی بخش جواب چاہتا تھا' چنانچہ حضرت معاذ بن جبل﵁ نے اس کے سوال کے پہلے حصے کا جواب دیتے ہوئے اس ضابطے کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ایمان کے بغیر اللہ کی بارگاہ میں بڑے سے بڑا نیک عمل بھی غیر مقبول ہے' اسے ایک مثال کی مدد سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کوئی بھی اکائی لکھنے کے بعد اس کے بائیں جانب صفر ڈالتے جائیں مثلاً ۱۰۰۰۰۰۰ اس اکائی کی قیمت نہیں بڑھے گی اور اگر یہی صفر آپ اکائی کی دائیں جانب ڈالنا شروع کر دیں تو عدد کے اعتبار سے اس کی قیمت میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا' اسی طرح اعمال کی مثال بھی صفر کی سی ہے' اگر اسے ایمان کی اکائی کی دائیں جانب ڈالا جائے تو اس کی قیمت بھی لگے گی' بصورت دیگر آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ کفار و مشرکین اور غیر مسلموں کے بہبود عامہ اور خدمت خلق یا نیکی کے دوسرے کاموں کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے تاکہ اللہ کے عدل و انصاف پر کوئی حرف اعتراض نہ اٹھایا جا سکے۔

بَابٌ يَدْرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ

(۱۲) حَمَّادٌ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ، عَنْ رِبْعِىِ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَدْرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ وَلَا يَبْقَى اِلَّا شَيْخٌ كَبِيْرٌ اَوْ عَجُوْزٌ فَانِيَةٌ يَقُوْلُوْنَ قَدْ كَانَ قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا يَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ فَقَالَ صِلَةُ بْنُ زَيْدٍ فَمَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ يَا عَبْدَاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا يَصُوْمُوْنَ وَلَا يُصَلُّوْنَ وَلَا يَحُجُّوْنَ وَلَا يَتَصَدَّقُوْنَ قَالَ يَنْجُوْنَ بِهَا مِنَ النَّارِ۔

آثار اسلام مٹ جانے کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے منقول ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں اسلام ایسے مٹ جائے گا جیسے کپڑے کے داغ دھبے مٹ جاتے ہیں' اس زمانے میں کچھ بوڑھے لوگ رہ جائیں جو یہ کہتے ہوں گے کہ کسی زمانے میں ''لا الہ الا اللہ'' کہنے والے بھی ہوتے تھے' اور یہ بوڑھے افراد خود ''لا الہ الا اللہ'' کا اقرار نہیں کرتے ہوں گے' اس موقع پر موجود ایک صاحب صلہ بن زید بولے کہ اے عبداللہ! اگر لوگ روزے نہ رکھتے ہوں' نماز نہ پڑھتے ہوں' حج نہ کرتے ہوں اور صدقہ وخیرات نہ کرتے ہوں تو انہیں ''لا الہ الا اللہ'' کیا فائدہ دے گا؟ فرمایا کہ اس کی برکت سے کسی نہ کسی وقت وہ نار جہنم سے نجات پا ہی جائیں گے۔

حل عبارت: ''یدرس'' باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مٹ جانا' ''وشی'' بمعنی نقش و نگار داغ دھبے' ''یا عبداللہ'' مسند اعظم کے نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ کاتب کی غلطی ہے کیونکہ یہ حدیث حضرت حذیفہؓ نے بیان کی ہے' عبداللہ نام کے کسی صحابی نے نہیں جن سے سوال کرنے کا کوئی مطلب بنتا ہو' اصل میں یہ لفظ ''یا ابا عبداللہ'' ہے اور ابوعبداللہ' حضرت حذیفہؓ کی کنیت ہے' کاتب سے سہواً ''ابا'' کا لفظ رہ گیا جس کی وجہ سے عبارت میں اشکال پیدا ہوا۔ ''ینجون'' باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی نجات پانا۔

تخریج حدیث: وفی هذا الباب روايات كثيرة واحاديث شهيرة يتقوى بها معنى الحديث وان كانت الالفاظ مختلفه' منها ما رواه احمد و مسلم والترمذى عن انس' ومنها ما رواه احمد و مسلم عن ابن مسعود' ومنها ما رواه الستة والحاكم عن ابى سعيد مرفوعاً لا تقوم الساعة حتى لا يحج البيت۔

سند پر بحث: (۱) حماد' امام ابوحنیفہؒ کے صاحبزادے کا نام ہے جنہوں نے یہ روایت اپنے والد سے بیان کی ہے۔
(۲) حضرت حذیفہؓ مشہور صحابی ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان ان کا لقب ''صاحب سر النبی ﷺ'' مشہور تھا۔

یہ بات ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ماضی قریب میں ایک قابل احترام شخصیت کو ان کے بعض معتقدین نے اس لقب سے تقریر وتحریر میں یاد کرنا شروع کر دیا تھا' جس نے بہت سی خرابیوں کو جنم دیا حالانکہ یہ اصولی بات ہے کہ صحابہ کرامؓ کے وہ القاب جو نبی ﷺ نے انہیں خود مرحمت فرمائے ہوں' وہ انہی کے ساتھ خاص ہوتے ہیں' کسی دوسرے پر اس لقب کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا خواہ اس کی ہستی کتنی ہی قابل احترام کیوں نہ ہو۔

(۳) سند کے اعتبار سے تو اگر چہ یہ روایت ''موقوف'' ہے لیکن حکماً مرفوع ہے جیسا کہ عنقریب بالتفصیل مذکور ہوا۔

(۴) درجۂ حدیث کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثلاثیات میں سے ہے۔

مَفْهُوم : (۱) اس حدیث میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اسلام پر ایسا کڑا وقت بھی آنے والا ہے جب نئی نسل اور نوجوان قوم دین و مذہب کی تمام تر قیودات سے نہ صرف یہ کہ آزاد ہو جائے گی بلکہ اسے دین اسلام کا کلمہ تک نہیں آتا ہوگا' اسلام ایک قصۂ پارینہ بن چکا ہوگا' اسلام کسمپرسی کا شکار ہوگا اور مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث کے عین مطابق ''بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ'' کے حالات سے دو چار ہو کر اجنبیت کا شکار ہو چکا ہوگا' نوجوان نسل دین اسلام سے بیگانہ اور نا آشنا ہو چکی ہوگی۔

نوجوان نسل تو رہی ایک طرف' زمانے کا گرم سرد چکھے ہوئے وہ معمر افراد جو زندگی کا ایک لمبا حصہ گزار چکے ہوں گے' ان کے ذہن میں بھی مسلمانوں کے نمایاں خدوخال محفوظ نہیں ہوں گے' ان کا حافظہ صرف اتنی سی بات یاد رکھ پایا ہوگا کہ کبھی اس دھرتی پر ''لا الہ الا اللہ'' کہنے والے دیوانے بھی ہوا کرتے تھے آج وہ نظر نہیں آتے' اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ان کا حافظہ کمزور ہو گیا ہو' بلکہ عین ممکن ہے انہوں نے بھی صرف نام ہی کے مسلمانوں کا زمانہ پایا ہو اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ اسلام پر تبصرہ کرنے والے یہ بزرگ اور عمر رسیدہ افراد مسلمان ہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم عمر رسیدہ افراد آپس میں مل بیٹھ کر یہ تبصرہ کریں جیسا کہ ''**هم لا يقولون لا اله الا الله**'' سے یہی متبادر ہوتا ہے۔

(۲) گو کہ اس حدیث کو دور حاضر پر مکمل منطبق تو نہیں کیا جا سکتا البتہ حالات حاضرہ کو زیر بحث حدیث میں بیان کیے گئے حالات و واقعات کا پیش خیمہ ضرور قرار دیا جا سکتا ہے' خصوصاً پاکستان میں اس وقت دین اور اہل دین کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے' وہ انتہائی تشویشناک ہے۔

(۳) ترجمۃ الباب کے ساتھ زیر بحث حدیث کی مطابق ''**ينجون بها من النار**'' سے واضح ہوتی ہے کہ کلمہ گو' خواہ وہ کتنا ہی گنہگار اور بدکردار ہو' اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر اپنے اس ایمان کی بدولت جو کلمہ پڑھنے پر اسے حاصل ہوا ہے' جہنم سے نکل کر کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں داخل ہو جائے گا۔

بَابُ مَنْ رَای رَأْیَ الْخَوَارِجِ

(۱۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ وَالْمِسْعَرُ عَنْ یَزِیْدٍ قَالَ کُنْتُ اَرٰی رَأْیَ الْخَوَارِجِ فَسَالْتُ بَعْضَ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ فَأَخْبَرَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ بِخِلَافِ مَا کُنْتُ اَقُوْلُ فَانْقَذَنِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ۔

خوارج جیسی رائے رکھنے والے کا بیان

ترجمہ: یزید بن صہیب کہتے ہیں کہ پہلے میں بھی خوارج کی طرح رائے رکھتا تھا' بعد میں میں نے نبی علیہ السلام کے ایک صحابیؓ سے ان آراء کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ نبی علیہ السلام جو بات فرماتے تھے' وہ اس کے موافق نہ تھی جو میری رائے تھی' اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بچالیا۔

حل عبارت: "اری" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دیکھنا مراد "رائے قائم کرنا" ہے۔ "انقذنی" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچانا "ن" وقایہ کا اور "ی" ضمیر متکلم کی مفعول بہ ہے۔

تخریج حدیث: تابع المسعر "وهو احد من كبار المحدثين واعلامهم" ابا حنيفة فحصل التائيد والتقوية والحديث اخرجه الحارثي في مسنده: ٨١٦

سند پر بحث: ا۔ یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ساتھ مسعر بن کدام نے بھی نقل کی ہے جو کہ انتہائی محتاط محدثین میں شمار ہوتے ہیں اور امام صاحبؒ کے ہم عصر اور ہم سبق بھی ہیں' امام صاحبؒ کی وفات کے تین چار سال بعد فوت ہوئے تھے۔

۲۔ چونکہ امام صاحبؒ کے استاذ یزید بن صہیب "وہ یزید نہیں جس کے دور حکومت میں سیدنا حضرت امام حسینؓ کو شہید کیا گیا تھا" نے اپنے خیالات کی اصلاح کے لیے کسی صحابیؓ سے رجوع کیا تھا اور صحابیؓ نے انہیں نبی علیہ السلام کا فرمان سنایا تھا' اس لیے دو واسطے ہونے کی بنا پر یہ روایت ثنائیات میں شمار ہوتی ہے۔

مفہوم: ا۔ سیدنا علی مرتضیٰؓ کے دور خلافت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو مرتکب کبیرہ کو مخلد فی النار سمجھتا تھا' شفاعت کا منکر تھا' تحکیم "جو صفین کے موقع پر حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان پنچ مقرر ہونے کی صورت میں ہوئی تھی" پر اس گروہ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو بہت ستایا تھا' اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ انتہائی عابد و پرہیز گار لیکن تعمق فی الدین کا شکار اور امت مرحومہ کے متفقہ مسائل میں ایک نئے راستے کا انتخاب کرنے کی وجہ سے امت سے کٹ چکے تھے' اسی لیے انہیں "خوارج" کہا جاتا تھا' یزید بن صہیب "جو زیر بحث واقعے کا مرکزی کردار ہیں" بھی پہلے اسی گروہ کے جال میں پھنس کر ان کے نظریات کا شکار ہو گئے تھے' بعد میں اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور ان کے دل میں خواہش

پیدا ہوئی کہ نبی علیہ السلام کے وہ قریبی صحابہ کرامؓ ''جن سے ابھی دنیا خالی نہیں ہوئی ہے'' سے بڑھ کر دین کو جاننے اور سمجھنے والا کوئی نہیں ہوسکتا اور ان ہی پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جاسکتا ہے' اس لیے اپنے عقائد و نظریات کسی صحابیؓ کے سامنے رکھ کر ان سے احادیث کے حوالے سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

چنانچہ اس تڑپ اور جذبے کے بیدار ہونے پر وہ ایک صحابیؓ ''اغلب گمان کے مطابق جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت جابرؓ ہے'' کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے رہنمائی کے طلبگار ہوئے' صحابی مذکور نے ان کے عقائد و نظریات سن کر نبی علیہ السلام کے جو اقوال وفرامین ذکر فرمائے' ان میں اور ان کے نظریات میں زمین آسمان کا فرق تھا' اس لیے انہوں نے ''خوارج'' کے گروہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور راہ نجات کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔

۲۔ ترجمۃ الباب کے ساتھ زیر بحث حدیث کی مطابقت ''خوارج کے عقیدۂ ایمان'' کے اعتبار سے ہے کیونکہ ان کے نزدیک کسی شخص کا ایمان عمل کے بغیر معتبر ہوتا ہی نہیں اور وہ عمل کو ایمان کا جزو لازم سمجھتے ہیں' جبکہ اہل سنت والجماعت ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کو ضروری تو کہتے ہیں لیکن عملی کمزوری رکھنے والے کو ایمان سے خارج بھی نہیں کرتے اور نہ ہی اعمال کو ایمان کا جزو تسلیم کرتے ہیں۔

باب مَا جَآءَ فِيمَنْ لَا يُثْبِتُ لِنَفْسِهِ الْإِيمَانَ

(۱۴) اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ: كُنَّا مَعَ عَلْقَمَةَ وَعَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ فَسَاَلَهٗ عَلْقَمَةُ فَقَالَ لَهٗ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّ بِبِلَادِنَا قَوْمًا لَا يُثْبِتُوْنَ لِاَنْفُسِهِمُ الْاِيْمَانَ وَيَكْرَهُوْنَ اَنْ يَّقُوْلُوْا اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ بَلْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يَقُوْلُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ اِذَا اَثْبَتْنَا لِاَنْفُسِنَا الْاِيْمَانَ جَعَلْنَا لِاَنْفُسِنَا الْجَنَّةَ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا مِنْ خُدَعِ الشَّيْطَانِ وَحَبَائِلِهٖ وَحِيَلِهٖ اَلْجَاَهُمْ اِلٰى اَنْ دَفَعُوْا اَعْظَمَ مِنَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ وَهُوَ الْاِسْلَامُ وَخَالَفُوْا سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَاَيْتُ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرَضِیَ عَنْهُمْ يُثْبِتُوْنَ الْاِيْمَانَ لِاَنْفُسِهِمْ وَيَذْكُرُوْنَ ذٰلِكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ وَلَا يَقُوْلُوْنَ اِنَّا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَوْ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوٰتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ فَقَالَ لَهٗ عَلْقَمَةُ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَوْ عَذَّبَ الْمَلَائِكَةَ الَّذِيْنَ لَمْ يَعْصُوْهُ طَرْفَةَ عَيْنٍ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ هٰذَا عِنْدَنَا عَظِيْمٌ فَكَيْفَ نَعْرِفُ هٰذَا فَقَالَ لَهٗ يَا ابْنَ اَخِیْ مِنْ هٰهُنَا ضَلَّ اَهْلُ الْقَدَرِ فَاِيَّاكَ اَنْ تَقُوْلَ بِقَوْلِهِمْ فَاِنَّهُمْ اَعْدَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى الرَّادُّوْنَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَلَيْسَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ ﷺ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ

اَجْمَعِيْنَ فَقَالَ لَهٗ عَلْقَمَةُ اِشْرَحْ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ شَرْحًا يُذْهِبُ عَنْ قُلُوْبِنَا هٰذِهِ الشُّبْهَةَ فَقَالَ اَلَيْسَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى دَلَّ الْمَلَائِكَةَ عَلٰى تِلْكَ الطَّاعَةِ وَاَلْهَمَهُمْ اِيَّاهَا وَعَزَّمَهُمْ عَلَيْهَا وَجَبَرَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ وَهٰذِهٖ نِعَمٌ اَنْعَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَا عَلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَوْ طَالَبَهُمْ بِشُكْرِ هٰذِهِ النِّعَمِ مَا قَدَرُوْا عَلٰى ذٰلِكَ وَقَصَرُوْا وَكَانَ لَهٗ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِتَقْصِيْرِ الشُّكْرِ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَّهُمْ۔

جو شخص اپنے لیے ایمان کو ثابت نہ کرے

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علقمہ اور عطاء بن ابی رباح کی خدمت میں حاضر تھے' اس دوران علقمہ نے عطاء سے پوچھتے ہوئے کہا اے ابو محمد! ہمارے شہروں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے لیے ایمان کو ثابت نہیں کرتے اور وہ اپنے آپ کو صراحۃً مومن کہنے سے گھبراتے ہیں اور وہ یوں کہتے ہیں کہ "انشاء اللہ ہم مومن ہیں' عطاء نے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب ہم اپنے لیے ایمان کو ثابت کریں گے تو گویا جنت کو اپنے لیے (خود کو اس کا مستحق) سمجھنے لگیں گے۔

عطاء نے فرمایا سبحان اللہ! یہ تو شیطان کا دھوکہ اور اس کا مکر وفریب ہے جس میں شیطان نے انہیں مبتلا کر کے اللہ کی عظیم نعمت "اسلام" سے دور کر رکھا ہے اور وہ نبی علیہ السلام کی سنت کی مخالفت کر رہے ہیں' میں نے خود نبی علیہ السلام کے صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے لیے ایمان کو ثابت کرتے تھے اور اسے نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے ذکر کرتے تھے۔

پھر عطاء نے فرمایا کہ وہ یہ تو کہتے تھے کہ ہم مؤمن ہیں لیکن یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم یقینی طور پر اہل جنت میں سے بھی ہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین میں تمام بسنے والوں کو عذاب میں مبتلا کر دیں تو وہ ان پر ظلم کرنے والے نہیں ہوں گے' علقمہ نے ان سے پوچھا اے ابو محمد! اگر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو "جو پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے" عذاب میں مبتلا کر دیں تو وہ ظالم نہیں ہوں گے؟ فرمایا' ہاں! ایسی ہی بات ہے' علقمہ نے کہا کہ ہمارے خیال میں تو یہ بہت بڑی بات ہے' ہم اسے کیسے پہچانیں؟ فرمایا اے بھتیجے! یہیں سے تو قدریہ گمراہ ہوئے' تم ان کے عقائد اختیار کرنے سے اپنے آپ کو بچاؤ' کیونکہ وہ اللہ کے دشمن اور اس کی بات نہ ماننے والے ہیں' کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے نہیں فرمایا تھا کہ آپ اعلان کر دیجیے! واضح اور بلیغ ترین حجت اللہ ہی کی ہے' سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت سے نواز دیتا۔

علقمہ نے عرض کیا کہ اے ابو محمد! اس کی اچھی طرح وضاحت فرما دیں تا کہ ہمارے دلوں سے سارے شکوک وشبہات دور ہو جائیں' فرمایا کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس فرمانبرداری کی طرف ملائکہ کو متوجہ فرمایا' ان کے ذہن میں یہ بات ڈالی اور اسے ان پر لازم کر دیا؟ علقمہ نے کہا کہ ایسا ہی ہے' عطاء نے پھر پوچھا کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ نعمتیں اللہ ہی نے ان پر انعام فرمائی ہیں؟ علقمہ نے کہا کہ ایسا ہی ہے' فرمایا کہ اب اگر اللہ ان سے اپنی عطاء کردہ نعمتوں پر شکر کا

مطالبہ کرتا ہے تو یقیناً وہ اس کا حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکیں گے اور اس میں ان سے ضرور کوتاہی ہو گی اور اس کوتاہی پر انہیں سزا دینا اللہ کا حق ہو گا اور اس میں وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہو گا۔

حلِّ عبارت: "خدع" جمع ہے خداع بمعنی دھوکہ کے۔ "حبائل" جمع ہے حبالۃ بمعنی رسی کی' "حِیَلہ" جمع ہے حِیلَۃٌ کی بمعنی خفیہ چال' مکر وفریب' "الجاھم" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی حوالہ کرنا۔ "شرحا" موصوف اور "یذھب" اس کی صفت ہے۔ "الھمھم" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی الہام کرنا۔ "نعم" نعمۃ کی جمع ہے بمعنی احسانات' مہربانیاں۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۷۷' وابوداؤد: ٤٦٩٩ واحمد وغیرہ۔

سند پر بحث: ۱۔ سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد کی روایات میں بعینہٖ یہی الفاظ تو نہیں ہیں لیکن بہت سے الفاظ مشترک ہیں اور مضمون میں تو اشتراک ہے ہی' اور مضمون کا یہ اشتراک ترمذی شریف کی روایت میں اور بھی وضاحت کے ساتھ سامنے آتا ہے بالخصوص جبکہ ترمذی میں یہ مضمون حضرت عطاء بن ابی رباح ہی سے منقول ہے۔

۲۔ سند حدیث میں امام صاحبؒ کے استاد "عطاء" کے والد کا نام "رباح" نقل کیا گیا ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے' عطاء کے والد اپنی کنیت "ابورباح" سے زیادہ مشہور تھے اس لیے ہم نے سند حدیث میں اس کی تصحیح کر دی ہے۔

۳۔ محولہ بالا کتب میں یہ واقعہ ابن دیلمی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے اور زیر بحث حدیث میں اس واقعے کو نقل کرنے والے امام صاحبؒ ہیں۔

۴۔ عطاء بن ابی رباحؒ چونکہ کبار تابعین میں سے ہیں اور انہیں متعدد صحابہ کرامؓ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے اس لیے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثنائیات میں سے ہے۔

مفہوم: ۱۔ بعض اوقات شیطان انسان کو لفظی بھول بھلیوں میں پھنسا کر اس طرح شکار کرتا ہے کہ انسان کسی طرح کی مزاحمت کیے بغیر ہی اس کے دام تزویر میں گرفتار ہو جاتا ہے' اب بظاہر دیکھنے میں تو یہ بات بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اگر ہمیں جنت میں داخلہ نصیب فرما دیں تو ان کی کرم نوازی ہے' ورنہ ہمیں مطالبہ کرنے کا کوئی استحقاق نہیں ہے لیکن اگر ہم اپنے لیے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں تو گویا اپنے آپ کو جنت کا مستحق گردانتے ہیں اور خود کو اہل جنت میں شمار کرنے لگتے ہیں اور یوں بھی انسان کو دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا بالخصوص جبکہ وہ ایمان جیسی عظیم ترین چیز کا دعویٰ ہو' اس لیے ہمیں صراحۃً ایمان کا دعویٰ دار بننے کی بجائے یوں کہنا چاہیے کہ ہم انشاء اللہ مومن اور مسلمان ہیں' اس سے ہم مسلمان بھی رہیں گے اور دعویٰ بھی نہیں ہو گا۔

یہ شیطان کا وہ حملہ ہے جو انسان کو شکوک وشبہات کی اندھیر نگری میں ایسی جگہ لے جا کر مارتا ہے جہاں اسے کوئی بچانے والا نہ ہو' اگر انسان صرف اتنی سی بات پر غور کر لے کہ اپنے اس دعویٰ میں وہ ایمان کو اللہ کی مشیت پر

موقوف کر رہا ہے جبکہ قرآن کریم میں اللہ نے ایمان کو بندے کی اپنی مشیت و خواہش پر موقوف کرتے ہوئے فرمایا ہے

فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر

تو اس کے سامنے حقیقت واضح ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

۲۔ پھر ''اسلام'' تو ویسے ہی اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطاء ہونے والی سب سے زیادہ عظیم نعمت ہے' اس وسوسے کے ذریعے انسان اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ اس عظیم نعمت کی ناشکری ہے تو بھی بے جا نہیں ہوگا۔

۳۔ اس نظریے کی بنیاد شیطان یوں فراہم کرتا ہے کہ یقینی طور پر اپنے لیے ایمان کو ثابت کرنا جنت میں اپنے داخلہ کو قطعیت کے ساتھ ثابت کرنے کے مترادف ہے' اور مستثنیات کے علاوہ کسی شخص معین کے بارے دخول جنت کا دعویٰ کرنا شرعاً ممنوع ہے اور جو چیز ''منہی عنہ'' کو مستلزم ہو وہ خود بھی منہی عنہ اور ممنوع ہوتی ہے کیونکہ خاتمہ کے وقت ایمان نصیب ہونے کا کسی کو علم نہیں لہٰذا دعویٰ ایمان بھی منہی عنہ ہے۔

حالانکہ یہ دلیل غلط ہے کیونکہ اپنے لیے ایمان کا ثبوت پیش کرنا اس ایمان کی بناء پر صحیح ہے جو انسان کو فوری طور پر حاصل ہے لیکن چونکہ کسی انسان کو اپنے خاتمہ کا علم نہیں اس لیے قطعیت کے ساتھ اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ کرنا غلط ہے' گویا یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں جنہیں خلط ملط کرنے کی وجہ سے یہ خرابی لازم آتی ہے۔

۴۔ ترجمۃ الباب سے اس حدیث کا تعلق مسئلہ تقدیر کی وجہ سے ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین میں بسنے والی ساری مخلوق کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں تو انہیں ''ظالم'' نہیں کہا جا سکتا' یہاں انسان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آسمان و زمین میں تو ایسی مخلوقات بھی ہیں جنہوں نے ساری زندگی پلک جھپکنے کی مقدار میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی' کیا اللہ انہیں بھی بغیر کسی جرم کے عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا؟ مثلاً ''ملائکہ'' جن کے بارے خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

لا یعصون الله ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون

اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے قارئین کو راقم کے اس سوال کا جواب دینا ہوگا تاکہ بات واضح ہو جائے کہ کیا نبی علیہ السلام سے بڑھ کر اللہ کی ذات و صفات میں گم ہو کر کوئی شخص اللہ کی عبادت کر سکتا ہے؟ اللہ کی تعریف اور اس کی مدح و ثناء بیان کر سکتا ہے؟ اس کی بلندی اور برتری کو پہچان سکتا ہے؟ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا اور میرا بھی یہی جواب ہے کیونکہ خود نبی علیہ السلام فرماتے تھے۔

لا احصی ثناء علیك' انت کما اثنیت علی نفسك

جب امام الانبیاء اور تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اقرار فرما رہے ہیں کہ ''پروردگار! تیری شان اور مدح و

ثناء کا احاطہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ہم تیری تعریف کا احاطہ کرنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں' ہم تو بس صرف اتنا جانتے ہیں کہ آپ کو آپ سے بڑھ کر کوئی جان سکتا ہے اور نہ بیان کرسکتا ہے'' تو پھر ہماری کیا حیثیت ہے۔

نیز اللہ کی نعمتوں کی جو موسلا دھار بارش ہمہ وقت آسمان و زمین والوں پر متوجہ ہے' یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی ذی روح میں ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی طاقت نہیں' شکر ادا کرنا تو بڑی دور کی بات ہے' ان نعمتوں کو شمار کرنا اور گننا ہی ممکن نہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔

اب اگر اللہ کی صحیح قدر دانی نہ ہو جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے

وما قدروا الله حق قدره

اور اس کی شان و مدح و ثناء کرنے میں کوتاہی رہ جائے اور اس کی نعمتوں کا شکریہ مکمل طور پر ادا نہ ہو سکے' جس کی وجہ سے انہیں سزا دینی پڑ جائے تو یہ عین انصاف ہے' کہ بدلہ دینا تو بڑی دور کی بات ہے' شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتے' گو کہ اللہ ایسا کرتا نہیں ہے لیکن اگر کبھی ایسا کر لے تو اس پر کوئی حرف اعتراض نہیں اٹھا سکتا اور نہ ہی اس کے عدل و انصاف پر کوئی حرف آتا ہے۔

بقدر ضرورت مضمون حدیث کی وضاحت کے بعد یہ بات ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ تقدیر ان اہم ترین مسائل میں سے ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا اور جس میں زیادہ بحث مباحثہ اور الجھنے سے نبی علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ منع فرمایا ہے بلکہ اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اور اسے گزشتہ اقوام و ملل کی ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے' اس لیے اس مسئلہ کی تفصیلات میں الجھنے کی بجائے اپنے اعمال کی طرف توجہ کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْاِیْمَانِ بِالْقَدْرِ

(۱۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ اَنَّ سُرَاقَةَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ حَدِّثْنَا عَنْ دِيْنِنَا كَانَّا وُلِدْنَا لَهٗ اَنَعْمَلُ بِشَیْءٍ قَدْ جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيْرُ وَجَفَّتْ بِهِ الْاَقْلَامُ اَمْ فِيْ شَیْءٍ نَسْتَقْبِلُ فِيْهِ الْعَمَلَ قَالَ بَلْ فِيْ شَیْءٍ قَدْ جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيْرُ وَجَفَّتْ بِهِ الْاَقْلَامُ قَالَ فَفِيْمَ الْعَمَلُ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى۔

تقدیر پر ایمان کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت سراقہؓ نے ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے سوال پوچھتے ہوئے عرض کیا یارسول اللہ!

ہمیں ہمارے دین کے بارے میں ایسی بات ارشاد فرمائیے جس پر ہمیں ایسا اطمینان ہو کہ گویا یہ ہمارا پیدائشی دین ہے' کیا ہم جو کام اور عمل کرتے ہیں تقدیر ان پر چل چکی ہوتی ہے اور قلم انہیں لکھ کر خشک ہو چکے ہوتے ہیں؟ یا ہمارا عمل پہلے ہوتا ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے اعمال ان چیزوں میں سے ہیں جن پر تقدیر چل چکی اور قلم انہیں لکھ کر خشک ہو چکے' انہوں نے عرض کیا کہ پھر عمل کا کیا فائدہ؟ فرمایا کہ تم عمل کرتے رہو' اس لیے کہ ہر انسان جن کاموں کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے وہ کام آسان بھی کر دیے گئے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنا مال راہ خدا میں دوسروں کو دیتا ہے' اللہ سے ڈرتا ہے اور اچھی باتوں کی تصدیق کرتا ہے' ہم اس کے لیے آسانیاں مہیا کر دیں گے اور جو شخص بخل کرتا ہے' بے نیازی برتتا ہے اور اچھی باتوں کی تکذیب کرتا ہے' ہم اس کے لیے مشکلات کو مہیا کر دیں گے۔

حلِ عبارت: "حدثنا" باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بیان کرنا "ولدنا" باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی پیدائش' "انعمل" ہمزہ برائے استفہام اور نعمل باب سمع سے مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی عمل کرنا "جرت" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی چلنا "جفت" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی خشک ہونا "الاقلام" قلم کی جمع ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ٤٦٩٤' وابن ماجه: ٩١' ومسلم: ٦٧٣٥ (٢٦٤٨)

سند پر بحث: ۱۔ اس مضمون کی روایات تمام کتب صحاح میں ائمہ حدیث نے تخریج کی ہیں' الفاظ کا رد و بدل تو ہے لیکن مضمون سب کا مشترک ہے' نیز مسند احمد' مؤطا مالک' معجم کبیر' ابن حبان اور حاکم وغیرہ میں بھی اس مضمون کی روایات موجود ہیں۔

۲۔ امام صاحبؒ کی یہ روایت بنیادی طور پر حضرت سراقہ بن جعشمؓ سے مروی ہے' یہ وہی سراقہ ہیں جنہوں نے ہجرت کے موقع پر نبی علیہ السلام اور ان کے یار غار کا تعاقب کیا تھا اور ان کا گھوڑا زمین میں دھنسا دیا گیا تھا' ان کا اصل نام تو سراقہ بن مالک بن جعشمؓ بن مالک ہے لیکن بعض اوقات ان کے والد کا نام حذف کر کے انہیں دادا کی طرف بھی منسوب کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے۔

۳۔ یہ روایت سنن ابن ماجہ میں بھی حضرت سراقہؓ ہی سے مروی ہے تاہم مسند امام اعظم کی روایت کے اعتبار سے اس میں دو فرق ہیں۔

(الف) امام صاحبؒ کی روایت میں حضرت سراقہؓ سے اس روایت کو نقل کرنے والے حضرت جابرؓ ہیں جبکہ سنن ابن ماجہ میں یہ روایت مجاہد کے حوالے سے منقول ہے۔

(ب) امام صاحبؒ کی سند سے یہ روایت "ثلاثیات" کے زمرے میں آتی ہے جبکہ سنن ابن ماجہ میں یہی روایت "خماسیات" کے زمرے میں آتی ہے' اس اعتبار سے امام صاحبؒ کی سند کا عالی ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

مَفْهُوم: حدیث زیر بحث کا مضمون سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کسی بھی کام کے وجود پذیر ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسب

(۲) خلق

ان میں سے ''کسب'' کا تعلق بندے کے ساتھ ہے اور خلق کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے' یہی وجہ ہے کہ بندہ کبھی خالق نہیں کہلا سکتا' البتہ اسے ''کاسب'' ضرور کہا جا سکتا ہے' اسے ایک مثال سے اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے کہ ایک ماہر کاریگر آپ کے پاس لکڑی کی بڑی خوبصورت اور شاندار الماری تیار کرکے لاتا ہے' آپ اس میں اپنی کتابیں سلیقے سے رکھتے ہیں اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں' اور اس کاریگر کی کاریگری کی داد دیتے ہیں' لیکن اگر آپ اس پر غور کریں کہ یہ الماری اس وقت تک بن نہیں سکتی تھی جب تک کاریگر اور بڑھئی کو لکڑی میسر نہ آتی' اور لکڑی اس وقت تک مہیا نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ درخت نہ اگتا' اور درخت اس وقت تک نہ اگتا جب تک کہ اللہ کی طرف سے دریاؤں' نہروں' تالابوں اور بارش کا پانی میسر نہ آتا تو آپ کی سمجھ میں یہ بات بھی آ جائے گی کہ اگر اللہ درخت نہ اگاتا تو اس الماری کو کبھی وجود کی دولت نہ ملتی۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بندے کی محنت کا اس میں کوئی دخل عمل نہیں ہے' بلکہ بندے کی محنت کا اسے موجودہ شکل تک پہنچانے میں یقیناً بہت بڑا حصہ ہے' اسی طرح کسب اور خلق کو بھی سمجھ لیجیے کہ ''خلق'' کسی چیز کو وجود عطاء کرنے کا نام ہے اور ''کسب'' اس موجود چیز میں اپنی محنت اور کوشش سے کام لے کر مختلف اشیاء ضرورت کو فراہم کرنے کا نام ہے' جب اس نکتے پر غور کیا جائے تو کائنات کی کوئی ایجاد' ایجاد بندہ باقی نہیں رہتی' ہاں! اجتہاد بندہ بہت سی چیزیں ہیں جن سے یہ کائنات بکھری پڑی ہے۔

اس تمہید سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان عاجز اور مجبور و بے بس نہیں ہے بلکہ اسے اللہ کی طرف سے جو صلاحیتیں اور فہم و فراست دی گئی ہے' وہ اسے کائنات کی نعمتوں میں اپنے اختیار کو استعمال کرنے میں مدد فراہم کرتی ہیں اسی ''اختیار'' کی بناء پر اسے ''مکلّف'' بنایا گیا ہے اور اسی ''اختیار'' کی بناء پر اس سے قیامت کے دن اس کے اعمال کی باز پرس ہو گی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے بھی پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی جیسا کہ مسلم شریف کی کتاب القدر میں صراحۃً یہ روایت بھی منقول ہے' اس تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی و ابدی کے مطابق مومن و مشرک' عالم و جاہل' مرد و عورت اور اس سے متعلق تمام تر تفصیلات ''خواہ وہ بے جان ہوں یا جاندار'' تحریر فرما دی تھیں' اور اسی تقدیر کے مطابق یہ کائنات اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے' اور اللہ کی طرف سے اس کا طریقہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ

ہر سال شب قدر کے موقع پر نئے سال کے احکام متعلقہ فرشتوں تک پہنچا دیئے جاتے ہیں جن پر پورا سال عمل ہوتا رہتا ہے۔

یہاں ہر شخص کے ذہن میں فطری طور پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے تقدیر میں سب کچھ لکھ دیا ہے تو پھر ہمیں کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نیکی کے راستے پہ چلنے اور بدی سے بچنے کی کیا ضرورت ہے؟ روزی کمانے اور اولاد حاصل کرنے کے لیے اسباب کو اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ اللہ نے جو لکھ دیا ہے' اس کی خلاف ورزی تو ہو نہیں سکتی؟

میں اس کے جواب میں کسی لمبی چوڑی تقریر اور تمہید کی بجائے صرف اتنا پوچھنا چاہوں گا کہ اللہ نے تو یقیناً پوری کائنات کی تقدیر لکھ رکھی ہے کیا ہم نے بھی وہ لکھی ہوئی تقدیر دیکھی ہے؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو میں کہوں گا کہ پھر تو آپ واقعی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور اگر آپ کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو میں کہوں گا کہ جب آپ کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ آپ کی تقدیر میں کیا لکھا ہے' آپ نے اسے دیکھا اور پڑھا ہی نہیں ہے تو صرف اپنی عقل کی بات مان کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا کوئی عقلمندی نہیں ہے' یہی مطلب ہے نبی علیہ السلام کے اس فرمان کا کہ تم عمل میں کوتاہی نہ کرو' اللہ نے جس مقصد کے لیے تمہیں پیدا کیا ہوگا' اس کے اسباب وہ خود ہی مہیا فرما دے گا۔

(۱۶) حَمَّادٌ، عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ، عَنْ عَبْدِالْعَزِیْزِ بْنِ رُفَیْعٍ، عَنْ مُصْعَبٍ عَنْ سَعْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ اِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَدْخَلَهَا وَمَخْرَجَهَا وَمَا هِيَ لَاقِيَةٌ قِيْلَ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ يُسِّرَ لِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ قَالَ الْاَنْصَارِيُّ الْاٰنَ حَقَّ الْعَمَلُ۔

ترجمہ: "حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر نفس کے داخل ہونے اور خارج ہونے کی جگہ کے بارے میں لکھ رکھا ہے اور یہ کہ وہ کن چیزوں سے آمنا سامنا کرے گا' کسی انصاری صحابیؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! پھر عمل کا کیا فائدہ؟ فرمایا تم عمل کرتے رہو' اس لیے کہ جو شخص جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے اس کے اسباب مہیا کر دیے جائیں گے چنانچہ جو شخص اہل جنت میں ہوگا' اس کے لیے اہل جنت کے اعمال آسان کر دیے جائیں گے اور جو شخص اہل جہنم میں ہوگا' اس کے لیے اہل جہنم والے اعمال آسان ہو جائیں گے' یہ سن کر اس انصاری صحابیؓ نے کہا کہ اب عمل کی حقیقت سامنے آئی۔

حل عبارت: "ما هي" میں جو "ما" ہے' یہ نافیہ یا استفہامیہ نہیں بلکہ "ما" موصولہ ہے اور "التی" کے معنی میں ہے "لاقية"، باب سمع سے اسم فاعل واحد مؤنث کا صیغہ ہے بمعنی ملنا' ملاقات کرنا "یسر"، باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آسان کرنا "حق"، باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ثابت کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۳۶۲، ومسلم: ٦٧٣٣ (٢٦٤٧)، ابوداؤد: ٤٦٩٤، والترمذی: ٢١٣٦، وابن ماجه: ٧٨ ومالك، والدارمی، والنسائی، والحاكم

سند پر بحث: سند حدیث میں امام صاحبؒ کے دوسرے استاذ کا نام ''مصعب'' آیا ہے، یہ حضرت مصعب بن عمیرؓ نہیں بلکہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے صاحبزادے کا نام ہے۔

۲۔ امام صاحبؒ کی سند سے یہ روایت صرف تین واسطوں سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے اور اقسام حدیث کے اعتبار سے یہ ''ثلاثیات'' میں شمار ہوتی ہے لیکن صحاح ستہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں یہی روایت چھ واسطوں سے کم رواۃ سے نقل ہوئی ہو، گویا اس حدیث میں بھی امام صاحبؒ کی سند عالی ہے۔

مفہوم: اس حدیث میں بھی مسئلہ تقدیر ہی کی وضاحت فرمائی گئی ہے، جس کی تفصیلات عنقریب گزر چکی ہیں۔

(۱۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ ابْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ نَفْسٍ اِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللّٰهُ مَدْخَلَهَا وَمَخْرَجَهَا وَمَا هِیَ لَاقِيَةٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَفِيْمَ الْعَمَلُ اِذًا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ اَمَّا اَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُسِّرُوْا لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ وَاَمَّا اَهْلُ السَّعَادَةِ فَيُسِّرُوْا لِعَمَلِ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَقَالَ الْاَنْصَارِیُّ اَلْاٰنَ حَقَّ الْعَمَلُ۔ وَفِیْ رِوَايَةٍ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلَ النَّارِ يُسِّرُ لِعَمَلِ اَهْلِهَا فَقَالَ الْاَنْصَارِیُّ اَلْاٰنَ حَقَّ الْعَمَلُ۔

ترجمہ: اس حدیث کا ترجمہ، حل عبارت، تخریج سند اور مفہوم سب وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے۔ تکرار سے بچنے کے لیے ہم اسے دوبارہ نہیں دہرائیں گے البتہ اتنی بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ گزشتہ حدیث میں سائل کے ''انصاری'' ہونے کی صراحت نہیں کی گئی تھی جبکہ یہاں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَهْلِ الْقَدْرِ

(۱۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجِیْءُ قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ لَا قَدْرَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ مِنْهُ اِلَی الزَّنْدِقَةِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ وَاِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَا تُوْا فَلَا تُشَيِّعُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ وَمَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ حَقٌّ عَلَی اللّٰهِ اَنْ يُلْحِقَهُمْ بِهِمْ فِی النَّارِ۔

منکرین تقدیر کی مذمت

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک جماعت ایسی بھی آئے گی

جو تقدیر کو نہیں مانے گی، پھر وہ زندقہ کی راہ پر چل پڑے گی، ایسے لوگوں سے جب تمہارا آمنا سامنا ہو تو انہیں سلام مت کہو، اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کے لیے نہ جاؤ، اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو، کیونکہ یہ گروہِ دجال ہے اور یہ لوگ اس امت کے مجوسی ہیں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ حکم طے ہو گیا ہے کہ وہ انہیں جہنم میں مجوسیوں کے ساتھ اکٹھا کرے گا۔

حلِّ عبارت: "قوم" موصوف ہے اور "یقولون" اس کی صفت "لقیتموھم" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ملاقات کرنا "لا تسلموا" باب تفعیل سے نہی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی سلام کرنا "مرضوا" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی بیمار ہونا "لا تعودوھم" باب نصر سے نہی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی عیادت کرنا، "لا تشیعوھم" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پیچھے چلنا۔ "شیعۃ" بمعنی گروہ "یلحقھم" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ملا دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ٤٦٩٢، وابن ماجه: ٩٢، واحمد: ٥٥٨٤۔

سند پر بحث: ۱۔ نافع، حضرت ابن عمرؓ کے انتہائی قریبی اور عزیز شاگرد ہیں، جن کے ذریعے حضرت ابن عمرؓ کی مرویات کا ایک بہت بڑا حصہ امت تک پہنچا ہے، پہلے یہ حضرت ابن عمرؓ کے غلام تھے، بعد میں انہوں نے انہیں آزاد کر کے علم دین کے تعلیم و تعلم کے لیے وقف کر دیا۔

۲۔ مسند امام اعظم کی یہ سند "ثلاثیات" کے درجے میں آتی ہے اور دیگر کتب حدیث میں یہی روایت چھ واسطوں سے نقل ہو کر ہم تک پہنچتی ہے، اس اعتبار سے دیگر کتب حدیث میں اس روایت کا درجہ "سداسیات" میں سے ہے۔

مفہوم: زیر بحث حدیث کا مضمون سمجھنے سے پہلے یہ سمجھئے کہ "زندیق" کسے کہتے ہیں؟ تاکہ حدیث کی مراد سمجھنا آسان ہو جائے۔

زندیق کی تعریف: جو لوگ دین اسلام کو سرے سے ہی نہیں مانتے، انہیں تو "کافر" کہا جاتا ہے، جو لوگ دین اسلام قبول کرنے کے بعد کسی اور دین مثلاً یہودیت، عیسائیت یا ہندومت وغیرہ میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں، انہیں "مرتد" کہا جاتا ہے اور جو لوگ زبانی طور پر تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں لیکن اپنے دل میں کفریہ عقائد بھی رکھتے ہوں اور قرآن و سنت کی نصوص میں تحریف کر کے انہیں اپنے باطل اور مبنی بر کفر عقائد پر منطبق کر کے اپنے جذبات کی تسکین کرتے ہوں، انہیں "زندیق" کہا جاتا ہے۔

زندیق کا شرعی حکم: جس طرح مرتد واجب القتل ہے، اسی طرح زندیق بھی واجب القتل ہے، البتہ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اس کی سزا کے معاف ہونے یا نہ ہونے میں علماء کرام کے مختلف اقوال و آراء ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ کی رائے تو یہ ہے کہ اگر زندیق توبہ کر لے تو اس کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے قتل کی سزا معاف کر دی جائے گی، امام مالکؒ اس کی توبہ کا اعتبار

نہیں کرتے اور اسے بہرصورت واجب القتل قرار دیتے ہیں؛ امام احمد بن حنبلؒ سے دونوں طرح کی روایات منقول ہیں؛ جبکہ احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر کے قتل کی سزا معاف کر دی جائے گی اور اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔

ابتداء اسلام میں ''قدریہ'' ایک فرقہ گزرا ہے؛ اس فرقے کے لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ ''تقدیر'' کی کوئی حیثیت نہیں؛ انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے اور انسان اپنے فیصلوں میں خود مختار ہے اور انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے؛ اس اعتبار سے ہر انسان ''خالق'' کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے کیونکہ ہر انسان کوئی نہ کوئی کام تو سر انجام دیتا ہی ہے؛ یہی حال مجوسیوں کا ہے جو ''خدا'' کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے خالق خیر کو ''یزداں'' اور خالق شر کو ''اھرمن'' کا نام دیتے ہیں۔ اسی مناسبت کی وجہ سے ''قدریہ'' کو اس امت کے ''مجوسی'' قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ زیر بحث حدیث سے تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص تقدیر کا منکر ہو تو انسانیت کے ناطے اس کے وہ حقوق بھی ادا کرنا منع ہیں جو دوسرے کفار کے حق میں ممنوع نہیں چنانچہ کسی حدیث میں کافر کے بیمار ہونے پر اس کی بیمار پرسی کی ممانعت نہیں کی گئی لیکن ''قدریہ'' کی بیمار پرسی سے روک دیا گیا؛ انہیں سلام کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور ان کے جنازوں میں شرکت پر پابندی لگا دی گئی؛ نیز انہیں دجال کے اعوان و انصار میں سے قرار دے کر ان سے بچنے کی تلقین کی گئی؛ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر انہیں ''زندیق'' قرار دیا گیا جس کے بارے آپ علماء کرام کا فتویٰ پڑھ آئے ہیں کہ وہ واجب القتل ہے۔

(۱۹) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجِيءُ قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ لَا قَدَرَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ مِنْهُ اِلَى الزَّنْدِقَةِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ وَاِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْا جَنَائِزَهُمْ فَاِنَّهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ وَمَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَحَقًّا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يُلْحِقَهُمْ بِهِمْ فِي النَّارِ۔

فائدہ: اس حدیث کا ترجمہ وتشریح؛ سند اور تخریج وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں آپ کی نظروں سے گزرا؛ البتہ فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث ''ثلاثیات'' میں سے تھی اور یہ ثنائیات میں سے ہے۔

(۲۰) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ سَالِمٍ؛ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْقَدَرِيَّةَ وَقَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلِيْ اِلَّا حَذَّرَ اُمَّتَهٗ مِنْهُمْ وَلَعَنَهُمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ''قدریہ'' پر لعنت فرمائے؛ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا؛ انہوں نے اپنی امت کے ''قدریہ'' سے لوگوں کو ڈرایا اور انہیں ملعون قرار دیا۔

حلِ عبارت: "لعن" باب فتح سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لعنت کرنا "حذر" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ڈرانا' تنبیہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی فی مسنده : ۸۹ ۔

سند پر بحث: ا۔ حضرت ابن عمرؓ سے اس روایت کو نقل کرنے والے "سالم" ان کے بیٹے ہیں جو اپنے والد کے "باب حدیث" میں صحیح جانشین ہیں۔

۲۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثنائیات میں سے ہے۔

مفہوم: یوں تو مسئلہ تقدیر اور قدریہ پر بقدر ضرورت گفتگو ہو چکی' لیکن یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر قرآن و حدیث میں کسی شخص یا فرقے کو ملعون قرار دیا گیا ہو تو اس سے اس کا کافر ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ کفر اور لعنت ایک دوسرے کو لازم ملزوم نہیں اور نہ ہی لعنت بول کر کفر مراد لینا شائع ذائع ہے' اس لیے اس حدیث سے "قدریہ" کے کافر ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا' تاہم انہیں "زندیق" قرار دیے جانے سے ان کی پوزیشن اور حیثیت ضرور واضح ہو جاتی ہے۔

(۲۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ اللّٰهُ الْقَدَرِيَّةَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ وَلَا رَسُوْلٍ اِلَّا لَعَنَهُمْ وَنَهٰى اُمَّتَهٗ عَنِ الْكَلَامِ مَعَهُمْ۔

فائدہ: یہ بھی گزشتہ حدیث ہی کی طرح ہے' البتہ فرق اتنا ہے کہ گزشتہ روایت کا درجہ "ثنائیات" میں سے تھا اور اس کا درجہ "ثلاثیات" میں سے ہے' نیز گزشتہ حدیث کے راوی حضرت ابن عمرؓ تھے اور اس حدیث کی روایت حضرت بریدہؓ کی طرف منسوب ہے۔

(۲۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اور وہ دجال کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ٤٦٩١

بَابُ مَا جَآءَ فِی الشَّفَاعَةِ

(۲۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ يَزِيْدِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ يَخْرُجُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ قَالَ يَزِيْدُ فَقُلْتُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ

مِنۡهَا قَالَ جَابِرٌ اِقۡرَأۡمَا قَبۡلَهَا اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا اِنَّمَا هِيَ فِي الۡكُفَّارِ وَفِيۡ رِوَايَةٍ يَخۡرُجُ قَوۡمٌ مِنۡ اَهۡلِ الۡاِيۡمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَزِيۡدُ قُلۡتُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوۡلُ وَمَا هُمۡ بِخَارِجِيۡنَ مِنۡهَا فَقَالَ جَابِرٌ اِقۡرَأۡ مَا قَبۡلَهَا اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ذٰلِكَ الۡكُفَّارُ وَفِيۡ رِوَايَةٍ عَنۡ يَزِيۡدٍ قَالَ سَأَلۡتُ جَابِرًا عَنِ الشَّفَاعَةِ فَقَالَ يُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوۡمًا مِنۡ اَهۡلِ الۡاِيۡمَانِ بِذُنُوۡبِهِمۡ ثُمَّ يُخۡرِجُهُمۡ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلۡتُ فَاَيۡنَ قَوۡلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَذَكَرَ الۡحَدِيۡثَ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

شفاعت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو میری شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال لیں گے، راوی حدیث یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ وہ جہنم سے نکلنے والے نہیں؟ (پھر اس حدیث کا کیا مطلب؟) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ اس سے پہلے بھی تو پڑھو، یہ حکم کافروں کے لیے ہے کہ انہیں جہنم سے نکلنا نصیب نہ ہوگا اور نبی علیہ السلام نے مؤمنین کا حکم بیان فرمایا ہے دوسری روایت میں بھی اسی طرح سوال جواب مذکور ہے اور تیسری روایت میں ہے کہ میں نے حضرت جابرؓ سے ''شفاعت'' کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ایک گروہ کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا اور بعد میں نبی علیہ السلام کی سفارش پر انہیں جہنم سے نکال لے گا، یہ سن کر یزید اور حضرت جابرؓ کے درمیان مذکورہ سوال جواب ہوئے۔

حل عبارت: ''بشفاعة'' اس جار مجرور کا متعلق ''یخرج'' ہے جو کہ لفظوں میں موجود ہے، اس اعتبار سے یہ ظرف لغو ہے ''اقرأ'' باب فتح سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پڑھنا ''یعذب'' باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عذاب دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ٤٧١ (١٩١)، ٤٧٢، ٤٧٣۔

سند پر بحث: ۱۔ اس حدیث کی سند میں امام صاحبؒ کے جس استاذ یزید بن صہیب کا ذکر ہے، ان کی کنیت ابوعثمان ہے اور انہیں ''فقیر'' بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ لفظ ''فقر'' سے نہیں ''فقار'' سے نکلا ہے جس کا معنی ''ریڑھ کی ہڈی'' ہے، ان کی ریڑھ کی ہڈی میں بہت شدید قسم کی تکلیف رہتی تھی، جس کی وجہ سے بالآخر ان کی کمر جھک گئی تھی اس لیے انہیں ''فقیر'' کہا جاتا ہے۔

۲۔ مسلم شریف میں یہ روایت بعینہ انہی الفاظ سے تو منقول نہیں لیکن مضمون و مفہوم حدیث یہی ہے۔

۳۔ امام صاحبؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف دو واسطے ہونے کی وجہ سے یہ روایت ''ثنائیات'' میں سے ہے۔

مفہوم: مسئلہ تقدیر سے متعلق احادیث کی تخریج کے بعد یہاں سے مسئلہ شفاعت کی احادیث کا آغاز ہو رہا ہے، جس

میں معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان اختلاف رائے موجود ہے' چنانچہ معتزلہ منکرین شفاعت میں سے ہیں اور اہل سنت والجماعت کی رائے یہ ہے کہ قیامت کے دن جناب رسول اللہ ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا مقام عظیم حاصل ہوگا' آپ ﷺ اس وقت ''جبکہ لوگوں کو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف سے عدم استحقاق شفاعت کا جواب مل چکا ہوگا'' پوری کائنات کے لوگوں کی سفارش اپنے پروردگار سے کر کے حساب کتاب شروع کروائیں گے اور گناہگار مسلمانوں کی سفارش کر کے ان کے دخول جنت کا سبب بنیں گے' پھر بقیہ انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ و اولیاء' حفاظ و قراء' علماء اور شہداء بھی اللہ کی اجازت و مشیت کے مطابق سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو قبول بھی فرمائیں گے' جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اس سلسلے میں معتزلہ کی سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ نبی علیہ السلام' دیگر انبیاء اور منتخب افراد کی شفاعت و سفارش سے گناہگاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخلہ دے دیا جائے گا تو یہ خلاف عدل ہو گا' اس لیے کہ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ گناہگار کو چھوٹ نہ دی جائے اور نیکوکار کو اس کی نیکی کا بدلہ دیا جائے' ورنہ نیکوکار اور بدکار میں کوئی فرق نہ رہے گا کیونکہ دونوں بہرحال جنت میں ہی جائیں گے۔

دوسری دلیل اہل اعتزال کی یہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات ''جن میں اجمالاً قانون مکافات عمل بیان کیا گیا ہے'' بھی مسئلہ شفاعت کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ ہیں جیسے یہ ارشاد باری تعالیٰ

وجزاء سیئة سیئة مثلها

نیز وہ آیات قرآنی بھی ''شفاعت'' کا انکار کرتی ہیں جن میں مکافات عمل کے اس قانون کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مجرم کو اپنے جرم کی سزا بہرحال بھگتنا ہی ہوگی' چنانچہ کہیں قتلِ عمد کے بارے ارشاد ہے

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءه جهنم خالدا فیها

اور کہیں پاکدامن' عفت مآب عورتوں پر تہمت لگانے والوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

''ولهم عذاب عظیم''

جبکہ بعض آیات میں تو صراحۃً ''شفاعت'' کا انکار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

''فما تنفعهم شفاعة الشافعین''

اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے

''ولا شفیع یطاع''

یہ اور اس طرح کی بہت سی آیات و احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ قیامت کے دن کوئی کسی کی سفارش نہ کر سکے گا' ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے ان دلائل کا جواب نہایت مضبوط انداز میں دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ خلاف عدل ہونا اور سزا کو معاف کر دینا دو الگ الگ چیزیں ہیں، اگر صاحب حق اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور متعلقہ آدمی کو معاف کر دے تو یہ اس کی عالی ظرفی اور وسعت قلبی کی دلیل ہوتی ہے، دنیا میں بھی یہی اصول اور ضابطہ ہے کہ معاف کرنے والے کو لوگ ہمیشہ اچھی نظروں سے دیکھتے اور اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کی سفارش پر اپنے حقوق تو معاف فرما دیں گے لیکن حقوق العباد کی ادائیگی اس دن بھی ضروری ہوگی تا آنکہ صاحب حق اس سے دستبردار ہو جائے یا اسے معاف کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت، خلاف عدل نہیں، موافق فضل ہے اور اللہ کی طرف سے اپنے حق سے دستبردار ہونے کی رضا مندی کی علامت ہے رہی وہ آیات قرآنیہ جن سے معتزلہ استدلال کرتے ہیں، ان تمام کا تعلق کفار کے ساتھ ہے اور وہ ہمارے نزدیک بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اسی طرح وہ احادیث جن سے بظاہر معتزلہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، ان میں بھی اور دیگر آیات قرآنیہ میں بھی شفاعت کا مستقل اختیار حاصل ہونے کی نفی ہے اور اسے اللہ کے اذن پر موقوف قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ ہمارے خلاف نہیں، اس لیے کہ ہمیں بھی اس بات سے اتفاق ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، زبان بھی نہیں ہلا سکے گا۔

رہی یہ بات کہ اپنے مذہب کی تائید کے لیے اہل سنت والجماعت کے پاس کیا دلائل ہیں جن پر وہ اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں؟ تو اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اثبات شفاعت سے متعلق وارد شدہ احادیث کو اگر جمع کر لیا جائے تو وہ خبر متواتر کے درجے تک پہنچتی ہیں جن میں سے چند ایک اسی کتاب میں آپ کی نظروں سے گزریں گی، اس کے علاوہ حدیث کی تمام کتابوں میں اس مضمون کی روایات کثرت کے ساتھ منقول ہیں، ہم یہاں ان میں سے صرف تین حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ شفاعتی لاھل الکبائر من امتی

اس حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں، امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں، امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں، امام ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں، امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں، امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں، طبرانیؒ نے معجم کبیر میں اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں کی ہے اور اسی کتاب میں بھی عنقریب آ رہی ہے۔

۲۔ شفاعتی یوم القیامۃ حق، فمن لم یؤمن بھا لم یکن من اھلھا

''قیامت کے دن میری سفارش برحق ہے، جو اس پر ایمان نہیں لاتا، وہ اس کا اہل بھی نہیں۔''

یہ حدیث احمد بن منیع نے اپنی مسند میں تخریج کی ہے، جو حضرت زید بن ارقمؓ کے علاوہ دس سے زائد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے منقول ہے۔

۳۔ عن انس قال: من کذب بالشفاعة فلا نصیب له

''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ شفاعت کی تکذیب کرنے والے کا کوئی حصہ نہیں۔''

اس حدیث کی تخریج سعید بن منصور نے اپنی سنن میں، امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور ہناد نے کی ہے۔

(۲۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ اِبْرَاهِیْمَ، عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ رَبْعِیِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ یُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَوْمًا مِنَ الْمُوَحِّدِیْنَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا امْتُحِشُوْا وَصَارُوْا فَحْمًا فَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی الْجَنَّةَ فَیَسْتَغِیْثُوْنَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی مِمَّا تُسَمِّیْهِمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ فَیُذْهِبُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جہنم سے موحدین کی ایک جماعت کو نکالے گا، ان کی کھال جل چکی ہوگی اور وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخلہ نصیب فرمائے گا، جنتی انہیں ''جہنمی'' کے نام سے پکارا کریں گے، چنانچہ وہ اللہ سے اس سلسلے میں درخواست کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے اس کی علامت بھی دور فرما دیں گے۔

حل عبارت: ''امتحشوا'' باب افتعال سے ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کھال کا جل جانا ''صاروا'' باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی ہو جانا ''فحما'' اس کا معنی کوئلہ ہے ''یستغیثون'' باب استفعال سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی فریاد کرنا، درخواست کرنا ''تسمیهم'' باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی نام رکھنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٦٥٦٦، ٧٤٣٩، ومسلم ٤٥٧ (١٨٤) وابوداؤد ٤٧٤٠، والترمذی: ٢٥٩٧ والنسائی: ١١٤١، وابن ماجه: ٤٣٠٩

سند پر بحث: ۱۔ زیر بحث حدیث جس سند سے مروی ہے اس میں نبی علیہ السلام اور امام صاحبؒ کے درمیان پانچ واسطے ہیں اور درجے کے اعتبار سے یہ روایت ''خماسیات'' کے زمرے میں آتی ہے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اس روایت میں صحاح ستہ میں سب سے زیادہ قریب روایت سنن ابن داؤد کی ہے اور وہ بھی پانچ واسطوں سے ہو کر ''خماسیات'' کے درجے پر فائز ہے۔ اس اعتبار سے مسند امام اعظم اور سنن ابی داؤد کی اس روایت کا درجہ ایک ہی ہو جاتا ہے جو یقیناً امام ابوداؤد کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

مفہوم: ۱۔ قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی مشرک جنت میں کبھی داخل نہیں ہو سکے گا، اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہوگا اور اسے وہاں سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا، نیز اس بات پر بھی احادیث وآیات قرآنیہ صراحةً دلالت کر رہی ہیں کہ کوئی مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، کبھی نہ کبھی اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا

جائے گا۔

۲۔ مستند احادیث سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ پر مسلمان کے جسم کا وہ حصہ حرام قرار دے رکھا ہے جس سے وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے یعنی اعضاء سجدہ جہنم کی آگ کا لقمہ نہیں بنیں گے' اور یہی چیز جہنم میں مؤمن اور غیر مؤمن میں شناخت کا سبب بنے گی۔

۳۔ اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ جہنم کی آگ سے جل کر کوئلہ بن جانے والے موحدین کو بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے گا' یہ مجمل ہے' جبکہ مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث میں اس کی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ انہیں جہنم سے نکال کر سب سے پہلے ''آب حیات'' کی ایک نہر میں غوطہ دلایا جائے گا' جب وہ اس نہر سے نکلیں گے تو ان کے جسم پر نئی کھال آ چکی ہوگی' اور وہ تمام داغ دھبے دور ہو چکے ہوں گے جو جہنم کی آگ میں جلنے کی وجہ سے ان کے جسم میں پیدا ہو گئے تھے' البتہ ایک نشان باقی رہ جائے گا جس کی وجہ سے جنتی یہ شناخت کر سکیں گے کہ یہ جہنم سے نکل کر آنے والے افراد ہیں اور کچھ عرصہ تک ان کی یہی شناخت رہے گی۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ لوگ بارگاہ ایزدی میں عرض گزار ہوں گے کہ بار الہا! جب تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں جہنم سے نجات عطاء فرما دی تو اب اس کی طرف نسبت سے بھی ہمیں خلاصی عطاء فرما' چنانچہ اللہ تعالیٰ اس نشان کو بھی ختم فرما دیں گے جس سے ان کی پرانی شناخت ختم ہو جائے گی جیسا کہ اگلی روایت میں بھی آ رہا ہے۔

۴۔ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کے مطابقت اس حدیث کے دوسرے طرق کو ملانے سے زیادہ واضح ہوتی ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ جہنم سے ان لوگوں کی گلوخلاصی نبی علیہ السلام کی شفاعت کی برکت سے ہوگی۔

(۲۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قَالَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الشَّفَاعَةُ يُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِذُنُوْبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم فَيُؤْتٰى بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيَغْتَسِلُوْنَ فِيْهِ ثُمَّ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَيُسَمُّوْنَ فِى الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ ثُمَّ يَطْلُبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَيُذْهِبُ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمَ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ يُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِنْ اَهْلِ النَّارِ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ وَالْقِبْلَةِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وَذٰلِكَ هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ فَيُؤْتٰى بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيُلْقَوْنَ فِيْهِ فَيَنْبُتُوْنَ بِهٖ كَمَا يَنْبُتُ الثَّعَارِيْرُ ثُمَّ يُخْرَجُوْنَ مِنْهُ وَيُدْخَلُوْنَ الْجَنَّةَ فَيُسَمَّوْنَ فِيْهَا الْجَهَنَّمِيِّيْنَ ثُمَّ يَطْلُبُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ يُّذْهِبَ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمَ فَيُذْهِبَ عَنْهُمْ۔ وَزَادَ فِىْ اٰخِرِهٖ وَعُتَقَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ وَرَوٰى اَبُوْ حَنِيْفَةَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ اَبِىْ رُوْبَةَ شَدَّادِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''مقام محمود'' والی آیت میں ''مقام محمود'' سے مراد ''شفاعت'' ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا' اس کے بعد میری سفارش پر انہیں جہنم سے رہائی نصیب ہوگی' جہنم سے رہائی کے بعد انہیں ''حیوان'' نامی ایک نہر پر لایا جائے گا' وہ اس میں غسل کریں گے' پھر جنت میں داخل ہوں گے' جنت میں انہیں ''جہنمی'' کہہ کر پکارا جائے گا' پھر وہ اللہ سے درخواست کریں گے تو یہ نام بھی ان سے دور کر دیا جائے گا۔

ایک دوسری روایت میں بھی یہی مضمون آیا ہے جس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس کے بعد انہیں ''اللہ کے آزاد کردہ لوگ'' کہا جانے لگے گا' نیز امام صاحبؒ نے اس روایت کو ایک دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے۔

حلِ عبارت: "فیؤتی" باب ضرب سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا' یوں تو یہ فعل' لازم ہے لیکن "ب" حرف جر کے ذریعے اسے متعدی کر لیا گیا ہے اور اب اس کا معنی لانا ہے "الحیوان" جنت کی ایک نہر کا نام ہے' بعض روایات میں **"الحیوۃ"** کا لفظ بھی وارد ہوا ہے۔ **"فیسمون"** باب تفعیل سے مضارع مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی نام رکھنا۔ **"الثعاریر"** چھوٹی ککڑیوں کو کہتے ہیں جو بہت تیزی سے اگتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

تخریج حدیث: حسب ما تقدم

سند پر بحث: یہ روایت حضرت ابو سعید خدریؓ کے حوالے سے امام صاحبؒ نے دو مختلف سندوں سے نقل فرمائی ہے اور دونوں سندوں سے یہ روایت ''ثنائیات'' کے درجے میں آتی ہے' ایک سند میں امام صاحبؒ کے استاذ عطیہ ہیں اور دوسری سند میں شداد بن عبدالرحمٰن ان کے استاذ ہیں۔

مفہوم: مسئلہ شفاعت سے متعلق اجمالی وضاحت تو عنقریب گزر چکی ہے' اس لیے اسے یہاں دوبارہ ذکر کرنا تطویل مالا یطال کے زمرے میں آتا ہے' تاہم ''مقام محمود'' کی وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس حدیث کا مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہو جائے اور بخاری شریف کی اس حدیث کا مفہوم بھی واضح ہو جائے جس میں اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعاء کی فضیلت ''اثبات شفاعت'' ذکر فرمائی گئی ہے۔

یوں تو مقام محمود کی تشریح و تعریف کے سلسلے میں محدثین اور مفسرین نے تفصیلی کلام فرمایا ہے لیکن ہم ان تمام اقوال کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے ''مقام محمود'' کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے وہ تمام امتیازات جو قیامت کے دن ساری کائنات کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہو جائیں گے اور آپ کی وہ تمام خدمات جو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا اور آپ کی وہ تمام خوبیاں جن پر خالق کائنات بھی آپ کی مدح سرائی کرتا ہے' ان امتیازات و خدمات اور خوبیوں کو ''مقام محمود'' کہتے ہیں۔

چنانچہ دوسری مرتبہ نفخ صور کے بعد سب سے پہلے قبر مبارک سے باہر نکلنے کا معاملہ ہو یا کائنات کے سارے

انسانوں کی شفاعت عظمیٰ کا مسئلہ ہو' حوض کوثر پر اپنے امت کے ایک ایک فرد کا استقبال ہو یا پل صراط پر جہنم سے حفاظت کا معاملہ ہو' مبارک ہاتھوں میں تھمے ہوئے لواء حمد کے نیچے آدم و اولاد آدمؑ سب ہی کے جمع ہونے کی کیفیت ہو یا میدان محشر میں سوار ہو کر آنے کا امتیاز ہو' ہر موقع پر ہم سب کے آقا و مولیٰ' امام الانبیاء' صاحب قاب قوسین' نبی المشرقین والمغربین' آمنہ کے لخت جگر اور خواجہ عبداللہ کے فرزند ارجمند' وجہ تخلیق کائنات' سیدنا ومولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی نرالی شان دکھائی دیتی ہے' یہی وہ ''مقام محمود'' ہے جس کا کتب حدیث اور خود قرآن کریم میں بھی ذکر آیا ہے۔

(۲۶) حَمَّادٌ، عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ، عَنْ عَطِیَّةَ الْعَوْفِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقْرَأُ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قَالَ یُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَوْمًا مِّنَ النَّارِ مِنْ اَهْلِ الْاِیْمَانِ وَالْقِبْلَةِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَذٰلِكَ هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ فَیُؤْتٰی بِهِمْ نَهْرًا یُقَالُ لَهُ الْحَیَوَانُ فَیُلْقَوْنَ فِیْهِ فَیَنْبُتُوْنَ كَمَا یَنْبُتُ الثَّعَارِیْرُ ثُمَّ یُخْرَجُوْنَ فَیُدْخَلُوْنَ الْجَنَّةَ فَیُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ ثُمَّ یَطْلُبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی اَنْ یُّذْهِبَ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمَ فَیُذْهِبُ عَنْهُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو **"عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا"** کی تلاوت کرتے ہوئے سنا' آپ ﷺ نے تلاوت کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اہل قبلہ میں سے ایک جماعت کو میری شفاعت کی برکت سے جہنم سے رہائی عطاء فرمائے گا' یہی ''مقام محمود'' ہے' اس کے بعد انہیں ''حیوان'' نامی ایک نہر پر لایا جائے گا' اور اس نہر میں انہیں غوطہ دیا جائے گا جس سے وہ اس طرح اگ آئیں گے جیسے چھوٹی ککڑیاں اگتی ہیں' پھر انہیں وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا' وہاں انہیں ''جہنمی'' کے نام سے پکارا جائے گا' پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اس نام کے زائل ہونے کی درخواست کریں گے اور ان سے یہ نام بھی دور کر دیا جائے گا۔

حل عبارت: ما فی الحدیث کلمة صعبة وان کانت فحسب ما تقدم

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٤٧١٨۔

سند پر بحث: ا۔ اس حدیث کی تخریج میں بخاری شریف کا جو حوالہ دیا گیا ہے' بعینہ اس کے الفاظ تو وہ نہیں ہیں جو امام صاحبؒ کی روایت میں ہیں لیکن اشتراک مضمون کی مناسبت سے اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے' رہی یہ بات کہ سند کے اعتبار سے امام صاحبؒ کی روایت کس درجے پر آتی ہے تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ یہ امام صاحبؒ کی ''ثنائیات'' میں سے ہے' اس اعتبار سے اس کی سند بہت عالی ہے۔

مفہوم: ا۔ اس حدیث میں ''مقام محمود'' کی وضاحت خود نبی علیہ السلام سے ''شفاعت'' منقول ہے جس سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے' کیونکہ علامہ سیوطیؒ نے شفاعت مصطفیٰ ﷺ کو آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

ا۔ شفاعت عظمیٰ: شفاعت کی یہ قسم نبی علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے اور اس سے ساری مخلوق مستفید ہوگی' یہ وہی شفاعت ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مخلوقات کا حساب کتاب شروع فرمائیں گے۔

۲۔ اپنی امت کا حساب کتاب پہلے لیے جانے کے بارے شفاعت: چنانچہ ابن ابی الدنیا نے مرفوعاً ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی علیہ السلام اللہ سے درخواست فرمائیں گے۔

"یا رب عجل حسابهم"

چنانچہ سب سے پہلے اس امت کا حساب لیا جائے گا۔

۳۔ جہنم کی طرف دھکیل کر لے جائی جانے والی جماعت کی سفارش: چنانچہ مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا میری امت کے ایک گروہ کو جہنم کی طرف دھکیل کر فرشتے لے جا رہے ہوں گے' میرے امتی مجھے دیکھ کر کہیں گے کہ ہم آپ کو قسم دیتے ہیں' آپ ہماری سفارش فرما دیجئے' بالآخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے انہیں جہنم سے خلاصی نصیب ہوگی۔

۴۔ اپنے چچا خواجہ ابو طالب کے لیے سفارش' جس کی برکت سے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔

۵۔ جنت میں بلا حساب کتاب داخلہ کے لیے اپنی امت کے ایک گروہ کی سفارش۔

۶۔ جنت میں اہل جنت کے داخلے کی رکاوٹوں کے دور کرنے کی سفارش۔

۷۔ اہل جنت کے درجات میں بلندی و ترقی کی سفارش۔

۸۔ مرتکب کبیرہ' گناہگاروں کی سفارش

اس آخری شق کی دلیل میں حدیث نمبر ۲۹ کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو کہ عنقریب آیا چاہتی ہے۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ عقیدہ کی خرابی اگر حد کفر تک نہ پہنچی ہو' تو انسان کسی نہ کسی وقت جہنم سے نکال لیا جائے گا لیکن اگر عقیدہ کی خرابی حد کفر تک پہنچ جائے تو پھر انسان کے لیے جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں رہتا۔

بَابُ مَا يُغْنِى عَنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ اِيْمَانُهُمْ؟

(۲۷) حَمَّادٌ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ' عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَدْخُلُ قَوْمٌ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ النَّارَ بِذُنُوْبِهِمْ فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ مَا اَغْنٰى عَنْكُمْ اِيْمَانُكُمْ وَنَحْنُ وَاَنْتُمْ فِى دَارٍ وَاحِدَةٍ نُعَذَّبُ فَيَغْضَبُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ فَيَأْمُرُ اَنْ لَا يَبْقٰى فِى النَّارِ اَحَدٌ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَيُخْرَجُوْنَ وَقَدِ احْتَرَقُوْا حَتّٰى صَارُوْا كَالْحُمَمَةِ السَّوْدَاءِ اِلَّا وُجُوْهَهُمْ فَاِنَّهٗ لَا يُزَرِّقُ اَعْيُنَهُمْ وَلَا تُسَوِّدُ وُجُوْهَهُمْ فَيُؤْتٰى بِهِمْ نَهْرًا عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَيَغْتَسِلُوْنَ فِيْهِ فَيَذْهَبُ كُلُّ فِتْنَةٍ وَاَذًى ثُمَّ

يُدْخَلُوْنَ الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَكُ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ فَيُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ ثُمَّ يَدْعُوْنَ فَيُذْهَبُ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمُ فَلَا يُدْعَوْنَ بِهٖ اَبَدًا فَاِذَا خَرَجُوْا قَالَ الْكُفَّارُ يَا لَيْتَنَا كُنَّا مُسْلِمِيْنَ فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۔

ایمان سے مؤمن کو کیا فائدہ ہوگا؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اہل ایمان کی ایک جماعت اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں داخل ہوگی تو مشرکین ان سے کہیں گے کہ تمہیں تمہارے ایمان نے کیا فائدہ دیا؟ ہم اور تم اکٹھے ایک ہی جگہ عذاب میں مبتلا ہیں' یہ سن کر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو جائیں گے اور وہ حکم دیں گے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والا ایک آدمی بھی جہنم میں باقی نہ رہے چنانچہ انہیں نکال لیا جائے گا لیکن اس وقت تک چہرے کے علاوہ ان کا سارا جسم جل کر سیاہ کوئلے کی طرح ہو چکا ہوگا' البتہ ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوئی ہوں گی اور نہ ہی ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' پھر انہیں جنت کے دروازے پر بہتی ہوئی ایک نہر کے پاس لایا جائے گا' وہ اس میں غسل کریں گے اور ان سے ہر تکلیف اور داغ دھبہ دور ہو جائے گا۔

اس کے بعد انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور ایک فرشتہ ان کا استقبال کرتے ہوئے کہے گا کہ تم خوب رہے' اب ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ' جنت میں ان لوگوں کو جہنمی کے نام سے پکارا جائے گا' کچھ عرصہ بعد وہ اللہ سے دعاء کریں گے اور یہ نام بھی ان سے دور کر دیا جائے گا اور اس کے بعد انہیں کبھی اس نام سے نہیں پکارا جائے گا' جس وقت یہ لوگ جہنم سے نکلنے لگیں گے' اس وقت تک کفار تمنا کریں گے کہ کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے' یہی مراد ہے اس ارشاد ربانی کی ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔

حل عبارت: "ما اغنی" میں "ما" استفہامیہ ہے اور "اغنی" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بے پرواہ بنانا "دار" اس کی جمع دور آتی ہے بمعنی گھر "یغضب" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ناراض ہونا۔ "احد یقول" میں "احد" موصوف ہے اور "یقول" اپنے مقولہ سے مل کر اس کی صفت ہے "احترقوا" باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی جل جانا "لا یزرق" باب تفعیل سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نیلا کر دینا۔ "طبتم" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی عمدہ ہونا' اچھا ہونا۔

تخریج حدیث: اخرج بنحوه الحكيم الترمذى فى نوادر الاصول' وابن المبارك وابن جرير' والبيهقى' والطبرانى وابن ابى حاتم وابن شاهين والهيثمى: ۱۰/۳۷۹۔

سند حدیث کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ثنائیات میں سے ہے کیونکہ امام صاحبؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

مَفْهُوم: ا۔ بنیادی طور پر اس حدیث میں ''کلمہ'' کی عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ہر کلمہ گو بالآخر کلمہ کی برکت سے جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائے گا ور فضل الٰہی اس کی دستگیری ضرور فرمائے گا۔

۲۔ جہنم میں گو کہ ابتداء تو گنہگار مسلمان اور کفار دونوں ہی ہوں گے لیکن ان میں دو فرق بہت بنیادی اور واضح ہوں گے۔

(الف) گنہگار سے گنہگار مسلمان بھی ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا جبکہ کفار و مشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے' انہیں وہاں سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔

(ب) بظاہر دونوں ہی عذاب میں مبتلا ہوں گے لیکن اس عذاب کی کمیت اور کیفیت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔

۳۔ اس حدیث سے ''چہرے'' کا پورے جسم انسانی میں اشرف الاعضاء ہونا بھی ثابت ہوا۔

۴۔ اس حدیث سے ان مغرب زدہ عالم نما جہلاء کے اعتراض کا جواب بھی ہو گیا جو ہمیشہ اہل اسلام پر زبان طعن دراز کیے رکھتے ہیں اور مختلف طریقوں سے یہ اعتراض دہراتے رہتے ہیں کہ اگر مسلمان اللہ کے نزدیک پسندیدہ قوم ہیں تو ان میں غربت' پستی' بیروزگاری' فقر و فاقہ اور دنیاوی آسائشوں سے محرومی کیوں پائی جاتی ہے؟ گویا ان کے نزدیک اللہ کی پسندیدگی اور محبوبیت یا ناراضگی اور ناپسند کا اعتبار اور معیار یہ معمولی اور گھٹیا چیزیں ہیں' حالانکہ ان میں سے ایک چیز بھی اللہ کی رضا اور پسندیدگی یا ناراضگی اور ناپسند کا معیار نہیں' اس کے نزدیک تو اصل معیار ''تقویٰ'' ہے چنانچہ ارشاد باری ہے

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جہنمی بھی مسلمانوں کو یہی طعنہ دیں گے کہ تمہارے کلمہ اور ایمان نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ دیکھو ہم اور تم ایک جیسے عذاب میں مبتلا ہیں؟ اگر تم اللہ کی پسندیدہ قوم ہو تو یہ ''عذاب'' چہ معنی دارد؟ اس پر اللہ کو جلال آئے گا اور وہ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے ہر شخص کو جہنم سے نکال لے گا جو سچے دل سے اس اقرار پر موت تک قائم رہا ہو اور اس کا خاتمہ ایمان کی حالت میں ہوا ہو' اور یہی ان کفار و مشرکین کا جواب ہوگا جو اپنی زبان طعن دراز کر رہے ہوں گے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیمَنْ یُنَادِیْ رَبَّهٗ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ

(۲۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ اِبْرَاهِیْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ یَبْقٰی اَحَدٌ مِنَ الْمُوَحِّدِیْنَ فِی النَّارِ قَالَ نَعَمْ رَجُلٌ فِیْ قَعْرِ جَهَنَّمَ یُنَادِیْ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتَهٗ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَتَعَجَّبُ مِنْ ذٰلِكَ

الصَّوتِ فقَالَ الْعَجَبُ الْعَجَبُ ثُمَّ لَمْ يَصْبِرْ حَتّٰى يَصِيْرَبَيْنَ يَدَیْ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ سَاجِدًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا جِبْرَئِيْلُ فَيَرْفَعُ رَاسَهٗ فَيَقُوْلُ مَا رَأَيْتَ مِنَ الْعَجَائِبِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا رَاٰهُ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنْ قَعْرِ جَهَنَّمَ يُنَادِیْ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ فَتَعَجَّبْتُ مِنْ ذٰلِكَ الصَّوْتِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَا جِبْرَئِيْلُ اِذْهَبْ اِلٰى مَالِكٍ وَقُلْ لَهٗ اَخْرِجِ الْعَبْدَ الَّذِیْ يُنَادِیْ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ فَيَذْهَبُ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى بَابٍ مِنْ اَبْوَابِ جَهَنَّمَ فَيَضْرِبُهٗ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ مَالِكٌ فَيَقُوْلُ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ اَخْرِجِ الْعَبْدَ الَّذِیْ يُنَادِیْ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ فَيَدْخُلُ فَيَطْلُبُهٗ فَلَا يُوْجَدُ وَاَنَّ مَالِكًا اَعْرَفُ بِاَهْلِ النَّارِ مِنَ الْاُمِّ بِاَوْلَادِهَا فَيَخْرُجُ فَيَقُوْلُ لِجِبْرَئِيْلَ اِنَّ جَهَنَّمَ زَفَرَتْ زَفْرَةً لَا اَعْرِفُ الْحِجَارَةَ مِنَ الْحَدِيْدِ وَلَا الْحَدِيْدَ مِنَ الرِّجَالِ فَيَرْجِعُ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى يَصِيْرَ بَيْنَ يَدَیْ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ سَاجِدًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا جِبْرَئِيْلُ لِمَ لَمْ تَجِئْ بِعَبْدِیْ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ مَالِكًا يَقُوْلُ اِنَّ جَهَنَّمَ قَدْ زَفَرَتْ زَفْرَةً لَا اَعْرِفُ الْحَجَرَ مِنَ الْحَدِيْدِ وَلَا الْحَدِيْدَ مِنَ الرِّجَالِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قُلْ لِمَالِكٍ اِنَّ عَبْدِیْ فِیْ قَعْرِ كَذَا وَكَذَا فِیْ سِتْرِ كَذَا وَ كَذَا وَ فِیْ زَاوِيَةِ كَذَا وَ كَذَا فَيَدْخُلُ جِبْرَئِيْلُ فَيُخْبِرُهٗ بِذٰلِكَ فَيَدْخُلُ مَالِكٌ فَيَجِدُهٗ مَطْرُوْحًا مَنْكُوْسًا مَشْدُوْدًا نَاصِيَتُهٗ اِلٰى قَدَمَيْهِ وَيَدَاهُ اِلٰى عُنُقِهٖ وَاجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْحَيَّاتُ وَالْعَقَارِبُ فَيَجْذِبُهٗ جَذْبَةً حَتّٰى تَسْقُطَ عَنْهُ الْحَيَّاتُ وَالْعَقَارِبُ ثُمَّ يَجْذِبُهٗ جَذْبَةً اُخْرٰى حَتّٰى تَنْقَطِعَ مِنْهُ السَّلَاسِلُ وَالْاَغْلَالُ ثُمَّ يُخْرِجُهٗ مِنَ النَّارِ فَيُصَيِّرُهٗ فِیْ مَاءِ الْحَيَاةِ وَيَدْفَعُهٗ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ فَيَأْخُذُ بِنَاصِيَتِهٖ وَيَمُدُّهٗ مَدًّا فَمَا مَرَّ بِهٖ جِبْرَئِيْلُ عَلٰى مَلَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اِلَّا وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ اُفٍّ لِهٰذَا الْعَبْدِ حَتّٰى يَصِيْرَ بَيْنَ يَدَیْ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ سَاجِدًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا جِبْرَئِيْلُ وَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَبْدِیْ اَلَمْ اَخْلُقْكَ بِخَلْقٍ حَسَنٍ اَلَمْ اُرْسِلْ اِلَيْكَ رَسُوْلًا اَلَمْ يَقْرَأْ عَلَيْكَ كِتَابِیْ اَلَمْ يَأْمُرْكَ وَيَنْهَكَ حَتّٰى يُقِرَّ الْعَبْدُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلِمَ فَعَلْتَ كَذَا وَ كَذَا فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ يَارَبِّ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ حَتّٰى بَقِيْتُ فِی النَّارِ كَذَا وَ كَذَا خَرِيْفًا لَمْ اَقْطَعْ رَجَائِیْ مِنْكَ يَا رَبِّ دَعَوْتُكَ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ وَاَخْرَجْتَنِیْ بِفَضْلِكَ فَارْحَمْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اِشْهَدُوْا يَا مَلَائِكَتِیْ بِاَنِّیْ رَحِمْتُهٗ ۔

یا حنان یا منان کہہ کر اللہ کو پکارنے والے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا موحدین میں سے کوئی شخص جہنم میں باقی بھی رہے گا؟ فرمایا' ہاں' ایک آدمی ہوگا جو جہنم کی سب سے نچلی تہہ میں اللہ کو اس کے دو ناموں ''یا حنان یا منان'' سے پکار رہا ہوگا' وہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام کا گزر ہوگا اور وہ اس کی آواز سن لیں گے' انہیں اس آواز پر تعجب ہوگا اور وہ کہیں گے کہ تعجب ہے جہنم سے ایسی آواز آ رہی ہے' پھر ان سے رہا نہ جائے گا اور وہ عرش الٰہی کے سامنے حاضر ہو کر سجدہ ریز ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبریل! سر اٹھاؤ' وہ سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ باوجودیکہ ہر چیز سے واقف ہیں ان سے پوچھیں گے کہ تم نے کیا عجیب چیز دیکھی ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ پروردگار! میں نے جہنم کی سب سے نچلی تہہ سے ایک شخص کی آواز سنی ہے جو آپ کو ''یا حنان یا منان'' کہہ کر پکار رہا ہے مجھے اس آواز پر تعجب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبریل! مالک (داروغہ جہنم) کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میرے اس بندے کو جہنم سے نکال کر لائے' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام جہنم کے ایک دروازے پر پہنچ کر دستک دیں گے' مالک نکلے گا' وہ اس سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میرے اس بندے کو جہنم سے نکال لو جو ''یا حنان یا منان'' پکار رہا ہے، مالک یہ سن کر جہنم میں داخل ہوگا' لیکن تلاش کے باوجود وہ بندہ اسے نہیں ملے گا' حالانکہ مالک اہل جہنم کو اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ پہچانتا ہے جتنا ماں اپنی اولاد کو پہچانتی ہے' چنانچہ مالک حضرت جبریل علیہ السلام سے کہے گا کہ جہنم کی آگ بہت بھڑک رہی ہے جس کی وجہ سے اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ میں پتھر اور لوہے' لوہے اور آدمی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔

جبریل یہ سن کر لوٹ جائیں گے اور عرش الٰہی کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جبریل! سر اٹھاؤ! میرے بندے کو کیوں نہیں لائے؟ وہ عرض کریں گے کہ پروردگار! مالک کہہ رہا ہے کہ جہنم کی آگ بہت بھڑک رہی ہے جس کی وجہ سے مجھے پتھر اور لوہے' لوہے اور آدمی کے درمیان امتیاز نہیں ہو پا رہا' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ مالک سے جا کر کہہ دو کہ میرا وہ بندہ جہنم کی فلاں تہہ' فلاں پردے اور فلاں کونے میں پڑا ہوا ہے۔

جبریل وہاں پہنچ کر مالک کو یہ سب کچھ بتائیں گے' مالک جب مقررہ جگہ پر پہنچے گا تو اس شخص کو پھٹکار زدہ' دھتکارا ہوا' پیشانی کو پاؤں سے جکڑا ہوا اور ہاتھوں کو گردن سے بندھا ہوا پائے گا اور اسے سانپ اور بچھو چمٹے ہوئے ہوں گے' مالک اسے ایک مرتبہ اپنی طرف کھینچے گا تو وہ سانپ اور بچھو جھڑ کر گر پڑیں گے اور دوبارہ کھینچنے پر اس کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ٹوٹ کر گر پڑیں گی اور پھر مالک اسے جہنم سے نکال لائے گا اور اسے نہر حیات میں غوطہ دلا کر جبریلؑ کے حوالے کر دے گا۔

جبریل اسے پیشانی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے روانہ ہوں گے، راستہ میں فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوگا، وہ یہی کہے گی کہ افسوس ہے اس بندے پر، یہاں تک کہ جبریل عرش الٰہی کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جبریل! سر اٹھاؤ، پھر اس بندے کی طرف متوجہ ہو کر فرمائیں گے اے میرے بندے! کیا میں نے تجھے بہترین صورت میں پیدا نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تیرے پاس اپنے پیغمبر کو نہیں بھیجا تھا؟ کیا اس پیغمبر نے تیرے سامنے میری کتاب کی تلاوت نہیں کی تھی؟ کیا اس نے تجھے اچھے کاموں کا حکم اور بری باتوں سے منع نہیں کیا تھا؟ بندہ ان سب چیزوں کا اقرار کرے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ پھر تو نے فلاں فلاں کام کیوں کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا جس کی وجہ سے مجھے اتنی دیر جہنم میں رہنا پڑا، لیکن اس دوران میں نے تجھ سے امید کا ناطہ نہ توڑا اور میں تجھے ''یاحنان یامنان'' کہہ کر پکارتا ہی رہا، اب تو نے اپنے فضل سے مجھے جہنم سے نکال ہی دیا ہے تو اب مجھ پر رحم بھی فرما دے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے اس پر رحم کر دیا۔

حل عبارت: ''قعر'' گہرائی ''یتعجب'' باب تفعل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تعجب کرنا ''ساجدا'' ترکیب میں ''یصیر'' کی ہو ضمیر سے حال ہے جس کا مرجع ''جبریل'' ہے ''اخرج'' باب افعال سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی نکالنا، ''یطلبه'' باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تلاش کرنا ''اعرف'' اسم تفضیل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی زیادہ پہچاننے والا، ''زفرت'' باب ضرب سے ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی چنگھاڑنا، بھڑکنے کی آواز، ''لم لم تجی'' پہلا حرف استفہام ہے اور دوسرا نافیہ ہے جو مضارع پر داخل ہو کر اسے ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے، باب ضرب سے نفی حجد بلم کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آنا۔ ''الحیات'' حیة کی جمع ہے بمعنی سانپ ''العقارب'' عقرب کی جمع ہے بمعنی بچھو۔ ''فیجذبه'' باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھینچنا۔ ''فیصیره'' باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کر دینا، یہاں غوطہ دلانا مراد ہے ''عبدی'' اصل میں ''یاعبدی'' تھا، قرینہ کی وجہ سے حرف نداء کو حذف کر دیا گیا ہے ''رَحِمْتُهٗ'' باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی رحم کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه احمد: ۱۳۴۴۴ و ابو یعلی فی مسندیهما والبیهقی بسند صحیح عن انس مرفوعاً والحارثی فی مسنده: ۳۶۶۔

مفہوم: ۱۔ اس حدیث مبارکہ میں ایک موحد کے جہنم کی سب سے نچلی تہہ میں اللہ کو خلوص دل کے ساتھ اس کے دو مبارک ناموں ''یاحنان یامنان'' سے پکارنے پر اس کی گلوخلاصی کا ذکر کیا گیا ہے، اسی بناء پر بعض علماء کرام کی رائے یہ بھی ہے کہ ''یاحنان یامنان'' اللہ کے وہ عظیم نام ہیں جن سے دعا کرنے والے کی دعاء ہمیشہ قبول ہوتی ہے اور جن کا وسیلہ پیش

کر کے ہر درخواست کو پورا کروایا جا سکتا ہے گویا حنان اور منان اللہ کا وہ اسم اعظم ہے جس کے عظیم فضائل کتب حدیث میں موجود ہیں، مزید تفصیل کے لیے حضرت مولانا محمد موسیٰ الروحانی البازیؒ کی ''فتح اللہ'' اور ''الکنز الاعظم'' ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ اپنے اپنے شعبے میں ماہر آدمی بھی ہر وقت اپنے ذہن میں مکمل جزئیات محفوظ رکھنے پر قادر نہیں، اور یہیں سے قرآن کریم کا یہ عظیم اصول اپنی مکمل حقیقت کے ساتھ ہم پر آشکارا ہوتا ہے۔

وفوق کل ذی علم علیم (یوسف)

۳۔ حضرت جبریل کے متعلق اعداء اسلام ''یہود'' بے بہود گمان اور خیالات رکھتے ہیں انہیں ترحم اور شفقت کے جذبات سے عاری قرار دیتے ہیں اور انہیں اللہ کے عذاب کی نشانی قرار دیتے ہیں، گو کہ قرآن کریم سے بڑھ کر اللہ کی رحمت نہیں ہوسکتی جو حضرت جبریل کی وساطت سے اللہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب منور پر ۲۳ سال کے طویل عرصے میں نجماً نجماً نازل کیا، لیکن حسی آنکھ سے دیکھنے والوں کے لیے یہ واقعہ ایک مضبوط ترین دلیل ہے۔

۴۔ اگر بشری تقاضوں کی وجہ سے انسان کوئی گناہ کر بیٹھے تو اسکی فوراً تلافی کرنا، اس پر ندامت کا اظہار کرنا اور اللہ سے اور متعلقہ بندوں سے معافی مانگ لینا اس کی خوبی کی علامت ہے اور اس پر اکڑ جانا شیطانیت کی دلیل۔

۵۔ اللہ کی رحمت سے انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنی مایوسیوں اور محرومیوں کا علاج رحمت خداوندی کی امید اور سہارے سے کرنا چاہیے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں سمجھا جائے کہ رحمت خداوندی کی آرزو اپنے ذہن میں بٹھا اور جما کر انسان گناہ کے کاموں پر دلیر ہو جائے اور نیکی کے کاموں سے پیچھے ہٹ جائے، بلکہ اللہ سے امید بھی ہمیشہ اچھی رکھے اور اللہ کا خوف بھی اپنے دل و دماغ کے ایک ایک کونے میں پیوست کر دے، یہ کامیابی کی علامت ہے اور یہی نجات کی ضمانت ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الشَّفَاعَةِ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ

(۲۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُوْرِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ الْبُلْخِيِّ، وَ مُحَمَّدِ بْنِ عِيْسٰى وَيَزِيْدِ الطُّوْسِيِّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ اُمَيَّةَ الْحَذَّاءِ الْعَدَوِيِّ عَنْ نُوْحِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ يَزِيْدِ الرَّقَاشِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنْ تَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ وَاَهْلِ الْعَظَائِمِ وَاَهْلِ الدِّمَاءِ۔

کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کی شفاعت کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم نے ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے عرض کیا یارسول اللہ! قیامت کے دن آپ کن لوگوں کی سفارش فرمائیں گے؟ فرمایا کبیرہ گناہوں، بڑے بڑے جرائم اور خونریزی کرنے والوں کی۔

حلِ عبارت: ''تشفع'' باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سفارش کرنا ''الکبائر'' کبیرۃ

کی جمع ہے بمعنی بڑا اس کے مقابلے میں صغائر کا لفظ آتا ہے جو صغیرۃ کی جمع ہے "**العظائم**"عظیمۃ کی جمع ہے جو کہ عظیم کی مؤنث ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ۲۴۳۵' وابوداؤد: ۴۷۳۹' والطیالسی: ۹۹۸' وابن ماجه: ۴۳۱۰

مفہوم: ا۔ اس حدیث کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کو اپنی امت کے حال پر شفقت کا جو تعلق ہے' اسے ظاہر کیا جائے یہ حدیث کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والوں اور بڑے بڑے جرائم پیشہ افراد کو تحفظ دینے کے لیے ہرگز دلیل نہیں بن سکتی' اور نہ ہی اس حدیث کا یہ مقصد ہے۔

۲۔ صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے بھی قیامت کے دن پریشان ہوں گے' لیکن ان کی پریشانی دور کرنے کے لیے بہت سے اعمال اور بہت سے افراد موجود ہوں گے' جبکہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب کا تصور بھی روح فرسا ہے' اس لیے نبی علیہ السلام نے ان کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا۔

۳۔ اس حدیث میں ''اہل الکبائر'' اور ''اہل العظائم'' دو لفظ استعمال کیے گئے ہیں' جو بعض حضرات کی رائے کے مطابق ایک ہی معنی ادا کرتے ہیں اور بعد والا جملہ پہلے کے لیے عطف تفسیری ہے' لیکن بعض محدثین نے ان دونوں میں فرق کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''کبائر'' سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور ''عظائم'' سے مراد وہ گناہ ہیں جو حقوق العباد سے متعلق ہوں۔

اور ''اہل الدماء'' سے مراد ناحق کسی کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگنے والے افراد ہیں' کیونکہ قاتل ''باوجودیکہ اتنا بڑا گنہگار ہے کہ ایک شخص' کے قتل سے پوری انسانیت کے قتل کا گناہ اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے'' بہرحال دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دولت ایمان ''خواہ ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی ہی مانند ہو'' اسے حاصل ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ مستحق شفاعت ہوتا ہے۔

۴۔ یہاں ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کے مطابق تو کوئی بھی شخص دنیا میں جو مرضی کرتا پھرے' ظلم و زیادتی کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے' بدکاری و فحاشی کی انتہا سے بھی آگے بڑھ جائے' سینکڑوں اور ہزاروں معصوم و بے گناہ لوگوں کو قتل کردے اور گناہ کے کسی کام میں بھی پیچھے نہ رہے' اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا' اور وہ نبی علیہ السلام کی شفاعت کی برکت سے جنت میں چلا جائے گا۔

کیا نبی علیہ السلام ایسے ہی لوگوں کی سفارش فرمائیں گے؟ کیا دنیا میں کیے گئے گناہوں اور مظالم کی موجودگی میں بھی ایسے لوگ سفارش کے مستحق ہوں گے؟ کیا ان میں اور دوسرے اہل جنت میں کوئی فرق رہ جائے گا؟ یہ وہ سوال ہیں جو اس موقع پر ایک عام آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جی ہاں! نبی علیہ السلام ایسے ہی لوگوں کی سفارش فرمائیں گے۔ علماء' حفاظ' قراء اور

نیک لوگوں کی سفارش نہیں فرمائیں گے اس لیے کہ سفارش کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں مقدمہ کمزور ہو اور جہاں مقدمہ مضبوط ہو وہاں وہ لوگ سفارش حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے بلکہ وہ تو خود دوسروں کی سفارش کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ علماء حفاظ' قراء اور دوسرے نیک لوگ بھی اللہ کی اجازت سے سفارش کریں گے۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خیرت بین الشفاعة، او یدخل نصف امتی الجنة، فاخترت الشفاعة لانها اعم واکفی، اترونها للمتقین؟ لا، ولکنها للمتلوثین الخطاؤون" [مسند احمد: ٥٤٥٢]

رہی یہ بات کہ کیا یہ لوگ اتنے گناہوں اور مظالم کے باوجود بھی سفارش کے مستحق ہوں گے؟ تو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے' کیونکہ ان کے پاس ''ایمان'' کی دولت ایک ایسی عظیم نعمت خداوندی ہے جو انہیں جہنم میں ہمیشہ جلنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی' یہ خدائی فیصلہ ہے جسے نبی علیہ السلام کی شفقت کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ان میں اور دوسرے اہل جنت میں کیا فرق ہوگا؟ اس فرق کو ایک مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص پر پولیس کی طرف سے کسی جرم کے ارتکاب پر مقدمہ قائم کیا گیا' اسے پکڑ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں' اس کے بعد اسے جیل میں پہنچا دیا گیا' اسے جیل میں جتنی مرضی سہولیات فراہم کر دی جائیں' بہرحال! وہ جیل ہی رہے گی اور جیل میں جانا اس کی شخصیت کو عیب دار بنا دے گا' لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر کہیں گے کہ یہ شخص جیل کی ہوا کھا کر آیا ہے اور یہ کہ اگر فلاں شخص سفارش نہ کرتا تو یہ اب تک جیل میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔ اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جو لوگ خدائی جیل خانے کی ہوا کھا کر جنت میں داخل ہوں گے ان میں اور سیدھے جنت میں داخل ہونے والوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیے جانے کے باوجود ان کے نام کے ساتھ ''جہنمی'' کا لاحقہ ایک عرصے تک لگا رہے گا جو ظاہر ہے کہ کسی بھی آدمی کے لیے شرمندگی کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ رُؤْیَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی

(۳۰) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ ابْنِ اَبِیْ خَالِدٍ وَبَیَانِ بْنِ بِشْرٍ عَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ جَرِیْرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ یَقُوْلُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ لَا تَضَامُوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ فَانْظُرُوْا اَنْ لَا تُغْلَبُوْا فِیْ صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا قَالَ حَمَّادٌ یَعْنِی الْغَدْوَةَ وَالْعَشِیَّ۔

رؤیت باری تعالیٰ کا بیان

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا عنقریب تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے چودھویں

رات کا چاند دیکھتے ہو، جس کے دیکھنے میں تمہیں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہوتی، اس لیے دیکھو! اگر تم طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز نہ چھوڑ سکو تو ایسا ضرور کرو (کیونکہ ان دو نمازوں کو رؤیت باری کے حصول میں خاص دخل ہے)

حلِ عبارت: "سترون" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی دیکھنا "لیلۃ البدر" "القمر" کے لیے عطف بیان ہے "لا تضامون" اس لفظ کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے۔

ا۔ **لا تضامون** میم کی تشدید کے ساتھ، خواہ تاء پر فتحہ پڑھا جائے یا ضمہ اس صورت میں یہ باب تفاعل سے مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہوگا، اور یہاں ایک تاء محذوف ہوگی۔

۲۔ **لا تضامون** میم کی تخفیف اور تاء پر فتحہ کے ساتھ، اس صورت میں یہ باب ضرب سے مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہوگا پہلی صورت میں اس کا معنی دھکم پیل کرنا اور دوسری صورت میں اس کا معنی دشواری اور تکلیف ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ٤٥٨١، ومسلم ٤٥٢ (١٨٢) وابوداؤد: ٤٧٣٠، والترمذي: ٢٥٥١، وابن ماجه: ١٧٧

مفہوم: ا۔ رؤیت باری تعالیٰ اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقائد میں سے ایک اہم ترین عقیدہ ہے جس کے مطابق اہل ایمان کو روز قیامت اپنے پروردگار کا دیدار ضرور نصیب ہوگا، انشاء اللہ اور دیدار محبوب کی یہ نعمت ہی ان کے باہمی درجات میں تفاوت کی دلیل ہوگی، بارگاہ قدسی میں جس کا مقام جتنا زیادہ ہوگا، وہ اتنا ہی زیادہ دیدار محبوب سے لطف اندوز ہوگا۔

۲۔ اسلام کے ابتدائی دور میں فرقۂ معتزلہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا یہ نظریہ تھا کہ انسانی آنکھوں میں ہرگز اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکے اور اس سلسلے میں وہ متعدد دلائل سے استدلال کیا کرتے تھے۔ ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کے دلائل اور پھر ان کے جواب ذکر کرتے ہیں۔

(الف) معتزلہ کی پہلی دلیل تو قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار (الانعام)

اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں، تو پھر ہم رؤیت باری تعالیٰ کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔

(ب) معتزلہ کی دوسری دلیل قرآن کریم کی وہ مشہور آیت ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار باری تعالیٰ کی فرمائش کا ذکر اور اللہ کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

"لن ترني ولكن انظر الى الجبل فان استقر مكانه فسوف تراني" (الاعراف)

اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور اولو العزم صاحب کتاب و شریعت پیغمبر سے یہ فرما رہے ہیں کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے تو ماوشماء کی کیا حیثیت ہے؟ اور اس آیت کی موجودگی میں رؤیت باری تعالیٰ کو کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

(ج) معتزلہ کی تیسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں صفات باری تعالیٰ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رخ زیبا سے پردہ ہٹا دیں تو پوری کائنات ان کی نورانی کرنوں کے سامنے تاب نہ لاتے ہوئے جل کر خاکستر ہو جائے۔

(د) معتزلہ کی چوتھی دلیل وہ حدیث ہے جس کے مطابق نبی علیہ السلام نے رؤیت باری تعالیٰ پر صحابہ کرامؓ کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

نور انی اراہ

جب نبی علیہ السلام اس ذات کا دیدار نہیں کر سکتے تو ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(ھ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شب معراج میں نبی علیہ السلام کو رؤیت باری تعالیٰ ہونے کی پرزور تردید کرنا اہل اعتزال کی پانچویں دلیل ہے۔ یہ اور اس قسم کے دلائل سے استدلال کرتے ہوئے معتزلہ نے یہ نظریہ اخذ کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کی طاقت انسانی آنکھوں سے باہر ہے اور ایسا ہونا خارج از امکان ہے۔

اہل سنت والجماعت اور تمام اسلاف نے رؤیت باری تعالیٰ کے اثبات کے لیے جو دلائل پیش کیے ہیں' انہیں ذکر کرنے سے پہلے میں اہل اعتزال کے ان دلائل کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ بادیٔ النظر میں آیات و احادیث سے مزین اس عقیدے کی حقیقت واضح ہو جائے۔

چنانچہ پہلے چار دلائل کا تو ایک مختصر سا جواب ہی کافی ہے اور وہ یہ کہ ان آیات میں اس دنیا کے احوال سے بحث کرتے ہوئے رؤیت باری تعالیٰ کی نفی کی گئی ہے' آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی' اور اہل سنت والجماعت میں سے کوئی ایک عالم بھی اس دنیا میں' جاگتی آنکھوں کے ساتھ دیدار خداوندی کا اثبات نہیں کرتا' کیونکہ اس دنیا کی کثافت اور مادیت کی موجودگی میں انسانی آنکھیں اس قابل بھی نہیں اور ان میں یہ طاقت بھی نہیں' جبکہ آخرت میں یہ کثافتیں دور ہو جائیں گی اور خود پروردگار اپنے بندوں کی آنکھوں میں اتنی طاقت پیدا فرما دے گا کہ وہ اس کا دیدار کر سکیں۔

رہی شب معراج کے حوالے سے مسئلہ کی تحقیق تو ''نور انی اراہ'' کو محدثین نے دو طرح ضبط کیا ہے ایک حرف استفہام کے ساتھ ''اَنّٰی'' اور دوسرا حرف مشبہ بالفعل کے ساتھ ''اِنِّی''، پہلی صورت میں اہل اعتزال کی تائید ہو سکتی ہے اور دوسری صورت سے اہل سنت والجماعت استدلال کر لیتے ہیں' اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ انکار ان کی اپنی ذاتی

رائے تھی جس سے دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اختلاف تھا' اس لیے اس رائے سے بھی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

معتزلہ کے دلائل اور ان کے جواب کے بعد اختصار کے ساتھ ہم اہل سنت والجماعت کی طرف سے اپنے نظریے پر پیش کردہ دلائل بھی ذکر کرتے چلیں تاکہ ان کے نظریے کو دلائل سے خالی نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) اہل سنت والجماعت کی سب سے پہلی دلیل تو قرآن کریم کی یہ آیت ہے

وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے دیدار سے فیض یاب ہو رہے ہوں گے تو پھر ہمیں اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ قیامت کے دن اور جنت میں اہل جنت کو اپنے پروردگار کا دیدار ضرور ہوگا۔

(۲) اہل سنت والجماعت کی دوسری دلیل زیر بحث حدیث ہے جس میں رؤیت باری تعالیٰ سے متعلق صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سوال کا جواب ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہوئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ بتاؤ! کبھی چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری پیش آئی ہے؟ کبھی اس چاند کو دیکھنے کے لیے تم میں سے کسی نے دوسرے کو دھکا دیا ہے؟ کبھی اس چاند کو دیکھنے کے لیے کسی کو نقصان اٹھانا پڑا ہے؟ اگر دنیا کے اس چاند کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری' تکلیف اور مشقت محسوس نہیں ہوتی تو پھر اپنے پروردگار کو دیکھنے میں بھی تمہیں کوئی مشقت نہیں ہوگی۔

علماء کرام نے یہاں یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ اس حدیث میں رؤیت باری تعالیٰ کو رؤیت قمر سے تشبیہ دی گئی ہے گویا رؤیت باری تعالیٰ مشبہ ہے اور رؤیت قمر مشبہ بہ' اس سے معلوم ہوا کہ مشبہ بہ کا اقوی اور اعلیٰ ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ مشبہ کا درجہ مشبہ بہ سے کم ہی ہو' بلکہ تشبیہ کا اصل مقصد نفس مسئلہ کی وضاحت ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی بہت سی تشبیہات اور نظائر کے ذریعے مسئلہ توحید کو ثابت کیا ہے۔

یہیں سے درود ابراہیمی پر ہونے والے اعتراض کا جواب بھی واضح ہو گیا جس میں قاعدہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود مشبہ ہے اور نبی اکرم' سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشبہ' ظاہر ہے کہ یہاں بھی تشبیہ سے توضیح مقصود ہے' مشبہ بہ کی بڑائی پیش نظر نہیں ہے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت تمام آسمانی مذاہب کے پیروکاروں میں ہمیشہ مسلم رہی ہے اس لیے تشبیہ میں ان کا ذکر کر دیا گیا۔

الغرض! رؤیت باری تعالیٰ ایک ایسا عقیدہ ہے جو عقیدہ سے زیادہ عقیدت اور چاہت کے معیار پر پرکھنے سے زیادہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے' یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس نعمت عظمیٰ کے حصول کا طریقہ بتاتے ہوئے نماز فجر اور نماز عصر کو دیگر نمازوں کے ساتھ زیادہ اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا' اور ان نمازوں کی تخصیص کی یہ وجہ بھی ہو

سکتی ہے کہ غالباً دیدار باری تعالیٰ کی لذت سے آشنا ہونے اور لطف اندوز ہونے کے یہی اوقات زیادہ تر ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ

(۳۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔

طلب علم کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

فائدہ: اگلی حدیث کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے تاکہ دونوں کے مضمون پر ایک ہی دفعہ سیر حاصل بحث ہو جائے۔

(۳۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَاصِحٍ عَنْ یَحْیٰی عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "طلب" باب نصر کا مصدر ہے بمعنی تلاش کرنا، طلب کرنا، حاصل کرنا "فریضة" مفروضة کے معنی میں ہے۔

تخریج: اخرجه ابن ماجه: ۲۲٤۔

مَفْهُوْم: ۱۔ بنیادی طور پر اس حدیث میں "علم" کے حصول اور تلاش میں سرگرداں ہونے کی فضیلت و اہمیت بیان کرنا مقصود ہے تاکہ عرب کا وہ معاشرہ جو جہالت کی تاریکیوں سے تاریک ہو چکا تھا، نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ کی برکت سے علم کی روشنی سے نہ صرف یہ کہ خود منور ہو جائے بلکہ پوری دنیا کو اپنی روشنی سے روشن کرنے کا سبب بن جائے۔

اگر تاریخ کے اس پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے کہ پورے پورے شہر میں ڈھونڈے سے بھی کوئی پڑھا لکھا خال

خال ہی ملتا تھا' شراب و شباب کی گھٹی انہیں دی جاتی تھی' شعر و شاعری اور عشقیہ افسانے زبان زد عام ہونے کے باوجود علم سے بے بہرہ جماعتیں اپنی زندگی کے مقصد تک سے ناآشنا تھیں' اور انہیں تعلیم و تربیت سے کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں تھی' اس قسم کے حالات میں اگر نبی اکرم' سرور دو عالم ﷺ اپنے دین میں داخل ہونے والوں کو علم کی اہمیت سے روشناس کراتے ہوئے اس کا حصول ہر مسلمان پر فرض قرار دیتے ہیں تو اس کی حقیقت اور اہمیت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔

۲۔ کتاب الایمان کے ساتھ اس کا ربط بھی یہی ہے کہ علم کی روشنی ہی ایک مسلمان کے ایمان کو بقاء اور جلاء بخشنے کی صلاحیت رکھتی ہے' اگر انسان زیور علم سے آراستہ نہ ہو تو وہ اپنے ایمان کو کسی صورت جلاء نہیں دے سکتا۔

۳۔ محدثین کرام نے یہاں اس نکتے پر بھی بحث فرمائی ہے کہ آیا حصول علم کے اس حکم میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی شامل ہیں یا نہیں؟ ہماری نظر میں اس سوال کا جواب ''علم'' کے تعین پر موقوف ہے' اگر ہم علم سے مراد کسب معاش کے علوم وفنون لیتے ہیں جیسا کہ ہمیں سرکاری و غیر سرکاری سکولز' کالجز اور یونیورسٹیز کے باہر یہ حدیث بڑی آب و تاب سے لکھی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

"طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة"

تو ہم اس حکم میں خواتین کو داخل نہیں سمجھتے اور نہ ہی ان پر کسب معاش سے متعلق علوم کو ''جنہیں فنون قرار دینا زیادہ بہتر ہے'' فرض قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر وہ خواتین ''جو ان علوم وفنون سے بہرہ ور نہیں ہیں'' ایک فرض کو چھوڑنے کے گناہ میں مبتلا ہوں گی' حالانکہ انہیں کوئی بھی گنہگار نہیں سمجھتا۔

اسی طرح اس میں ایک فنی پیچیدگی یہ بھی پیدا ہو جائے گی کہ کسب معاش کے لیے تو بہت سے علوم وفنون ایجاد ہو چکے ہیں' زیر بحث حدیث میں ان میں سے کون سا علم مراد ہے؟ سائنس کا یا معیشت کا؟ انگریزی کا یا حساب کا؟ معاشرتی علوم کا یا ہندسہ کا؟ ڈاکٹری کا یا حکمت کا؟ کسی ایک کے تعین سے اس علم کو حاصل کرنے والے تو اداء فرض میں کامیاب تصور کیے جائیں گے اور دوسرے علوم میں مشغول رہنے والوں کو ترک فریضہ کا سرٹیفکیٹ ملے گا حالانکہ یہ سراسر زیادتی اور ناانصافی ہے۔

اس لیے لامحالہ یہاں دین کا اتنا علم مراد ہو گا جو کسی بھی انسان کی دینی ضروریات کے لیے کافی ہو سکے مثلاً کلمہ کا صحیح تلفظ' نماز کی صحیح ادائیگی' حرام و حلال کی تمیز' جائز و ناجائز کا یقین' نیکی اور بدی کا فرق وغیرہ' ظاہر ہے کہ یہ چیزیں جس طرح مرد کے لیے جاننا ضروری ہیں' مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک عورت کے لیے بھی اسی طرح ضروری ہیں۔

اس صورت میں ''مسلم'' کے حکم میں ''مسلمہ'' کا داخل ہونا بھی ایک واضح بات ہے' تاہم بعض محدثین نے اسی

حدیث میں صراحۃ ''مسلمہ'' کا لفظ بھی نقل کیا ہے، جس سے مذکورہ تفصیل اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

۴۔ فضائل علم و اہل علم تو اگلی احادیث میں عنقریب آیا چاہتے ہیں، لیکن یہاں میں سنن ابن ماجہ کی اس حدیث کونقل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو حضرت انس﷜ سے ان الفاظ میں مرفوعاً مروی ہے۔

واضع العلم عند غير اهله كمقلد الخنازير الجوهر و اللؤلؤ و الذهب

''کسی نا اہل کے پاس علم رکھنے والا ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کے گردن میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار لٹکانے والا۔''

اس حدیث کے الفاظ پر بار بار غور کریں اور منشائے نبوی ﷺ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيُ فَضُلِ مَنُ تَفَقَّهَ فِيُ دِيُنِ اللّٰهِ

(۳۳) قَالَ اَبُوُ حَنِيُفَةَ وُلِدُتُّ سَنَةَ ثَمَانِيُنَ وَحَجَجُتُ مَعَ اَبِيُ سَنَةَ سِتٍّ وَّتِسُعِيُنَ وَاَنَا ابُنُ سِتَّ عَشَرَةَ سَنَةً فَلَمَّا دَخَلُتُ الُمَسُجِدَ الُحَرَامَ وَرَأَيُتُ حَلُقَةً عَظِيُمَةً فَقُلُتُ لِاَبِيُ حَلُقَةُ مَنُ هٰذِهٖ فَقَالَ حَلُقَةُ عَبُدِاللّٰهِ بُنِ الُحَارِثِ بُنِ جَزءٍ الزَّبِيُدِی صَاحِبِ النَّبِیِّ ﷺ فَتَقَدَّمُتُ فَسَمِعُتُهٗ يَقُوُلُ سَمِعُتُ رَسُوُلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوُلُ مَنُ تَفَقَّهَ فِيُ دِيُنِ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مُهِمَّهٗ وَرَزَقَهٗ مِنُ حَيُثُ لَا يَحُتَسِبُ۔

تفقہ فی الدین کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: امام ابوحنیفہ﷫ فرماتے ہیں کہ میری پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے، میں نے ۹۶ھ میں جبکہ میری عمر سولہ سال تھی، اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی، جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو وہاں میں نے ایک بہت بڑا حلقہ دیکھا، میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا یہ کس کا حلقہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی﷜ کا حلقہ ہے، چنانچہ میں آگے بڑھ کر ان کے حلقے میں شریک ہو گیا، میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی راہ پر چل پڑتا ہے، اللہ اس کے کاموں میں اس کی کفایت فرماتا ہے اور اسے ایسی جگہوں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہ گیا ہو۔

حل عبارت: ''ولدت'' باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی پیدا ہونا۔ **''حججت''** باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی حج کرنا ''مھمہ'' اہم کام ''رزقه'' باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رزق مہیا کرنا۔

تخریج حدیث: من خصائص ابی حنيفة الامام، ولكن الخطيب اخرجه بما فی معناه وهو من الواحدنيات۔

مفہوم: ۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ﷫ کو ائمہ مجتہدین و متبوعین میں سے یہ نمایاں فضیلت حاصل ہے ''جس کا سوائے شپرۂ چشم

کے کوئی دوسرا انکار نہیں کر سکتا'' کہ انہیں تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے جو امام مالکؒ سمیت ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کو حاصل نہیں۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ کو اپنے سر کی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زیارت وہم نشینی کا شرف حاصل ہوا ہے' گو کہ ان صحابہؓ کی تعداد چار ہو یا گیارہ' کیونکہ محققین کے نزدیک تو صرف ایک صحابی کے دیدار کا شرف رکھنے والا مسلمان بھی تابعی کے منصب پر فائز ہے۔

۲۔ علم دین کے حصول کی یہ اہم ترین فضیلت ہے کہ پروردگار عالم طالب علم کی جملہ ضروریات کی خود کفالت فرماتا ہے' اس کی پریشانیوں کو خود ہی دور فرماتا ہے' اس کی دنیا و آخرت کو خود ہی سنوارتا ہے اور رزق کے تفکرات سے بھی وہی اسے آزاد کرتا ہے' یہی وجہ ہے کہ علم دین سے تعلق رکھنے والا ایک شخص بھی رزق کی تنگی سے پریشان ہو کر کبھی اپنی زندگی کا خاتمہ نہیں کرتا' جبکہ دنیوی علوم وفنون کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والے اپنے اوپر رزق کے دروازے بند پا کر خودکشی تک کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علم دین سے تعلق رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ ایسی ایسی جگہوں سے رزق پہنچانے کا انتظام فرماتے ہیں جہاں اس کا خیال بھی نہیں جاتا' اس کے حاشیہ خیال میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں آیا ہوتا اور ایسے ایسے بندوں کو کان پکڑ کر علم اور اہل علم کی خدمت میں لگا دیا جاتا ہے جنہیں دنیا نے کبھی اس طرح کے کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوتا' یقیناً یہ اللہ کی قدرت کے سوا اور کچھ نہیں' جس میں ہمارے لیے یہ سبق پوشیدہ ہے۔

"ان اللہ لیوید ھذا الدین بالرجل الفاجر"

۳۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت امام صاحبؒ کی ''وحدانیات'' میں سے ہے کیونکہ اس میں امام صاحبؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور وہ ہے حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ کا' اس سے بڑھ کر کسی سند کو عالی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(۳۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا عَائِشَةُ لِيَكُنْ شِعَارُكِ الْعِلْمَ وَالْقُرْاٰنَ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا اے عائشہ! تمہارا شعار قرآن اور علم ہونا چاہیے۔

حل عبارت: "لیکن" باب نصر سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہونا "شعار" خاص علامت

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی فی مسنده: ۷۵۱۔

مفہوم: ۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کائنات کی دوسری تمام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو تمام کھانوں پر ''ثرید'' کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں صراحۃً مروی ہے' اور اس کی بنیادی وجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ

فطری ذہانت، معاملہ فہمی، اور بات کو اخذ کرنے کی صلاحیت ہے جو عورتوں میں بہت کم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ خواتین میں ان سے زیادہ کسی کے ذریعے دین اسلام کے احکام امت تک نہیں پہنچے اور وہ احادیث جو اکیلی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہیں، راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد ۲۴۳۴ ہے، بعض حضرات نے یہ تعداد ۲۲۱۰ بھی بیان کی ہے، لیکن زیادہ صحیح وہی تعداد ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں ایک قابل قدر ہستی کے طور پر متعارف ہوئیں اور نو سال تک ہی نبی علیہ السلام کی رفاقت سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو نبوی سانچے میں ڈھال لیا، اس اعتبار سے نبی علیہ السلام کے انتقال کے وقت ان کی عمر مبارک صرف اٹھارہ سال تھی، چونکہ یہ اصول ہے کہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات امت کے لیے ماں کا حکم رکھتی ہیں، اس لیے بیوگی کے بعد ان کے لیے دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں۔

اب ظاہر ہے کہ زندگی کے باقی ماندہ ایام گزارنے اور اپنا غم غلط کرنے کے لیے بھی کوئی طریقہ ہونا چاہیے تاکہ ازواج مطہرات بھی گھروں میں بیٹھے بیٹھے اکتا نہ جائیں، اس لیے نبی علیہ السلام نے پہلے ہی سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو باقی ماندہ زندگی کا مشن سونپتے ہوئے فرما دیا کہ عائشہ! علم اور قرآن ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینا، اسی کی نشر و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھنا اور میری رفاقت میں رہ کر تم نے جو باتیں سیکھی ہیں، اپنی روحانی اولاد تک اس امانت کو پہنچانا اپنا فرض سمجھنا، اور تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی ساری زندگی اسی کام کے لیے وقف کر کے نبی علیہ السلام کی اس وصیت کی تکمیل میں سرخرو اور کامیاب ہو گئیں، اللہ کی ان گنت رحمتوں اور برکتوں کا ان پر نزول ہو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ فَضْلِ اَهْلِ الذِّكْرِ

(۳۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ مَرَّ بِقَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَقَالَ اَنْتُمْ مِنَ الَّذِيْنَ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ وَمَا جَلَسَ عِدْلُكُمْ مِنَ النَّاسِ فَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔

اہل ذکر کی فضیلت

ترجمہ: علی بن اقمر سے مرسلاً مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جماعت پر گزر ہوا، جو اللہ کے ذکر میں مشغول تھی، نبی علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر فرمایا تم ہی وہ لوگ ہو جن کے متعلق مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے ساتھ لگائے رکھوں، اور تم جیسے لوگ جہاں بھی مجلس لگاتے ہیں، اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں، فرشتے انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، رحمت خداوندی انہیں اپنے سائے میں لے لیتی ہے اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس موجود ملاء اعلیٰ کے فرشتوں سے کرتا ہے۔

حل عبارت: "مر" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گزرنا "بقوم یذکرون" ترکیبی

اعتبار سے یہ دونوں موصوف صفت ہیں' "اصبر" باب ضرب سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی صبر کرنا "عدلکم" عین کے کسرہ کے ساتھ اس کا معنی مساوی اور برابر ہے' "حفتھم" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی گھیر لینا "باجنحتھا" جناح کی جمع ہے بمعنی بازو' پر' "غشیتھم" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ڈھانپ لینا۔

تحریج: اخرج البخاری مثلہ: ٦٤٠٨' والترمذی: ٢٣٧٨' وابن ماجہ: ۳۷۹۱۔

سند پر بحث :۱۔ حدیث کی دیگر کتب میں تو یہ روایت موصولاً (سند متصل کے ساتھ) ذکر کی گئی ہے لیکن اس سند میں یہ روایت مرسل ہے کیونکہ اس سند میں امام صاحبؒ کے استاذ علی بن اقمرؒ تابعی ہیں' صحابی نہیں اور وہ براہ راست نبی علیہ السلام سے روایت نقل کر رہے ہیں' معلوم ہوا کہ سند کے اعتبار سے یہ روایت مرسل ہے' تاہم امام صاحبؒ کے نزدیک اور دوسرے بہت سے متقدمین کے نزدیک بھی اس سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ راوی ثقہ ہو' جبکہ مرسل کی حجیت سے انکار سب سے پہلے امام شافعیؒ نے کیا تھا' ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کا یہ انکار امام صاحبؒ کے خلاف کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔

مفہوم :۱۔ اس حدیث سے "ذکر" کی فضیلت ثابت ہوتی ہے' جس سے بعض اوقات یہ طالب علمانہ اشکال ذہن میں پیدا ہونا مستبعد نہیں رہتا کہ امام صاحبؒ کا مقصد یہاں ایسی روایات کو ذکر کرنا ہے جن سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہو' اور اس حدیث میں علم کی فضیلت نہیں' ذکر کی فضیلت بیان کی گئی ہے؟ اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں ذکر بول کر علم مراد ہے اور مجازاً ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں' بالخصوص جبکہ ان دونوں میں کوئی منافات بھی نہیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی سند سے یہ روایت مختصراً منقول ہے' اس کی تفصیل حدیث کے ان دوسرے طرق سے ہوتی ہے جن کے مطابق نبی علیہ السلام ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو وہاں دو حلقے لگے ہوئے دیکھے' ایک حلقہ کے لوگ ذکر و تلاوت میں مشغول تھے اور دوسرے حلقے کے لوگ علم و تحصیل علم میں مشغول تھے۔ نبی علیہ السلام نے دونوں کی تحسین فرمائی اور پھر تحصیل علم میں مشغول حلقے کے لوگوں کے پاس جا کر یہ کہتے ہوئے رونق افروز ہو گئے کہ مجھے بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس دوسرے طریق کو ملانے سے علم کی فضیلت بھی واضح ہو جاتی ہے اور ذاکرین کی اہمیت بھی برقرار رہتی ہے کہ اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا یہ لوگ مرکز ہوتے ہیں' اس نورانی مجلس کو فرشتے اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر فرماتے ہیں جس سے فرشتوں کی نگاہوں میں ان لوگوں کا مقام و مرتبہ بڑھ جاتا ہے اور فرشتوں کا ان سے محبت کرنا بعید نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيمَنْ يَجْعَلُ اللّٰهُ حِكْمَتَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ

(۳۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ اللّٰهُ الْعُلَمَآءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَمْ اَجْعَلْ حِكْمَتِيْ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اِلَّا وَاَنَا اُرِيْدُكُمُ الْخَيْرَ اِذْهَبُوْا اِلَى الْجَنَّةِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ عَلٰى مَا كَانَ مِنْكُمْ۔

جس شخص کے دل میں اللہ اپنی حکمت ڈال دے اس کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کو جمع کر کے فرمائے گا میں نے تمہارے دلوں میں اپنی حکمت کی باتیں صرف اسی لیے ڈالی تھیں کہ میں تمہارے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا تھا' جاؤ' جنت میں داخل ہو جاؤ' میں نے تمہارے گناہوں کو ''جو تم پر بوجھ تھے'' معاف کر دیا۔

حل عبارت: ''یجمع'' باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جمع کرنا''لم اجعل'' باب فتح سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بنانا ''ارید'' باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ارادہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوبكر بن ابی عاصم' والاصبهانی' والطبرانی' وابن عساكر والحارثی فی مسنده: ۳۷۵۔

مفہوم: اس حدیث میں اہل علم کی ایک عجیب اور عظیم فضیلت ذکر کی گئی ہے' حقیقت یہ ہے کہ علم اللہ کی صفت ہے اور اسے حاصل کرنے والا صفت خداوندی کے حصول میں کوشاں ہوتا ہے اور ''تخلقوا باخلاق الله'' پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو زیور علم سے مزین کرتا ہے جس کا نتیجہ روز قیامت اس عظیم کرامت کی صورت میں ظاہر ہوگا جس کا زیر بحث حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

تاہم یہاں دو باتیں واضح کرنا اور بھی ضروری ہیں۔

۱۔ اس حدیث میں ''فی قلوبکم'' کا لفظ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اس علم کا اعتبار ہے جو دل کی گہرائیوں میں اثر انداز ہو سکے' کیونکہ اسی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور ''تقویٰ'' کا سبب کرامت وعزت ہونا بدیہی حقیقت ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) لسانی علوم: ایسے علوم اللہ کی طرف سے انسان پر حجت ہوتے ہیں۔

(ب) قلبی علوم: نفع بخش علوم درحقیقت یہی ہوتے ہیں۔

۲۔ اس پہلے نکتے سے اس سوال کا جواب بھی واضح ہو گیا جو بعض دیگر احادیث کو سامنے رکھنے سے پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نے علماء کو جنت ہی کے لیے پیدا کیا ہے تو پھر سب سے پہلے جہنم میں داخل ہونے والے تین گروہوں میں علماء کا ایک گروہ

کیوں ہوگا؟ ظاہر ہے کہ علم جس کے دل کی گہرائیوں میں رچ بس جائے' اسی کو حقیقی معنی میں ''عالم'' کہا جا سکتا ہے اور زیر بحث حدیث میں اسی کا تذکرہ ہے جبکہ ''عالم'' کا نام استعمال کرنے والے وہ افراد جو علم کی حقیقت سے ہی بے بہرہ ہوتے ہیں' انہیں ''عالم'' کہنا انصاف کے منافی ہے اور محولہ بالا حدیث میں اسی کا تذکرہ ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں اہل علم کا ذکر ہے جبکہ سوال میں ذکر کردہ حدیث گروہ علماء سے متعلق نہیں' بلکہ اس کا تعلق گروہ قراء سے ہے جو نام ونمود اور ریا وشہرت کی خاطر عوامی مجمعوں میں قرآن کریم کی تلاوت جیسے عظیم مقصد کو استعمال کرتے ہیں' لیکن اگر اس کے عموم میں ''علماء'' کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر اس کا جواب وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَغْلِیْظِ الْکِذْبِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُتَعَمِّدًا

(۳۷) اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا اَوْ قَالَ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف قصداً جھوٹی بات کی نسبت کرنے پر سخت وعید کا بیان

ترجمہ: حضرت صدیق اکبرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے' اور ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

فائدہ: چونکہ اگلی احادیث مبارکہ کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس پر بحث کرنے سے پہلے ان کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے۔

(۳۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطِیَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَرَوَاهُ اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ رُوْبَةَ شَدَّادِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے' اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لینا چاہیے۔

(۳۹) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطِیَّةَ الْعَوْفِیِّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ قَالَ عَطِیَّةُ وَاَشْهَدُ اَنِّیْ لَمْ اَكْذِبْ عَلٰی اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَنَّ اَبَا سَعِیْدٍ لَمْ یَكْذِبْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے ہی ایک دوسری سند کے ساتھ یہی روایت مذکور ہے' جس کے آخر میں ہے' راوی عطیہ کہتے ہیں کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ پر جھوٹ نہیں باندھ رہا اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے نبی علیہ السلام پر جھوٹ نہیں باندھا (یعنی یہ روایت صحیح اور سچی ہے)

(٤٠) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: یہ روایت بھی حضرت انسؓ ہی سے منقول ہے اور اس کا ترجمہ بھی حسب سابق ہے۔

حلِ عبارت: "کذب" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جھوٹ بولنا۔ "متعمدا" باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی جان بوجھ کر کوئی کام کرنا' ترکیبی اعتبار سے یہ "کذب" کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے "فلیتبوا" باب تفعل سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تیار کرنا' بنا لینا "مقعد" اس کی جمع "مقاعد" آتی ہے بمعنی بیٹھنے کی جگہ۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ١١٠' وابوداؤد: ٣٦٥١' والترمذي: ٢٦٥٩' وابن ماجه: ٣٠' واحمد والدارمي وغيرهم۔

مفہوم: ا۔ سند حدیث کے متعدد طرق کو دیکھ کر محدثین نے اس حدیث کے خبر متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے' کیونکہ بعض محققین کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کو ساٹھ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی علیہ السلام سے نقل کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں' جبکہ بعض محققین کی تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث کو نبی علیہ السلام سے کم از کم دو سو صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ اس مضمون کی جتنی روایات کا ترجمہ اوپر گزرا' بنیادی طور پر ان میں نقل حدیث کی اہمیت بیان کی گئی ہے' کہ حدیث نقل کرتے ہوئے اس بات کا مکمل اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ آیا واقعۃً نبی علیہ السلام نے یہ بات ارشاد بھی فرمائی ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم دانستہ یا نادانستہ طور پر ایک ایسی بات کو نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کر رہے ہوں جو نبی علیہ السلام سے ثابت ہی نہیں؟

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے خطباء' علماء اور واعظین بغیر تحقیق کے "حدیث کے نام" پر بہت سی ایسی باتیں بیان کر دیتے ہیں جن پر محدثین نے موضوع ہونے تک کا حکم لگایا ہوتا ہے' پھر جب ان سے کوئی اس حدیث کا حوالہ پوچھ لے تو وہ بغلیں جھانکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک بڑے عالم نے دوران گفتگو یہ حدیث سنائی کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے

سؤر المومن فيه شفاء

ان کی گفتگو مکمل ہونے کے بعد میں نے ان سے انتہائی ادب سے اس کا حوالہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حوالہ تو مجھے اس کا معلوم نہیں' تم بھی تلاش کرو' میں بھی تلاش کرتا ہوں' وہ دن اور آج کا دن' مجھے آج تک اس حدیث کا حوالہ نہیں مل سکا' اور ملتا بھی کیونکر؟ کہ ملا علی قاریؒ نے تو اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے' مزید تحقیق کے لیے راقم الحروف کی کتاب "موضوع روایات" میں دیکھئے۔

اس مسئلے کے دو حل ہیں۔

ا۔ علماء، خطباء اور واعظین گفتگو سے پہلے گفتگو کی تیاری کریں اور متعلقہ احادیث مبارکہ کی ''جو وہ اپنی گفتگو میں ذکر کر سکتے ہیں''، تخریج کو اپنے ذہن میں متحضر رکھیں، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہماری گفتگو میں وزن پیدا ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ ہم اپنی بات مکمل اعتماد اور مضبوطی سے اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کر سکیں گے، گو کہ ہمارے یہاں ''تقریر'' کی اس نہج پر تیاری کرنے کا رواج نہیں ہے اور اسی وجہ سے ہماری یہ بات بہت سے احباب کے لیے اچنبھے کی تجویز ہوگی لیکن بہر حال! یہ ایک مثبت قدم ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر ہم نے اس بات کو ضرور ہی ذکر کرنا ہو تو اسے ''حدیث'' کے حوالے سے ذکر کرنے کی بجائے جنرل گفتگو کے طور پر ذکر کر دیا جائے، نبی علیہ السلام کی طرف اسے منسوب نہ کیا جائے، بلکہ صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ بعض کتابوں میں یہ بات بھی نظر سے گزری ہے، یا اس طرح کا کوئی اور جملہ اختیار کر کے بات بھی کہہ دی جائے اور نبی علیہ السلام کی طرف اسے منسوب کرنے سے بھی اپنے آپ کو بچا لیا جائے۔

اس سلسلے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ائمہ حدیث کی احتیاط خراج تحسین کے قابل ہے اور امت کے لیے بہترین نمونے کی حیثیت رکھتی ہے اسی احتیاط کی بناء پر بہت سے وہ صحابہ کرامؓ جنہیں دوسرے صحابہ کرامؓ کی نسبت سفر و حضر میں نبی علیہ السلام کی ہم نشینی و رفاقت کا شرف زیادہ حاصل ہے، کثرت کے ساتھ روایات نقل کرتے ہوئے نہیں ملتے، ذخیرۂ حدیث میں ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ملتی ہیں جس کی وجہ سوائے احتیاط کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی۔

۳۔اس حدیث میں ''فلیتبوا'' کا جو لفظ آیا ہے، محدثین نے اس کے دو معنی بیان فرمائے ہیں۔

(الف) لفظاً تو یہ انشاء ہے کیونکہ امر کا صیغہ ہے لیکن معنیٰ اخبار ہے، یعنی نبی علیہ السلام یہ بیان فرما رہے ہیں کہ میری طرف جان بوجھ کر کسی ایسی بات کو منسوب کرنے والا شخص ''جو میں نے نہیں کہی'' خبردار رہے کہ میں شب معراج اس کا ٹھکانہ جہنم میں دیکھ کر آیا ہوں۔

(ب) لفظاً تو یہ انشاء ہے لیکن معنیٰ بددعاء ہے کہ اے اللہ! تو اس کا ٹھکانہ جہنم میں بنا دے، غور طلب بات یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کی نشر و اشاعت پر نبی علیہ السلام نے جیسی عظیم دعاء فرمائی تھی۔

نضّر الله امرأ سمع مقالتي فوعاها واداها كما سمعها۔

اس کے غلط استعمال پر اتنی ہی تہدیدی وعید بھی ارشاد فرمائی، تاکہ توازن برقرار رہ سکے۔

کیونکہ حدیث نبی علیہ السلام کے اقوال اور افعال و احوال کا نام ہے جن کے ذریعے دینی معاملات میں حجت پکڑی جاتی ہے، اب اگر کوئی شخص کسی دینی مسئلہ میں نبی علیہ السلام کی طرف غلط طور پر کوئی بات منسوب کرتا ہے تو وہ درحقیقت دین میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، حالانکہ دین تو نبی علیہ السلام کی حیات طیبہ میں مکمل کر دیا گیا تھا۔

۴۔ اس حدیث کے پیش نظر محدثین کرام نے موضوع اور غیر موضوع روایات میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے بڑی محنت اور مشقت برداشت فرمائی، علم حدیث کی حفاظت کے لیے باقاعدہ ایک علم وضع کیا گیا جس کا نام "علم اسماء الرجال" ہے کھرے اور کھوٹے کے اس امتیاز میں انہیں طعنے بھی سننے پڑے، اپنے گھربار سے دستبردار بھی ہونا پڑا اور مشکلات بھی جھیلنا پڑیں، کسی نے انہیں غیبت کرنے کا طعنہ دیا، کسی نے ان کے گھروں کو آگ لگادی اور کسی نے انہیں ذہنی و جسمانی اذیتوں میں مبتلا کیا، لیکن ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی، وہ جس راوی کے متعلق شرح صدر کے ساتھ یہ یقین رکھتے تھے کہ یہ جھوٹا ہے اور جھوٹی حدیثیں گھڑتا ہے، انہوں نے اس پر بے لاگ تنقید کی، جسے سن کر متعلقہ راوی نے اپنی عزت بچانے کے لیے انہیں جانی و مالی نقصان پہنچایا۔

ان ناگفتہ بہ حالات میں محدثین کرام نے علم حدیث کے گرد حفاظتی دیوار کھڑی کی اور اپنے خون پسینے سے اس کی آبیاری کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہر حدیث کے بارے میں یہ تفصیلات موجود ہیں کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف؟ موضوع ہے یا اس کی اصل موجود ہے؟ اللہ تعالیٰ محدثین کی ان عظیم کاوشوں پر پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور بیان حدیث میں ہمیں بھی ان جیسی احتیاط قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بَابُ مَا يُنْهٰى عَنِ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ

(۴۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے وضو کرے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس سے ملتا جلتا ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں ملاحظہ فرمالیں۔

(۴۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ الصَّوَّافِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَنْ يُبَالَ فِي الْمَآءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يُغْتَسَلَ مِنْهُ اَوْ يُتَوَضَّأَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے کہ بعد میں اس سے غسل یا وضو کرے۔

حل عبارت: "لا یبولن" باب نصر سے نہی معروف با نون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیشاب کرنا "الدائم" ٹھہرا ہوا' بعض روایات میں اس کی جگہ "راکد" کا لفظ آیا ہے لیکن دونوں کی مراد میں کوئی فرق نہیں ہے' "یتوضا" باب تفعل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وضو کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۳۰٤' والنسائی: ٥٧' و مسلم: ٦٥٦ (٢٨٢) وابوداؤد: ٢٧' والترمذی: ٢١' والبخاری: ٢٣٩۔

مفہوم: ا۔ اس حدیث مبارکہ میں حضور نبی مکرم' سرور دو عالم ﷺ نے کھڑے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس سے وضو یا غسل کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر اس میں پیشاب کیا جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اس ناپاک پانی کی چھینٹیں پیشاب کرنے والے کے جسم اور کپڑوں کو بھی ناپاک کر دیں گی اور یوں بھی پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے کو نبی علیہ السلام نے عذاب قبر کا سبب قرار دیا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں اس کی تصریح موجود ہے' ظاہر ہے کہ جب وہ پانی ناپاک ہو گیا تو اب اس سے وضو یا غسل کرنا بھی ممکن نہیں ہو گا۔

گویا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کا سب سے بڑا نقصان تو یہ ہوا کہ اس سے جسم اور کپڑے ناپاک ہونے کے ساتھ ساتھ عذاب قبر کا بھی اندیشہ پیدا ہو گیا اور دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اگر وہ اس پانی میں پیشاب نہ کرتا اور وہ پانی پاک صاف ہوتا تو اس سے وضو یا غسل کیا جا سکتا تھا' لیکن اب ایسا کرنا ممکن نہیں رہا۔

اگر اہل عرب کے اس ماحول اور ان حالات کو مدنظر رکھ لیا جائے جو اس وقت سب ہی کو درپیش تھے تو ہمارے ذہنوں میں پیدا ہونے والا یہ سوال خود بخود ختم ہو جائے گا کہ اس پانی کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عرب' پانی کی قلت کا اپنے ابتدائی دور میں بہت زیادہ شکار تھا' پورے پورے شہر میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں ہوا کرتا تھا' دیگر ضروریات کی تکمیل انتہائی تنگی سے ہوا کرتی تھی' اس لیے پانی کا ایک ایک قطرہ بڑی احتیاط سے خرچ کرنا پڑتا تھا' ایسے میں اگر پانی کی کچھ مقدار کو پیشاب کر کے ضائع کر دیا جائے تو اس کی یقیناً روک تھام کی ضرورت تھی۔

۲۔ فقہاء کرام نے اس حدیث کے تحت یہ بحث بھی چھیڑی ہے کہ پانی کی وہ کتنی مقدار ہے کہ اگر اس میں پیشاب یا کوئی اور نجاست مل جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور کتنی مقدار ایسی ہے جس میں پیشاب وغیرہ ملنے سے ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا؟ بالفاظ دیگر ماءِ قلیل اور ماء کثیر کا تعین کس طرح ہو گا؟ کیونکہ اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ ماء قلیل نجاست سے بالاتفاق ناپاک ہو جاتا ہے اور ماء کثیر ناپاک نہیں ہوتا' لیکن اس کی مقدار میں اختلاف ہے' چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک قلتین (دو

مشکوں) کی مقدار سے کم پانی ماء قلیل ہے اور اس کے برابر یا اس سے زیادہ ماء کثیر کے حکم میں ہے' امام مالکؒ کے نزدیک وہ پانی ماء قلیل کے حکم میں ہے جس میں نجاست گرنے سے اس کے اوصاف ثلثہ (رنگ' بو اور مزہ) میں سے کوئی ایک وصف تبدیل ہو جائے ورنہ وہ کثیر کے حکم میں ہے' جبکہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق ماء کثیر کا اطلاق اس مقدار پر ہوتا ہے کہ اگر اس پانی کو ایک طرف سے حرکت دی جائے تو اس کے دوسرے کنارے میں حرکت اور ہلچل پیدا نہ ہو' جس کی تعیین متاخرین نے دہ دردہ سے کی ہے' اس سے کم مقدار پر ماء کثیر کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ اسے ''ماء قلیل'' کہا جائے گا جو نجاست گرنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

تحقیقی نظر سے اگر دیکھا جائے تو امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب سہولت پر مبنی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا مذہب احتیاط پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ دینی معاملات میں احتیاط ہی زیادہ بہتر ہوتی ہے' اس لیے جہاں دہ دردہ سے کم پانی میں نجاست گر جائے اور اس کے علاوہ دوسرا پانی مل سکتا ہو تو امام صاحبؒ کے مذہب پر ہی عمل کرنا چاہیے اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو اور اس پانی کے اوصاف ثلثہ بھی تبدیل نہ ہوئے ہوں تو امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کر کے وضو اور نماز کر لینے والے کو گناہگار یا حرام کا مرتکب نہیں سمجھا جائے گا۔

باقی تفصیلی دلائل کے لیے مطولات کی طرف رجوع کیجیے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ سُؤرِ الْهِرَّةِ

(٤٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّاَ ذَاتَ يَوْمٍ فَجَاءَتِ الْهِرَّةُ فَشَرِبَتْ مِنَ الْاِنَاءِ فَتَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْهُ وَرَشَّ مَابَقِيَ۔

بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی علیہ السلام وضو فرما رہے تھے کہ ایک بلی آئی اور اس برتن سے پانی پینے لگی جب وہ بلی پانی پی چکی تو نبی علیہ السلام نے اسی سے وضو مکمل فرمایا اور باقیماندہ پانی چھڑک دیا۔

حل عبارت: ''توضا'' مجازا اس سے ارادۂ وضو مراد ہے ''ذات یوم'' اس میں ''ذات'' کا لفظ زائد ہے ''الھرۃ'' بمعنی بلی' اس کی تصغیر ''ھریرۃ'' ہے جس کی طرف حضرت ابو ہریرہؓ کی نسبت کی جاتی ہے۔ ''فشربت'' باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پینا ''رش'' باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھڑکنا ''بقی'' باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی باقی رہنا۔

تخریج حدیث: اخرج الطحاوی مثلہ ٤٥' وابو داؤد: ٥٧' والترمذی: ٩٢' والنسائی: ٦٨ وابن ماجہ: ٣٦٧۔

مفہوم: بعض روایات میں ''بلی'' کو ''سباع'' (درندہ) قرار دیا گیا ہے' جس کا منشاء یہ ہے کہ اس کا جھوٹا ناقابل

استعمال قرار پائے' لیکن جب دوسری روایات کو سامنے رکھا جاتا ہے تو خود نبی علیہ السلام نے انہیں بار بار گھروں میں آنے والا قرار دیا ہے' اب اگر ان کا جھوٹا ناپاک قرار دے دیا جائے تو لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے' اس لیے شرعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں اور نبی علیہ السلام نے یہ فرما دیا۔

انها ليست ينجس

اور اسی اصول کے پیش نظر زیر بحث واقعہ میں نبی علیہ السلام نے بلی کو برتن میں منہ ڈال کر پانی پینے سے نہیں روکا' بلکہ اسے پانی پینے دیا' اس کے بعد اسی پانی سے وضو فرما لیا' کیونکہ اسے استعمال نہ کرنے میں حرج ہے اور قرآنی فیصلہ ہے۔

ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج

الغرض! یہ بات تو واضح ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے' تاہم اگر اس کی جگہ دوسرا پانی موجود ہو تو اس دوسرے پانی سے وضو کر لینا زیادہ بہتر ہے' کیونکہ اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے وضو کے بعد بچا ہوا پانی زمین پر چھڑک دیا' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے بیان جواز کے لیے بلی کے جھوٹے پانی سے وضو فرمایا تھا' بیان وجوب کے لیے نہیں کہ بلی کے جھوٹے سے ہی وضو کرنا واجب ہے' ورنہ وضو نہ ہوگا' ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَبُوْلُ قَائِمًا

(۴۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَبُوْلُ عَلٰى سُبَاطَةِ قَوْمٍ قَائِمًا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام کو لوگوں کے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حل عبارت: "یبول" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیشاب کرنا' ترکیبی اعتبار سے یہ مفعول کی حالت کا بیان ہے' "سباطة" سین کے ضمہ کے ساتھ' بمعنی کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۲۴' و مسلم: ۶۲۴ (۲۷۳)' وابوداؤد: ۲۳' والترمذی: ۱۳' والنسائی: ۲۶' وابن ماجه: ۳۰۵۔

مفہوم: کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے جواز اور عدم جواز میں تو فقہاء کرام کے درمیان دو رائیں نہیں ہیں بلکہ سب ہی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے کھڑا ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے' لیکن اس سلسلے کی احادیث میں سطحی نظر

سے تعارض معلوم ہوتا ہے' کیونکہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کی روایات سے نبی علیہ السلام کی طرف کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نسبت ثابت ہوتی ہے' جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ اگر تمہارے سامنے کوئی شخص نبی علیہ السلام کی طرف کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نسبت کو ثابت کرے تو تم اس کی بات کو تسلیم نہ کرنا اور اسے اس بات میں سچا مت سمجھنا۔

اس الجھن کو حل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کو بیان عادت پر محمول کر لیا جائے اور حضرت حذیفہؓ وغیرہ کی روایات کو بیان جواز اور بیان عذر پر محمول کر لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا نبی علیہ السلام کی عادت نہ تھی جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا لیکن کسی عذر کی وجہ سے گھر کے باہر ایک آدھ مرتبہ ایسا کرنے کی نوبت بھی آئی ہے جیسا کہ مذکورہ صحابہؓ سے مروی ہے' اس طرح یہ تعارض دور ہو جاتا ہے۔

البتہ یہاں یہ بات قابل وضاحت باقی رہ جاتی ہے کہ وہ کونسا عذر تھا جس کی بنا پر نبی علیہ السلام نے ایسا کیا؟ تو فقہاء کرام نے اس سلسلے میں مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں لیکن ہم اس سلسلے میں عذر کی تعیین ضروری نہیں سمجھتے' بالخصوص جبکہ ہماری رائے کے مطابق یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہے کیونکہ نبی علیہ السلام کے حکیمانہ اسلوب اور طرز عمل سے ہمیں اس قسم کے مواقع پر امت کے معذور افراد کے لیے گنجائش کے پہلو ملتے ہیں' چنانچہ وجود کے اعتبار سے بہت زیادہ بھاری بھرکم آدمی کے لیے اپنے فطری تقاضے سے نبرد آزما ہونے کے لیے بیٹھنے کی صورت میں بڑی دشواری ہوتی ہے گو کہ اس کے لیے موجودہ زمانے میں ''کموڈ'' ایک حل کے طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن اس میں انسان کو مکمل طور پر شرح صدر نہیں ہوتا' اس تناظر میں اس حدیث کو بیان جواز پر محمول کرنے میں کوئی قباحت نہیں رہتی۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنَ اللَّبَنِ

(۴۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَرِبَ لَبَنًا فَتَمَضْمَضَ وَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

دودھ پی کر وضو نہ کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے نبی علیہ السلام کو دیکھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا اور صرف کلی کر کے نماز پڑھ لی اور وضو نہیں فرمایا۔

حل عبارت: ''شرب'' باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پینا ''لبنا'' اس کی جمع ''البان'' آتی ہے بمعنی دودھ۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری مثلہ: ٢١١، و مسلم: ٧٩٨، وابوداؤد: ١٩٦، والترمذی: ٨٩، والنسائی: ٧٨، وابن ماجہ: ٤٩٨

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء کرام نے ایک ضابطہ مستنبط کیا ہے جس کا تعلق کھانے اور پینے کی ہر چیز سے ہے اور وہ یہ کہ کھانے پینے کی کسی بھی چیز کو استعمال کرنے سے انسان کا وہ وضو جو اس نے پہلے سے کر رکھا ہو نہیں ٹوٹتا' اور اس ضابطے میں فقہاء کرام نے یہ قید بھی ختم کر دی ہے کہ کھانے یا پینے کی وہ چیز خواہ آگ پر پکائی گئی ہو یا اسے پکانے کی ضرورت نہ ہو' بلکہ اسے پکائے بغیر بھی استعمال کیا جا سکتا ہو۔

یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ جو چیز آگ پر پکائی جاتی ہو' اسے کھانے کے بعد وضو کرنا ضروری ہے' پھر ایک وقت آیا کہ یہ حکم اونٹ کے گوشت تک محدود رہ گیا' اور بالآخر یہ حکم بھی ختم ہو گیا' مختلف حضرات نے اس کی اپنے اپنے ذوق کے مطابق توجیہات کی ہیں لیکن خدا لگتی بات یہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز جب انسان کے معدہ میں پہنچتی ہے تو وہ اپنا اثر چھوڑتی ہے اور انسان کے ذہن میں خواہشات انگڑائیاں لیتی ہیں' اب اگر وہ یہی تصورات لے کر نماز کے لیے کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز' نماز نہ رہے' کولہو کے بیل والا معاملہ ہو جائے اس لیے اس کے علاج کے طور پر یہ حکم تجویز فرمایا گیا کہ وضو کر لیا جائے تاکہ اس کے اثرات کسی حد تک زائل ہو جائیں۔

پھر چونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وساوس سے چھٹکارا پانا انسانی طاقت سے باہر ہے' اس لیے بعد میں اس حکم کی شدت کو ختم کر دیا گیا' تاہم اگر اب بھی کوئی شخص وضو کر لے تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کر لیا جائے' لیکن اگر کسی شخص کو اپنے وضو کے باقی رہنے کا یقین ہو تو اسی وضو سے نماز پڑھ لینا ثواب میں کسی کمی کا سبب بننے کی بجائے مستقل وضو کی حالت میں رہنے کے ثواب کا سبب بنے گا۔ انشاء اللہ

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَا مَسَّتْهُ النَّارُ

(٤٧) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَكَلَ النَّبِىُّ ﷺ مَرَقًا بِلَحْمٍ ثُمَّ صَلّٰى۔

آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے شوربے میں پکا ہوا گوشت تناول فرمایا' اس کے بعد جدید وضو کیے بغیر ہی نماز پڑھ لی۔

حل عبارت: "مرقا" شوربہ' "لحم" گوشت' "صلی" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے

بمعنی نماز پڑھنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۰۷، ومسلم: ۷۹۰، وابوداؤد: ۱۸۷، والترمذی: ۸۰، والنسائی: ۱۸۲، وابن ماجه: ۴۸۸

مفہوم: اس حدیث میں بھی بنیادی طور پر "ممامست النار" سے وضو کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ آیا کرنا چاہیے یا نہیں؟ جس کی قدرے وضاحت ہم گزشتہ حدیث کے تحت ذکر کر چکے' البتہ یہاں اس بات کا اضافہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن احادیث میں "ما مست النار" کو کھانے کے بعد وضو کا حکم وارد ہوا ہے' ان میں ایک توجیہ تو یہی ہے کہ وہ منسوخ ہیں اور زیر بحث احادیث ناسخ ہیں اور دلیلِ نسخ حضرت جابرؓ کی وہ مشہور روایت ہے جو سنن اربعہ میں بھی موجود ہے۔

"کان آخر الامرین من رسول اللہ ﷺ ترك الوضو مما مست النار"

یہ ایسی نص قطعی ہے جس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

اور دوسری توجیہ بعض محدثین نے یہ بھی فرمائی ہے کہ ایسی احادیث کو وضوءِ لغوی پر محمول کر لینا چاہیے جس کا اردو میں آسان تر مفہوم "ہاتھ اور منہ" دھونا ہے تاکہ ہر دو حدیثوں پر عمل ہو جائے' اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ خود نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے

"برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده"

ظاہر ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے وضو کے ضروری ہونے کا کوئی بھی امام قائل نہیں ہے' اس لیے کھانے کے بعد وضو کے ضروری ہونے کا قول بعید از قیاس ہے' بالخصوص جبکہ حدیث ایک ہی ہے' اس صورت میں یہ تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں رہتا کہ "وضوء" سے مراد لغوی وضوء ہے اور "ما مست النار" والی احادیث کو اس پر محمول کرنے میں کسی عقلی یا نقلی رکاوٹ کا ثبوت بھی نہیں ملتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالسِّوَاكِ

(۴۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ الزَّرَّادِ عَنْ تَمَّامٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ دَخَلُوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكُمْ قُلَّحًا اِسْتَاكُوْا فَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا لِيْ اَرَاكُمْ تَدْخُلُوْنَ عَلَيَّ قُلَّحًا اِسْتَاكُوْا فَلَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ يَسْتَاكُوْا عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ اَوْ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ۔

مسواک کی تاکید کا بیان

ترجمہ: حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند صحابہ کرامؓ نبی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' نبی علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر فرمایا کیا بات ہے؟ میں تمہارے دانت پیلے زرد کیوں دیکھ رہا ہوں؟ مسواک کیا کرو' اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ حکم میری امت کو مشقت میں مبتلا کر دے گا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا' اسی مضمون کی دوسری روایت میں وضو کے وقت مسواک کا حکم دینے کا ذکر ہے۔

حلِ عبارت: "اراکم" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دیکھنا "قلحا" ق کے ضمہ کے ساتھ "قالح" کی جمع ہے بمعنی دانتوں کی زردی اور پیلا پن "استاکوا" باب افتعال سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی مسواک کرنا "اشق" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی گراں گزرنا' مشقت و تکلیف والا ہونا "لامرتھم" لام ابتدائیہ برائے تاکید ہے اور صیغہ واحد متکلم بحث فعل ماضی معروف از باب نصر ہے بمعنی حکم کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری تعليقا فی باب سواك الرطب واليابس للصائم' ومسلم: ۵۸۹ (۲۵۲)' وابوداؤد: ۴۶' والنسائی: ۷' وابن ماجه: ۲۸۷' ومالك فی المؤطا: ص ۵۰، واحمد: ۱۵۷۴۱۔

مفہوم: ۱۔ اس حدیث میں فقہاء کرام کی دلچسپی کا نقطہ "**عند کل وضوء**" اور "**عند کل صلوٰة**" ہے' کیونکہ اگر پہلا لفظ صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس میں ہر مرتبہ وضو کرتے وقت مسواک کرنے کی ترغیب کا بیان ہوگا' اور اگر دوسرا لفظ صحت کے ساتھ پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے تو اس میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت "خواہ نمازی صف میں کھڑا ہوا ہی کیوں نہ ہو' اور اقامت ہی کیوں نہ کہی جا رہی ہو" مسواک کرنے کی ترغیب کا بیان ہوگا۔

قول اول جن فقہاء نے اختیار کیا' انہوں نے مسواک کو وضو کی سنت قرار دیا ہے اور جن فقہاء نے قول ثانی کو اختیار کیا' انہوں نے مسواک کو نماز کی سنت قرار دیا' قول اول کے فقہاء نے اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر مسواک کو نماز کی سنت قرار دیا جائے اور لوگ صف میں کھڑے ہو کر مسواک کرنے لگے تو کمزور مسوڑھوں والے افراد کے مسوڑھوں سے خون نکل آئے گا' یوں ان کا وضو ٹوٹ جائے گا اور وہ صفیں چیرتے ہوئے پیچھے واپس آنے کی جدوجہد کریں گے' اور نماز میں کھڑے ہوئے کچھ لوگ انہیں طعنہ دیں گے کہ اگر تم نے پیچھے ہی آنا تھا تو آگے بڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ بات تو تکرار سے لڑائی جھگڑے تک بھی پہنچ سکتی ہے اس لیے مسواک کو نماز کی سنت قرار نہیں دینا چاہیے۔

لیکن قول ثانی اختیار کرنے والے فقہاء اس خدشہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مسواک کرنے کی وجہ سے مسوڑھوں سے خون بہت کم نکلتا ہے اور اگر کسی شخص کے مسوڑھے کمزور ہوں اور ان میں سے خون نکلنے کا اندیشہ ہو تو یہ اندیشہ وضو کے دوران بھی تو پیش آ سکتا ہے اور وہاں تو لڑائی جھگڑے کا امکان غالب ہے اس لیے کہ جس کے

مسوڑھوں سے خون نکل رہا ہے وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں اٹھے گا جب تک اس کا خون بند نہ ہو جائے اور وہ وضو نہ کر لے' اور دوسرے نمازی اسے اٹھانے کے لیے زور لگائیں گے' یوں لڑائی جھگڑے کا اندیشہ تو اس صورت میں بھی پایا گیا اس لیے اس بنیاد پر کسی قول کو ترجیح نہیں دی جا سکتی' تاہم ہماری رائے میں احتیاط اسی میں ہے کہ خود تو انسان وضو کے وقت مسواک کرے' کسی دوسرے کو صف میں کھڑے ہو کر مسواک کرتے دیکھے تو اسے نہ ٹوکے' بلکہ سال میں ایک آدھ مرتبہ خود بھی سنت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کر لے تاکہ حدیث کے دونوں لفظوں پر عمل ہو جائے۔

۲۔ اس حدیث میں ہماری دلچسپی کا مرکز تین باتیں ہیں۔

(الف) اس حدیث سے نبی اکرم' سرور دو عالم' صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے پایاں شفقت اور مہربانی کا اظہار ہوتا ہے جو انہیں اپنی امت کے ہر ہر فرد سے تھی' کیونکہ ان کی شفقت کے دائرہ میں صرف امراء' طاقتور اور قریبی لوگ نہیں ہوتے تھے' ان کی شفقت کا دائرہ پوری امت کے غرباء اور کمزوروں تک وسیع تھا اور ہر ایک اس دسترخوان رحم و کرم سے اس وقت سے لے کر آج تک فائدہ اٹھا رہا ہے اور قیامت تک اٹھاتا رہے گا۔

ذرا سوچئے! کہ ہم کمزوروں پر کیا یہ کم شفقت ہے کہ نماز تراویح کو فرض قرار نہیں دیا' مسواک کی فرضیت کا حکم نافذ نہیں کیا اور تہجد کی فرضیت منسوخ فرما دی' اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی امت پر فرض ہو جاتی تو کیا امت کے ہر فرد میں اس حکم کو پورا کرنے کی طاقت تھی؟ یقیناً نہیں اور یہ اسی شفقت و مہربانی کا نمونہ ہے جو آج ہم جیسے بہت سے مسلمان جھٹ پٹ وضو کر کے نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔

(ب) دور جدید نے مسلمانوں کے سامنے بڑی خوشنما اور دلفریب شکلوں میں بہت سی چیزیں پیش کر کے بہت سی سنتوں سے محروم کرنے کے اسباب وافر مقدار میں پیدا کر دیے ہیں' چنانچہ اسی مسواک کو لے لیجیے کہ اب اس کی جگہ ٹوتھ پیسٹ نے لے لی ہے اور کہا یہ جانے لگا ہے کہ لکڑی کی یہ ڈنڈی کیا کر سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات پڑھے لکھے جاہل افراد میں سے بھی وہ کر سکتے ہیں جو جدید سائنس سے واقف نہ ہوں' ورنہ اب تو سائنس بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ مسواک کے فائدے کسی ٹوتھ پیسٹ سے حاصل نہیں کیے جا سکتے اور میں تو اتنی بات جانتا ہوں کہ ہماری مسواک کی یہ ڈنڈی چاہے کچھ اور کرے یا نہ کرے' لیکن اتنا ضرور کرے گی کہ ہمیں اپنے پروردگار کی رضا مندی کا پروانہ دلوا دے گی۔ اس عظیم الشان فائدے کے مقابلے میں دنیا کا کوئی ٹوتھ برش اس کا کروڑواں حصہ بھی فائدہ دینے کی طاقت نہیں رکھتا' یہی وجہ ہے کہ ٹوتھ برش خراب ہونے کے بعد پاؤں میں روندا جاتا ہے اور مسواک کا استعمال مکمل ہونے کے بعد اسے کسی اونچی جگہ پر رکھا جاتا ہے' اسے سرِراہ پھینکنے سے گریز کیا جاتا ہے' اسے کوڑا کرکٹ کے لفافوں اور جگہوں میں پھینکنے سے احتیاط کی جاتی ہے۔

تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہ سمجھا جائے کہ ہم ٹوتھ پیسٹ کو حرام قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں' کیونکہ حرام تو بڑی دور کی بات ہے' ہمیں تو بغیر دلیل کے کسی چیز کو مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہوئے بھی خوف آتا ہے' البتہ یہ کہنا ہم اپنا حق

سمجھتے ہیں کہ اگر ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنے کا وقت اور موقع آئے تو اس کے بعد سنت کی نیت سے اپنے دانتوں پر مسواک بھی پھیر لینی چاہیے' پہلے مسواک کرنے اور بعد میں پیسٹ کرنے میں سنت کو نا کافی سمجھنے کا وہم پیدا ہوتا ہے اس لیے اس سے احتیاط ضروری ہے۔

(ج) مسواک کی فضیلت سے متعلق بے شمار طرق سے متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں' چنانچہ مسند اعظم کے شارح مولانا محمد حسن سنبھلیؒ نے حاشیہ میں اس کے اسی طرق کی نشاندہی فرمائی ہے لیکن یہاں ہم ان میں سے چند ایک کا حوالہ دے کر اگلی حدیث کی طرف متوجہ ہوں گے۔ انشاء اللہ

۱۔ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ مسواک منہ کی پاکیزگی اور اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ (نسائی' احمد' ابن حبان)

۲۔ ایک حدیث میں مسواک کو پیغمبروں کی سنت اور ایک حدیث میں امور فطرت میں سے قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی' نسائی)

۳۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے اس کثرت سے مسواک کرنے کی تاکید کی ہے کہ مجھے اپنے مسوڑھے چھل جانے کا خوف پیدا ہو گیا۔ (طبرانی' بیہقی)

۴۔ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ مسواک کر کے پڑھی جانے والی نماز کو بغیر مسواک کے پڑھی جانے والی نماز پر ستر درجہ فضیلت حاصل ہے۔ (احمد' ابن خزیمہ' حاکم' دار قطنی)

۵۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کی مسواک آپ کے کان مبارک پر کاتب کے قلم کی طرح رکھی رہتی تھی (طبرانی) اور اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی بھی یہی عادت پختہ ہو گئی تھی۔ (خطیب)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوْءِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا

(۴۹) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلٰثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَمَضْمَضَ ثَلٰثًا وَمَسَحَ رَأْسَهٗ وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ وَقَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھونا

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا' پھر تین مرتبہ کلی کی' تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا' تین مرتبہ چہرے کو دھویا' تین مرتبہ ہاتھ کہنیوں سمیت دھویا' سر کا مسح کیا اور اپنے پاؤں کو دھویا' اس کے بعد فرمایا یہ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے تاکہ دونوں کی وضاحت ایک ہی مرتبہ کی جا سکے۔

(۵۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ دَعَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلٰثًا وَتَمَضْمَضَ ثَلٰثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا وَمَسَحَ رَأْسَهٗ ثَلٰثًا وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ دَعَا بِمَآءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلٰثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَامِلًا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ دَعَا بِمَاءٍ فَاُتِيَ بِاِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ وَطَسْتٍ قَالَ عَبْدُ خَيْرٍ وَنَحْنُ نَنْظُرُ اِلَيْهِ فَاَخَذَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى الْاِنَاءَ فَاَكْفَأَ عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى الْاِنَاءَ فَمَلَأَ يَدَهٗ وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ فَعَلَ هٰذَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهٗ اِلَى الْمَرَافِقِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَخَذَ الْمَاءَ بِيَدِهٖ ثُمَّ مَسَحَ بِهَا رَأْسَهٗ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا ثُمَّ غَرَفَ بِكَفِّهٖ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَهٰذَا طُهُوْرُهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ دَعَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلٰثًا وَمَضْمَضَ ثَلٰثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ اَخَذَ مَاءً فِيْ كَفِّهٖ فَصَبَّهٗ عَلٰى صَلْعَتِهٖ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوْبَ يَعْنِيْ بِهٖ مَنْ رَوٰى عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَسَحَ رَأْسَهٗ ثَلٰثًا عَلٰى اَنَّهٗ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى يَا فُوْخِهٖ ثُمَّ مَلَأَ يَدَيْهِ اِلٰى مُؤَخَّرِ رَأْسِهٖ ثُمَّ اِلٰى مُقَدَّمِ رَأْسِهٖ فَجَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَاِنَّمَا ذٰلِكَ مَرَّةً وَاحِدَةً لِاَنَّهٗ لَمْ يُبَايِنْ يَدَهٗ وَلَا اَخَذَ الْمَاءَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَهُوَ كَمَنْ جَعَلَ الْمَاءَ فِيْ كَفِّهٖ ثُمَّ مَدَّهٗ اِلٰى كُوْعِهٖ اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ بَيَّنَ فِي الْاَحَادِيْثِ الَّتِيْ رُوِيَ عَنْهُ وَهُمُ الْجَارُوْدُ بْنُ زَيْدٍ وَخَارِجَةُ بْنُ مُصْعَبٍ وَاَسَدُ بْنُ عُمَرَ اَنَّ الْمَسْحَ كَانَ مَرَّةً وَاحِدَةً وَبَيَّنَ اَنَّ مَعْنَاهُ مَا ذَكَرْنَا قَالَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم كَثِيْرَةٍ عَلٰى هٰذَا اللَّفْظِ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَسَحَ رَأْسَهٗ ثَلٰثًا مِنْهُمْ عُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَغَيْرُهُمْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ اَوْجُهٍ غَرِيْبَةٍ عَنْ عُثْمَانَ تَكْرَارُ الْمَسْحِ اِلَّا اَنَّهٗ مَعَ خِلَافِ الْحُفَّاظِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ فَهَلْ كَانَ مَعْنَاهُ اِلَّا عَلٰى مَا ذَكَرْنَا فَمَنْ جَعَلَ اَبَا حَنِيْفَةَ غَالِطًا فِيْ رِوَايَةِ الْمَسْحِ ثَلٰثًا فَقَدْ وَهِمَ وَكَانَ هُوَ بِالْغَلَطِ اَوْلٰى وَاَخْلَقُ وَقَدْ غَلِطَ شُعْبَةُ فِيْ هٰذَا

الْحَدِيْثِ غَلَطًا فَاحِشًا عِنْدَ الْجَمِيْعِ وَهُوَ رِوَايَةُ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ مَالِكِ بْنِ عُرْفُطَةَ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ فَصَحَّفَ الْاِسْمَيْنِ فِيْ اِسْنَادِهٖ فَقَالَ بَدَلَ خَالِدٍ مَالِكٌ وَبَدَلَ عَلْقَمَةَ عُرْفُطَةَ وَلَوْ كَانَ هٰذَا الْغَلَطُ مِنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ نَسَبُوْهُ اِلَى الْجَهَالَةِ وَقِلَّةِ الْمَعْرِفَةِ وَلَاَخْرَجُوْهُ مِنَ الدِّيْنِ وَهٰذَا مِنْ قِلَّةِ الْوَرَعِ وَاِتِّبَاعِ الْهَوٰى۔

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے پانی منگوایا' اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا' تین مرتبہ کلی کی' تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا' تین مرتبہ چہرے اور بازوؤں کو دھویا' تین ہی مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے پاؤں کو دھویا' اور فرمایا کہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کا وضو۔

اسی سند سے ایک دوسری روایت میں سر کے مسح کا ذکر ایک مرتبہ آیا ہے' اور ایک روایت میں یہ تفصیل اس طرح وارد ہوئی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ پانی منگوایا' چنانچہ ان کی خدمت میں پانی کا ایک برتن اور ایک طشت پیش کیا گیا' راوئ حدیث عبد خیر کہتے ہیں کہ ہم ان کی طرف دیکھ رہے تھے' انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ سے برتن پکڑ کر بائیں ہاتھ پر اس سے پانی انڈیلا اور تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو دھویا' پھر اپنا داہنا ہاتھ برتن میں داخل کر کے اسے پانی سے بھرا' کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا یہ کام انہوں نے تین تین مرتبہ کیے۔ پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا' کہنیوں سمیت تین مرتبہ ہاتھوں کو دھویا' پھر ہاتھ میں پانی لے کر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا' تین مرتبہ اپنے پاؤں کو دھویا اور ہاتھوں کا چلو بنا کر اس میں پانی بھرا اور اسے نوش فرما لیا اور فرمایا کہ جو شخص نبی علیہ السلام کے وضو کا طریقہ دیکھنا پسند کرتا ہے' وہ جان لے کہ نبی علیہ السلام کا یہی طریقہ کار تھا۔

ایک روایت میں بازوؤں کو تین مرتبہ دھونے کے ذکر کے بعد یوں بھی آیا ہے کہ پھر انہوں نے اپنی ہتھیلی میں پانی لیا اور اسے سر کے اگلے حصے پر بہا لیا اور مذکورہ جملہ ارشاد فرمایا۔

عبداللہ بن محمد بن یعقوب ''جو اس حدیث کو امام صاحبؒ سے روایت کرتے ہیں'' فرماتے ہیں کہ جو راوی امام صاحبؒ سے خالد کے واسطے سے اس روایت میں نبی علیہ السلام کے تین مرتبہ مسح راس کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اپنے دست مبارک کو سر کے اگلے حصے پر رکھا اور اسے کھینچتے ہوئے سر کے پچھلے حصے تک لے گئے' پھر پیچھے سے آگے کی طرف لے گئے اور اس طرح تین مرتبہ کیا' ان کی یہ بات صحیح نہیں کیونکہ مسح راس ایک ہی مرتبہ ہے اس لیے کہ اس طریقے کے مطابق نہ تو ان کے ہاتھ ہی جدا ہوئے اور نہ ہی انہوں نے تین مرتبہ نیا پانی لیا' یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص نے اپنی ہتھیلی میں پانی رکھا ہو' اور اسے انگوٹھے کی جڑ تک لے جائے۔

ذرا غور تو فرمایئے! کہ حضرت جارود بن زید' خارجہ بن مصعب اور اسد بن عمر سے مروی روایات میں حضرت علیؓ کی طرف مسح راس کو ایک ہی مرتبہ منسوب کیا گیا ہے ان سب کی موجودگی میں تین مرتبہ والی روایت کو کیونکر تسلیم کیا جا سکتا

ہے؟

البتہ یہ بات بھی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک بڑی تعداد سے ''جن میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ شامل ہیں' مسح راس تین مرتبہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے' اس سلسلے میں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ حضرت عثمان غنیؓ سے تکرار مسح کی روایات اجنبی اسناد سے منقول ہیں لیکن وہ روایات حفاظِ حدیث کی روایات کے خلاف ہیں' اس لیے وہ اہل علم کے نزدیک حجت نہیں اور اس کا وہی معنی بنتا ہے جو ہم عنقریب ذکر کر چکے۔

اس لیے جو حضرت تین مرتبہ مسح راس والی روایت نقل کرنے میں امام صاحبؒ کو غلطی پر ٹھہراتے ہیں' انہیں وہم ہو گیا' بلکہ درحقیقت وہ خود غلطی پر ہیں' چنانچہ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ سے اس حدیث میں ایک فحش ترین غلطی ہوئی ہے' جسے تمام محدثین نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اس حدیث کو مندرجہ ذیل سند سے نقل کیا ہے۔

عن مالك بن عرفطة' عن عبد خير' عن علي۔

اس سند میں انہوں نے دو اسموں میں تصحیف کی ہے چنانچہ انہوں نے ''خالد'' کی جگہ ''مالک'' کہہ دیا اور ''علقمہ'' کی جگہ ''عرفطہ'' کہہ دیا' اگر یہ غلطی امام ابوحنیفہؒ سے سرزد ہوئی ہوتی تو یہی لوگ انہیں جہالت اور قلت معرفت کے طعنے دیتے' اور انہیں اس دین کے دائرے سے ہی نکال دیتے' حالانکہ یہ تقویٰ کی کمی اور خواہشات کی پیروی والی بات ہے۔

حَلِّ عِبارت: ''کفیه'' کف کی تثنیہ ہے جس کا معنی ہتھیلی ہے ''ثلثا'' اپنے سے ماقبل فعل کے لیے ہر جگہ تمیز واقع ہو رہا ہے ''ذراعیه'' ذراع کی تثنیہ ہے جس کا اردو میں قرب قریب مفہوم ''بازو'' کا لفظ ادا کرتا ہے'' ''دعا'' باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی منگوانا ''الیمنی'' ید کی صفت ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے کیونکہ ید مؤنث ہے ''اکفا'' باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی انڈیلنا ''ملأ'' باب فتح سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بھرنا ''المرافق'' مرفق کی جمع ہے بمعنی کہنی ''غرف'' باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چلو بھرنا ''سر'' باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خوش ہونا ''طهور'' ط کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے بمعنی وضو' لیکن وضو کے لفظ کو اگر واؤ کے زبر سے پڑھا جائے تو اس کا معنی وہ پانی ہوگا جس سے انسان وضو کرتا ہے اور اگر واؤ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس سے وضو کا عمل مراد ہوگا' ''قال عبدالله'' میں قال فعل ہے اور ''عبداللہ بن محمد بن یعقوب'' اجمال ''من روی عن ابی حنیفة'' اس کی تفصیل' فی هذا الحدیث قال کے لیے متعلق' اجمال اور تفصیل مل کر قال کے لیے فاعل ہے' یاد رہے کہ یہاں سے آخر تک کی عبارت امام صاحب کی نہیں بلکہ ایک حنفی فقیہہ ''جنہوں نے امام صاحبؒ سے اس کتاب کو بالواسطہ نقل کیا ہے اور ان کا نام عبداللہ بن محمد بن یعقوب ہے'' کی عبارت ہے۔

"**یافوخه**" سر کا اگلا حصہ "**لم یباین**" باب مفاعلہ سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جدا کرنا "**کوعه**" گٹے "**صحف**" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تصحیف کرنا' یہ اصول حدیث کی ایک اصطلاح ہے جس کا تعارف محدثین کے یہاں اس قسم کی غلطی سے کیا جاتا ہے کہ راوئ حدیث سند حدیث کے ناموں میں غلطی کر بیٹھے مثلاً باپ اور بیٹے کا نام بدل دے "**لنسبوه**" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی منسوب کرنا۔

تخریج حدیثین: اخرج البخاری مثلھما: ١٥٩' ومسلم: ٥٣٨ (٢٢٦)' وابوداؤد: ١٠٦' والترمذی:٤٨' والنسائی: ٨٤' وابن ماجه: ٤١٣' والطحاوی: ١١٣' والطیالسی:٨١

مَفْهُوْم: اس حدیث سے فقہاء کرام نے متعدد مسائل مستنبط فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک کی تفصیل یہاں بیان کر کے شرح حدیث کے حوالے سے بھی ہم کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔

١۔ اس بات پر تو تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں تین کا عدد مسنون ہے لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف ہے' چنانچہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ وضو کرنے والا آدمی چلو میں ایک مرتبہ پانی لے کر کلی کرے اور اسی میں سے تھوڑا سا پانی ناک میں بھی چڑھا لے' تین مرتبہ اس طرح کر لینے سے سنت بھی ادا ہو جائے گی اور تین کا عدد بھی پورا ہو جائے گا جبکہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ کلی کرنے کے لیے الگ پانی ہونا چاہیے اور ناک میں ڈالنے کے لیے الگ پانی ہونا چاہیے تب جا کر سنت ادا ہوگی۔

دونوں کے پاس اپنے اپنے دلائل اور ترجیحات ہیں' لیکن ایک ایسی حقیقت جسے تسلیم کرنے کے بعد یہ اختلاف رائے بھی ختم ہو جاتا ہے' وہ امام ترمذیؒ کا یہ بیان ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی چلو سے مضمضہ اور استنشاق دونوں پر عمل کر لیا جائے تو بھی جائز ہے اور اگر دونوں کے لیے الگ الگ پانی لے لیا جائے تو ہمیں یہ زیادہ محبوب ہے۔ امام شافعیؒ کے اس قول کے بعد اختلاف رائے ختم ہو جاتا ہے۔

٢۔ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وضو میں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا فرض ہے' البتہ بعض فقہاء کہنیوں کی جڑ کو اس میں شامل نہیں کرتے' اور اکثر فقہاء اسے شامل قرار دیتے ہیں' دوسرے قول میں احتیاط زیادہ ہے۔

٣۔ اس بات پر بھی تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ مسح راس وضو میں فرض ہے لیکن اس کی تعداد میں اختلاف رائے ہے' بعض فقہاء دیگر اعضاء کی طرح سر کا مسح بھی تین مرتبہ کرنا مسنون قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء سر کا ایک ہی مرتبہ مسح کرنا سنت کے مطابق سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے کی اگر تمام روایات کو اکٹھا کر لیا جائے جن میں مسح راس کا ذکر ہے' تو اکثر میں ایک' دو' یا تین کی کوئی قید مذکور ہی نہیں ہے' دو مرتبہ مسح کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں' اور جن روایات میں عدد کی قید وارد ہوئی ہے' ان میں سے

ایک مرتبہ والی روایات کو فقہاء کا ایک گروہ اختیار کر لیتا ہے اور تین مرتبہ والی روایات کو دوسرا گروہ' لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ تین مرتبہ والی ایک روایت بھی سنداً محفوظ نہیں ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ تین مرتبہ مسح راس کی روایت تو خود امام صاحبؒ نے بھی زیر بحث روایت میں ذکر کی ہے' تو پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ سو اس کا واضح ترین جواب یہ ہے کہ یہ تو امام صاحبؒ کی خدا ترسی اور حقیقت پسندی کی علامت ہے کہ انہیں اپنے اساتذہ سے جو حدیث بھی ملی' وہ انہوں نے بلا کم و کاست آگے تک پہنچا دی' یہ دیکھے بغیر کہ اس سلسلے میں وہ خود کیا رائے رکھتے ہیں' کیونکہ ظاہر ہے کہ امام صاحبؒ کی رائے بھی کسی حدیث کی بنیاد پر ہی ہو گی اور وہ اس موضوع کی دوسری احادیث کا ''جو بظاہر اس سے متضاد ہیں'' ایسا حل پیش کریں گے کہ تضاد کی یہ صورت ختم ہو جائے۔

چنانچہ یہاں بھی امام صاحبؒ کی طرف سے تین مرتبہ والی روایات کی توجیہہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر ایک آدمی نے اپنے ہتھیلی میں پانی لے رکھا ہو اور کبھی وہ اپنی ہتھیلی کو انگلیوں کی طرف جھکاتا ہو اور کبھی بازو کی طرف' انگلیوں کی طرف جھکانے کی صورت میں پانی انگلیوں کی طرف چلا جاتا ہو اور بازو کی طرف جھکانے کی صورت میں بازو کی طرف چلا جاتا ہو تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس نے جتنی مرتبہ اپنی ہتھیلی کو حرکت دی ہے' اتنی ہی مرتبہ اس نے نیا پانی لیا ہے' یہی حقیقت ہے مسح راس کی کہ ایک ہی مرتبہ پانی لے کر اسے اگر تین مرتبہ آگے پیچھے پھیر لیا جائے تو اسے تین مرتبہ مسح کرنا نہیں کہیں گے بلکہ اسے ایک ہی مرتبہ مسح کرنا تسلیم کیا جائے گا کیونکہ اگر اسے تین مرتبہ تسلیم کیا جائے تو پھر یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ تینوں مرتبہ ماء جدید لیا گیا ہو' حالانکہ یہ بات ثابت نہیں کی جا سکتی' اس لیے اصل میں تو مسح راس ایک ہی مرتبہ ہے لیکن اگر تین مرتبہ والی روایات پر عمل کرنا ہو تو اس کا طریقہ بھی ہم ذکر کر چکے۔

ایک توجیہ ہماری طرف سے بھی قبول فرماتے جایئے کہ ایک مرتبہ والی روایات کو بیان فرض پر محمول کر لیا جائے اور تین مرتبہ والی روایات کو بیان سنت پر محمول کر لیا جائے تو یہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ خود فقہ حنفی کی کتابوں میں تکرار مسح کو سنت قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ امام دار قطنیؒ نے اپنی سنن میں اس مضمون کی روایت نقل کرنے کے بعد امام صاحبؒ کا ذکر کر کے ان پر بے جا جملے کسے ہیں' اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسا کرنا انہوں نے اپنی عادت بنا چھوڑی تھی' بات بات پر امام صاحبؒ کی شان میں بے ادبی اور ان پر تنقید کرنا ان کا مستقل مشغلہ تھا' اور یہ صرف امام دار قطنیؒ ہی کی کیا بات ہے' خطیب بغدادیؒ نے کیا کم کارہائے نمایاں اپنے پیچھے چھوڑے ہیں' ان سب کو بھی اگر چھوڑ دیا جائے تو امام بخاریؒ کا طرز عمل حدیث کے کسی ادنیٰ طالب علم سے بھی مخفی نہیں' کہ وہ امام صاحبؒ پر اعتراض بھی کرنا چاہتے ہیں اور نام بھی لینا گوارا نہیں کرتے' اس لیے صرف اتنا کہہ دیتے ہیں ''قال بعض الناس'' کہ بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے' اور اس کے بعد جو پھبتیاں کستے ہیں کہ رہے نام خدا

کا' اسی طرح امام ترمذیؒ تمام فقہاء کا مذہب بیان کرتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کا نام ذکر کرتے ہیں حتی کہ امام صاحبؒ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تک کا نام لیتے ہیں لیکن جب امام ابوحنیفہؒ کی باری آتی ہے تو ''قال بعض اھل الکوفۃ'' کہہ کر گزر جاتے ہیں' بہرحال! اس داستان کو یہیں ختم کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ بات پھیلتی چلی جائے گی' تاہم اتنی بات کہنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ امام ابوحنیفہؒ دور تابعین کی ایک مظلوم ترین شخصیت ہیں جن پر آج تک بھی بچوں جیسی عقل رکھنے والے بڑے اعتراض کرتے رہتے ہیں۔

بہرحال! سند کے اعتبار سے امام دارقطنیؒ نے امام صاحبؒ پر ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے پر تنقید کی ہے' حالانکہ اس اعتراض کی خود محدثین کی نگاہ میں کچھ وقت نہیں کیونکہ اصول حدیث کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ زیادتِ ثقہ بالاتفاق مقبول سمجھی جاتی ہے۔

اب یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ امام دارقطنی کی نظر عمیق امام صاحبؒ کی ''مخالفت ثقات'' کی طرف تو چلی گئی' لیکن ان کی نظر مبارک امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہؒ کی ''تصحیف'' کی طرف نہیں اٹھی' جبکہ امام صاحبؒ پر تو مذکورہ اصول کی روشنی میں اس اعتراض کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں رہتی' لیکن امام شعبہؒ پر کیا جانے والا اعتراض ایسا ہے جس سے گلو خلاصی ممکن نہیں کیونکہ تمام محدثین نے امام شعبہؒ کی اس غلطی کو واضح کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ''مالک بن عرفطہ'' کی بجائے ''خالد بن علقمہ'' ہے' امام شعبہؒ نے خالد کی بجائے مالک کہہ دیا' علقمہ کی بجائے عرفطہ کہہ دیا' اصول حدیث میں یہ کتنی بڑی غلطی ہو سکتی ہے' اس کا اندازہ محدثین بخوبی کر سکتے ہیں' اور ایسی ایک نہیں بے شمار غلطیاں ''جو کتب صحاح میں بھری پڑی ہیں'' امام شعبہ کی طرف منسوب ہیں لیکن کیا مجال ہے کہ خود امام بخاریؒ ہی ''جو امیر المومنین فی الحدیث وعللہ'' کے معزز لقب سے مشرف ہیں' کسی ایک غلطی کی طرف اشارہ ہی فرما دیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

۴۔ اس حدیث سے صحابہ کرامؓ کا نبی علیہ السلام کی سنتوں اور طریقہ زندگی سے غیر معمولی شغف اور تعلق بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح انہوں نے نبی علیہ السلام کی ایک ایک اداء کو محفوظ کرنے اور اسے اسی انداز میں امت تک پہنچانے کے لیے کوششیں فرمائیں' یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر جماعت صحابہ کو درمیان سے نکال لیا جائے تو دین کی عمارت ہی منہدم ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ زبانی طور پر کسی بات کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر سمجھانے کا طریقہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت ہے اور یہ کسی بھی بات کو ذہن میں راسخ کرنے کے لیے بڑا کامیاب نسخہ ہے اس لیے استاذ کو چاہیے کہ عملی طور پر وہ بھی اپنے شاگردوں کے سامنے مسائل کو پیش کیا کرے تاکہ مسئلہ کی حقیقت مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

(۵۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلٰى عُثْمَانَ اَنَّ عُثْمَانَ تَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَقَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ

اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ۔

ترجمہ: حضرت حمران ''جو سیدنا عثمان غنیؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں'' سے مروی ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک موقع پر تین تین مرتبہ اعضاء کو دھو کر وضو فرمایا اور فرمایا کہ میں نے نبی علیہ السلام کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حل عبارت: ''توضا ثلثا ثلثا'' کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ تین تین مرتبہ وضو کیا بلکہ مراد یہ ہے کہ اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھویا۔

تخریج حدیث: قد مضی فی الرقم السابق

مفہوم: ۱۔ اس حدیث کے ضمن میں سب سے پہلے تو یہ بات معلوم ہونا ضروری ہے کہ نبی علیہ السلام کے وضو کی کیفیت نقل کرنے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد ۲۳ تک پہنچتی ہے، جن میں سب سے زیادہ صریح حدیث حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

یاد رہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ نہیں ہیں کیونکہ ان دونوں میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ زیر بحث راوی نے جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کرنے میں حضرت وحشی بن حربؓ کی مدد کی تھی اور مؤخر الذکر کو خواب میں اذان کے کلمات سکھائے گئے تھے' یہ وضاحت اس لیے کرنا پڑی کہ ''عبداللہ بن زید'' ہونا دونوں میں مشترک ہے جس سے بعض اوقات اشتباہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ وضو کے دوران اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا افضل ہے' دو مرتبہ دھونا کفایت کر جاتا ہے اور ایک مرتبہ دھونا تو خیر ضروری ہے ہی' اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں' تاہم ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھونے کی صورت میں یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ اعضاء وضو مکمل دھل گئے ہوں اور اچھی طرح تربتر ہو گئے ہوں' فرائض میں اگر ایک بال برابر بھی کمی ہو جائے تو وضو نہیں ہوگا اور جب وضو نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔

بَابُ الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً

(۵۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً۔

ایک ایک مرتبہ وضو کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد صاحبؓ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ وضو میں اپنے اعضاء کو ایک ایک مرتبہ بھی دھویا تھا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۵۷' وابوداؤد: ۱۳۸' والترمذی: ٤٦' والنسائی: ۸۰' وابن ماجه: ٤١١'

والطیالسی: ۱۹۳٤، والطحاوی: ۱۱۷

مَفْهُوْمُ: گزشتہ حدیث کے ضمن میں یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دو دو مرتبہ اور ایک ایک مرتبہ دھونا جائز ہے نیز یہ کہ ایک مرتبہ دھونے کی صورت میں اسباغ اور احتیاط دونوں ضروری ہیں، تاہم یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخر نبی علیہ السلام ایک ہی طریقے سے وضو کیوں نہیں فرماتے تھے؟ مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے وضو کرنے میں امت کے لیے یہ دشواری ہے کہ وہ اسی شش و پنج میں پڑی رہے گی کہ اب اعضاء وضو کو کتنی مرتبہ دھویا جائے اور جب کتنی مرتبہ؟ کیا اس کے بجائے ایک متفقہ دستور اور لائحہ عمل عطاء فرمانا زیادہ مناسب نہ تھا؟

اس سوال کا صحیح جواب تو حکماء اور دانشوران اہل علم ہی دے سکتے ہیں، مجھ ناکارہ کی سمجھ میں تو صرف اتنی بات آتی ہے کہ جس طرح ہم پانی کی ایک ایک بوند کے لیے ایجادات سے بھرپور، ٹیکنالوجی کے اس دور میں ترس رہے ہیں، اگر ایک مرتبہ اور دو مرتبہ کی سہولت نہ ہوتی تو دن میں پانچ مرتبہ وضو کر کے ہم پانی کا ذخیرہ ختم کر دیتے اور پیاس کے مارے تالو چٹخاتے پھرتے، اس لیے امت کی آسانی اسی میں ہے کہ جب پانی وافر مقدار میں موجود ہو تو تین تین مرتبہ اعضاء کو دھو لیا جائے، بصورت دیگر ایک اور دو پر اکتفاء کر لیا جائے، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ خود نبی علیہ السلام کا مبارک طریقہ بھی یہی تھا کہ پانی زیادہ ہونے کی صورت میں افضل پر عمل فرماتے اور کم ہونے کی صورت میں جواز پر عمل فرماتے اور اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن کے مطابق نبی علیہ السلام ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے غسل فرما لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ غَسْلِ الْاَعْقَابِ

(۵۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَيْلٌ لِلْعَرَاقِيْبِ مِنَ النَّارِ۔

ایڑیاں دھونے میں احتیاط کا بیان

تَرْجَمَہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایڑیوں کے لیے جہنم کی آگ سے ہلاکت ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "ویل" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے یا ہلاکت کے معنی میں ہے "العراقیب" عرقوب کی جمع ہے بمعنی ایڑیاں۔

تَخْرِيْجِ حَدِيْث: اخرجه البخاری: ۱٦٥، ومسلم: ٥٦٦ (۲٤۰)، والترمذی: ٤۱، والنسائی: ۱۱۰، وابن ماجه: ٤٥٤، والطحاوی: ۱۷۸۔

مَفْهُوْمُ: بعض روایات میں اس اختصار کی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں نماز کا وقت ہو جانے پر صحابہ

کرامؓ نے وضو کیا تو جلدی کی وجہ سے بعض صحابہؓ کی ایڑیاں خشک رہ گئیں اور دھوپ میں وہ چمکتی ہوئی محسوس ہوئیں' نبی علیہ السلام نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا "ویل للاعقاب من النار"

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوگئی کہ پاؤں دھوتے وقت اتنی احتیاط کرنا ضروری ہے کہ انسان کی ایڑی بھی خشک نہ رہ جائے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب ایڑی خشک رہ جانے پر یہ وعید ہے تو پاؤں کا اکثر حصہ یا نیچے کا تلوا مکمل طور پر خشک رہ جانے کی صورت میں اس وعید کے اندر کتنی شدت پیدا ہو جائے گی۔

اور یہیں سے ان لوگوں کی تردید بھی ہوگئی جو مسح علی القدمین کے قائل ہیں اور پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کر لینا جائز سمجھتے ہیں' حالانکہ مسح علی القدمین اور مسح علی الخفین دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے' پہلے کے عدم جواز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور دوسرے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔

البتہ یہ بات قابل وضاحت رہ گئی کہ خاص طور پر ایڑیوں کے خشک رہ جانے کے ساتھ اس وعید کا کیا تعلق ہے؟ تو اس کا جواب بھی ہماری گزشتہ تقریر سے واضح ہوگیا کہ جس موقع پر نبی علیہ السلام نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی' وہ موقع ہی اس کا تقاضا کرتا تھا اور نبی علیہ السلام کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ موقع کی مناسبت سے اصلاح کا پہلو اختیار فرماتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّضْحِ

(٥٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ ثَقِيْفٍ يُقَالُ لَهُ الْحَكَمُ اَوِ ابْنُ الْحَكَمِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَخَذَ حَفْنَةً مِنْ مَاءٍ فَنَضَحَهٗ فِيْ مَوَاضِعِ طُهُوْرِهٖ۔

چھڑکاؤ کا بیان

ترجمہ: حکم اپنے والد صاحب کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے وضو کیا اور اس کے بعد ایک چلو بھر کر اپنے اعضاء وضو پر اسے چھڑک لیا۔

حل عبارت: "حفنة" چلو بھر پانی "نضحه" باب فتح سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھڑکنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البيهقى كما فى بذل المجهود: ١٠١/١' وابوداؤد مثله: ١٦٦' والترمذى: ٥٠' والنسائى: ١٣٤' وابن ماجه: ٤٦١۔

مفہوم: انسانی طبیعت ایسی وسواس واقع ہوئی ہے کہ اس کا کوئی لمحہ وساوس سے خالی نہیں گزرتا' اور وسوسہ آنے میں کوئی رکاوٹ بھی حائل نہیں کی جاسکتی' اس لیے بعض وہ مسائل جہاں پر وساوس پیش آسکتے ہیں اور ان وساوس پر عمل کر کے انسان اللہ سے دور ہوسکتا ہے' شریعت نے ان کا علاج پہلے ہی بتا دیا ہے۔

چنانچہ یہ ایک شرعی حکم ہے کہ پیشاب کے قطرات سے بچا جائے اور نبی علیہ السلام نے اکثر عذاب قبر ہونے کی دو میں

سے ایک وجہ پیشاب کے قطرات سے نہ بچنے کو بھی قرار دیا ہے اور اسی بناء پر پیشاب کو اچھی طرح خشک کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ پیشاب کے قطرات مکمل طور پر بند ہو جائیں' اس کے لیے ٹشو پیپر' مٹی کا ڈھیلا یا چند قدم چل کر اپنا اطمینان کرنا ہر انسان کی اپنی سہولت پر موقوف ہے' اصل مقصد یہ ہے کہ پیشاب کے قطرات آنا بند ہو جائیں تاکہ وضو اور نماز دونوں صحیح ہو جائیں۔

اب ایک شخص مکمل احتیاط کے ساتھ پیشاب کر کے وضو کرنے کے لیے بیٹھا' وضو کر کے جب اٹھا اور نماز کی طرف متوجہ ہوا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے کپڑے گیلے ہو رہے ہیں' اب اس کے ذہن میں وسوسہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ پیشاب کا قطرہ تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو دوبارہ وضو کرنا پڑے گا اور کپڑے کا وہ حصہ بھی دھونا پڑے گا لیکن انسان بار بار یہ وسوسہ آنے سے اکتا جائے گا اور بالآخر ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ نماز ہی چھوڑ دے گا' اس لیے شریعت نے اس کا حل یہ بتایا کہ جب وضو کرنے کے لیے بیٹھے تو اپنے کپڑوں پر پانی کے تھوڑے سے چھینٹے ڈال لے اور جب ذہن میں کوئی وسوسہ آئے تو یہ سوچ لے کہ یہ وہی پانی تو ہے جو میں نے خود ڈالا تھا اور جا کر نماز کی ادائیگی میں مشغول ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

(۵۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ اَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ قَالَتْ اِئْتِ عَلِيًّا فَاسْأَلْهُ فَاِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ شُرَيْحٌ فَاَتَيْتُ عَلِيًّا فَقَالَ لِیْ اِمْسَحْ۔

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

ترجمہ: شریح بن ہانی قاضی کوفہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ کیا موزوں پر مسح کرنے کا کوئی ثبوت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علیؓ سے جا کر یہ مسئلہ پوچھو کیونکہ وہ نبی علیہ السلام کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے' شریح کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ مسح کر لیا کرو۔

حل عبارت: "امسح" اس لفظ کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے' ایک تو باب فتح سے مضارع معروف کے صیغہ واحد متکلم کے طور پر اور دوسرے، ہمزہ کو ہمزہ استفہامیہ قرار دے کر "مسح" کو میم کی زبر اور حاء کی تنوین کے ساتھ' اس دوسری صورت میں علی الخفین کا متعلق "ثابت" کو محذوف ماننا پڑے گا جبکہ پہلی صورت میں "امسح" خود ہی اس کا متعلق ہوگا۔ "ائت" باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آنا' "فاساله" باب فتح سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سوال کرنا' "فانه" سے مذکورہ حکم کی علت کا بیان ہے "یسافر" باب مفاعلہ سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سفر کرنا "امسح" مذکورہ باب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مسح کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ٥٥٢، والنسائی: ١٢٩، ومسلم: ٦٣٩ (٢٧٦) والطحاوی: ٥١٢:١۔

مفہوم: یہاں سے امام صاحبؒ ان احادیث کو ذکر فرما رہے ہیں جن سے مسح علی الخفین کی مشروعیت اور اس کے اوقات کی تحدید وتعیین کا ثبوت ملتا ہے، یہ سلسلہ حدیث نمبر ۶۸ تک چلا گیا ہے، اس لیے ہم اس موضوع پر قدرے تفصیل سے کلام کر کے اگلی احادیث میں اس کا اعادہ نہیں کریں گے۔

۱۔ قرآن کریم میں فرائض وضو بیان کرتے ہوئے چوتھا فرض پاؤں دھونا قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ دھونے کا مطلب پانی سے کسی چیز کو تر بتر کرنا ہوتا ہے اور موزوں پر مسح کر لینے کا حکم قرآن کریم سے نہیں ملتا کیونکہ ظاہر ہے کہ مسح کا معنی ہے کسی چیز پر گیلا ہاتھ پھیر لینا اور قرآن ایک ہی وقت میں دو چیزوں کا حکم نہیں دے سکتا، اس رائے کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے حضرات موزوں پر مسح کے جواز کے قائل نہیں تھے اور وہ موزوں پر مسح کرنے والوں کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

چنانچہ خود اس کتاب میں حدیث نمبر ۶۳ اور ۶۴ میں حضرت ابن عمرؓ کا ابتداءً اس سے انکار منقول ہے، اس کی پوری تفصیل تو اس کے ترجمہ میں ہی انشاء اللہ آئے گی، لیکن یہاں صرف اتنا دکھانا ہے کہ قرآن کریم کی آیت وضو کا ظاہر دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کو مسح علی الخفین پر تعجب ہوتا تھا، اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی ابتداً اس کے قائل نہ تھے اور امام مالکؒ تو آخر تک اپنے لیے اس رخصت کا فائدہ نہ اٹھا پائے، گو کہ حضرت ابن عمرؓ اور امام ابوحنیفہؒ بعد میں اس کے قائل ہو گئے تھے، اور فقہ مالکی کی کتابوں میں بھی اس کے جواز کی تصریح موجود ہے۔

۲۔ اصول فقہ کا یہ مشہور ضابطہ اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ خبر مشہور کے ذریعے کتاب اللہ پر اضافہ جائز ہے جسے امام شافعیؒ نسخ سے تعبیر کرتے ہیں اور احناف تخصیص سے، جب خبر مشہور سے زیادت جائز ہے تو خبر متواتر سے بطریق اولیٰ جائز ہو گی کیونکہ خبر مشہور کا درجہ خبر متواتر سے کم ہے۔

۳۔ مسح علی الخفین کی روایات حد تواتر تک پہنچتی ہیں اور ان روایات کو نقل کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد اسی ۸۰ سے بھی متجاوز ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں، ستر صحابہ کرامؓ سے تو اکیلے خواجہ حسن بصریؒ مسح علی الخفین کا جواز نقل کرتے ہیں، اسی پر باقی کا حال آپ خود قیاس کر لیجیے۔

ان تین مقدمات کو ملا کر یہ بات واضح ہو گئی کہ چونکہ مسح علی الخفین کی روایات متواتر ہیں اور خبر متواتر سے زیادۃ علی کتاب اللہ جائز ہے لہٰذا مسح علی الخفین بھی جائز ہے، اس سلسلے میں امام صاحبؒ کا احتیاط سے بھرپور یہ جملہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ میں نے مسح علی الخفین کے جواز کا قول اس وقت تک اختیار نہیں کیا جب تک اس سلسلے کی احادیث کثرت کے ساتھ مجھ تک پہنچ نہ گئیں اور یہ مسئلہ مجھ پر نصف النہار کی طرح واضح نہ ہو گیا۔

۴۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسح علی الخفین امت مسلمہ کے لیے ایک رخصت ہے جس سے سردی کے موسم میں خوب فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے گو کہ اس میں بھی عزیمت یہی ہے کہ پاؤں دھوئے جائیں لیکن چونکہ دین آسانی کا نام ہے، اس لیے اس

میں یہ سہولت بھی رکھی گئی ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کا اپنا عمل مبارک اس سلسلے میں کیا تھا؟ تا کہ اس کے ذریعے ہم اپنا لائحہ عمل طے کر سکیں' سو اس سلسلے میں روایات کے تتبع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر نبی علیہ السلام نے موزے پہن رکھے ہوں تو وضو کرتے وقت پاؤں دھونے کے لیے انہیں اتارا نہیں' بلکہ موزوں پر ہی مسح کر لیا اور اگر موزے نہیں پہنے ہوئے تو انہیں چڑھایا نہیں کہ اس پر مسح کر سکیں' بلکہ پاؤں کو دھو کر اپنا وضو مکمل کر لیا' اس لیے ہمیں بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

۵۔ نبی علیہ السلام اپنی حیات طیبہ کے آخری دور میں بھی موزوں پر مسح فرماتے رہے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے ۱۰ھ میں حج فرمایا ہے اور اسی حج کے موقع پر سورۂ مائدہ کی آیت تکمیلِ دین کا نزول ہوا ہے جس میں تکمیل دین کا اعلان کیا گیا ہے اور اس حج کے صرف اکیاسی دن بعد نبی علیہ السلام کا انتقال ہو گیا' نبی علیہ السلام کے انتقال سے صرف چالیس دن پہلے حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود نبی علیہ السلام کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور صحابہ کرامؓ ان کی روایت کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے' کیونکہ ان کی روایت میں کسی قسم کی تنسیخ یا ترمیم کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

۶۔ اب یہاں یہ بات بھی طے کر لینا ضروری ہے کہ آیا موزوں پر مسح کرتے رہنے کی کوئی مدت بھی مقرر ہے یا انسان کی اپنی مرضی پر موقوف ہے' جب تک جی چاہے' موزوں پر مسح کرتا رہے؟ سو اس سلسلے میں فقہاء کرام کی دو رائے ہیں' بعض فقہاء عدم توقیت کے قائل ہیں اور اس سلسلے میں کسی وقت کی تعیین نہیں کرتے جبکہ اکثر فقہاء توقیت کے قائل ہیں' احادیث دونوں طرف موجود ہیں البتہ توقیت والی احادیث زیادہ مضبوط ہونے کی وجہ سے ترجیح کی حامل ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے وضو کر کے نماز پڑھ لی' پھر اسے سردی محسوس ہوئی' اس نے اپنے آپ کو سردی سے بچانے کے لیے موزے پہن لیے' جس وقت اس نے یہ موزے پہنے' اس کا وضو بھی برقرار تھا اور یہ آدمی مقیم بھی ہے' سفر کی حالت میں نہیں ہے' نماز کا وقت آنے پر اس نے سوچا کہ موزے اتار کر اگر میں نے پاؤں دھوئے تو سردی زیادہ لگے گی اور یہ سوچ کر اس نے موزوں پر مسح کر لیا تو یہ جائز ہے اور وہ ایک دن رات تک یعنی ۲۴ گھنٹوں تک اس اجازت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگر وہ مسافر ہے تو ۷۲ گھنٹوں تک اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

یہاں اس بات کو سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ۲۴ اور ۷۲ گھنٹوں کا حساب وضو ٹوٹنے کے بعد سے شروع ہو گا' موزوں پہننے سے نہیں' مثلاً اگر ایک شخص نے ظہر کی نماز کے وقت موزے پہنے' اور اس کا وضو عشاء کے وقت تک برقرار رہا' عشاء کے بعد جا کر اس کا وضو ٹوٹا تو اب وہ اگلے دن عشاء کی نماز تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے' یہ نہیں کہ ظہر تک مسح کرنے کے بعد اسے وہ موزے اتارنا پڑیں گے' اور وضو کر کے نئے سرے سے دوبارہ پہننا پڑیں گے کیونکہ اس میں وضو ٹوٹنے کے وقت کا اعتبار ہے' موزے پہننے کے وقت کا نہیں۔

۷۔ یہاں لفظ ''موزہ'' کی حقیقت سمجھنا بھی ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے بعض لوگ اسے کاٹن یا ٹاول کے ان موزوں پر

محمول کرتے ہوں جو عام طور پر بچے سکولوں میں' اور بڑے' دفاتر میں پہن کر جاتے ہیں' اس غلط فہمی کو دور کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ دین کے بعض نام لیوا اس میں حد سے زیادہ ہی سہولتیں تلاش کرنا چاہتے ہیں اور اسی تناظر میں وہ عام کپڑے کی جرابیں پہن کر اس پر مسح بھی کر لیتے ہیں اور انہی کو پہن کر نماز بھی پڑھا دیتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے اور اس طرح مسح کرنے سے وضو کا ایک فرض چھوٹ جاتا ہے اور وضو نہ ہونے کی وجہ سے امام کی نماز نہیں ہوتی اور امام کی نماز نہ ہونے کی وجہ سے مقتدیوں کی بھی نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ بات خوب اچھی طرح طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کتب حدیث و فقہ میں خفین کا لفظ چمڑے کے موزوں کے لیے بولا جاتا ہے' عام جرابوں کے لیے تو یہ لفظ بولا ہی نہیں جاتا اور نہ ہی حدیث میں وہ مراد ہیں' زیادہ سے زیادہ اتنا کہا گیا ہے کہ اگر وہ جرابیں اون کی یا کپڑے کی ہوں تو اتنی موٹی اور مضبوط ہوں کہ جوتی کے بغیر صرف انہی کو پہن کر چلنے سے وہ پھٹ نہ جائیں' لیکن عام طور پر کپڑے کی ایسی جرابیں بنتی ہی نہیں ہیں' باقی اس کی مزید شرائط اور تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

نوٹ: آگے تقریباً دس حدیثیں اسی موضوع سے متعلق نقل کی گئی ہیں' لیکن ہم صرف ان کے ترجمہ اور تخریج پر ہی اکتفاء کریں گے۔

(۵۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ وَصَلّٰی خَمْسَ صَلَوَاتٍ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ وضو کیا' موزوں پر مسح کیا اور اس سے پانچ نمازیں پڑھیں۔

تخریج حدیث: اخرج ابن ماجه مثله: ۵۱۰۔

(۵۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ صَلّٰی خَمْسَ صَلَوَاتٍ بِوُضُوْءٍ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ مَا رَأَیْنَاكَ صَنَعْتَ هٰذَا قَبْلَ الْیَوْمِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ عَمْدًا صَنَعْتُهٗ یَا عُمَرُ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فتحِ مکہ کے دن ایک ہی وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح بھی کیا' حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آج سے پہلے تو کبھی آپ کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو فرمایا کہ عمر! میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔

حلِ عبارت: "ما راینا" باب فتح سے ماضی منفی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی دیکھنا "صنعت" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی عمل کرنا "**عمدا صنعته**" مفعول کو حصر کے لیے مقدم کیا گیا ہے اور یہ مفعول منادی بھی ہے' جبکہ "**یا عمر**" کے ذریعے نداء ہے۔

تخریج: اخرجه مسلم: ٦٤٢ (٢٧٧)، وابوداؤد: ١٧٢، والترمذی: ٦١، والنسائی: ١٣٣۔

(۵۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ اَبِىْ اُمَيَّةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنِىْ مَنْ سَمِعَ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ بَعْدَ مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ۔

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد نبی علیہ السلام کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تخریج: اخرجه البخاری: ٣٨٧، و مسلم: ٦٢٢ (٢٧٢)، وابوداؤد: ١٥٤، والترمذی: ٩٣، والنسائی: ١١٨، وابن ماجه: ٥٤٣۔

(۵۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ رَاى جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَسَأَلَهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنِّىْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُهٗ وَاِنَّمَا صَحِبْتُهٗ بَعْدَ مَا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ۔

ترجمہ: ہمام بن حارث نے ایک مرتبہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو وضو میں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے اس کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی علیہ السلام کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور میں نے نبی علیہ السلام کی ہم نشینی کا شرف سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد حاصل کیا ہے۔

تخریج حدیث: قد مضی انفا۔

(۶۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ ابْنِ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِىْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ رَجَعَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ رُوْمِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ فَرَفَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ ضِيْقِ كُمِّهَا قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ مِنْ اِدَاوَةٍ مَعِىْ فَتَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ وَلَمْ يَنْزِعْهُمَا ثُمَّ تَقَدَّمَ وَصَلّٰى۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ نبی علیہ السلام کے ہمراہ سفر پر نکلے، دوران سفر آپ ﷺ قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے، قضاء حاجت سے فارغ ہو کر جب نبی علیہ السلام تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جو رومی جبہ زیب بدن کیا ہوا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں، اس لیے وہ اتر نہ سکا، نبی علیہ السلام نے آستین کی جگہ سے اسے اوپر اٹھا لیا، حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے پاس موجود ایک برتن سے نبی علیہ السلام کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگا، نبی علیہ السلام نے اسی طرح وضو کیا جیسے آپ علیہ السلام نماز کے لیے کرتے تھے اور موزوں پر مسح کر لیا، انہیں اتارا نہیں، پھر آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔

حل عبارت: "قضی" باب ضرب سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پورا کرنا "وعلیه" سے "رجع" کی کیفیت بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ واقعہ کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے "الکمین" کم کی تثنیہ ہے بمعنی آستین "اصب" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی انڈیلنا، بہانا "اداوۃ" برتن، "لم ینزعھما" باب ضرب سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اتارنا۔

(۶۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیْهِ جُبَّةٌ رُوْمِیَّةٌ ضَیِّقَةُ الْكُمَّیْنِ فَاَخْرَجَ یَدَیْهِ مِنْ تَحْتِهَا وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ وَعَلَیْهِ جُبَّةٌ شَامِیَّةٌ ضَیِّقَةُ الْكُمَّیْنِ فَاَخْرَجَ یَدَیْهِ مِنْ اَسْفَلِ الْجُبَّةِ۔

ترجمہ: اس حدیث کا ترجمہ بعینہٖ وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے۔

تخریج حدیثین: اخرجهما البخاری: ۳۶۳، ومسلم: ۶۲۹ (۲۷۴)، والنسائی: ۱۲۳، وابن ماجه: ۳۸۹۔

(۶۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنِ الشَّعْبِیِّ، عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَمْسَحُ۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تخریج حدیث: قدمر التخریج سابقا۔

(۶۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ اَبِی الْجُهَیْمِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰی غَزْوَةٍ فِی الْعِرَاقِ فَاِذَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ یَمْسَحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقَالَ یَا ابْنَ عُمَرَ اِذَا قَدِمْتَ عَلٰی اَبِیْكَ فَسْئَلْهُ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاَتَیْتُهٗ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَمْسَحُ فَمَسَحْنَا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ قَدِمْتُ الْعِرَاقَ لِلْغَزْوِ فَاِذَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ یَمْسَحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ اِذَا قَدِمْتَ عَلٰی عُمَرَ فَسْئَلْهُ فَقَالَ قَدِمْتُ عَلٰی عُمَرَ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَمْسَحُ فَمَسَحْنَا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ قَدِمْتُ الْعِرَاقَ لِغَزْوَةِ جَلُوْلَا فَرَاَیْتُ سَعْدَ ابْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ یَمْسَحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ فَقُلْتُ مَا هٰذَا یَا سَعْدُ فَقَالَ اِذَا لَقِیْتَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَاسْاَلْهُ قَالَ فَلَقِیْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا صَنَعَ فَقَالَ عُمَرُ صَدَقَ سَعْدٌ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَصْنَعُهٗ فَصَنَعْنَا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ قَدِمْنَا عَلٰی غَزْوَةِ الْعِرَاقِ فَرَاَیْتُ سَعْدَ ابْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ یَمْسَحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ فَاَنْكَرْتُ عَلَیْهِ فَقَالَ لِیْ اِذَا قَدِمْتَ عَلٰی عُمَرَ فَاسْاَلْهُ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَیْهِ

سَأَلْتُهُ وَذَكَرْتُ لَهُ مَا صَنَعَ سَعْدٌ فَقَالَ عَمُّكَ اَفْقَهُ مِنْكَ رَأَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک غزوہ کے سلسلے میں عراق آیا تو وہاں حضرت سعد بن مالکؓ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا' میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب تم اپنے والد صاحب کے پاس واپس پہنچو تو ان سے اس کے متعلق پوچھنا' حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں واپس پہنچا تو والد صاحب سے اس کے متعلق دریافت کیا' انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی علیہ السلام کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے ہم بھی مسح کرتے ہیں۔

ایک روایت میں غزوہ کا نام ''جلولاء'' (مقام کی مناسبت سے) بھی مذکور ہے' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کی تصدیق کی' اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ تمہارے چچا (حضرت سعدؓ) تم سے زیادہ فقیہ ہیں۔

حلِ عبارت: ''قدمت'' باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی آنا ''فاذا'' یہ مفاجاتیہ ہے جو ''اچانک'' کا معنی دیتا ہے' ''افقه'' اسم تفضیل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی فقیہ ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۰۲' وابن ماجه: ٥٤٦' واحمد: ١٤/١' وابن خزيمة۔

(٦٤) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ تَنَازَعَ اَبُوْهُ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ سَعْدٌ اَمْسَحُ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ مَا يُعْجِبُنِيْ قَالَ سَعْدٌ فَاجْتَمَعْنَا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ عَمُّكَ اَفْقَهُ مِنْكَ سُنَّةً۔

ترجمہ: حضرت سالم سے مروی ہے کہ ان کے والد (حضرت ابن عمرؓ) اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے درمیان موزوں پر مسح کے مسئلے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا' حضرت سعدؓ فرماتے تھے کہ میں تو مسح کرتا ہوں' اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ مجھے تو یہ اچھا نہیں لگتا' حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ اتفاقاً ہم دونوں حضرت عمرؓ کی ایک مجلس میں جمع ہو گئے' (وہاں یہ مسئلہ رکھا گیا تو) حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ تمہارے چچا تم سے زیادہ فقیہ ہیں۔

حلِ عبارت: ''تنازع'' باب تفاعل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جھگڑنا' اختلاف رائے کرنا ''فاجتمعنا'' باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی اکٹھے ہونا۔

تخریج حدیث: قد مر التحريج سابقا۔

(٦٥) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي السَّفَرِ وَلَمْ يُوَقِّتْهُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو دوران سفر موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے' لیکن

اس موقع پر نبی علیہ السلام نے اس کے لیے کسی وقت کی تعیین نہیں فرمائی تھی۔

حَلِّ عِبارت: "لم یوقته" باب تفعیل سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وقت معین کرنا۔

تخریج حدیث: اخرج ابوداؤد مثله: ۱۵۸' وابن ماجه: ۵۵۷' والدارقطنی: ۱/۱۹۸' والطحاوی: ۴۷۳۔

(۶۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ الْجَدَلِیِّ عَنْ خُزَیْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ فِی الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ لِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَّلَیْلَةً وَلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهَا لَا یَنْزِعُ خُفَّیْهِ اِذَا لَبِسَهُمَا وَهُوَ مُتَوَضِّیءٌ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَلْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَّلَیْلَةً اِنْ شَاءَ اِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ اَنْ یَلْبَسَهُمَا۔

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مقیم آدمی موزوں پر ایک دن اور ایک رات مسح کر سکتا ہے' اور مسافر تین دن اور تین راتیں' اس دوران وہ اپنے موزوں کو نہ اتارے' بشرطیکہ اس نے وضو کی حالت میں انہیں پہنا ہو۔

اور ایک روایت میں مسح علی الخفین کو انسان کی مرضی پہ موقوف کیا گیا ہے۔

حَلِّ عِبارت: "لبسهما" باب سمع سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہننا "وهو متوضی" یہ جملہ "لبس" کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۱۵۷' والترمذی: ۹۵' وابن ماجه: ۵۵۳' واحمد: ۵/۲۱۴' والطحاوی: ۴۸۳۔ واما حدیث علی الآتی فقد اخرجه مسلم: ۶۳۹ (۲۷۶)' والنسائی: ۱۲۸' والبیهقی فی الکبری: ۱/۲۷۲' وعبدالرزاق: ۷۸۹' واحمد: ۱/۹۶' والطحاوی: ۵۰۲۔

(۶۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ سَعِیْدٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ التَّیْمِیِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنِ الْاَوْدِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ الْجَدَلِیِّ عَنْ خُزَیْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ قَالَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهِنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَّلَیْلَةً۔

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام سے مسح علی الخفین کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات۔

(۶۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ، عَنِ الْحَکَمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیءٍ، عَنْ عَلِیٍّ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: یَمْسَحُ الْمُسَافِرُ عَلَی الْخُفَّیْنِ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهِنَّ، وَالْمُقِیْمُ یَوْمًا وَّلَیْلَةً۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہٖ وہی ہے جو ابھی گزرا۔

بَابٌ فِي الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعُوْدَ

(۶۹) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ إِسْحٰقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصِيْبُ مِنْ أَهْلِهٖ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ فَيَنَامُ وَلَا يُصِيْبُ مَاءً فَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاغْتَسَلَ۔

جو بحالت ناپاکی پھر جماع کرنا چاہے!

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس رات کے ابتدائی حصے میں تشریف لے جاتے' اور پانی کو ہاتھ لگائے بغیر سو جاتے' رات کے آخری حصے میں جب بیدار ہوتے اور ضرورت پر دوبارہ زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لاتے تب جا کر غسل فرماتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۷۰) حَمَّادٌ' عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ' عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصِيْبُ أَهْلَهٗ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَلَا يُصِيْبُ مَاءً' فَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاغْتَسَلَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس رات کے ابتدائی حصے میں تشریف لے جاتے' اور پانی کو ہاتھ نہ لگاتے' جب رات کے آخری حصے میں بیدار ہوتے اور دوبارہ جاتے تو فراغت پا کر غسل فرماتے۔

حل عبارت: "یصیب" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہنچنا' یہاں کنایۃ مباشرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور "ولا یصیب ماء" میں یہی لفظ "چھونے" کے معنی میں استعمال ہوا ہے "استیقظ" باب استفعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جاگنا "عاد" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لوٹنا۔

تخریج حدیث: اخرجهما ابن ماجه: ۵۸۱' وابوداؤد: ۲۲۸' والترمذی: ۱۱۸۔

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ ضابطہ مستنبط کیا ہے کہ متعدد مرتبہ کی جنابت ایک مرتبہ غسل کرنے سے دور ہو جاتی ہے' یہ ضروری نہیں کہ جنابت کے اسباب جتنی مرتبہ لاحق ہوں' غسل بھی اتنی ہی مرتبہ کیا جائے' یہ شریعت کی طرف سے ملنے والی ایک عظیم سہولت ہے۔

البتہ یہاں یہ اشکال بعض لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اور یہ اشکال اس وقت زیادہ قوی ہو جاتا ہے جب بخاری شریف کی اس روایت کو بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے کہ نبی علیہ السلام ایک ہی رات میں اپنی تمام ازواج مطہرات

کے حقوق ادا فرما دیا کرتے تھے' ظاہر ہے کہ غیر مسلم اسے عیاشی پر محمول کر کے پیغمبر اسلام کی عصمت پر حملہ کرتے ہیں' اس لیے اس کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی پوری حیات طیبہ میں آپ کا یہ معمول مبارک رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ نماز عصر کے بعد ازواج مطہرات کے پاس جا کر ان کی مزاج پرسی فرمایا کرتے تھے اور ضروریات کے متعلق پوچھ کر ان کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔

شب باشی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری مقرر کر رکھی تھی اور ہر زوجہ محترمہ کے یہاں ایک رات گزارا کرتے تھے' یہ معمول بھی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا' البتہ مرض الوفات کے ایام ازواجِ مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں گزارے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ ایک ہی رات میں تمام ازواج مطہرات کے حقوق ادا فرمائے اور باری باری ہر ایک کے پاس تشریف لے گئے' یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک نہ تھا' ایک جزوی واقعہ تھا جسے نقل کرنے والے مرچ مصالحے لگا کر چٹخارے لے کر بیان کرتے ہیں اور اہل اسلام کو طعنے دیتے ہیں کہ تمہارے پیغمبر ایسے تھے۔ والعیاذ باللہ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اس موضوع پر متفق تھے کہ نبی علیہ السلام کو چالیس جنتی مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی' ظاہر ہے کہ ہر جنتی مرد کو سو مردوں کے برابر طاقت عطاء کی جائے گی' گویا دنیا کے سو مرد جنت کے ایک مرد کے برابر ہیں۔ اب چونکہ نبی علیہ السلام کو چالیس جنتی جوانوں کے برابر طاقت دی گئی تھی تو چالیس کو سو سے ضرب دینے پر چار ہزار کی تعداد حاصل ہوئی' گویا نبی علیہ السلام اکیلے چار ہزار مردوں پر بھاری تھے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ ہر شخص کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے تو چار ہزار کو چار سے ضرب دینے پر سولہ ہزار کا عدد حاصل ہوا' گویا نبی علیہ السلام کو جو مردانہ طاقت عطاء کی گئی ہے' وہ سولہ ہزار خواتین کو ان کے حقوق ادا کر سکتی ہے' یہاں صرف نو پر اتنا شور مچایا جاتا ہے کہ بہت بڑا جرم محسوس ہونے لگے۔

یہیں سے تعدد ازدواج پر کیے جانے والے اعتراض کا جواب بھی مل گیا اور ایک ہی رات میں کئی بیویوں سے' یا ایک ہی بیوی سے متعدد مرتبہ مباشرت پر کیے جانے والے واہیات کا جواب بھی نکل آیا۔

(۷۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْاَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ، تَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ اگر حالت جنابت میں نبی علیہ السلام سونے کا ارادہ فرماتے تو اس سے قبل نماز جیسا وضو فرما لیا کرتے تھے۔

مَفْهُوْم: "اراد" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ارادہ کرنا "ان ینام" میں "ان" مصدریہ ہے اور اصل عبارت یہ ہے "اذا اراد النوم" "وضوء ہ" مفعول مطلق ہے اور منصوب بنزع الخافض ہے' اصل عبارت یہ ہے "توضا مثل وضوء ہ للصلوۃ"

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۲۸۸' ومسلم: ۶۹۹ (۳۰۵)' وابوداؤد: ۲۲۴' والترمذي: ۱۲۰' والنسائي: ۲۵۹' وابن ماجه: ۵۸۴

مَفْهُوْم: ۱۔ اس حدیث کی وضاحت طبرانی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت میمونہ بنت سعدؓ کے حوالے سے مروی ہے' وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے یہ سوال پوچھا کہ کیا حالت جنابت میں آدمی یوں ہی سو سکتا ہے؟ فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ وضو کیے بغیر سو جائے' کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر وہ اسی طرح فوت ہو گیا تو جبریل اس کے پاس نہیں آئیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں موت آنا اچھی چیز نہیں ہے لیکن عوام میں یہ جو بات مشہور ہے کہ حالت جنابت میں مرنے والا حرام موت مرا اور گنہگار ہوا' اس کی کوئی حقیقت نہیں' یہ بے اصل اور بے سروپا بات ہے جس کا باطل ہونا بدیہی ہے۔

اور اسی حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ باب نبوت کے بند ہونے کے بعد کرۂ ارض پر جبریل کی آمد و رفت بند نہیں ہوئی' بلکہ وہ حکم رب کی تکمیل و تعمیل کے لیے اب بھی زمین پر آتے جاتے رہتے ہیں۔

۲۔ فقہاء کرام نے اس حدیث کے تحت فرمایا ہے کہ اختیاری طور پر جنابت لاحق ہونے کی صورت میں وضو کر لینا مستحب ہے' لیکن اگر کوئی شخص اس حال میں وضو کیے بغیر ہی سو جائے' تب بھی وہ گنہگار نہیں ہو گا' ہاں اگر طلوع فجر تک وہ اسی حالت میں پڑا رہا اور نماز کا وقت گزرتا رہا تا آنکہ طلوع آفتاب بھی ہو گیا تو اس پر فرشتوں کی طرف سے لعنت پھٹکار شروع ہو جاتی ہے اس لیے پہلی فرصت میں ہی اپنے آپ کو پاک کر لینا زیادہ بہتر ہے۔

بَابُ الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ

(۷۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَدَّ يَدَهٗ اِلَيْهِ فَدَفَعَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَالَكَ قَالَ اِنِّيْ جُنُبٌ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرِنَا يَدَيْكَ فَاِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ بِنَجَسٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ۔

مومن نجس نہیں ہوا کرتا

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے میری طرف بڑھایا' لیکن میں نے ایسا

نہیں کیا' نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ میں حالت ناپاکی میں ہوں' فرمایا اپنے ہاتھ دکھاؤ' مومن کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۷۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ' عَنْ حَمَّادٍ' عَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَدَّیَدَهٗ اِلَیْهِ' فَاَمْسَكَهَا عَنْهُ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَنْجُسُ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ گزشتہ حدیث کے ترجمے کے قریب قریب ہی ہے۔

حل عبارت: "مالك" میں ما استفہامیہ ہے اور لک ضمیر مجرور متصل ہے۔ "ارنا" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی دکھانا۔

تخریج حدیثین: اخرج البخاری مثلهما: ۲۸۳' ومسلم: ۸۲۵ (۳۷۲)' وابن ماجه: ۵۳۵' والنسائی: ۲۶۹' والترمذی: ۱۲۱۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے زمانہ جاہلیت کے اس تصور کو سمجھنا ضروری ہے جو وہ ناپاکی کی حالت لاحق ہونے والے مرد و عورت کے ساتھ روا رکھتے تھے' عورت کے ساتھ ہونے والا سلوک تو بہت ہی بدتر تھا کہ اسے اچھوت سمجھ کر گھر کی ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا تھا' اس کے قریب بیٹھنا تو دور کی بات اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز تک ناپاک سمجھی جاتی تھی' مرد بھی ناپاکی کی حالت میں کسی کو چھونا یا ہاتھ لگانا دوسرے کو ناپاک کرنے کے مترادف سمجھتے تھے' اسی تصور کی بناء پر حضرت حذیفہؓ نے اور دوسری روایات کے مطابق حضرت ابوہریرہؓ نے نبی علیہ السلام سے مصافحہ کرنے سے گریز کیا اور مجلس سے کھسک گئے' مبادا یہ کہ نبی علیہ السلام کے ہاتھ بھی ناپاک ہو جائیں۔

• نبی علیہ السلام نے اس خیال کی اصلاح کس عجیب طریقے سے فرمائی کہ اس کے بعد کسی کے ذہن میں اس کے حوالے سے کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی اور اس سے یہ **اصول** نکل آتا ہے کہ جنابت ایک نجاست حکمیہ ہے جس سے تلاوت قرآن اور دخول مسجد کے علاوہ کوئی دوسرا کام ممنوع نہیں ہوتا' یہ نجاست انسان کے ہاتھوں' پیروں اور جسم میں اس طرح سرایت نہیں کر جاتی کہ اگر وہ ہاتھ پیر کسی اور کو لگ جائیں تو وہ بھی ناپاک ہو جائیں۔

زیر بحث حدیث کے اس حصہ "ان المومن لا ینجس" سے معلوم ہوا کہ کافر نجس ہوتا ہے اور اس کی یہ نجاست حکمی نہیں بلکہ حقیقی ہے' یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

"یا ایها الذین آمنوا انما المشرکون نجس"

بَابُ مَا جَآءَ فِیُ مُنَاوَلَةِ الُخُمُرَةِ فِی الُحَیُضِ

(٧٤) اَبُوحَنِیُفَةَ عَنُ حَمَّادٍ عَنُ اِبُرَاهِیُمَ عَنِ الُاَسُوَدِ عَنُ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوُلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهَا نَاوِلِیُنِی الُخُمُرَةَ فَقَالَتُ اِنِّیُ حَائِضٌ فَقَالَ اِنَّ حَیُضَتَكِ لَیُسَتُ فِیُ یَدِكِ۔

ایام کی حالت میں چٹائی پکڑانے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا مجھے چٹائی پکڑانا' انہوں نے عرض کیا کہ میں ایام سے ہوں' فرمایا تمہاری ناپاکی تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

حل عبارت: "ناولینی" باب مفاعلہ سے امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی پکڑانا "الخمرۃ" چھوٹی چٹائی کو کہتے ہیں۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ٦٨٩ (٢٩٨)' وابوداؤد: ٢٦١' والنسائی: ٢٧٢' وابن ماجه: ٦٣٢' والطیالسی: ١٤٣٠ واحمد: ٢٤٦٨٨۔

مفہوم: گزشتہ حدیث کے تحت ذکر کردہ پس منظر کو اگر ایک مرتبہ پھر پڑھ لیا جائے تو اس حدیث کا مفہوم بھی خوب واضح ہو جائے گا' اور معلوم ہو گا کہ نبی علیہ السلام نے زمانہ جاہلیت کی ان خزاں رسیدہ رسومات و توہمات کی کس طرح جڑ اکھاڑ پھینکی ہے اور ظلم و ستم کی ان داستانوں سے طبقہ خواتین کو خاص طور پر کس طرح نجات دلائی ہے' یہ الگ بات ہے کہ آج بھی بہت سے شعبے اور ادارے "حقوق نسواں" کے نام سے کام کر رہے ہیں' نجانے وہ کون سے حقوق نسواں ہیں جو اسلام نے خواتین کو عطاء نہیں کیے اور ان اداروں کی انتھک محنتوں سے وہ انہیں مل رہے ہیں اور نجانے "حقوق نسواں" کے علمبردار "فرائض نسواں" کے لیے بھی کوئی مہم چلانا پسند کریں گے یا نہیں؟ اس لیے کہ حقوق کا نعرہ تو اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے' لیکن فرائض کا نام سنتے ہی سب اپنی اپنی بغلیں جھانکنا شروع ہو جاتے ہیں۔

بہرحال! اگر اس موضوع کی روایات کو اکٹھا کر لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ نبی علیہ السلام نے حائضہ عورت کے ساتھ سوائے مباشرت کے' اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا' ہنسنا بولنا' ایک ساتھ لیٹنا اور سونا' تک جائز قرار دے دیا' اس کا جھوٹا بھی ناپاک قرار نہیں دیا اور اسے اچھوتوں کی طرح کسی کال کوٹھڑی میں بند نہیں کروایا۔

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح مرد کے لیے جنبی ہونا نجاست حقیقیہ نہیں' اسی طرح عورت کے لیے حائضہ ہونا بھی نجاست حقیقیہ نہیں ہے بلکہ نجاست حکمیہ ہے اور نجاست حکمیہ کا حکم نجاست حقیقیہ سے جدا ہے۔

واللہ اعلم۔

بَابُ الْمَرْأَةُ تَرٰى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ

(۷۵) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ اُمَّ سُلَيْمٍ اَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْمَرْأَةِ تَرٰى مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم تَغْتَسِلُ۔

اگر عورت خواب میں اس کیفیت سے دوچار ہو جس کا سامنا مرد کو ہوتا ہے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ام سلیمؓ نے ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر مرد کی طرح عورت بھی خواب میں ناپاک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بھی غسل کرے گی۔

حل عبارت: "تری" باب فتح سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دیکھنا' مراد احتلام ہو جانا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۳۰' ومسلم: ۷۱۰ (۳۱۱)' وابوداؤد: ۲۳۷' والترمذی: ۱۲۲' والنسائی: ۱۹۵' وابن ماجه: ۶۰۰۔

مفہوم: اس حدیث کے مضمون میں اس وقت زیادہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے جب دوسری روایات سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ انصار کی ایک خاتون نے "جن کا نام روایات میں حضرت ام سلیمؓ مذکور ہے" نبی علیہ السلام سے جب عورت کو احتلام ہو جانے کی صورت میں اس کا شرعی حکم دریافت کیا تو وہاں موجود ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا ام سلیم! تجھ پر افسوس ہے' تو نے تو ساری عورتوں کو رسوا کر کے رکھ دیا' بھلا عورتوں کو احتلام کہاں ہوتا ہے؟ نبی علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا کہ پھر بچہ اپنی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے۔

اس مضمون کی مزید وضاحت مسلم شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کے مطابق مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی پتلا اور زرد ہوتا ہے' ان میں سے جو غالب آ جائے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

حضرت ام سلمہؓ یا بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہؓ کا استعجاب عادت کی بناء پر ہے کہ عادتاً ایسا نہیں ہوتا اور سائلہ کا سوال امکان کی بناء پر ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں غسل کرنے کا حکم مرد و عورت دونوں کی طرف یکساں متوجہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَمَّامِ

(۷۶) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِئْسَ الْبَيْتُ الْحَمَّامُ هُوَ بَيْتٌ لَا يَسْتُرُ

وَمَاءٌ لَا يُطَهِّرُ۔

حمام کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حمام بدترین جگہ ہے کیونکہ وہاں ستر پوشی کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ ہی پاکیزگی بخش پانی ہوتا ہے۔

حل عبارت: "بئس" فعل ذم ہے' "الحمام" مرفوع علی الذم ہے۔ "لا یستر" باب نصر سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھپانا "لا یطھر" باب تفعیل سے مضارع منفی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پاک ہونا' اور بعض محدثین نے اسے باب کرم سے بھی ضبط کیا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البيهقي في سننه' وابن عدي في كامله: ۲۶۷۹/۷' والطبراني: ۱۰۹۲۶۔

مفہوم: اسلام میں طہارت و صفائی اور نظر کی حفاظت پر جو زور دیا جاتا ہے اور ذہنوں میں اس کی جو اہمیت بٹھائی جاتی ہے وہ کسی صاحب عقل سے پوشیدہ نہیں' اسی بناء پر اسلام نے مرد و عورت کے لیے ستر کا پیمانہ اور معیار بھی مقرر کیا ہے چنانچہ مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک کا حصہ ستر میں داخل کیا ہے اور اسے چھپانا فرض ہے' بلا ضرورتِ شدیدہ جیسے علاج معالجہ اسے کھولنا سخت حرام ہے جبکہ عورت کے لیے پورا جسم ہی ستر ہے' ہاتھ' چہرہ اور دونوں پاؤں ستر میں داخل نہیں اور ان کے کھلا رہنے کی صورت میں اس کی نماز ہو جائے گی۔

"اس زمانے میں غسل کے لیے بنائے جانے والے حماموں میں پردہ کا مکمل انتظام نہیں ہوتا تھا بلکہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے ہی مکمل برہنہ ہو کر اپنی حاجت پوری کرتے تھے اور غسل کر کے باہر نکلتے تھے' بعض اوقات خواتین بھی وہاں غسل کے لیے چلی جاتی تھیں اور یوں بہت زیادہ بے پردگی ہوتی تھی' پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہاں موجود پانی بھی صاف نہیں ہوتا تھا جس سے طہارت اور پاکیزگی کا حصول تو رہا ایک طرف' الٹا ناپاکی اور گندگی لے کر لوگ لوٹتے تھے' ان ساری قباحتوں کے پیش نظر نبی علیہ السلام نے یہ بات ارشاد فرمائی اور خواتین کے لیے وہاں جانا بالکل ممنوع قرار دے دیا اور مردوں کو جسم کا نچلا حصہ ڈھکے بغیر وہاں جانے سے منع فرما دیا۔

موجودہ زمانے میں بھی اگر کہیں غسل خانوں اور حماموں کی ایسی ہی صورت حال ہو تو وہاں بھی یہ حکم ہے' تاہم عام طور پر شہروں میں مردوں کے لیے اب جو حمام بنائے گئے ہیں' ان میں پردہ کی حفاظت بھی ہے' پانی بھی صاف ہوتا ہے اور بدنظری بھی نہیں ہوتی اس لیے وہاں غسل کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے اگر طبعی طور پر کسی شخص کا دل نہ مانے تو وہ بات جدا ہے۔

بَابُ فَرُكِ الْمَنِيِّ

(۷۷) اَبُوحَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

کپڑے سے منی کو کھرچ دینے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی علیہ السلام کے کپڑوں سے مادۂ منویہ کو کھرچ دیا کرتی تھی۔

حل عبارت: "افرك" باب نصر سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کھرچنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۲۹، ومسلم: ۶۶۹ (۲۸۸)، وابوداؤد: ۳۷۲، والترمذی: ۱۱۶، والنسائی: ۲۹۷، وابن ماجه: ۵۳۷۔

مفہوم: نسل انسانی کی بقاء اور ترویج کے لیے اللہ نے انسانی جسم میں توالد و تناسل کے جو اسباب پیدا فرما رکھے ہیں، ان میں سے ایک اہم سبب وہ مادۂ حیات بھی ہے جو دنیا میں ایک نئے وجود کے آنے کا سبب بنتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت بہت سے نوجوان اس کی شدت اور حدت سے تنگ کر آ کر کبھی اپنی جنس مخالف کو اپنے جذبات کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں، کبھی اپنے ہم جنس کو آتش شوق میں جلا دیتے ہیں اور کبھی اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کر لیتے ہیں، انہی حقائق کو سامنے رکھ کر اسلام نے "نکاح" کی تجویز پیش کی ہے۔

فقہاء کرام کا اس بات میں اختلاف رہا ہے کہ یہ مادۂ حیات پاک ہے یا ناپاک؟ چنانچہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی رائے اس کی طہارت کی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و امام مالک رحمہ اللہ اس کی نجاست کے قائل ہیں، اول الذکر حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دارقطنی کی روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کپڑے کو تھوک لگ جائے، ظاہر ہے کہ تھوک ناپاک ہے اور نہ ہی کپڑے کو ناپاک کرتا ہے اسی طرح یہ بھی ناپاک ہے اور نہ ہی کپڑے کو ناپاک کرے گا۔

جبکہ مؤخر الذکر حضرات کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں نجاست (مادۂ منویہ) لگے کپڑے دھونے یا کھرچنے کا ذکر ہے۔ یہاں آ کر ان دو حضرات کے درمیان معمولی سا اختلاف رائے رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ امام صاحب رحمہ اللہ نجاست کے نشانات کپڑے پر لگ جانے کی صورت میں اسے کھرچ دینا بھی جائز سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جبکہ نجاست گاڑھی ہو اور اسے کھرچنا ممکن بھی ہو، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ بہرحال اسے دھونا ہی ضروری قرار دیتے ہیں۔

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں ہم صرف ایک بات کہہ کر فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں اور وہ یہ کہ فقہ کا یہ مسلمہ

اصول اور ضابطہ ہے کہ خروج نجاست سے طہارت زائل ہوتی ہے' خروجِ طاہر سے طہارت زائل ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں' پھر اگر مادۂ حیات نجس نہیں ہے تو اس سے طہارت کیسے زائل ہوئی اور اس پر وجوب غسل چہ معنی دارد؟

(۷۸) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامٍ اَنَّ رَجُلًا اَضَافَتْهُ عَائِشَةُ اُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ بِمِلْحَفَةٍ فَالْتَحَفَ بِهَا اللَّيْلَ فَاَصَابَتْهُ جَنَابَةٌ فَغَسَلَ الْمِلْحَفَةَ كُلَّهَا فَقَالَتْ مَا اَرَادَ بِغَسْلِ الْمِلْحَفَةِ اِنَّمَا كَانَ يُجْزِيْهِ اَنْ يَفْرُكَهٗ لَقَدْ كُنْتُ اَفْرُكُهٗ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ۔

ترجمہ: ہمام بن حارث کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عائشہؓ کے مہمان خانہ میں ٹھہرا' حضرت عائشہؓ نے سردی سے بچاؤ کے لیے اسے لحاف بھجوا دیا جسے اس نے رات کو اوڑھ لیا' اتفاقاً رات کو اسے خواب آ گیا جس کے نشانات اس لحاف پر بھی لگ گئے' اس شخص نے احتیاطاً سارا لحاف ہی دھو ڈالا' حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پتہ چلا تو فرمایا لحاف دھونے کی کیا ضرورت تھی؟ اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس کے نشان کھرچ کر صاف کر دیتا' میں بھی نبی علیہ السلام کے کپڑوں سے اس کے نشانات کھرچ کر مٹا دیا کرتی تھی اور نبی علیہ السلام اسی میں نماز پڑھا دیتے تھے۔

حل عبارت: "اضافته" باب افعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی مہمان نوازی کرنا۔ "ملحفة" اسم آلہ کا صیغہ واحد مؤنث ہے بمعنی اوڑھنے کا آلہ' مراد لحاف ہے "التحف" باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لحاف اوڑھنا' "یجزیه" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کافی ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ٦٦٨ (٢٨٨) وابوداؤد: ٣٧١' والترمذی: ١١٦' والنسائی: ٢٩٨' وابن ماجه: ٥٣٨' واحمد: ٢٤٦٥٩' والدارقطنی: ١/١٢٥' والطحاوی: ٢٥٣' وابن خزيمة: ٢٨٨۔

مفہوم: اس حدیث کا مضمون بھی سابقہ حدیث کے مضمون جیسا ہے' البتہ یہاں امام طحاویؒ کا ایک عمدہ عقلی استدلال ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں' کیونکہ امام طحاویؒ نے طہارت منی کے قائلین کے دلائل اور احادیث و آثار ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ عام طور پر آدمی رات کو کپڑے بدل کر سوتا ہے اور جب وہ گھر سے باہر جاتا ہے تو کپڑے بدل کر جاتا ہے یعنی سونے کے کپڑے علیحدہ ہوتے ہیں اور جاگنے کے علیحدہ' اگر کسی روایت میں نجاست لگے کپڑے دھونے کی نفی کی گئی ہے تو وہ رات کو سوتے وقت پہننے والے کپڑوں کے بارے میں ہے' اور ظاہر ہے کہ سونے کے لیے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری نہیں اور جن روایات میں نجاست لگے کپڑے دھونے یا کھرچنے کا حکم آتا ہے وہ نماز کے کپڑوں پر محمول ہیں۔

بَابٌ اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ

(۷۹) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ

طَهُرَ۔

جس کھال کو دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کھال کو دباغت دے دی جائے، وہ پاک ہو جاتی ہے۔

حل عبارت: "اهاب" کچی کھال کو کہتے ہیں "دبغ" باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دباغت دینا "طهر" باب کرم سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پاک ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۸۱۲ (۳۶۶)، وابن ماجه: ۳۶۰۹، والترمذی: ۱۷۲۸، والنسائی: ٤٢٤٦، والبخاری مثله: ١٤٩٢ واحمد: ١٨٩٥۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم سمجھنے سے پہلے دباغت کی تعریف ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ جو یہ ہے

"هی ازالة ما فی الجلد من النتن و الفساد"

"کھال میں موجود بدبو اور گندگی کو دور کرنا۔

دباغت کی فقہاء نے دو قسمیں لکھی ہیں۔ (۱) دباغت حقیقی (۲) دباغت حکمی۔ اور دونوں میں فرق یہ لکھا ہے کہ اگر کسی جانور کی کھال اور اس کے چمڑے کو دھوپ میں یا مٹی میں رکھ کر خشک کر لیا جائے تا کہ اس کی بدبو وغیرہ زائل ہو جائے تو اسے دباغت حقیقی کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کا غیر مصنوعی طریقہ ہے اور اگر دواؤں اور کیمیکلز کے ذریعے اس کی بدبو وغیرہ کو زائل کیا جائے تو اسے دباغت حکمی کہتے ہیں جیسا کہ آج کل کپڑے اور جوتے کی بڑی بڑی فیکٹریوں میں ہوتا ہے۔

دباغت کی ان دونوں صورتوں سے مردہ جانور کا چمڑا بھی قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے، حتی کہ کتے کی کھال بھی اس کے ذریعے پاک کی جا سکتی ہے لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ کسی چیز کے پاک ہونے سے اس کا حلال ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ پاک ہونے کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ اگر وہ کھال انسان کے جسم یا کپڑوں کو لگ جائے تو انسان ناپاک نہیں ہوگا اور حلال کا مفہوم یہ ہے کہ اسے کھانا بھی جائز ہو، کتے کی کھال دباغت سے پاک تو ہو جاتی ہے، حلال نہیں ہوتی، اور خنزیر کی کھال پاک ہوتی ہے اور نہ ہی حلال، کیونکہ اس کے نجس العین ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

(۸۰) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِشَاةٍ مَيِّتَةٍ لِسَوْدَةَ فَقَالَ مَا عَلٰى اَهْلِهَا لَوِ انْتَفَعُوْا بِاهَا بِهَا فَسَلَخُوْا جِلْدَ الشَّاةِ فَجَعَلُوْهُ سِقَاءً فِى الْبَيْتِ حَتّٰى صَارَتْ شَنًّا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کا گزر ایک مردہ بکری پر ہوا' جو حضرت سودہؓ کی ملکیت میں تھی' نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر اس کے مالک اس سے فائدہ اٹھا لیتے' تو کیا حرج تھا؟ چنانچہ انہوں نے اس بکری کی کھال اتار کر گھر میں ایک مشکیزہ کے طور پر رکھ لیا تا آنکہ وہ پرانا ہو گیا۔

حل عبارت: "مر" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گزرنا "لسودة" کا تعلق "شاة" کے ساتھ ہے یعنی وہ بکری حضرت سودہؓ کی تھی "انتفعوا" باب افتعال سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی فائدہ حاصل کرنا "فسلخوه" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کھینچ لینا "سقاء" مشکیزہ "شنا" پرانا ہو جانا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٦٦٨٦' ومسلم: ٨٠٦ (٣٦٣)' والنسائی: ٤٢٤٥' واحمد: ٦/٤٢٩۔

مفہوم: گزشتہ تقریر سے اس حدیث کا مضمون بھی خوب واضح ہو گیا۔

(۸۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّهٗ صَلّٰى صَلٰوةً فَخَفَّفَهَا وَاَكْثَرَ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ اَنْتَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتُصَلِّيْ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ فَقَالَ اَبُوْ ذَرٍّ اَلَمْ اُتِمَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ قَالَ بَلٰى قَالَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ سَجَدَ لِلّٰهِ سَجْدَةً رَفَعَ بِهَا دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ فَاَحْبَبْتُ اَنْ تُؤْتٰى لِيْ دَرَجَاتٌ اَوْ تُكْتَبَ لِيْ دَرَجَاتٌ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ مَرَّ بِاَبِيْ ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَهُوَ يُصَلِّيْ صَلٰوةً خَفِيْفَةً يُكْثِرُ فِيْهَا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَبُوْ ذَرٍّ قَالَ لَهُ الرَّجُلُ تُصَلِّيْ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ وَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَبُوْ ذَرٍّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ سَجَدَ لِلّٰهِ سَجْدَةً رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ فَلِذٰلِكَ اُكْثِرُ فِيْهَا السُّجُوْدَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ ہلکی پھلکی نماز پڑھی اور کثرت سے رکوع اور سجدہ کیے' جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص کہنے لگا کہ آپ صحابی رسول ﷺ ہو کر اتنی ہلکی پھلکی نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا کیا میں نے رکوع اور سجدہ مکمل نہیں کیا؟ اس نے کہا کیوں نہیں! فرمایا کہ پھر میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص اللہ

کی رضا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے' اللہ جنت میں اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے' میری خواہش ہوئی کہ میرے لیے کئی درجات کا فیصلہ کیا جائے' ایک روایت میں اس جگہ کا نام صراحۃً ربذہ بتایا گیا ہے جہاں حضرت ابو ذر غفاریؓ نماز پڑھ رہے تھے۔

حَلِّ عِبارَت: "فخففها" باب تفعیل سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تخفیف کرنا "اکثر" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی کثرت کرنا "الم اتم" ہمزہ استفہامیہ ہے اور "لم اتم" باب افعال سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی مکمل کرنا۔ "تؤتی" باب ضرب سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دینا "اکثر" باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی مذکورہ۔

تخریج حدیث: اخرج مسلم مثله: ۱۰۹۳ (۴۸۸)' والترمذی: ۳۸۸' والنسائی: ۱۱۴۰' وابن ماجه: ۱۴۲۳، واحمد قریبًا من هذا السیاق: ۲۱۶۳۳۔

مَفْهُوم: ۱۔ کتاب الطہارۃ مکمل ہونے کے بعد یہاں سے "کتاب الصلوٰۃ" شروع ہو رہی ہے' جس میں نماز کے متفرق احکام زیر بحث آئیں گے' اور ان دونوں کا باہمی ربط واضح ہے کہ جب ایک شخص اپنے آپ کو جسمانی طور پر گندگیوں اور غلاظتوں سے پاک کر چکا تو اب روحانی پاکیزگی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے' اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے اس لیے کتاب الطہارۃ کے بعد کتاب الصلوٰۃ کو رکھا۔

۲۔ نماز کی فرضیت شب معراج میں ہونا اور اس کی جملہ تفصیلات تو معلوم ہیں' اس کے لیے دلیل قرآن کریم کی وہ مشہور عالم آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

"واقیموا الصلوة واتوا الزکوة"

اور جسے قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے' اسی طرح ترک نماز کی مذمت اور اس پر دی جانے والی وعیدیں بھی جو آیات قرآنی میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں' نماز کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح ذخیرۂ حدیث میں بھی اس نوعیت کی بے شمار احادیث بکھری پڑی ہیں' چنانچہ کہیں فرمایا گیا

"اول ما افترض علی امتی الصلوات الخمس' واول ما یرفع اعمالهم الصلوات الخمس' واول ما یسئلون عن الصلوات الخمس" (رواہ الحاکم)

اور کہیں فرمایا گیا

"العهد الذی بیننا وبینهم الصلوة فمن ترکها فقد کفر" (رواہ احمد' والترمذی' والنسائی' وابن ماجه)

اسی طرح طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر نماز کے وقت اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اے اولادِ آدم! اس آگ کی طرف کھڑے ہو جاؤ جس سے تم اپنے نفسوں کو جلا چکے ہو اور اسے نماز کے ذریعے بجھاؤ۔

اور یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ فرضیت نماز کا منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے' البتہ تارک صلوٰۃ کو خواہ وہ متعمدا ہی کیوں نہ ہو' کافر قرار نہیں دیا جا سکتا' ہاں اس کے گنہگار ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔

۳۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ذر غفاریؓ کا شمار ان درویش اور خدامست صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو اپنے پاس سونا چاندی اور روپیہ پیسہ رکھنا حرام سمجھتے تھے اور رات ہونے سے پہلے اسے خرچ کرنا ضروری سمجھتے تھے اور جو ایسا نہ کرتا اس سے ناراض ہوتے' ظاہر ہے کہ یہ طرز عمل بہت سے لوگوں کو ناگوار گزرتا تھا' یوں بھی شریعت نے اس معاملے میں اتنی سختی نہیں کی' اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد ہر شخص کے مال کو پاک قرار دیا ہے' یہ الگ بات ہے کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ کا عمل بھی اسوۂ پیغمبر کے عین مطابق تھا۔

انہوں نے دیکھ رکھا تھا کہ نبی علیہ السلام ایک مرتبہ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے' مصلی پر کھڑے ہوئے' مؤذن اقامت کہہ چکا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہنے کی بجائے صفوں کو چیرتے ہوئے اپنے حجرۂ مبارک کی طرف چلے گئے' لوگ حیران تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ لیکن کسی میں بولنے کی جرأت نہیں تھی' تھوڑی دیر بعد نبی علیہ السلام خود ہی تشریف لے آئے اور نماز پڑھائی' نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ تم لوگ یقیناً حیران ہو رہے ہو گے' بات اصل میں اتنی تھی کہ گھر میں چاندی کا کچھ حصہ پڑا ہوا تھا' میں اسے خرچ کیے بغیر بارگاہ خداوندی میں کس طرح حاضر ہوتا؟ اس لیے پہلے جا کر اسے صدقہ کیا' پھر تمہیں نماز پڑھانے آیا۔

یہ اور اس قسم کے واقعات حضرت ابو ذر غفاریؓ کے دل دماغ پر نقش ہو چکے تھے' اس لیے وہ اپنے پاس بھی کچھ نہیں رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی کچھ نہیں رکھنے دیتے تھے' نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ سے ان کی شکایت کر دی' انہوں نے حضرت ابو ذرؓ کو مدینہ منورہ بلا لیا' لیکن یہاں بھی ان کی روش میں تبدیلی نہ آئی اور بالآخر انہیں مدینہ منورہ کے قریب ایک جنگل اور صحراء میں جس کا نام ''ربذہ'' تھا' رہائش اختیار کرنا پڑی اور نبی علیہ السلام اس حوالے سے پہلے ہی پیشین گوئی فرما چکے تھے' یہیں ان کا انتقال ہوا اور یہیں تدفین ہوئی آپ کا اصل نام ''جندب بن جنادہ'' تھا۔

۴۔ فقہاء کرام نے اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط کیے ہیں' ایک تو ''تخفیف صلوٰۃ''، یعنی اگر کوئی شخص امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہو تو صرف اپنے یا چند لوگوں کے شوق کو مدنظر رکھ کر نماز اتنی طویل نہ کر دے کہ مقتدیوں میں سے کمزور' بیمار اور ضرورت مند لوگ پریشان ہو جائیں' ظاہر ہے کہ کمزور اور بیمار تو طبعی طور پر زیادہ لمبی نماز کی سکت نہیں رکھتے اور جس شخص کو کوئی ضروری کام درپیش ہو اور وہ نماز کا وقت آ جانے پر نماز میں شریک ہو جائے تو وہ نماز لمبی ہونے کی صورت میں دل ہی دل میں امام صاحب کو برا بھلا کہہ رہا ہو گا اور اس کی ساری توجہ اپنے کام کی طرف ہی مرکوز ہو گی۔

بعض ائمہ کو دیکھا گیا ہے کہ ان کا رکوع اتنا طویل ہوتا ہے کہ تسبیحات رکوع تین مرتبہ نہیں' درمیانی رفتار سے تیرہ

مرتبہ بھی کہہ لی جائیں تب بھی ان کا رکوع ختم نہیں ہوتا' سجدہ اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ اچھے بھلے انسان کے سر میں درد شروع ہو جاتا ہے اور جس کے سر میں پہلے ہی درد ہو رہا ہے' اس میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیے! امامت کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ امام مقتدیوں کا خیال رکھے' نبی علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو لمبی نماز پڑھانے پر تین مرتبہ فرمایا تھا "افتان انت؟" خود نبی علیہ السلام مقتدیوں کا خیال رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ بعض اوقات میں اپنی نماز صرف اس وجہ سے مختصر کر دیتا ہوں کہ میرے کانوں میں کسی بچے کے رونے کی آواز پڑتی ہے' میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ماں کا ذہن نماز کی بجائے اپنے بچے کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور اس کا دل اسی میں اٹکا رہے گا' میں اس کی خاطر نماز مختصر کر دیتا ہوں' اس عملی حکم کے ساتھ ساتھ قولی حکم بھی ارشاد فرمایا ہے۔

من ام منکم فلیخفف' فان فیھم الضعیف والکبیر وذاالحاجۃ۔

اور دوسرا مسئلہ جو اس حدیث میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے' یہ ہے کہ تطویل نماز افضل ہے یا تکثیر نماز؟ یعنی مثلاً آدھے گھنٹے میں دو رکعتیں لمبی لمبی پڑھنا زیادہ افضل ہے یا بیس مختصر مختصر رکعتیں پڑھنا زیادہ افضل ہے؟ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں کمیت کے اعتبار سے کمی اور کیفیت کے اعتبار سے بڑھوتری ہوگی اور دوسری صورت میں مقدار زیادہ ہوگی اور اس کی کیفیت میں کمی آ جائے گی۔

لیکن معتدل رائے یہ ہے کہ دن کے وقت میں تکثیر نماز زیادہ افضل ہے اور رات کے وقت میں تطویل نماز زیادہ افضل ہے' یہی وجہ ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں جتنی بھی روایات نبی علیہ السلام کی نماز طویل ہونے کو ثابت کرتی ہیں' ان سب کا تعلق رات سے ہے' دن سے نہیں' رہی نماز کسوف کے لمبا ہونے کی بات تو وہ ایک حادثاتی اور اتفاقی واقعہ ہے' اسے عام حالات کا حکم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بَابُ مَا بَیْنَ السُّرَّةِ وَالرُّکْبَةِ عَوْرَةٌ

(۸۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَیْنَ السُّرَّةِ وَالرُّکْبَةِ عَوْرَةٌ۔

ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ستر ہے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ شرمگاہ ہے۔

حل عبارت: "السرة" ناف کو کہتے ہیں "رکبة" گھٹنے کو کہتے ہیں "عورة" چھپانے کی چیز۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری تعلیقا مثله فی باب ما یذکر فی الفخذ' وابوداؤد: ٤٠١٤' والترمذی: ٢٧٩٦'
والطیالسی: ١١٧٦۔ والحاکم: ٦٤٦٦۔

مفہوم: اسلام سراسر حیاء اور پاکیزگی کا دین ہے' اس نے بے حیائی کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ پھینکا ہے اور گندگی و غلاظت کو طہارت و پاکیزگی کے سانچے میں ڈھال دیا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ جس قوم نے لباس اور ستر کے معاملے میں اسلامی احکام کو دل و جان سے اپنایا ہے' اس قوم کی پاکیزگی پر تاریخ کبھی انگلی نہیں اٹھا سکی اور جس قوم نے بھی اسے مضحکہ خیز قرار دے کر پس پشت ڈالا' وہ جنسی بے راہ روی کی گہری دلدل میں جا دھنسی۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کی جسمانی ساخت ہی ایسی بنائی ہے کہ ان دونوں کے لیے ستر کے احکام ایک جیسے ہونا بداہت عقل کے بھی خلاف ہے اور کوئی بھی عقل منداس نظریے کو اختیار نہیں کر سکتا' اسی جسمانی ساخت کے پیش نظر مرد کے لیے ستر یعنی جسم کا وہ حصہ جسے دوسروں کی نظروں سے چھپانا اور پوشیدہ رکھنا فرض ہے' ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے اور عورت کے لیے سوائے چہرے' ہاتھ اور پاؤں کے باقی پورا جسم چھپانا فرض ہے۔

اب یہ سوچنا ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ننھے منے معصوم بچوں کو گرمی کے موسم میں اتنا چھوٹا نیکر پہنا کر سکول بھیجتے ہیں جس سے ان کا گھٹنا ہی نہیں' ران بھی جھلک رہی ہوتی ہے' اور بچے تو رہے ایک طرف' بزعم خویش ہمارا پڑھا لکھا طبقہ ہاتھوں میں کتوں کی رسیاں پکڑ کر صبح صبح باغ کی سیر کے لیے تشریف لے جاتا ہے تو اس کی کیفیت بھی بعینہٖ یہی ہوتی ہے' غور طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ ترک فرض کے زمرے میں نہیں آتا؟ کیا یہ سر عام بے حیائی کو فروغ دینا اور اس کی دعوت کو عام کرنا نہیں ہے؟ اور کیا یہ معاشرے کو غلاظت اور گندگی کے مہیب سایوں میں دھکیل دینے والی بات نہیں ہے؟

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ جَوَازِ الصَّلٰوةِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

(۸۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ اَمَّهُمْ فِيْ قَمِيْصٍ وَاحِدٍ وَعِنْدَهٗ فَضْلُ ثِيَابٍ يُعَرِّفُنَا بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ' اَبُوْ قُرَّةَ قَالَ ذَكَرَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ يُصَلِّي الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَوَ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ۔ قَالَ اَبُوْ قُرَّةَ فَسَمِعْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ يَذْكُرُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْسَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ۔

ایک کپڑے میں نماز کے جواز کا بیان

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جابرؓ نے ایک ہی قمیص میں انہیں نماز پڑھائی' حالانکہ ان کے

پاس زائد کپڑے موجود تھے درحقیقت وہ ہمیں نبی علیہ السلام کا طریقہ مسنونہ سکھانا چاہتے تھے۔

ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آ کر نبی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آدمی ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا کیا تم میں سے ہر شخص کو دو کپڑے مہیا ہو جاتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص کو دو کپڑے نہیں ملتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اسی سے ملتا جلتا ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۸۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهٖ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لِاَبِی الزُّبَيْرِ غَيْرُ الْمَكْتُوْبَةِ قَالَ الْمَكْتُوْبَةُ وَغَيْرُ الْمَكْتُوْبَةِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی' اسی طرح کہ اسے اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیا' کسی شخص نے راوی حدیث ابوالزبیر سے پوچھا کہ یہ حکم فرض نمازوں کے علاوہ کے لیے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ فرض اور غیر فرض سب کو شامل ہے۔

حل عبارت: "امھم" باب نصر سے ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی امامت کرنا "یعرفنا" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہچان کرانا "یجد" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پانا۔ "متوشحا" باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی لپیٹ لینا "المکتوبة" باب نصر سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مؤنث ہے بمعنی لکھی ہوئی اور مراد فرض نماز ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۳۵۸' ومسلم: ۱۱۴۸ (۵۱۵)' وابوداؤد: ۶۲۵' وابن ماجه: ۱۰۴۷' والنسائی: ۷۶۴۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری: ۳۵۳' ومسلم: ۱۱۵۶ (۵۱۸)' وابوداؤد: ۶۲۸' والترمذی: ۳۳۹' وابن ماجه: ۱۰۴۹' والنسائی: ۷۶۵۔

مفہوم: اس حدیث میں ایک قمیص یا ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز منقول ہے جو بظاہر گزشتہ حدیث کے ضمن میں کی گئی ہماری تقریر کے خلاف محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ صرف قمیص پہن کر نماز پڑھنے سے جسم کے پوشیدہ اعضاء کا مستور رہنا ناممکن ہے' بالخصوص رکوع اور سجدے کی حالت میں تو جسم کا مستور رہنا ممکن ہی نہیں؟

اس لیے محدثین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی بہت وافر مقدار لوگوں کے پاس نہیں ہوتی تھی' ظاہر ہے کہ نماز تو فرض ہے' اس لیے بیان جواز کے لیے ایک قمیص یا کپڑے میں اسے اچھی طرح جسم پر لپیٹ کر نماز پڑھی گئی۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے

درمیان اس مسئلے پر اختلاف رائے ہو گیا، حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے تھے کہ ہم نے خود نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک کپڑے میں کئی نمازیں پڑھی ہیں اور یہ سنت سے ثابت ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگوں کے پاس کپڑوں کی قلت ہوتی تھی، جب اللہ نے وسعت اور کشادگی عطا فرمائی ہے تو اب دو کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہیے۔

گویا ایک قمیص میں نماز پڑھنا ''بیان جواز'' کے لیے تھا، لیکن اصل مسئلہ اس توجیہ کی موجودگی میں بھی حل نہیں ہوتا کہ کیونکہ جب عورت غلیظہ دوران نماز مستور نہ رہے تو نماز کا فاسد ہو جانا ایک بدیہی بات ہے، پھر بیان جواز چہ معنی دارد؟ اس لیے ناکارہ کے ذہن میں اس کی صاف اور بے غبار صورت یہ آتی ہے کہ اہل عرب جو قمیص پہنتے ہیں، وہ ہندوستانی قمیصوں سے دو طرح مختلف ہوتی ہے، ایک تو وہ اس قدر لمبی ہوتی ہے کہ بعض اوقات ٹخنوں سے بھی نیچے جا رہی ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا گھیرا دونوں طرف سے سلا ہوا ہوتا ہے، آج بھی اہل عرب اسی طرح کی قمیص پہنتے ہیں اور اس صورت میں بے پردگی کا کوئی احتمال نہیں ہوتا، خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ قمیص کا لفظ سن کر ہمارے ذہنوں میں ہندوستانی اور پاکستانی قمیص کا تصور آتا ہے لیکن اگر اسے عرب کے ماحول کے مطابق دیکھا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

بَابُ فَضْلِ الصَّلوٰةِ فِیْ مَوَاقِیْتِهَا

۸۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ نَافِعٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلوٰةُ فِیْ مَوَاقِیْتِهَا۔

نماز اپنے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا۔

حل عبارت: ''العمل'' پر الف لام جنسی ہے اور سوال کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کی جنس میں سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ ''مواقیتها'' میقات کی جمع ہے بمعنی وقت۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ٥٢٧، ومسلم: ٢٥٢ (٨٥)، والترمذي: ١٧٣، والنسائي: ٦١١۔

مفہوم: اس حدیث کے مطابق ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ فضیلت والا عمل کون سا ہے؟ نبی علیہ السلام نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وقتِ مقررہ پر نماز ادا کرنا، لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث میں نماز کو وقت مقررہ پر پڑھنا سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے جبکہ بعض احادیث میں غریب کو کھانا کھلانا سب سے افضل

عمل قرار دیا گیا ہے کہیں کسی چیز کو اور کہیں کسی چیز کو ظاہر بات ہے کہ "سب سے افضل" ہونا تو کسی ایک عمل کی خصوصیت ہو سکتی ہے مختلف اعمال سب سے افضل کیسے ہو سکتے ہیں؟

شراح حدیث نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ آسان جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو جس حکمت اور بصیرت و دانائی سے مالا مال فرما رکھا تھا' اسے کام میں لا کر موقع محل کے مطابق جواب دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بن چکا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کے حالات کو مدنظر رکھ کر اس کے سوال کا جواب ارشاد فرماتے تھے۔

بلاتشبیہ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی سپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس ایک ہی مرض کے دو یا زیادہ مریض آتے ہیں' ان کا مرض بھی ایک ہوتا ہے اور عوارض بھی ایک جیسے' لیکن ڈاکٹر ان میں سے ہر ایک کے لیے جدا نسخہ لکھتا ہے اور مختلف طریقوں سے علاج کرتا ہے' اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ ان کی طبیعت اور حالات سے واقف ہوتا ہے' اس لیے وہ اس بات کو بہتر طریقے سے سمجھتا ہے کہ کس کے لیے کون سا نسخہ زیادہ بہتر ہے؛

بس اسی طرح سمجھ لیجیے کہ نبی علیہ السلام بھی سائل کے حالات کو مدنظر رکھ کر جواب ارشاد فرمایا کرتے تھے' جس شخص کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ وقت مقررہ پر نماز پڑھنے میں سستی کرتا ہے' اس کے لیے وقت مقررہ پر نماز پڑھنا سب سے افضل عمل قرار دیا اور جس شخص کے متعلق معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت مال و دولت خرچ کرنے میں بے حد محتاط واقع ہوئی ہے اس کے لیے غریبوں کو کھانا کھلانا سب سے افضل عمل قرار دے دیا' غرضیکہ جہاں جس نوعیت کے جواب کی ضرورت محسوس ہوئی' وہاں وہی جواب ارشاد فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ الْاِسْفَارِ بِالصُّبْحِ

(۸۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَسْفِرُوْا بِالصُّبْحِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلثَّوَابِ۔

اسفار کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صبح کی نماز خوب روشنی کر کے پڑھا کرو' کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

حل عبارت: "اسفروا" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی روشنی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ٤٢٤' والترمذی: ١٥٤' وابن ماجه: ٦٧٣' والنسائی: ٥٥٠' واحمد: ٤٦٥/٣۔

مفہوم: بنیادی طور پر نماز فجر کا وقت طلوع صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے' اس وقت کے درمیان جب بھی نماز فجر ادا کر لیا جائے' خواہ اول وقت میں یا درمیان وقت میں یا آخر میں' وہ ادا ہو جائے گی' لیکن طلوع آفتاب

کے بعد پڑھی جانے والی نماز فجر کو ادا نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے قضاء کہا جائے گا۔

گویا نماز فجر کے لیے وقت جواز تو طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے، باقی رہا وقت مستحب، سو وہ اس حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسفار کی حالت میں نماز فجر پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب روشنی چاروں طرف پھیل جائے تب نماز فجر شروع کی جائے، کیونکہ اگر ایسا ہوا اور امام صاحب نے لمبی قراء ت شروع کر دی تو سورج نکل آنے کا اندیشہ ہو گا۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رات کا جو گہرا، مہیب اور تاریک سایہ ہے وہ دور ہونا شروع ہو جائے اور اس کی جگہ روشنی نمودار ہونے لگے تو نماز فجر ادا کر لی جائے تاکہ جب نماز فجر ادا کر کے باہر نکلیں تو خوب اچھی طرح روشنی ہو چکی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ تَفُوْتُهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ

(۸۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ بُرَيْدَةَ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ بُرَيْدَةَ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ فِيْ يَوْمِ غَيْمٍ، فَاِنَّ مَنْ فَاتَهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔

نماز عصر کے قضا ہو جانے پر وعید کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز عصر جلدی ادا کر لیا کرو، ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جس دن ابر چھایا ہوا ہو، اس دن نماز عصر جلدی پڑھ لیا کرو، کیونکہ جس شخص کی نماز عصر فوت ہو جائے یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے گویا اس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس حدیث کے آخری جملے سے ملتا جلتا ہے، اس لیے اس کا ترجمہ یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۸۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ يَحْيٰى، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ، فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابن بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی نماز عصر فوت ہو جائے، گویا اس سے اس کے اہل خانہ اور اس کا مال و دولت چھین لیا گیا۔

حل عبارت: "بکروا" باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی جلدی کرنا "غیم" بادل کو کہتے ہیں "فاتہ" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رہ جانا، فوت ہو جانا "تغرب" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ڈوب جانا "حبط" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد

مذکر غائب ہے بمعنی ضائع ہو جانا "وتر" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ہلاک ہو جانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۵۵۳، والنسائی: ۴۷۳، وابن ماجه: ٦۹٤، واحمد: ٥/٣٦١، والاحادیث فی معناہ کثیرۃ۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری: ۵۵۲، ومسلم: ۱٤۱۹ (٦٢٦)، وابوداؤد: ٤١٤، والترمذی: ۱۷۵، والنسائی: ۵۱۳، وابن ماجه: ٦٨٥۔

مفہوم: بنیادی طور پر ان دونوں حدیثوں میں نماز عصر کی اہمیت ذہن نشین کرانا مقصود ہے کیونکہ اکثر علماء کرام کی رائے کے مطابق وہ "صلوۃ وسطی" جس پر خصوصیت کے ساتھ محافظت کا قرآن کریم میں حکم آیا ہے' اس سے نماز عصر ہی مراد ہے اور پھر ویسے بھی کاروباری اعتبار سے یہ وقت بہت زیادہ مصروفیت کا ہوتا ہے' اس لیے اس کی اہمیت جتلانے کے لیے فرمایا کہ کاروبار میں منہمک ہو کر نماز عصر کی ادائیگی سے غافل نہ ہو جانا' اس لیے کہ تم کاروبار کے ذریعے اپنے جس مال و دولت کو بڑھانا چاہتے ہو' دس منٹ کے اس مختصر سے عرصے میں تمہارے مال میں اتنا اضافہ نہیں ہوگا جتنی برکت نماز عصر کو ترک کر دینے سے چھین لی جائے گی' اس لیے اس میں غفلت مت کرنا خواہ تمہیں اس کی ادائیگی اول وقت میں ہی کرنا پڑے۔

شرح حدیث کے حوالے سے تو اس کی وضاحت یہ ہے' البتہ فقہاء کرام کے لیے یہاں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث میں نماز عصر کو جلدی پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ بعض دوسری روایات میں تاخیر کا حکم بھی دیا گیا ہے' ظاہر ہے کہ بیک وقت دونوں طرح کی روایات پر عمل نہیں ہو سکتا' اس لیے جو فقہاء تعجیل عصر کے قائل ہیں وہ تاخیر پر دلالت کرنے والی روایات میں توجیہہ کرتے ہیں اور جو فقہاء تاخیر عصر کے قائل ہیں' وہ تعجیل پر دلالت کرنے والی روایات میں تاویل کرتے ہیں۔

لیکن اس کا بہترین حل ذخیرۂ حدیث میں اس موضوع کی احادیث میں خود ہی مل جاتا ہے' چنانچہ خود بخاری میں بھی جہاں تعجیل عصر کی روایت نقل کی گئی ہے' وہاں "فی یوم غیم" کی قید موجود ہے' جس سے یہ مسئلہ مکمل طور پر حل ہو جاتا ہے' کیونکہ اس میں کسی کی بھی دو رائیں نہیں ہیں کہ جس دن آسمان ابر آلود ہو' اس دن نماز عصر جلدی پڑھ لی جائے' گویا تعجیل عصر کا حکم "یوم غیم" کے ساتھ خاص ہے اور عام حالات میں تاخیر عصر ہی مسنون ہے۔

لیکن یاد رہے کہ نماز عصر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ وقت مکروہ داخل ہو جائے اور سورج پیلا پڑنا شروع ہو جائے' ذخیرۂ حدیث میں اس کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اسے منافقین کا طرز عمل قرار دیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی السَّاعَاتِ الَّتِیْ نُهِیَ عَنْهَا الصَّلٰوةُ فِیْهَا

(۸۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْغَدْوَةِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ وَلَا یُصَامُ هٰذَانِ الْیَوْمَانِ الْاَضْحٰی وَالْفِطْرِ وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ اِلَی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَاِلٰی مَسْجِدِیْ هٰذَا وَلَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ یَوْمَیْنِ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ۔

نماز کے اوقات ممنوعہ کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے' اسی طرح عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے' ان دو دنوں یعنی عید الفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن روزہ نہ رکھا جائے' سوائے تین مسجدوں کے کسی اور مسجد کی طرف خصوصیت کے ساتھ رخت سفر نہ باندھا جائے۔ (۱) مسجد حرام (۲) مسجد اقصیٰ (۳) اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) اور کوئی عورت دو دن کی مسافت کسی محرم کے بغیر سفر طے نہ کرے۔

حل عبارت: "لا یصام" باب نصر سے فعل مضارع منفی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی روزہ رکھنا "لا تشد" باب نصر سے مضارع منفی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی باندھنا "لا تسافر" باب مفاعلہ سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سفر کرنا۔

تخریج حدیث: الحدیث له اربعة اجزاء' فالجزء الاول منه:

اخرجه ابن ماجه: ۱۲۴۹' ۳النسائی: ۵۸٦' والترمذی: ۱۸۳' وابوداؤد: ۱۲۷٦' والبخاری: ۵۸٦' ومسلم: ۱۹۲۱ (۸۲٦)

والجزء الثانی منه:

اخرجه البخاری: ۱۹۹۰' ومسلم: ۲٦۷٤ (۸۲۷)' وابوداؤد: ۲٤۱۷' والترمذی: ۷۷۲' وابن ماجه: ۱۷۲۱۔

والجزء الثالث منه:

اخرجه البخاری: ۱۱۸۹' مسلم: ۳۲٦۱' (۸۲۷) وابوداؤد: ۲۰۳۳' والترمذی: ۳۲٦' والنسائی: ۷۰۱' وابن ماجه: ۱٤۰۹' والطیالسی: ۱۳٤۸'

والجزء الرابع منه:

اخرجه البخاری: ۱۸٦٤' ومسلم: ۳۲٦۲ (۸۲۷)' وابوداؤد: ۱۷۲۳' والترمذی: ۱۱۷۰' وابن ماجه: ۲۸۹۹۔

والحدیث بمجموعه: اخرجه البخاری: ۱۱۹۷' ومسلم: ۳۲٦۱۔

مَفْهُوْم : بنیادی طور پر اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے چار اصول بیان فرمائے ہیں' اسی لیے ہم نے ہر جز کی الگ الگ تخریج کی ہے اور مجموعے کو سامنے رکھ کر صحیحین کا حوالہ بھی دیا ہے' اور اسی بنا پر ہم چار نکات سے بحث کریں گے۔

ا۔ نبی علیہ السلام نے پہلا اصول تو یہ بیان فرمایا کہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز نہیں پڑھنی چاہیے' ظاہر ہے کہ یہ ممانعت نوافل سے متعلق ہی ہو سکتی ہے' فرائض کو یہ ممانعت شامل نہیں' خواہ وہ اسی دن کی فرض نماز ہو' یا ماضی کی کسی نماز کو قضاء کیا جا رہا ہو۔

یہ دو وقت تو خاص طور پر نوافل کے ساتھ خاص ہیں' جن میں سے پہلے وقت میں دیگر احادیث صحیحہ کو سامنے رکھ کر تھوڑی توسیع کر لی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ فجر کی اذان کے بعد جو دو رکعتیں سنت مؤکدہ کے طور پر ادا کی جاتی ہیں ان کے بعد ہی سے نوافل میں مشغولیت سے انسان اپنے آپ کو روک لے۔

اس کے علاوہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں نوافل کے ساتھ ساتھ فرائض کی بھی ممانعت ہے۔

(۱) طلوع آفتاب کے وقت

(۲) زوال آفتاب کے وقت۔

(۳) غروب آفتاب کے وقت۔

اول الذکر اوقات میں نوافل کی ممانعت کی جو حکمتیں شراح نے بیان کی ہیں' وہ سب اپنی جگہ صحیح ہیں' لیکن ناکارہ کے ذہن میں یہ توجیہ آتی ہے کہ نماز فجر کے بعد عام طور پر لوگوں کے معمولات دو طرح کے ہوتے ہیں' بعض لوگ سو جاتے ہیں جیسا کہ گرمیوں میں اکثر ہوتا ہے اور بعض اپنے دفاتر' مدارس اور سکولز جانے کے لیے تیاری کرتے ہیں' اب اگر انسان نوافل میں مشغول ہو جائے تو معاملات زندگی میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے جو شریعت کا منشاء کسی صورت نہیں ہو سکتا' یہی وجہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد نوافل کی اجازت ہو جاتی ہے۔

اور نماز عصر کے بعد کاروباری مصروفیات کا لحاظ رکھ کر شریعت نے انسانی طبیعت اور اس کے تقاضوں کا لحاظ رکھا ہے' یقیناً ایسی باریک بینی جو عبادات سے لے کر زندگی کے ہر گوشے کو حاوی ہو' اسلام کے علاوہ کسی دین و مذہب میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔

اور مؤخر الذکر اوقات میں چونکہ شمس پرستوں اور آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور اسلام کا یہ ایک غیر منسوخ اصول ہے۔

من تشبه بقوم فهو منهم

یہ اصول کبھی منسوخ ہوا ہے اور نہ ہی کسی خاص چیز کے ساتھ اس کی تخصیص ہے' بلکہ یہ ایک عام حکم ہے اور ہر

اس صورت کو شامل ہے جس میں کسی بھی قوم کے ساتھ کسی بھی طرز کی مشابہت پائی جائے۔

۲۔ زیر بحث حدیث میں دوسرا حکم روزہ سے متعلق دیا گیا ہے جس کی افادیت و اہمیت دنیا بھر کے تمام ادیان میں مسلم ہے اور بعض لوگ تو اس میں اس حد تک غلو کرتے ہیں کہ چپ کا روزہ رکھ لیتے ہیں' اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے' اور اس میں بھی اسلام نے اعتدال کی تعلیم دی ہے اور اس سلسلے میں سب سے پہلا صول تو یہ مقرر کر دیا کہ روزانہ روزہ رکھنے کی ممانعت کر دی اور فرما دیا کہ جو روزانہ روزہ رکھتا ہے' وہ ایسے ہے جیسے اس نے روزہ رکھا ہی نہیں' دوسرا اصول یہ مقرر کر دیا کہ بغیر کچھ کھائے پیے کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھنے سے منع کر دیا' جیسا کہ پہلے بعض لوگ اسے بڑی عبادت سمجھ کر کئی کئی دن کھائے پیے بغیر روزہ رکھا کرتے تھے اور تیسرا یہ اصول مقرر کر دیا کہ اگر کوئی شخص بہت زیادہ روزے رکھنا چاہتا ہے تو پورے مہینے میں تین روزے رکھ لے' ورنہ ہفتہ میں دو روزے رکھ لے' ورنہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھ لے اور اس آخری صورت کی یہ فضیلت بیان فرما دی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ کار تھا۔

چوتھا اصول یہ بیان فرمایا کہ عیدین اور ایام تشریق کے روزے نہ رکھے جائیں' اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا' بظاہر اس شدت کی وجہ یہ ہے کہ توہم پرست اور عقیدے کے کمزور افراد کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جس دن کوئی بھی روزہ نہیں رکھتا' اگر ہم نے بھی نہ رکھا تو کون سا کمال کیا' اصل کمال تو اس صورت میں ہوگا کہ جب سب کھا پی رہے ہوں' ہم اس وقت روزے سے ہوں' اور عام طور پر پورے سال میں ایسے ایام یہی ہوتے ہیں' اس لیے وہ ان دنوں میں روزہ رکھنا باعث کمال سمجھتے ہیں۔

شریعت نے اس خیال کی نفی اور تردید کرنے کے لیے مختلف پیرایوں میں احکام جاری کیے ہیں' چنانچہ کہیں ان ایام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت کے ایام قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ کی مہمان نوازی قبول کرو اور کہیں فرمایا کہ یہ تو کھانے پینے اور میاں بیوی کے لیے ایک دوسرے سے قریب ہونے کے دن ہیں۔

۳۔ مساجد اللہ کی تجلیات کا خصوصی مرکز ہوتی ہیں' اس میں مسجد کے چھوٹا بڑا ہونے یا دور اور قریب ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' جو اللہ بڑی مسجد میں ہوتا ہے وہی چھوٹی مسجد میں بھی ہوتا ہے' اور جو اللہ دور کی مسجد میں ہوتا ہے' وہی اللہ قریب کی مسجد میں ہوتا ہے' اب یہ اپنے اپنے ذہن کی بات ہے کہ ہم اللہ کو ڈھونڈنے اور راضی کرنے کے لیے کسی بڑی اور دور کی مسجد کا انتخاب کرتے ہیں یا چھوٹی اور قریب کی مسجد سے اپنا گوہر مراد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اسی خیال کی اصلاح کے لیے یہ حکم ارشاد فرمایا گیا اور اس میں سے تین مسجدوں کا استثناء کیا گیا' مسجد حرام کا تو اس لیے کہ مسلمان وہاں جا کر طواف کرتے' سعی کرتے اور اپنے نفس امارہ پر چھریاں چلاتے ہیں اور یوں بھی وہ مسلمانوں کا قبلہ ہے' مسجد اقصیٰ کا اس لیے کہ وہ مسلمانوں کا قبلہ اول اور تمام ادیان و مذاہب میں یکساں اہمیت کا حامل

ہے اور مسجد نبوی کا اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کے جذبہ عشق و محبت کی تکمیل ہوتی ہے۔

اور مراد رسول ﷺ کی باریکیوں کو سمجھنے والے حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ منشاء نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے ملاقات یا کسی تجارتی سلسلے میں کسی ایسی جگہ گیا ہوا ہو جہاں کوئی مشہور مسجد ہو اس کا اصل مقصد تو ملاقات یا تجارت ہو لیکن وہ اپنی آمد کا فائدہ اٹھا کر کسی تاریخی مسجد کی زیارت کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۴۔عورت کے وجود کو بالخصوص جبکہ وہ بیوی کے درجے میں ہو کر مرد کے انتہائی قریب اور اس کے روز و شب سے واقف ہو خود خالق کائنات نے آزمائش اور امتحان کا ذریعہ قرار دیا اسی وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ نے اس صنف نازک کی عفت و عصمت اور طہارت و پاکدامنی کو بچانے کے لیے بڑے دور رس اور اہم احکام صادر فرمائے۔

انہی احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ عورت محرم کے بغیر ہرگز سفر پر نہ جائے خواہ اس کا اکیلے ہی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ ہو یا کسی غیر محرم کے ساتھ دونوں صورتوں میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی اور یہ ممانعت کسی اندیشے کی بناء پر نہیں کی جا رہی بلکہ ان حالات اور واقعات کو مدنظر رکھ کر یہ حکم دیا گیا ہے جو اب بھی اس حکم کی پرواہ نہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں حتی کہ گزشتہ سالوں میں سفر حج کے دوران بھی ایک ایسا ہی ناگفتہ بہ واقعہ پیش آیا تھا بعد میں سعودی حکومت نے اس پر پابندی لگا دی لیکن سنا ہے کہ ابھی چند دن پہلے یہ پابندی پھر اٹھا لی گئی ہے اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو اور یہ ایک افواہ کی حد تک ہی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ بَدْءِ الْاَذَانِ

(۹۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ مَرَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرَاٰهُ حَزِیْنًا وَکَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَعِمَ تُجْمَعُ اِلَیْهِ فَانْطَلَقَ حَزِیْنًا بِمَا رَاٰی مِنْ حُزْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَتَرَكَ طَعَامَهٗ وَمَا کَانَ یَجْتَمِعُ اِلَیْهِ وَدَخَلَ مَسْجِدَهٗ یُصَلِّیْ فَبَیْنَمَا هُوَ کَذٰلِكَ اِذَا نَعَسَ فَاَتَاهُ اٰتٍ فِی النَّوْمِ فَقَالَ هَلْ عَلِمْتَ مِمَّا حَزِنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا قَالَ فَهُوَ لِهٰذَا التَّاْذِیْنِ فَاْتِهٖ فَمُرْهُ اَنْ یَّاْمُرَ بِلَالًا اَنْ یُّؤَذِّنَ فَعَلَّمَهُ الْاَذَانَ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ مَرَّتَیْنِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَیْنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرَّتَیْنِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ مَرَّتَیْنِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ مَرَّتَیْنِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ عَلَّمَهُ الْاِقَامَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهٖ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کَاَذَانِ النَّاسِ وَاِقَامَتِهِمْ فَاَقْبَلَ الْاَنْصَارِیُّ فَقَعَدَ عَلٰی بَابِ النَّبِیِّ ﷺ فَمَرَّ اَبُوْبَکْرٍ فَقَالَ اسْتَاْذِنْ لِیْ وَقَدْ رَاٰی مِثْلَ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَ بِهِ النَّبِیَّ ﷺ ثُمَّ اسْتَاْذَنَ لِلْاَنْصَارِیِّ فَدَخَلَ فَاَخْبَرَ بِالَّذِیْ رَاٰی فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ قَدْ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَکْرٍ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاَمَرَ بِلَالًا یُّؤَذِّنُ بِذٰلِكَ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ مَرَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرَاٰهُ حَزِيْنًا وَكَانَ الرَّجُلُ ذَا طَعَامٍ يُعْشٰى مَعَهٗ فَانْصَرَفَ لَمَّا رَاٰى مِنْ حُزْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَرَكَ طَعَامَهٗ فَدَخَلَ مَسْجِدَهٗ يُصَلِّىْ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ نَعَسَ فَاَتَاهُ اٰتٍ فِى النَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ اَتَدْرِىْ مَا اَحْزَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا قَالَ هُوَ النِّدَاءُ فَاْتِهٖ بِاَنْ يَّاْمُرَ بِلَالاً قَالَ الرَّجُلُ فَعَلَّمَهُ الْاَذَانَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ مَرَّتَيْنِ حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ عَلَّمَهُ الْاِقَامَةَ كَذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ فِىْ اٰخِرِهٖ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ كَاَذَانِ النَّاسِ وَاِقَامَتِهِمْ فَانْتَبَهَ الْاَنْصَارِیُّ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَجَلَسَ بِالْبَابِ فَجَاءَ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ الْاَنْصَارِیُّ اِسْتَاْذِنْ لِىْ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ فَاَخْبَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِمِثْلِ ذٰلِكَ ثُمَّ دَخَلَ الْاَنْصَارِیُّ فَاَخْبَرَ النَّبِیَّ ﷺ بِالَّذِىْ رَاٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ مُرْ بِلَالاً بِمِثْلِ ذٰلِكَ۔

اذان کی ابتداء کیسے ہوئی؟

ترجمہ: حضرت ابن بریدہؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری کا نبی علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے نبی علیہ السلام کو غمگین دیکھا' اس انصاری کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کھانا کھانے کے لیے بیٹھتا تو اس کے پاس ایک مجمع لگ جاتا تھا' نبی علیہ السلام کو غمگین دیکھ کر وہ بھی غمگین ہو کر چلا گیا' اور کھانا بھی چھوڑ دیا اور وہ مجمع بھی جو اس کے پاس لگا کرتا تھا' اور مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگا۔

وہ اسی حال میں تھا کہ اسے اونگھ آ گئی' خواب میں اس کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ تمہیں نبی علیہ السلام کے غمگین ہونے کی وجہ معلوم ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں! اس نے کہا کہ دراصل وہ اس اذان کے معاملے میں متفکر ہیں اس لیے ان کے پاس جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ بلال کو اذان کا حکم دیں' پھر اس نے خواب ہی میں اذان کے یہ کلمات سکھا دیے اللہ اکبر اللہ اکبر (دو مرتبہ) اشھد ان لا الہ الا اللہ (دو مرتبہ) اشھد ان محمدا رسول اللہ (دو مرتبہ) حی علی الصلوٰۃ (دو مرتبہ) حی علی الفلاح (دو مرتبہ) اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

اس کے بعد اسے اقامت کے کلمات بھی اسی طرح سکھائے اور کہا کہ آخر میں یوں کہنا قد قامت الصلوٰۃ' قد قامت الصلوٰۃ' اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ' یہ اذان واقامت کے وہی کلمات ہیں جو لوگوں میں آج تک رائج ہیں' بہر حال جب وہ انصاری اپنے خواب سے بیدار ہوا تو نبی علیہ السلام کے دروازے پر آ کر بیٹھ گیا۔

اتفاقاً وہاں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا گزر ہوا تو انصاریؓ سے کہا کہ میرے لیے بھی اجازت لیجیے گا' خود حضرت

صدیق اکبرؓ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا' چنانچہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو اس سے مطلع کر کے انصاری کے لیے اجازت مانگی' چنانچہ انصاری نے اندر آ کر خواب کا سارا واقعہ سنایا' نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکر نے بھی ہمیں ایسی ہی بات بتائی ہے' پھر نبی علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کو اسی طرح اذان دینے کا حکم دیا' اور ایک روایت میں ہے کہ بلال کو یہ الفاظ اسی طرح سکھا دو۔

حل عبارت: "حزینا" فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے غمگین "تجمع" باب فتح سے مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی اکٹھا ہونا "نعس" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اونگھ آنا "فاته" باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آنا "فمره" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی حکم دینا "یؤذن" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اذان دینا' اطلاع دینا "اخبرنا" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خبر دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مختصراً: ٦٠٤' وابوداؤد کذلك: ٤٩٩' والترمذی: ١٨٩۔

مفہوم: اس حدیث میں نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع کرنے کے لیے اذان کے مروجہ طریقہ کی ابتداء بیان کی گئی ہے کہ اس کا آغاز کیسے ہوا؟ سو اس سلسلے میں اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ اذان کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا' مکہ مکرمہ میں چونکہ کفار کا غلبہ تھا' اس لیے مسلمان چھپ چھپ کر عبادات کیا کرتے تھے' ظاہر ہے کہ اس صورت میں اذان کہنا ممکن ہی نہیں تھا۔

لیکن مدینہ منورہ بھی آتے ہی فیصلہ نہیں ہو گیا بلکہ نبی علیہ السلام نے اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ نماز کا وقت آنے پر اس کی اطلاع لوگوں تک کیسے پہنچائی جائے؟ مشورہ میں مختلف آراء سامنے آئیں لیکن ان میں سے ہر رائے یہودیوں' عیسائیوں' آتش پرستوں یا کسی بھی غیر مسلم قوم کے طرز عمل سے مشابہ تھی' جو ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام کو کسی صورت قبول نہیں ہو سکتا تھا' اس لیے مجلس فی الحال "الصلوٰۃ جامعۃ" کے اعلان پر اتفاق رائے سے برخاست ہو گئی۔

اس کے بعد خواب کا وہ واقعہ پیش آیا جو زیر بحث حدیث میں مذکور ہے اور حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ "جنہوں نے یہ عظیم خواب دیکھا تھا" نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب سنایا اب اس خواب کے مطابق جب حضرت بلالؓ نے پہلی اذان دی "جو نماز فجر کے لیے تھی" تو حضرت فاروق اعظمؓ بھی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے بھی یہ خواب دیکھا ہے اور زیر بحث حدیث کے مطابق سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی یہی خواب دیکھا تھا' اس وقت سے لے کر اب تک اذان نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع کے طور پر مشہور ہے۔

فقہاء کرام نے اس حدیث سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے لیکن میں انہیں مطولات کے سپرد کر کے سردست اس نکتے پر بحث کرنا چاہوں گا کہ ابتداء اذان سے متعلق جتنی بھی روایات ذخیرۂ حدیث میں ملتی ہیں' ان سب

میں ایک بات قدر مشترک کے طور پر ضرور پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ اذان کا آغاز ایک صحابی کے خواب سے ہوا ہے' سوال یہ ہے کہ اس وقت تو خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور وحی کا سلسلہ بھی جاری تھا' پھر وحی کے ذریعے کلمات اذان کی تلقین کیوں نہیں کر دی گئی؟ یا خود نبی علیہ السلام ہی کو خواب میں کلمات اذان کیوں نہ سکھا دیے گئے؟ ایک صحابی اور وہ بھی غیر معروف وغیر مشہور کے ذریعے اس کی تلقین سمجھ میں نہیں آتی؟

اس سوال کے یوں تو بہت سے جواب دیے جا سکتے ہیں لیکن یہ بات تو بہت ہی واضح ہے کہ عظمت صحابہ کی اس سے بڑی کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ شعائر اللہ میں سے ایک اہم شعار ان کے خواب کی بنیاد پر قائم کیا گیا' دوسری بات یہ بھی ہے کہ نبی علیہ السلام چونکہ امام الانبیاء تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی پیشوائی و رہنمائی کے لیے تشریف لائے تھے اور پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی علیہ السلام نے نماز کے لیے اذان کہی ہو' کیونکہ امام بہر حال امام ہوتا ہے' البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ نبی علیہ السلام کی موجودگی میں امامت کرنا خود بے ادبی سمجھتے تھے' اس لیے اذان میں ان کا حصہ شامل ہونا ایک طبعی بات تھی اس لیے خواب اسی کو دکھایا گیا جو اذان دے سکے اور جس کے بارے میں ازل سے ہی یہ طے ہو کہ اس نے امامت ہی کرنی ہے اسے خواب بھی نہیں دکھایا گیا۔

پھر یہاں ایک اور اہم پہلو بھی ہے کہ اس موضوع کی روایات میں نبی علیہ السلام کا یہ جملہ بھی نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔

انها لرؤیا حق

گویا محض صحابی کے خواب پر ہی اس کا دارومدار نہیں بلکہ نبی علیہ السلام کی تصدیق پر اس کا دارومدار ہے' یہی وجہ ہے کہ اگر نبی علیہ السلام اس خواب کی تصدیق نہ فرماتے تو کبھی بھی ان کلمات کو اذان کا درجہ نہ ملتا۔ واللہ اعلم

(۹۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَالَ مِثْلَ مَا یَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول مبارک تھا کہ موذن جب اذان دیتا تو نبی علیہ السلام بھی وہی جملے کہتے جو مؤذن کہتا تھا۔

حل عبارت: "اذا" حرف شرط ہے "اذن" شرط اور "قال" جزاء ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٦١١' ومسلم: ٨٤٨ (٣٨٣)' وابوداؤد: ٥٢٢: والترمذی: ٢٠٨' وابن ماجه: ٧٢٠' والنسائی: ٦٧٤' واحمد ٦/٣

مفہوم: اس حدیث میں تو نبی علیہ السلام کا یہ معمول مبارک ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کلمات اذان سن کر مؤذن کے جواب میں اسی کے کہے ہوئے کلمات دہرایا کرتے تھے جبکہ اس مضمون کی دوسری احادیث میں پوری امت کے لیے حکم مذکور ہے کہ جب مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنا تو اس کے کہے ہوئے کلمات تم بھی دہرایا کرو۔

حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح سن کر ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے' یوں بھی اگر عقلی طور پر غور کر کے دیکھا جائے تو مؤذن کا حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہنا تو سمجھ میں آتا ہے' لیکن اگر سننے والا بھی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہنا شروع کر دے تو سوال یہ ہوگا کہ وہ کون سی نماز اور کونسی کامیابی کی طرف بلا رہا ہے جو مؤذن کی دعوت میں نہیں ہے' اس لیے اس کے جواب میں ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' کہنا ہی قرین قیاس ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بارِ الٰہا! آپ کا یہ منادی تو مجھے نماز اور کامیابی کی طرف بلا رہا ہے' اور شیطان مجھے ان سے دور کر رہا ہے' اب آپ ہی کی مدد اور طاقت میری دستگیری کر سکتی ہے کیونکہ میں تو بہت ہی عاجز اور بے بس ہوں۔ **واللہ اعلم۔**

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا

(۹۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اَبِيْ اَوْفٰى يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا وَلَوْ كَمِفْحَصِ قَطَاةٍ بَنَى اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ۔

اس شخص کے اجر کا بیان جو اللہ کے لیے مسجد بنائے

ترجمہ: امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو شخص تعمیر مسجد میں حصہ لے' اگرچہ قطا پرندہ کے گھونسلے کے برابر ہی ہو' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔

حلِ عبارت: "بنی" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تعمیر کرنا' بنانا' "کمفحص" اس کی جمع "مفاحص" آتی ہے اور اس کا اطلاق اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں پرندہ انڈے دیتا ہے' عام طور پر ایسی جگہ چونکہ گھونسلا ہی ہوتی ہے اس لیے ہم نے اس کا حاصل ترجمہ گھونسلا کیا ہے' ''قطاۃ'' ایک خاص قسم کا پرندہ جس کا اردو ترجمہ ''بھٹ تیتر'' کیا جاتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۷۳۸' والبخاری مثله: ۴۵۰' ومسلم: ۱۱۸۹ (۵۳۳)' والترمذی: ۳۱۸' والنسائی: ۶۸۹ واحمد: ۲۱۵۷۔

مفہوم: اس حدیث میں تعمیر مسجد میں حصہ لینے کی فضیلت کا بیان ہے' لیکن اس کی وضاحت سے قبل اس حدیث کی سند کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے کیونکہ مشہور کتب حدیث میں سند حدیث کے اعتبار سے اس سے زیادہ عالی سند روایت کا ملنا ناممکن ہے' وجہ اس کی یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی علیہ السلام اور امام صاحبؒ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے یعنی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ' اور چونکہ امام صاحبؒ نے سماع کی تصریح کی ہے اس لیے رؤیت اور روایت دونوں اکٹھے ہو جانے سے یہ امام صاحبؒ کی تابعیت کی ایک اور دلیل ہے۔

باقی رہا مضمون حدیث سو وہ ترجمہ سے ہی واضح ہے کہ جنت میں اپنے لیے محل اور کوٹھی تعمیر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کا محل تعمیر کیا جائے اور اس میں بھی یہ ضروری نہیں کہ مسجد کی مکمل تعمیر اکیلا ایک شخص ہی کرے' بلکہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس میں جو شخص جتنا حصہ بھی ڈال دے گا' بارگاہ خداوندی سے اسی پر جنت کے ایک پورے محل کا فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جائے گا' اب سوچا جا سکتا ہے کہ تھوڑا حصہ شامل کرنے پر یہ ثواب ہے تو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے پر کتنا ثواب ہو گا' اس لیے تعمیر مساجد میں حصہ لے کر اس ثواب کو حاصل کرنے کی ضرور کوشش کیجیے خواہ ایک پنکھے ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ اِنْشَادِ الضَّالَّةِ فِي الْمَسْجِدِ

(۹۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلاً يُنْشِدُ جَمَلاً فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ لَا وَجَدْتَّ وَ فِيْ رِوَايَةٍ سَمِعَ رَجُلاً يُنْشِدُ بَعِيْرًا فَقَالَ لَا وَجَدْتَّ اِنَّ هٰذِهِ الْبُيُوْتَ بُنِيَتْ لِمَا بُنِيَتْ لَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنْ رَجُلاً اِطَّلَعَ رَأْسَهٗ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَنْ دَعَا اِلَى الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَقَالَ لَهٗ ﷺ مَا وَجَدْتَّ اِنَّمَا بُنِيَتْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهٗ۔

مسجد میں گمشدہ چیزوں کا اعلان کرنے کی ممانعت

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ایک آدمی کو گمشدہ اونٹ کا اعلان کرتے ہوئے سنا تو فرمایا اللہ کرے تجھے تیرا اونٹ نہ ملے' اور ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ یہ گھر تو اس مقصد کے لیے ہیں جس کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں اپنا سر داخل کیا اور کہنے لگا کہ مجھے میرے سرخ اونٹ کا پتہ کون بتائے گا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کرے وہ تجھے نہ ملے' یہ مسجدیں تو اس مقصد کے لیے ہیں جس کے لیے بنائی گئی ہیں۔

حلِ عبارت: "ینشد" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تلاش کرنا' شعر پڑھنا "بنیت لما بنیت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی بنانا' لام حرف جر ما موصولہ اور آگے پھر یہی صیغہ ہے۔

تخریج حدیث: اخرج النسائی مثلہ: ۷۱۸' وابن ماجہ: ۷۶۵' وابوداؤد: ۴۷۳' ومسلم: ۱۲۶۲ (۵۶۹)' واحمد: ۲۳۴۳۲' وابن خزیمۃ: ۱۳۰۱' وابن حبان: ۱۶۵۲' والطیالسی: ۸۰۴' وعبدالرزاق: ۱۷۲۱۔

مفہوم: شہروں میں تو اس چیز کا رواج شہری تمدن نے ختم کر دیا ہے لیکن دیہی علاقوں میں یہ رواج اب بھی موجود ہے کہ جس کی کوئی گائے' بھینس' کتا' بکری گم ہو جائے' وہ مسجد میں آ کر لاؤڈ اسپیکر پر چیخ چیخ کر اپنے متعلقہ جانور کی

گمشدگی کا اطلاع نامہ جاری کرنا ہی اسے دوبارہ پانے کا سبب سے مؤثر ترین ذریعہ سمجھتا ہے' اگر وہ جانور مل جائے تو امام مسجد یا مؤذن کو خوش کر دیا جاتا ہے اور اگر نہ ملے تو اس کے مرثیے پڑھے جاتے ہیں اور باقاعدہ نوحہ کی محفلیں قائم ہوتی ہیں۔

چونکہ مساجد کی بنیاد ہی ''اللہ کی عبادت'' کی مرکزی اینٹ پر اٹھائی گئی ہے' اس لیے وہاں عبادت کی تو ہر شکل اختیار کر کے اسے آباد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے' لیکن اس قسم کے ادنی مقاصد کے لیے اسے استعمال کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں' اس مقصد کے لیے اپنے اپنے ماحول کے مطابق بہت سے دوسرے طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں' اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اس طریقے سے باز نہیں آتا تو پھر اسے ہر دم اپنے ذہن میں یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ نبی علیہ السلام نے ایسے شخص کو بددعا دی ہے کہ اللہ کرے! تجھے تیرا اونٹ نہ ملے۔

بَابٌ اِلٰى اَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ

(۹۴) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِىَ بِهِمَا شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ۔

نماز کی ابتداء میں ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام اپنے ہاتھوں کو نماز شروع کرتے وقت اتنا بلند کرتے تھے کہ انہیں کانوں کی لو کے برابر کر لیتے تھے۔

حل عبارت: ''یرفع'' باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اٹھانا' بلند کرنا' ''یحاذی'' باب مفاعلہ سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی برابر کرنا ''شحمة'' کان کی لو کو کہتے ہیں۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری تعليقا فی: باب الی این يرفع يديه؟ ومسلم: ۸۶۳ (۳۹۰)' وابوداؤد: ۷۲۴' والنسائی: ۸۸۰' والطحاوی: ۱۱۳۲۔

مفہوم: اب تک جو احادیث گزری ہیں' ان سب کا تعلق متعلقات نماز سے تھا' اور آئندہ جو احادیث آرہی ہیں' ان کا تعلق کیفیت نماز سے ہے کہ نماز میں ہاتھ کس طرح اور کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟ بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنی چاہیے یا آہستہ' رفع یدین اور قراءت خلف الامام کی کیا حیثیت ہے؟

زیر بحث حدیث میں تکبیر تحریمہ کہتے وقت جس رفع یدین کا ذکر کیا گیا ہے' اس کی کیفیت الفاظ حدیث سے واضح ہے کہ نبی علیہ السلام اپنے مبارک ہاتھ کانوں کی لو تک بلند کیا کرتے تھے' اس موقع پر ہاتھوں کی انگلیاں بھی سیدھی ہونی چاہئیں' اور کانوں کو بھی نہیں پکڑنا چاہیے۔

اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اس چیز میں کوتاہی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت کسی کا ہاتھ چہرے کی طرف ہوتا ہے' کسی نے کانوں کو پکڑا ہوا ہوتا ہے' کسی نے اپنی انگلیاں انتہائی محنت و مشقت اور مجاہدہ سے پوری طرح کھول کر رکھی ہوتی ہیں اور کوئی یہی محنت انگلیاں بند کرنے میں صرف کر رہا ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی طریقہ بھی سنت کے مطابق نہیں ہے' سنت یہ ہے کہ ہاتھ کا رخ قبلہ کی طرف' انگلیاں سیدھی' نہ بہت زیادہ کشادہ اور نہ بہت زیادہ تنگ اور وہ کان کی لو کے برابر ہو جائیں۔ واللہ اعلم

(۹۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِالْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَرْفَعُ یَدَیْهِ عِنْدَ التَّکْبِیْرِ وَیُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَیَسَارِهٖ۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو تکبیر کہتے وقت رفع یدین کرتے ہوئے اور اختتام نماز پر دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حل عبارت: "رایت" فعل با فاعل ہے اور "یرفع یدیه" سے آخر تک مفعول بہ کی حالت کا بیان ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داد: ۹۹۷' ومسلم: ۱۳۱۵ (۵۸۲) والنسائی: ۱۳۱۷' وابن ماجه: ۹۱۵' واحمد: ۱/ ۱۸۰

مفہوم: اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ اور رفع یدین ایک دوسرے کے مقارن ہونے چاہئیں یا کسی ایک کو مقدم ہونا چاہیے؟ اور اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ اختتام نماز پر سلام ایک مرتبہ پھیرنا چاہیے یا دو مرتبہ؟ لیکن ہم یہاں اس دوسرے مسئلے پر فقہی اعتبار سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ سوائے امام مالکؒ کے تینوں ائمہ دونوں طرف ہی سلام پھیرنے کے قائل ہیں۔

البتہ اول الذکر مسئلے میں فقہاء احناف کے یہاں خود دو رائیں پائی جاتی ہیں' چنانچہ بعض مقارنت کے قائل ہیں اور طرفین کی رائے یہ ہے کہ پہلے رفع یدین کرے' اس کے بعد تکبیر کہے اور ان کے پاس اس کی دلیل بڑی عجیب و غریب ہے جس سے ان کی دقت نظر اور باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

چنانچہ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس بندۂ مسلم نے مسجد میں آ کر امام کی اقتداء کی نیت کی اور نماز میں داخل ہونے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس نے صرف ہاتھ اٹھائے ہیں بلکہ اس نے اللہ کے علاوہ ہر چیز سے ہاتھ اٹھا لیے ہیں اور وہ یہ اقرار کر رہا ہے کہ کبریائی اور عظمت کا حق دار کوئی غیر اللہ نہیں ہو سکتا اور جب اس نے تکبیر کہی تو اس کبریائی اور عظمت کو اللہ کے لیے ثابت کیا جس کی نفی رفع یدین کر کے وہ غیر اللہ سے کر چکا تھا' اس کا مطلب یہ ہوا کہ رفع یدین میں نفی ہے اور تکبیر میں اثبات اور یہ اصول ہے کہ نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے' اس لیے رفع یدین پہلے ہونا چاہیے اور تکبیر تحریمہ بعد میں کہنی چاہیے۔

باقی رہا حدیث کا دوسرا جزو' جس کے مطابق اختتام نماز پر دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیے سو

اس کی حکمت یہ ہے کہ مسجد اللہ کا گھر اور فرشتوں کی محبوب جگہ ہے جسے فرشتے گھیرے رہتے ہیں اور جب مسجد میں نماز ہو رہی ہو تو ان کے شوق میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کے دائیں بائیں منتشر ہو جاتے ہیں' جب مسلمان دائیں طرف سلام پھیرتے ہیں تو فرشتے اس کا جواب دیتے ہیں اور جب بائیں طرف سلام پھیرتے ہیں تب بھی وہ جواب دیتے ہیں اور فرشتے معصوم ہوتے ہیں اور معصوم کی دعاء رد نہیں ہوتی لہٰذا ہمیں اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونا چاہیے اور اس کی صورت یہی ہے کہ ایک طرف سلام پھیرنے پر اکتفاء کی بجائے دونوں طرف سلام پھیرا جائے اور فرشتوں کی نیت بھی کر لی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ رَفْعِ الْیَدَیْنِ

(۹۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّهٗ قَالَ فِیْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَعْرَابِیٌّ لَمْ یُصَلِّ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ صَلٰوةً قَبْلَهَا قَطُّ اَهُوَ اَعْلَمُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ وَاَصْحَابِهٖ حَفِظَ وَلَمْ یَحْفَظُوْا یَعْنِیْ رَفْعَ الْیَدَیْنِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّهٗ ذَکَرَ حَدِیْثَ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ فَقَالَ اَعْرَابِیٌّ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ ﷺ مَا صَلّٰی صَلٰوةً قَبْلَهَا اَهُوَ اَعْلَمُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ ذُکِرَ عِنْدَهٗ حَدِیْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ رَأَی النَّبِیَّ ﷺ رَفَعَ یَدَیْهِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَعِنْدَ السُّجُوْدِ فَقَالَ هُوَ اَعْرَابِیٌّ لَا یَعْرِفُ الْاِسْلَامَ لَمْ یُصَلِّ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ اِلَّا صَلٰوةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِیْ مَنْ لَا اُحْصِیْ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ رَفَعَ یَدَیْهِ فِیْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ فَقَطْ وَحَکَاهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَ عَبْدُاللّٰهِ عَالِمٌ بِشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ وَحُدُوْدِهٖ مُتَفَقِّدٌ لِاَحْوَالِ النَّبِیِّ ﷺ مُلَازِمٌ لَهٗ فِیْ اِقَامَتِهٖ وَفِیْ اَسْفَارِهٖ وَقَدْ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ ﷺ مَا لَا یُحْصٰی۔

رفع یدین کا بیان

ترجمہ: حماد سے منقول ہے کہ ابراہیم نخعیؒ حضرت وائل بن حجرؓ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ دیہات میں رہنے والے صحابی تھے' نبی علیہ السلام کے ساتھ انہیں اس سے پہلے کوئی نماز پڑھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا' کیا عبداللہؓ بن مسعود اور ان جیسے دوسرے صحابہؓ سے بڑے عالم ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے رفع یدین کا مسئلہ یاد کر لیا ہو اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود وغیرہ یاد نہ کر سکے ہوں؟

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ابراہیم نخعی کے سامنے حدیث وائل بن حجرؓ کا ذکر کیا گیا کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو رکوع اور سجود کے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو فرمایا کہ وہ دیہات کے رہنے والے تھے' اسلام کے بارے میں مکمل معرفت نہ رکھتے تھے' نبی علیہ السلام کے ساتھ صرف ایک نماز پڑھ سکے تھے اور مجھے اتنے راویوں نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی یہ حدیث پہنچائی ہے کہ میں انہیں شمار نہیں کر سکتا کہ حضرت ابن مسعودؓ صرف ابتداء نماز میں رفع

یدین کیا کرتے تھے اور اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا کرتے تھے' حضرت عبداللہ﷜ بن مسعود اسلام کے شرائع و حدود سے واقف تھے' نبی ﷺ کے احوال کی جستجو میں رہا کرتے تھے' ان کے ساتھ سفر و حضر میں چمٹے رہا کرتے تھے' اور نبی ﷺ کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھنے کا شرف رکھتے تھے۔

حلِ عبارت: "اعرابی" دیہات میں رہنے والا "لم یصل" باب تفعیل سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نماز پڑھنا "حفظ" اس کی "ھو" ضمیر کا مرجع وائل بن حجر﷜ ہیں "لا احصی" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی شمار کرنا "متفقد" باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی جستجو کرنا' تلاش کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ابی شیبه: ۱/۲۳۶' ومحمد فی المؤطا' والدارقطنی' وابو یعلی' والطحاوی: ۱۳۱۸' ۱۳۱۹۔

مفہوم: اس حدیث میں رفع یدین کا مشہور اور معرکۃ الآراء مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ آیا رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ گو کہ اس مسئلے پر قدیماً و حدیثاً اتنے مناظرے ہو چکے' اتنی تصنیفات منظر عام پر آ چکیں اور اتنے مجادلے ہو چکے کہ جن کی کوئی انتہا نہیں' حالانکہ فقہاء کرام کا یہ اختلاف صرف اولیٰ اور عدم اولیٰ کی حد تک تھا' جواز اور عدم جواز تک اس کا دائرہ وسیع نہ ہوا تھا لیکن اس میں دو وجہ سے شدت پیدا ہوئی' ایک تو یہ کہ محدثین کا ایک اہم طبقہ اس میں کود پڑا اور اس نے اپنی رائے کو ثابت کرنے کے لیے دھڑا دھڑ احادیث جمع کرنا شروع کر دیں اور دوسرا عدم برداشت یعنی ایک دوسرے کی بات سننے کا حوصلہ ختم ہو گیا اور ہم نے اس مسئلے کو ایمان و کفر کا مسئلہ بنا لیا' رہی سہی سر اب غیر مقلدین نے آ کر پوری کر دی۔

اس لیے میں اس مسئلے پر تو بحث نہیں کروں گا کیونکہ فریقین کے پاس دلائل موجود ہیں اور مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا اہم اسے بنا دیا گیا ہے' البتہ زیر بحث حدیث کے مضمون پر کچھ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس حدیث کی ابتداء میں ابراہیم نخعی﷫ نے حضرت وائل بن حجر﷜ پر جو تبصرہ کیا ہے وہ ان کی شان سے بعید ہے کہ وہ صرف عدم رفع یا ترک رفع کو ثابت کرنے کے لیے ایک صحابی کو اعرابی اور دیہاتی ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں؟

ہمیں اس بات سے اختلاف نہیں ہے کہ خود ابراہیم نخعی﷫ ایک جلیل القدر فقیہہ اور بزرگ ہیں' ہمیں اس بات سے بھی اختلاف نہیں کہ ایک مرتبہ کے واقعہ کو پوری زندگی کے حالات کی دلیل نہیں سمجھا جا سکتا' ہم اس بات کو بھی سر آنکھوں پر رکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ﷜ بن مسعود کو بارگاہ نبوت میں خصوصی تقرب حاصل تھا۔

لیکن کیا آپ اس بات سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ایک غیر صحابی کسی صحابی کو دیہاتی ہونے کا طعنہ دے اور اس کی

بات کو میٹھی گولی سمجھ کر ہضم کر لیا جائے؟ کیا آپ کے ذہن میں یہ خیال نہیں آتا کہ آخر وہ ایک نماز جو حضرت وائل بن حجرؓ نے نبی علیہ السلام کی اقتداء میں ادا کی، نبی علیہ السلام نے صرف اسی میں کیوں رفع یدین کیا؟ اور کیا اس سے پہلے یا اس کے بعد نبی علیہ السلام نے کبھی رفع یدین نہیں کیا؟ کیا آپ کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ حضرت وائل بن حجرؓ اس مسئلے کی روایت میں منفرد نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد اسی مضمون کی روایات نقل کرتی ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ ہم ترک رفع کے قائل ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں احتیاط کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے بالخصوص جبکہ حضرت وائل بن حجرؓ کوئی عام آدمی نہ تھے بلکہ حضر موت کے بادشاہ کے بیٹے اور شہزادے تھے، نبی علیہ السلام نے ان کی تشریف آوری پر ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا اظہار فرمایا اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو انہیں رخصت کرنے کے لیے ساتھ بھیجا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی اجْتِمَاعِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالْاَوْزَاعِیِّ

(۹۷) سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ اجْتَمَعَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالْاَوْزَاعِيُّ فِيْ دَارِ الْحَنَّاطِيْنَ بِمَكَّةَ فَقَالَ الْاَوْزَاعِيُّ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ مَا بَالُكُمْ لَا تَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ لِاَجْلِ اَنَّهٗ لَمْ يَصِحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْهِ شَيْءٌ قَالَ كَيْفَ لَا يَصِحُّ وَقَدْ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَعِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ حَنِيْفَةَ فَحَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَلَا يَعُوْدُ لِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ الْاَوْزَاعِيُّ اُحَدِّثُكَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ وَتَقُوْلُ حَدَّثَنِيْ حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ حَنِيْفَةَ كَانَ حَمَّادٌ اَفْقَهَ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَكَانَ اِبْرَاهِيْمُ اَفْقَهَ مِنْ سَالِمٍ وَعَلْقَمَةُ لَيْسَ بِدُوْنِ ابْنِ عُمَرَ فِي الْفِقْهِ وَاِنْ كَانَتْ لِابْنِ عُمَرَ صُحْبَةٌ وَلَهٗ فَضْلُ صُحْبَةٍ فَالْاَسْوَدُ لَهٗ فَضْلٌ كَثِيْرٌ وَعَبْدُاللّٰهِ هُوَ عَبْدُاللّٰهِ فَسَكَتَ۔

ترجمہ: حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ کے دارالحناطین میں امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ اکٹھے ہو گئے، امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ آپ لوگ نماز میں رکوع کرتے ہوئے، اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا اس لیے کہ اس سلسلے میں نبی علیہ السلام کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مجھے خود امام زہریؒ نے سالم کے واسطے سے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی علیہ السلام نماز شروع کرتے وقت، رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کے برعکس ہمارے پاس یہ حدیث اس سند سے موجود ہے "**حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن ابن مسعود**" کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ابتداء نماز میں رفع یدین کیا کرتے تھے' امام اوزاعیؒ یہ سن کر فرمانے لگے کہ میں آپ کے سامنے "**عن الزهری عن سالم عن ابیه**" کہتا ہوں اور آپ "حدثنی حماد عن ابراہیم" کہتے ہیں (آپ کی سند سے زیادہ میری سند قوی اور مشہور ہے) تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ حمادؒ زہری سے بڑے فقیہ تھے' ابراہیم نخعی' سالم سے بڑے فقیہ تھے' علقمہ فقہ کے معاملے میں ابن عمرؓ سے کم نہ تھے گو کہ حضرت ابن عمرؓ کو نبی علیہ السلام کی صحابیت کا شرف حاصل ہے' لیکن اسود کو بہت سے دوسرے فضائل حاصل ہیں اور عبداللہ بن مسعودؓ تو عبداللہ بن مسعودؓ ہیں' یہ سن کر امام اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔

حَلِّ عِبَارَت: "**لم یصح**" باب ضرب سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی صحیح ہونا "**لا یعود**" باب نصر سے مضارع منفی معروف کا صیغہ مذکورہ ہے بمعنی لوٹنا "**احدثك**" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی حدیث بیان کرنا "**افقه**" باب کرم سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی فقیہ ہونا "**فسکت**" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خاموش ہونا۔

تخریج حدیث: نقل هذه الحکایة ابن الهمام فی فتح القدیر' والشیخ ظفر احمد العثمانی فی اعلاء السنن۔

مَفْهُوم: اس واقعے میں بھی رفع یدین کا مسئلہ نقل کیا گیا ہے جس کی وضاحت گزشتہ حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے مزید تفصیلات کے لیے مطولات اور خاص اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع فرمائیے۔

(۹۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ طَرِيْفٍ اَبِیْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْوُضُوْءُ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ وَالتَّكْبِيْرُ تَحْرِيْمُهَا وَالتَّسْلِيْمُ تَحْلِيْلُهَا وَفِیْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَسَلِّمْ وَلَا تُجْزِئُ صَلٰوةٌ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا غَيْرُهَا۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ اُخْرٰی عَنِ الْمُقْرِیْ عَنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ مِثْلَهٗ وَزَادَ فِیْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ مَا يَعْنِیْ بِقَوْلِهٖ فِیْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَسَلِّمْ فَقَالَ يَعْنِی التَّشَهُّدَ قَالَ الْمُقْرِیْ صَدَقَ۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَزَادَ فِیْ اٰخِرِهٖ وَلَا يُجْزِئُ صَلٰوةٌ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا شَیْءٌ۔

تَرْجَمَہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وضو نماز کی کنجی ہے' تکبیر کے ذریعے حلال چیزیں بھی نماز میں حرام ہو جاتی ہیں اور سلام کے ذریعے حلال ہو جاتی ہیں' اور ہر دو رکعت پر سلام پڑھا کرو' اور کوئی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت نہ ملا لی جائے' اسی سند سے ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرنے سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا تشہد۔

حلِ عبارت: "مفتاح" اس کی جمع "مفاتیح" آتی ہے بمعنی کنجی' چابی' "فسلم" باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سلام پھیرنا "لا تجزی" باب افعال سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی کافی ہونا۔

تخریج حدیث: الحدیث مشتمل علی جزئین: فالاول منھما:

اخرجه الترمذی: ٣' وابوداؤد: ٦١' وابن ماجه: ٢٧٥' والطیالسی: ٢٤٣' وللثانی' انظر: ٩٩ (الحدیث الاتی)

مفہوم: اس حدیث میں وضو کو نماز کی کنجی قرار دیا گیا ہے' گویا وضو کے ذریعے انسان نماز کے تالے کو کھولتا ہے' اس کی نظیر وہ روایت ہے جس میں "لا الہ الا اللہ" کو جنت کی کنجی قرار دیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی جنت کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے پاس کلمہ توحید کی چابی کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ تالا نہیں کھول سکے گا۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ جس طرح ہر چابی کے لیے دندانوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے' اس کے بغیر وہ چابی کسی کام کی نہیں ہوتی' اسی طرح فرائض وضو کی حیثیت وضو کے دندانوں کی سی ہے جن کی تکمیل ازبس ضروری ہے۔

۲۔ نماز شروع کرنے سے پہلے انسان کے لیے کسی حلال چیز کی ممانعت نہیں ہے خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو' ہنسنے بولنے سے ہو' پڑھنے لکھنے سے ہو یا کسی اور کام سے' لیکن ادھر اس نے صف میں کھڑے ہو کر اللہ کی کبریائی کا اقرار کیا' ادھر اس کے لیے ہر حلال چیز ممنوع ہوئی' اب وہ کچھ کھا پی سکتا ہے اور نہ ہنس بول سکتا ہے' چل پھر سکتا ہے نہ کسی سے بات چیت کر سکتا ہے' لکھ پڑھ سکتا ہے اور نہ کسی کی بیمار پرسی کر سکتا ہے' اس لیے کہ اب وہ ایک ایسی عظیم الشان ہستی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے جس نے تن تنہا نظام کائنات کو بکھیرا' خود ہی سنبھالا اور کسی کے تعاون کے بغیر خود ہی چلا رہا ہے' ایسی عظیم ہستی کے سامنے کھڑے ہو کر تو انسان کو دائیں بائیں کن انکھیوں سے بھی دیکھنا اپنے لیے باعث جرم و شرم سمجھنا چاہیے۔

یہ کیفیت اس وقت تک رہے گی جب تک اس بارگاہ عالی میں حاضری رہے گی' جب رخصتی کا وقت آئے گا تو سلامتی کا پیغام لیے ہر نمازی اپنی اپنی جگہ لوٹ جائے گا اور سلامتی کا یہ پیغام ملتے ہی ساری پابندیاں ختم ہو جائیں گی' نماز کی حالت میں ممنوع قرار دی جانے والی چیزیں پھر سے حلال ہو جائیں گی اور نمازی کے لیے ان کا استعمال پھر سے جائز ہو جائے گا۔

۳۔ ہر دو رکعتوں پر سلام سے مراد تشہد ہے جو کہ قعدۂ اولیٰ ہونے کی صورت میں واجب اور قعدہ اخیرہ ہونے کی صورت میں فرض ہے اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ "سلام پھیرنا" کی بجائے "سلام پڑھنا" کیا ہے اور سلام بول کر تشہد مراد لینا دلالت تضمنی ہے کیونکہ سلام تشہد کا جزو ہے اور جزو معنی موضوع لہ پر لفظ کی دلالت تضمنی کہلاتی ہے۔

بَابٌ لَا صَلوٰةَ اِلَّا بِقِرَاءَ ةٍ وَلَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

(٩٩) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِىْ رَبَاحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَادٰى مُنَادِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ لَا صَلوٰةَ اِلَّا بِقِرَاءَ ةٍ وَلَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی' خواہ صرف سورۂ فاتحہ ہی ہو

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کے منادی نے مدینہ منورہ میں یہ اعلان کیا کہ قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی' اگرچہ وہ سورۂ فاتحہ ہی کیوں نہ ہو۔

حل عبارت: "نادی" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آواز لگانا' منادی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه بهذا السياق ابوداؤد: ٨١٩' ٨٢٠' والحاكم فى المستدرك: ٢٣٩' وابن ماجه: ٨٣٩۔

واما نفس الحديث فقد اخرجه البخارى: ٧٥٦' ومسلم: ٨٧٤ (٣٩٤)' وابوداؤد: ٨٢٢' والترمذى: ٢٤٧' وابن ماجه: ٨٣٧' والنسائى: ٩١٢۔

مفہوم: یہ حدیث بھی نماز کے ایک اہم ترین مسئلہ قراءت خلف الامام سے متعلق ہے' جس میں فقہاء کرام کا اختلاف انتہائی شدت اختیار کر گیا ہے' حالانکہ اس مسئلے میں بھی اتنی شدت کا پیدا ہو جانا اچھا نہیں تھا اور یہ بات خارج از مکان بھی نہیں تھی کہ اس موضوع کی تمام احادیث کو سامنے رکھ کر ایک ایسا اصول وضع کر لیا جاتا جو ان سب کو شامل ہوتا جیسا کہ بعض فقہاء کرام نے اس سلسلے میں یہ فرمایا ہے کہ اگر مقتدی کے لیے قراءت فاتحہ کرنا ضروری ہے تو سری نمازوں میں' اور ضروری نہیں تو جہری نمازوں میں' یا جیسا کہ بعض حضرات نے یہ رائے پیش کی ہے کہ مقتدی تو امام کے پیچھے خاموش رہے' منفرد اور امام قراءت کریں۔

بہرحال! میں اس مسئلے کو طول دیے بغیر صرف ایک بات کہہ کر مسئلہ کی وضاحت کو مکمل کر دوں گا اور وہ یہ کہ قراءت خلف الامام کے قائلین کی سب سے مضبوط ترین دلیل زیر بحث حدیث ہی ہے' لیکن اس میں "ولو بفاتحۃ" کی قید نہیں ہے' بلکہ صرف اتنا ہی مذکور ہے۔

لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب

اس حدیث کے جتنے بھی طرق ذخیرۂ حدیث سے مل سکتے ہیں' انہیں جمع کر لیجیے' ان میں سے کسی ایک میں بھی "خلف الامام" کی قید نہیں ملے گی' اس کے باوجود اسے "مقتدی" کے ساتھ مقید کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ فیصلہ آپ خود کر لیجیے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيُ تَرُكِ الُجَهُرِ بِبِسُمِ اللّٰهِ الرَّحُمٰنِ الرَّحِيُمِ

(۱۰۰) اَبُوُ حَنِيُفَةَ عَنُ حَمَّادٍ عَنُ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَاَبُو بَكُرٍ وَعُمَرُ لَا يَجُهَرُوُنَ بِبِسُمِ اللّٰهِ الرَّحُمٰنِ الرَّحِيُمِ۔

نماز میں بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھنی چاہیے

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو نماز میں اونچی آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے' اس لیے اس کا ترجمہ یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۱۰۱) اَبُوُ حَنِيُفَةَ عَنُ اَبِيُ سُفُيَانَ عَنُ يَزِيُدَ بُنِ عَبُدِاللّٰهِ بُنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهُ صَلّٰى خَلُفَ اِمَامٍ فَجَهَرَ بِبِسُمِ اللّٰهِ الرَّحُمٰنِ الرَّحِيُمِ فَلَمَّا انُصَرَفَ قَالَ يَا عَبُدَاللّٰهِ اِحُبِسُ عَنَّا نَغُمَتَكَ هٰذِهٖ فَاِنِّيُ صَلَّيُتُ خَلُفَ رَسُوُلِ اللّٰهِ ﷺ وَخَلُفَ اَبِيُ بَكُرٍ وَعُمَرَ وَعُثُمَانَ فَلَمُ اَسُمَعُهُمُ يَجُهَرُوُنَ بِهَا وَهٰذَا صَحَابِيٌّ قَالَ الُجَامِعُ وَرَوَتُ جَمَاعَةٌ هٰذَا الُحَدِيُثَ عَنُ اَبِيُ حَنِيُفَةَ عَنُ اَبِيُ سُفُيَانَ عَنُ يَزِيُدٍ عَنُ اَبِيُهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قِيُلَ وَهُوَ الصَّوَابُ لِاَنَّ هٰذَا الُخَبَرَ مَشُهُوُرٌ عَنُ عَبُدِاللّٰهِ بُنِ مُغَفَّلٍ۔

ترجمہ: یزید بن عبداللہ بن مغفل سے مروی ہے کہ ان کے والد صاحبؓ نے ایک مرتبہ امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس نے بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھا' نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبداللہ کہنے لگے بندۂ خدا! اپنی یہ آواز ہم سے دور ہی رکھو' کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے ثلثہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے لیکن کسی کو بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا' اور یہ عبداللہ صحابی ہیں۔

جامع کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ سے ایک بڑی جماعت نے یہ حدیث اس سند سے نقل کی ہے **"عن ابی سفیان' عن یزید' عن ابیہ عن النبی ﷺ"** اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہونا مشہور ہے۔

حل عبارت: **"لا یجھرون"** باب فتح سے مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی آواز بلند کرنا **"احبس"** باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی روکنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۷۴۳' ومسلم: ۸۹(۳۹۹)' وابوداؤد: ۷۸۲' والترمذی: ۲۴۶' والنسائی: ۹۰۸' وابن ماجه: ۸۱۳' واحمد: ۱۷۹/۳' والطحاوی: ۱۱۶۳' والدارقطنی: ۳۱۵/۱' والبیهقی فی الکبری: ۵۱/۲۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الترمذی: ۳۴۴' وابن ماجه: ۸۱۵' والطحاوی: ۱۱۶۱۔

مفہوم: اس بات پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ قراءت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ کے علاوہ بسم اللہ بھی پڑھنی

چاہیے لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف رائے ہے' چنانچہ بعض حضرات جہراً کے قائل ہیں اور بعض سراً کے' یوں تو ہر ایک کے پاس دلائل ہیں تاہم اتنی بات سب کے یہاں مسلم ہے کہ جہرِ بسم اللہ پر دلالت کرنے والی احادیث سند کے اعتبار سے نہایت ضعیف ہیں اور امام دارقطنیؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس سلسلے کی ایک بھی حدیث پایہ صحت تک نہیں پہنچتی' حتی کہ خود امام ترمذیؒ جو شوافع کے بڑے پرجوش وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں' ان تک نے اس سلسلے کی ایک روایت نقل کر کے اسکی سند کو کمزور قرار دیا ہے' اور سرِ تسمیہ پر دلالت کرنے والی حدیث پر وہ بھی ''حسن'' کا حکم لگائے بغیر نہیں رہ سکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

(۱۰۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ وَقَرَأَ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۔

نمازِ عشاء میں پڑھی جانے والی سورت کا بیان

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے اس میں ''والتین والزیتون'' کی تلاوت فرمائی۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۷۶۹' ومسلم: ۱۰۳۸ (۴۶۴)' والترمذي: ۳۱۰' والنسائي: ۱۰۰۱' وابن ماجه: ۸۳۴۔

مفہوم: اس حدیث میں نبی ﷺ کے نماز عشاء میں سورۂ والتین پڑھنے کا جو ذکر کیا گیا ہے' یہ نبی ﷺ کا دائمی معمول نہیں تھا اور نہ ہی آپ ﷺ اس پر التزام فرمایا کرتے تھے' بلکہ جہاں سے چاہتے وہیں سے تلاوت شروع فرما دیتے۔

اب یہ صحابہ کرامؓ کا ذوق تھا کہ جب وہ نبی ﷺ کا ذکر کرتے تھے تو بہت سی ایسی چیزوں کو بھی ذکر کر دیتے تھے جو ہم جیسے سطحی نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں معمولی محسوس ہوتی ہیں' لیکن ایسی ہی چیزوں سے ان کے مقام عشق و محبت کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ واضح اور اہم باتیں تو سب ہی یاد رکھتے ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی باتیں اکثر لوگ بھول جاتے ہیں یہی وجہ تھی کہ بعض صحابہ کرامؓ کی مرویات کی تعداد دوسرے صحابہ کرامؓ کی مرویات سے بڑھ جاتی تھی' چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ جو ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور صرف چار سال تک نبی ﷺ کی ہم نشینی کا شرف پایا لیکن ان کی مرویات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

(۱۰۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ زِيَادٍ عَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِيْ اِحْدٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ۔

فجر میں قراءت کا بیان

ترجمہ: حضرت قطبہ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فجر کی دو میں سے ایک رکعت میں یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے وَالنَّخْلَ بَاسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ۔

حل عبارت: "رکعتی الفجر" اصل میں "رکعتین" تھا' نونِ تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائی: ۹۵۱' وابن ماجه: ۸۱٦' والترمذی: ۳۰٦' ومسلم: ۱۰۲۵ (۴۵۷) واحمد: ۱۹۱۱۰، والطیالسی: ۱۲۵٦، والحمیدی: ۸۲۵، والدارمی: ۱۳۰۱، والبخاری فی خلق افعال العباد: ۳۸، وابن خزیمة: ۵۲۷۔

مفہوم: یہ آیت جس کا اس حدیث میں حوالہ دیا گیا ہے سورۂ قٓ کی "جو چھبیسویں پارے کی سورت ہے" آیت ہے' اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی علیہ السلام نماز فجر کی ایک رکعت میں صرف یہی ایک آیت پڑھا کرتے تھے بلکہ یہاں جزو سے کل کی طرف اشارہ ہے اور مراد یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اس سورت کی تلاوت فرماتے تھے جس میں مذکورہ آیت آتی ہے۔

اس حدیث میں دن کی تخصیص تو نہیں' البتہ بعض دوسری مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن نبی علیہ السلام پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے' بعض روایات سے اس کے علاوہ بھی کچھ اور مقامات کی تلاوت کا ذکر ملتا ہے۔

اس لیے فقہاء احناف نے اس موضوع کی تمام روایات کو اکٹھا کر کے مفصلات کے درمیان تین درجوں کی تطبیق کر دی۔

۱۔ طوال مفصل: سورۂ حجرت سے سورۂ بروج تک' نماز فجر اور نماز عشاء۔
۲۔ اوساط مفصل: سورۂ بروج سے سورۂ زلزال تک' نماز ظہر اور نماز عصر۔
۳۔ قصار مفصل: سورۂ زلزال سے آخر قرآن تک' نماز مغرب۔

بَابٌ قِرَاءَةُ الْاِمَامِ قِرَاءَةٌ لِمَنْ خَلْفَهٗ

(۱۰۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُوْسٰى عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا قَرَاَ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَاَوْمَا اِلَيْهِ رَجُلٌ فَنَهَاهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَتَنْهَانِيْ اَنْ اَقْرَءَ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَتَذَاكَرَا ذٰلِكَ حَتّٰى سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ جَابِرٌ قَرَاَ رَجُلٌ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَهَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ فَقَرَاَ رَجُلٌ خَلْفَهٗ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ اَيُّكُمْ قَرَاَ خَلْفِيْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ

قِرَاءَ ةٌ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اِنْصَرَفَ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ فَقَالَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی فَسَكَتَ الْقَوْمُ حَتّٰی سَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ مِرَارًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَقَدْ رَأَیْتُكَ تُنَازِعُنِیْ اَوْ تُخَالِجُنِی الْقُرْآنَ۔

امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس ہی کی قراءت ہے' اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں نبی علیہ السلام کے پیچھے قراءت کی' ایک آدمی نے اس کی طرف اشارہ کر کے اسے ایسا کرنے سے روکا (لیکن وہ نہ مانا) اور نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگا کہ کیا تم مجھے نبی علیہ السلام کے پیچھے قراءت کرنے سے روکتے ہو؟ یہ بحث ان دونوں کے درمیان اتنی بڑھ گئی کہ نبی علیہ السلام کے کانوں تک بھی اس کی آواز پہنچ گئی' نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو' وہ سمجھ لے کہ امام کی قراءت اس ہی کی قراءت ہے۔

ایک روایت میں خود نبی علیہ السلام کا قراءت سے منع کرنا مذکور ہے اور ایک روایت میں نماز کے بعد یہ سوال بھی مذکور ہے کہ میرے پیچھے تم میں سے کس نے کھڑے ہو کر قراءت کی ہے؟ ایک روایت میں یہ سوال ہے کہ تم میں سے کس نے ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' والی سورت پڑھی ہے؟ لوگ خاموش رہے' یہاں تک کہ نبی علیہ السلام نے بار بار اس سوال کو دہرایا' تو لوگوں میں سے ایک آدمی بولا یارسول اللہ! میں نے پڑھی ہے' فرمایا میں تمہیں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن کے معاملے میں مجھ سے جھگڑ رہے تھے۔

حلِ عبارت: ''اوما'' باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اشارہ کرنا ''اتنهانی'' ہمزہ برائے استفہام باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی روکنا ''فتذاکرا'' باب تفاعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی مذاکرہ کرنا' تکرار کرنا' ''تنازعنی'' باب مفاعلہ سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی جھگڑا کرنا۔

تخریج حدیث: الحدیث مشتمل علی اربعة اجزاء فالاول منها:

اخرجه الطحاوی: ۱۲۵۹' وابن ماجه: ۸۵۰' والدارقطنی: ۳۲۳/۱'

والجزث الثانی منه: اخرجه الحاکم فی المستدرك بهذا السیاق۔

والجزء الثالث منه: اخرج ابوداؤد مثله: ۸۲۶' والترمذی: ۳۱۲' والنسائی: ۹۲۰۔

والجزء الرابع منه: اخرجه البخاری فی جزء القراءة: ۹۱' ومسلم: ۸۸۷ (۳۹۸)' وابوداؤد: ۸۲۹' والنسائی: ۹۱۹۔

مَفْهُوم: اس حدیث میں قراءت خلف الامام کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں آپ کے سامنے آچکی ہے' اس لیے یہاں اس کا تکرار کرنے سے اجتناب کروں گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ نَسْخِ التَّطْبِیْقِ

(۱۰۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ یَعْفُوْرٍ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُطَبِّقُ ثُمَّ اُمِرْنَا بِالرُّكَبِ۔

تطبیق کے منسوخ ہونے کا بیان

ترجمہ: حضرت سعد بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں ہمیں تطبیق کا حکم دیا جاتا تھا' پھر ہمیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

حلِّ عبارت: "نطبق" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی تطبیق کرنا (اس کا تفصیلی طریقہ مفہوم میں ملاحظہ فرمائیے) "امرنا" باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی حکم دینا' "بالرکب" رکبة کی جمع ہے بمعنی گھٹنا۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائی: ۱۰۳٤' والبخاری: ۷۹۰' ومسلم: ۱۱۹٦ (۵۳۵) وابوداؤد: ۸٦۷' والترمذی: ۲۵۹' وابن ماجه: ۸۷۳۔

مَفْهُوم: چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات جناب رسول اللہ ﷺ کے ذریعے لوگوں کو معلوم ہوتے تھے' اس لیے احکامات خداوندی میں تبدیلی معلوم ہونے کا ذریعہ بھی جناب رسول اللہ ﷺ ہی تھے' یہی وجہ ہے کہ جب تک آپ ﷺ اس دنیا میں رونق افروز رہے' احکامات اور ان میں تبدیلی بھی ہوتی رہی اور اس کا امکان بھی باقی رہا' لیکن جب نبی علیہ السلام دنیا سے وصال فرما گئے تو احکام الٰہیہ میں تبدیلی اور نسخ یا کمی بیشی ممکن نہ رہی اور آپ ﷺ کے بعد کسی حکم کو منسوخ قرار دینا موقوف ہو گیا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک حکم تبدیل ہو جاتا' وہ تبدیلی کچھ لوگوں کے علم میں آجاتی اور کچھ لوگ اس سے ناواقف رہتے' جو لوگ ناواقف رہتے تھے بعض اوقات وہ اپنی معلومات ہی کو مستند سمجھتے تھے اور بعض حضرات دوسروں کی معلومات کو قبول کر لیا کرتے تھے۔

اس تمہید کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھئے کہ ابتداء میں رکوع کا طریقہ یہ تھا کہ رکوع کرنے والا اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے بیچ میں رکھ لیتا تھا' اور اسی کیفیت میں تسبیحات رکوع پڑھ کر کھڑا ہو جاتا' کچھ عرصہ تک یہ طریقہ اسی طرح چلتا رہا' بعد میں جناب رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے اس طریقے کو "جسے تطبیق کہا جاتا ہے" منسوخ قرار دے دیا اور فرمایا کہ آج کے بعد اس طرح رکوع کرنے کی بجائے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر رکوع کیا کرو۔

لیکن نسخ کا یہ حکم حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے علم میں نہیں آیا اور وہ آخر دم تک تطبیق ہی کے طریقے سے رکوع کرتے رہے اور اس سلسلے میں کسی کی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا' بعد میں اس سے بھی زیادہ عجیب ہوا اور وہ یہ کہ امت کے تمام مشہور اماموں نے نسخ کے قول کو ثابت سمجھتے ہوئے تطبیق کو منسوخ قرار دیا اور اب پوری امت میں رکوع کا ایک ہی طریقہ متفق علیہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ

(۱۰۶) اِبْنُ اَبِی السَّبْعِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ رَأَيْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ يَسْأَلُ عَطَاءً عَنِ الْإِمَامِ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَيَقُوْلُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ قَالَ مَا عَلَيْهِ اَنْ يَّقُوْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ رَوٰى عَنِ ابْنِ عُمَرَ صَلّٰى بِنَا النَّبِیُّ ﷺ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقَالَ رَجُلٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ مَنْ ذَا الْمُتَكَلِّمُ بِهٰذِهٖ قَالَهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا نَبِیَّ اللّٰهِ قَالَ فَوَ الَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلٰثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَ اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا لَكَ وَاَوَّلُ مَنْ يَّرْفَعُهَا۔

جب رکوع سے سر اٹھائے تو کیا کہے؟

ترجمہ: ابن ابی السبع بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو عطاء سے یہ سوال پوچھتے ہوئے دیکھا ہے کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ لے تو اس کے بعد ربنا لک الحمد بھی کہے گا؟ فرمایا کہ امام پر یہ کہنا ضروری نہیں' پھر انہوں نے دلیل کے طور پر حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت پیش کی کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے ہمیں نماز پڑھائی' جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو ایک آدمی نے یہ جملہ کہا "**ربنا لك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه**۔"

جب نبی علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ یہ جملہ کس نے کہا تھا' نبی علیہ السلام نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا تب وہ آدمی بولا کہ اے اللہ کے نبی! میں نے یہ جملہ کہا تھا' فرمایا کہ اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے' میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو اس کی طرف جھپٹتے ہوئے دیکھا کہ کون اس کا ثواب پہلے لکھ لے اور کون اسے سب سے پہلے اوپر لے جائے۔

حل عبارت: "روی" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی روایت کرنا اور اس میں "ھو" ضمیر کا فاعل "عطاء" ہیں' "یبتدرون" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی سبقت لے جانا' آگے بڑھنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۷۹۹' ابوداؤد: ۷۷۰' والنسائی: ۱۰۶۳۔

مَفْهُوْمٌ : دراصل امام ابوحنیفہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ رکوع سے اٹھتے وقت امام صرف تسمیع پر اکتفاء کرے، تحمید نہ کہے اس لیے انہوں نے اس روایت کو اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، دیگر ائمہ کی اس سلسلے میں مختلف آراء مشہور ہیں، لیکن ہمیں جو بات ذکر کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ اس چھوٹے سے جملے پر اللہ نے کتنا عظیم اور کتنا زیادہ ثواب مقرر فرما رکھا ہے کہ تیس سے زائد فرشتے آپس میں ایک دوسرے پر اس ثواب کے لکھنے میں مسابقت کرتے ہیں، جملہ چھوٹا ہے، یاد کرنا کچھ مشکل نہیں، ہر نماز میں رکوع کے بعد ''ربنا لک الحمد'' تو کہا ہی جاتا ہے، اس کے ساتھ ''حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه'' کا اضافہ کر لیا جائے تو نور علی نور اور سونے پر سہاگہ والی بات ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ وَضْعِ الرُّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ فِي السُّجُوْدِ

(۱۰۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔

سجدے میں ہاتھ رکھنے سے پہلے گھٹنے رکھنے کا بیان

تَرْجَمَہ : حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے تھے اور جب سجدہ سے اٹھتے تھے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

تخریج حدیث : اخرجه الترمذی: ۲۶۸، وابن ماجه: ۸۸۲، والنسائی: ۱۰۹۰، وابو داؤد: ۷۳۸، والطحاوی: ۱۴۸۱۔

مَفْهُوْمٌ : اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے کی کیفیت کو واضح کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام سجدہ میں جاتے ہوئے زمین پر پہلے گھٹنے ٹکاتے اور پھر ہاتھ رکھتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پہلے ہاتھوں کو اور پھر گھٹنوں کو اٹھایا کرتے تھے، اس لیے کہ یہ ترتیب فطرت کے بھی عین مطابق ہے اور اس میں سہولت بھی زیادہ ہے۔

چنانچہ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین پر جھکتے وقت جو عضو زمین کے جتنا قریب ہو، پہلے اسی کو زمین پر ٹکایا جائے اور اس کے بعد قرب کے دوسرے درجات کا خیال رکھا جائے، ظاہر ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ زمین سے بہت دور ہوتے ہیں اور گھٹنے اس کی نسبت زیادہ نزدیک ہوتے ہیں اس لیے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ رکھے، بھاری وجود کے لوگ خاص طور پر اور درمیانی جسم کے لوگ عام طور پر اگر اس ترتیب کو بدل دیں تو اس میں پیدا ہونے والی دشواری کا انہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔

اسی طرح فطرت کا تقاضا ہے کہ زمین سے سر اٹھاتے وقت چہرہ زمین سے الگ کرنے کے بعد پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں، پھر گھٹنے، کیونکہ اگر گھٹنے پہلے اٹھا لیے گئے تو انسان کا توازن برقرار نہیں رہ سکے گا اور وہ گر جائے گا، نیز سہولت بھی حدیث میں ذکر کردہ طریقے میں ہی ہے اس لیے اس کے مطابق عمل کرنا ہی مسنون ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی السُّجُوْدِ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْضَاءٍ

(۱۰۸) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَوْ غَیْرِہٖ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اُوْحِیَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ اَنْ یَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس؄ سے مروی ہے کہ نبی ؈ پر یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کریں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اسی جیسا ہے، اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۱۰۹) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْاِنْسَانُ یَسْجُدُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ جَبْھَتِہٖ وَیَدَیْہِ وَرُکْبَتَیْہِ وَمُقَدَّمِ قَدَمَیْہِ وَاِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلْیَضَعْ کُلَّ عُضْوٍ مَوْضِعَہٗ وَاِذَا رَکَعَ فَلَا یُدَبِّحْ تَدْبِیْحَ الْحِمَارِ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری؄ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے، (۱) پیشانی (۲، ۳) دونوں ہاتھ (۴، ۵) دونوں گھٹنے (۶، ۷) دونوں پاؤں کے اگلے حصے، اور جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو اپنے ہر عضو کو اس کی جگہ پر رکھ دے، اور جب رکوع کرے تو گدھے کی طرح حد سے زیادہ سر نہ جھکائے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۱۰) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَمُدَّ رِجْلَیْہِ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ یَسْجُدُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ جَبْھَتِہٖ وَیَدَیْہِ وَرُکْبَتَیْہِ وَرِجْلَیْہِ۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَمُدَّ صُلْبَہٗ۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ یَّمُدَّ الرَّجُلُ صُلْبَہٗ فِیْ سُجُوْدِہٖ۔

ترجمہ: حضرت ابونضرہ؄ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو اپنے پاؤں نہ پھیلائے، کیونکہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے، پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی ؈ نے سجدے میں اپنی کمر کو پھیلانے سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۱۱) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ عِکْرِمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ وَلَا اَکُفَّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس؄ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، اور نماز میں اپنے بالوں اور کپڑوں کو نہ لپیٹوں۔

حل عبارت: "اوحی" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وحی بھیجنا "اعظم" جمع ہے عظم کی بمعنی ہڈی "فلیضع" باب فتح سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رکھنا "فلایدبح" باب تفعیل سے نہی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گردن کو بہت زیادہ جھکا لینا "لا یمد" باب نصر سے مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھینچنا "لا اکف" باب نصر سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی لپیٹنا۔

تخریج حدیث اول ورابع: اخرجهما ابن ماجه: ۸۸۳، والنسائی: ۱۰۹٤، والترمذی: ۲۷۳، وابوداؤد: ۸۸۹، والطحاوی: ۱٤۱۸، ومسلم: ۱۰۹۷ (٤۹۰)، والبخاری: ۸۰۹

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری، ۸۱۲، ومسلم: ۱۰۹۸ (٤۹۰)، والنسائی: ۱۰۹۸، وابن ماجه: ۸۸٤۔

تخریج حدیث ثالث: اخرجه الحارثی فی مسنده: ۳۲۳۔

مفہوم: ان تمام احادیث میں سات اعضاء کی ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم آیا ہے اور عام طور پر سجدہ میں زمین پر یہی اعضاء لگتے ہیں اس لیے یہ بات تو کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے، البتہ ایک الجھن ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ ان سات اعضاء میں ناک کا ذکر نہیں آیا، حالانکہ وہ ایک اہم عضو ہے اور پھر بعض لوگ سجدے کی حالت میں بتکلف اپنی ناک کو زمین پر لگانے سے بچاتے بھی ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ سو اس سلسلے میں تلاش بسیار کے بعد مسلم شریف کی ایک روایت میں اسی مضمون کی احادیث میں جبہہ کے ساتھ "انف" کا ذکر بھی مل ہی گیا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ راویوں کا اختصار ہے جس سے ذہن میں خلجان پیدا ہوا، مسلم شریف کا یہ حوالہ ملنے سے پہلے میرے ذہن میں اس کا قابل قبول حل صرف یہی تھا کہ پیشانی کے ذکر پر اکتفا کر کے ناک کا ذکر نہیں کیا، یا یہ کہ ناک کا وہ حصہ جو سجدہ میں زمین پر لگتا ہے اسے ہڈی کم اور ناک کا بانسہ زیادہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نرم اور لچکدار ہوتا ہے اس لیے اسے ہڈی میں شمار نہیں کیا لیکن اس پر سجدہ کرنے کی ضرورت دوسری احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔

بَابٌ لَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ فِي السُّجُوْدِ

(۱۱۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى فَلَا يَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ الْكَلْبِ۔

سجدہ میں اپنے بازوؤں کو نہ بچھائیں

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز پڑھے (تو سجدہ میں) اپنے بازو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔

حل عبارت: "فلا یفترش" باب افتعال سے نہی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچھانا "افتراش" اسی

کے لیے مفعول مطلق ہے۔

تحریج حدیث: اخرجه البخاری: ۸۲۲، ومسلم: ۱۱۰۲ (۴۹۳) وابو داؤد: ۸۹۷، والترمذی: ۲۷۶، والنسائی: ۱۱۰۴، وابن ماجه: ۸۹۲، واحمد: ۱۱۵/۳۔

مَفْهُوْم : انسان جس وقت سجدہ کرتا ہے اس وقت وہ اپنے پروردگار کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، سجدہ کے علاوہ کسی دوسری کیفیت میں قربِ الٰہی کی وہ لذت نہیں اٹھائی جاسکتی جو سجدہ میں حاصل ہوتی ہے، اسی لیے سجدہ کے آداب بھی مقرر کیے گئے ہیں۔

چنانچہ ایک ادب تو ابھی گزرا کہ جسم کی سات ہڈیوں کو زمین پر اچھی طرح ٹکا دیں، سجدہ کے دوران اپنے بالوں یا کپڑوں سے نہ کھیلیں، اور ایک ادب یہاں ذکر فرما دیا کہ سجدہ کی حالت میں زمین پر اپنے بازو نہ بچھائے اس لیے کہ سجدے کی حالت میں جب انسان اوندھے منہ زمین پر پڑا ہو اور وہ اپنے بازو زمین پر بچھا لے تو گویا اس نے کتوں جیسی حرکت کی۔

ظاہر ہے کہ اس تشبیہ کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ اس کیفیت کی مذمت کی جائے کیونکہ یہ کیفیت سستی کی علامت ہے اور سستی سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور غافل اللہ کو پسند نہیں، اس لیے سجدہ کی حالت میں اپنے بازو زمین سے اٹھا کر رکھے، انہیں اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے اور سنت کے مطابق نماز پڑھے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْقُنُوْتِ فِی الْفَجْرِ

(۱۱۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یَقْنُتْ فِی الْفَجْرِ قَطُّ اِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لَمْ یُرَ قَبْلَ ذٰلِكَ وَلَا بَعْدَهٗ یَدْعُوْ عَلٰی نَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔

صبح کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا کیسا ہے؟

تَرْجَمَہ: حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فجر کی نماز میں سوائے ایک مہینے کے کبھی قنوت نہیں پڑھی، نہ آپ ﷺ کو اس سے پہلے قنوت پڑھتے ہوئے دیکھا گیا اور نہ اس کے بعد، اور مذکورہ مہینے میں آپ ﷺ مشرکین کے کچھ لوگوں پر بددعاء کرتے رہے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۱۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطِیَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ لَمْ یَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا یَدْعُوْ عَلٰی عُصَیَّةَ وَذَكْوَانَ ثُمَّ لَمْ یَقْنُتْ اِلٰی اَنْ مَاتَ۔

تَرْجَمَہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے صرف چالیس دن قنوت پڑھی ہے جس میں عصیہ اور ذکوان

نامی قبائل پر بددعاء فرماتے تھے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک قنوت نہیں پڑھی۔

حَلِّ عِبَارَت: "لم یقنت" باب نصر سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دعائے قنوت پڑھنا "لم یر" باب فتح سے نفی حجد بلم مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی دیکھنا "یدعو" اگر "دعا یدعو" کے صلے میں علی آ جائے تو اس کا معنی بددعاء ہوتا ہے اور اگر لام آ جائے تو دعائے خیر کرنا مراد ہوتا ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الطحاوی: ۱٤۳۰، والطبرانی فی الکبیر: ۸۳/۱۰، والاحادیث فی هذا الباب کثیرة تدل علیه مثلا اخرجه البخاری: ۱۰۰۳، ومسلم: ۱۵۵٤ (٦۷۷)، والنسائی: ۱۰۸۰، وابن ماجه: ۱۲٤۳۔

تخریج حدیث ثانی: ما رایت احدا خرج هذا الحدیث باستثناء اربعین یوما، من الجماعة الا ان احمد اخرجه فی حدیث طویل ولفظه: فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیهم اربعین صباحًا علی رعل، وذکوان، و بنی لحیان وعصیة.. [مسند: ۱۳۲۲۷] واما بهذا السیاق فقد اخرجه الحارثی: ۲٦۵۔

مَفْهُوم: کسی مصیبت یا ناگہانی آفت پر نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد کھڑے کھڑے اس سے بچاؤ کے لیے دعا مانگنا "قنوت نازلہ" کہلاتا ہے اور یہ سنت سے ثابت ہے اور جائز ہے، الحمد للہ! ہم اسے عام دنوں میں بھی نہیں پڑھتے اور پڑھنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ سنت سے ثابت نہیں ہے اور خاص دنوں میں بھی نہیں پڑھتے کیونکہ طبیعت سے ثابت نہیں، جبکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم ہر موقع پر اپنے مظلوم و بے بس اور بے کس مسلمان بھائیوں کو کم از کم اپنی دعاؤں میں تو ضرور یاد رکھیں۔

رہی یہ بات کہ وہ دعاء کون سی ہے جو قنوتِ نازلہ کے حوالے سے پڑھنی چاہئے تو اس میں حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر جو دعاء بھی مناسب ہو، وہ کر لی جائے، خود نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ جب پورا مہینہ قنوت نازلہ پڑھی تھی تو اس میں اس وقت کے رؤساء و مشرکینِ مکہ کے نام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پکڑ کی دعاء فرمائی تھی۔

نیز اس حوالے سے مسند احمد میں موجود حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی مدد لی جا سکتی ہے جو ان سے قنوتِ وتر کے حوالے سے منقول ہے، اور وہ روایاتِ صحیحہ جو مشرکین پر قحط سالی کی پکڑ کے حوالے سے امہات الکتب میں موجود ہیں، سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔

رہی وہ مخصوص دعائیں جو بعض کتابوں میں "دعاءِ قنوت نازلہ" کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں، ان ہی کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں، بلکہ ان کے ماسوا کوئی بھی دعاء مانگی جا سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دعاء عربی ہی میں ہو کیونکہ قنوت نازلہ دورانِ نماز پڑھی جاتی ہے، اور دورانِ نماز کسی اور زبان کا کوئی اور لفظ زبان سے نکلنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

(واللہ اعلم)

بَابُ صِفَةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ

(۱۱۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ اَضْجَعَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى۔

تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر لیتے تھے۔

حل عبارت: "جلس" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیٹھنا "اضجع" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی لٹا لینا' بچھا لینا "قعد" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بیٹھنا "نصب" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی کھڑا کرنا' نصب کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه احمد: ۳۱۶/۴' وابوداؤد: ۷۲۶' والنسائی: ۱۱۶۰۔

مفہوم: اس موضوع کی تمام روایات کا اگر استقصاء کیا جائے تو ہمیں دو قسم کی روایات ملتی ہیں' بعض روایات میں افتراش کا ذکر آتا ہے اور بعض روایات میں تورک کا بیان آتا ہے' افتراش کا معنی یہ ہے کہ قعدہ کی حالت میں انسان دائیں پاؤں کو کھڑا کر لے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور تورک کا معنی یہ ہے کہ دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین کے بل بیٹھ جائے' ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دینے کے لیے فقہاء کرام نے مختلف راستے اختیار کیے ہیں چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قعدۂ اولیٰ میں افتراش اور قعدہ اخیرہ میں تورک کیا جائے' امام مالکؒ دونوں قعدوں میں تورک کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں ایک قعدہ ہو' اس میں تو افتراش کیا جائے اور جس میں دو قعدے ہوں' اس نماز کے پہلے قعدے میں افتراش اور دوسرے میں تورک کیا جائے گویا ان تینوں حضرات نے افتراش اور تورک کے لیے قعدہ کو معیار بنایا ہے گو کہ اس سلسلے میں حنفیہ کا مؤقف افتراش ہی ہے لیکن ان کی طرف سے ان روایات میں تطبیق کا معیار قعدہ کی بجائے جنس مصلی کو بنایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر نمازی مرد ہو تو وہ بہرحال افتراش والی حدیث پر عمل کرے گا اور اگر نمازی خاتون ہو تو وہ بہرحال تورک والی حدیث پر عمل کرے گی کیونکہ اس صورت میں اس کے لیے ستر پوشی زیادہ آسان ہوتی ہے۔

یوں بھی اگر دیکھا جائے تو افتراش والی کیفیت مرد کی مردانگی پر دلالت کرتی ہے اور تورک والی کیفیت مرد کے معذور ہونے یا کم از کم کاہل اور سست ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے' نیز افتراش کی کیفیت میں انسان پر نشاط اور چستی کے آثار واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں' جبکہ تورک والی کیفیت میں ایسا نہیں ہوتا۔

بَابٌ كَيفَ تَجلِسُ المَرأَةُ فِي التَّشَهُّدِ

(۱۱٦) اَبُو حَنِيفَةَ عَن نَافِعٍ عَنِ ابنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سُئِلَ كَيفَ كُنَّ النِّسَاءُ يُصَلِّينَ عَلٰى عَهدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُنَّ يَترَبَّعنَ ثُمَّ اُمِرنَ اَن يَحتَفِزنَ۔

عورت تشہد میں کس طرح بیٹھے؟

ترجمہ: نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے سوال پوچھا کہ دور نبوت میں خواتین کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے وہ چوکڑی مارتی تھیں پھر انہیں سمٹ کر بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔

حل عبارت: ''النساء'' ضمیر جمع ''کن'' سے بدل واقع ہو رہا ہے' ''یصلین'' باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی نماز پڑھنا ''یتربعن'' باب تفعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی چوکڑی مارنا ''امرن'' باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی حکم دینا ''یحتفزن'' باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی سمیٹ لینا۔

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی فی مسنده: ۷۹

مفہوم: آج کل بعض خواتین مردوں کی طرح نماز پڑھنے کو ایک فیشن کے طور پر اختیار کرتی ہیں' وہ مردوں ہی کی طرح ہاتھ اٹھانا اور باندھنا' انہی کی طرح رکوع و سجود کرنا اور انہی کی طرح تشہد میں بیٹھنا اسلام کا عطاء کردہ حق مساوات سمجھتی ہیں' نہ معلوم کس بیوقوف نے ان کے دماغ میں مساوات کا مفہوم یہ راسخ کر دیا ہے کہ مرد کے جو حقوق ہیں وہی عورت کے حقوق ہیں' حالانکہ اگر کوئی موٹی عقل رکھنے والا بھی اپنے ذہن پر معمولی سا زور دے تو وہ بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مرد اور عورت کے حقوق برابر ہو ہی نہیں سکتے' اور ان دونوں کی جسمانی ساخت کا بھی یہی تقاضا ہے۔

رہی مساوات کی بات تو اس کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جس کا جو حق شریعت نے مقرر کیا ہے اسے اس کا وہ حق مل جائے یعنی حقدار کو اس کا حق مل جانا ہی حقیقی مساوات ہے ورنہ افسر اور ملازم' حاکم اور محکوم' مالک اور نوکر سب کی تنخواہ یکساں ہونی چاہیے اور تاریخ گواہ ہے کہ جن ممالک میں یہ قانون رائج ہوا' ان ممالک میں باہمت' باصلاحیت' ذہانت و فطانت کے حامل افراد پیدا ہونا بند ہو گئے اور وہ ممالک بانجھ ہو گئے اور بالآخر یہ نظام بری طرح ناکامی کا شکار ہو کر اپنی موت آپ مر گیا۔

خلاصہ یہ کہ مرد و عورت میں برابری تلاش کرنا ایسے ہی ہے جیسے رات اور دن میں برابری تلاش کرنا' ہاں! ہر ایک کو اس کے مقررہ حقوق مہیا کرنا اسلام کا عظیم ترین کارنامہ ہے' اس لیے مرد و عورت کے طریقہ نماز میں فرق ہونا ان دونوں کی جسمانی ساخت کا بھی تقاضا ہے اور مساوات کے حقیقی مفہوم پر اس سے کوئی زد بھی نہیں پڑتی۔

بَابُ التَّشَهُّدِ

(۱۱۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

تشہد کا بیان

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔

حل عبارت: "یعلمنا" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سکھانا' اور "نا" ضمیر مفعول اول ہے اور تشہد مفعول ثانی' اس اعتبار سے یہ متعدی بدو مفعول ہوا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۹۰۳ (۴۰۳) وابوداؤد: ۹۷۴' والترمذی: ۲۹۰' وابن ماجه: ۹۰۰' والنسائی: ۱۱۷۶' واحمد: ۱/۲۹۲' وابن ابی شیبة: ۱/۲۹۴' والدارقطنی: ۱/۳۵۰' والطحاوی: ۱۵۲۹۔

مفہوم: یہ ایک ایسی کائناتی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی متعصب سے متعصب ترین انسان بھی نہیں کر سکتا کہ زندگی کے ہر موڑ پر ایک ایک جزئی مسئلہ کا شرعی حکم نامہ جس طرح اسلام نے اپنے پیروکاروں کو مہیا کیا ہے' دنیا کا کوئی مذہب اور دھرم نہیں پیش کر سکتا۔

دوسری تمام چیزوں کو چھوڑ کر اگر صرف اسی ایک نماز کو لے لیا جائے جس کی دائیگی میں عام طور پر زیادہ سے زیادہ دس منٹ لگتے ہیں تو اس کی ایک ایک کیفیت پر ہمیں مہر نبوت کی تصدیق نظر آتی ہے' کہیں قول پیمبر سے اس کی وضاحت ہوتی ہے اور کہیں عمل مصطفی اس کی دلیل بنتا ہے۔

زیر بحث حدیث سے اس دعویٰ کی دلیل بھی نکلتی ہے اور تشہد کی اہمیت بھی اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ جس اہمیت اور اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کی کسی آیت اور سورت کو سکھایا جاتا تھا' اسی اہمیت اور اہتمام کے ساتھ نماز میں تشہد کے کلمات کو بھی سکھایا جاتا تھا' اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب تشہد کی یہ حالت ہے تو باقی دوسرے ارکان اور طریقہ نماز سکھانے میں کیا کچھ اہتمام کیا جاتا ہوگا۔

(۱۱۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُطْبَةَ الصَّلٰوةِ يَعْنِی التَّشَهُّدَ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ نماز یعنی تشہد کی تعلیم دی ہے۔

حل عبارت: "علمنا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سکھانا "یعنی" باب

ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مراد لینا' اور اس کے بعد آنے والا لفظ ہمیشہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الطحاوی: ۱۵۲۸۔

مفہوم: اس حدیث کے نفس مضمون پر تو گزشتہ حدیث میں بحث ہو چکی' البتہ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث مجمل ہے اور اگلی حدیث میں اسی اجمال کی تفصیل مذکور ہے۔

بَابٌ كَيْفَ عَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَصْحَابَهُ التَّشَهُّدَ؟

(۱۱۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ نَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ زِيَادَةٌ مِنْ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا تَشَهَّدَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقُوْلُوْا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اِلٰى اٰخِرِ التَّشَهُّدِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَهُمْ اَلتَّحِيَاتُ اِلٰى اٰخِرِ التَّشَهُّدِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَّمَنَا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَقُوْلُ اِذَا جَلَسْنَا فِيْ اٰخِرِ الصَّلٰوةِ اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ السَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَلٰى مَلَائِكَتِهٖ نُسَمِّيْهِمْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقُوْلُوْا كَذَا وَقُوْلُوْا اَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔

نبی علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو تشہد کی تعلیم کس طرح دی؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو (التحیات میں یوں) کہہ دیتے السلام علی اللہ (بعض روایات میں من عبادہ کا اضافہ بھی ہے) السلام علی جبریل و میکائیل' ایک مرتبہ نبی علیہ السلام ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تو خود ہی سلام ہے (اس پر سلام چہ معنی دارد؟) اس لیے جب تم میں سے کوئی تشہد کی حالت میں بیٹھے تو یوں کہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام قولی' بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں' اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں' سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود

نہیں ہے اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۸۳۱، ومسلم: ۸۹۷ (۴۰۲)، وابوداؤد: ۹۶۸، والنسائی: ۱۱۷۰، وابن ماجه: ۸۹۹، والطحاوی: ۱۵۱۷۔

مفہوم: اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے کلمات تشہد کا ذکر کیا گیا ہے، اس سلسلے کی تمام روایات کا اگر استقصاء کیا جائے تو چوبیس صحابہ کرامؓ کی روایات اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتی ہیں جن میں کلمات تشہد کا ذکر ملتا ہے، بعض سے بعض کی تائید ہوتی ہے اور بعض میں دوسرے الفاظ مذکور ہیں، ان صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
۴۔ حضرت جابرؓ	۵۔ حضرت عمر فاروقؓ	۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
۷۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ	۸۔ حضرت سمرہؓ	۹۔ حضرت علی مرتضیٰؓ
۱۰۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	۱۱۔ حضرت امیر معاویہؓ	۱۲۔ حضرت سلمان فارسیؓ
۱۳۔ حضرت ابوحمید الساعدیؓ	۱۴۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ	۱۵۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ
۱۶۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ	۱۷۔ حضرت انسؓ	۱۸۔ حضرت ابوہریرہؓ
۱۹۔ حضرت فضل بن عباسؓ	۲۰۔ حضرت ام سلمہؓ	۲۱۔ حضرت حذیفہؓ
۲۲۔ حضرت مطلب بن ربیعہؓ	۲۳۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	۲۴۔ حضرت امام حسینؓ

ان تمام حضرات کے نقل کردہ کلمات تشہد پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے اور اس ترجیح کی ۲۲ وجوہات بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر یہاں تفصیل وتطویل کے زمرے میں داخل ہو جائے گا اس لیے ہم ان وجوہ ترجیح کے بیان کو بڑی کتابوں پر چھوڑتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمَتَيْنِ

(۱۳۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى شِقُّ وَجْهِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ شِمَالِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

دو مرتبہ سلام پھیرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام دائیں طرف سلام پھیرتے وقت جب ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہتے تو آپ ﷺ کا رخ انور دکھائی دیتا، اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے وقت، اور ایک روایت میں رخسار مبارک کا

ذکر ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے اس لیے اس کا ترجمہ بھی یہیں لکھا جاتا ہے۔

(۱۳۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ تَسْلِيْمَتَيْنِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ دائیں اور بائیں دو سلام پھیرتے تھے۔

حل عبارت: "یری" باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دیکھنا "شق" بمعنی جانب طرف "خد" اس کی جمع خدود آتی ہے بمعنی رخسار "تسلیمتین" ماقبل "یسلم" کے لیے مفعول مطلق ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه ابن ماجه: ۹۱٦' والنسائی' ۱۳۱۷' والترمذی: ۲۹۵' وابوداؤد: ۹۹٦' ومسلم: ۱۳۱۵ (۵۸۲) والطحاوی: ۱۵٤٦' ۱۵۵۱۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الطحاوی: ۱۵٦۳' ۱۵٦٦' وابن ابی شیبه: ۲۹۹/۱۔

مفہوم: سلام کے حوالے سے یہ بات غالباً پہلے کہیں گزر چکی ہے کہ امام مالکؒ ایک طرف سلام پھیرنے کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ اور دیگر فقہاء کرام دونوں طرف سلام پھیرنا سنت سے ثابت کرتے ہیں اور مؤخر الذکر قول ہی اکثر فقہاء کا ہے اور اسی پر امت کا تعامل جاری ہے' اس کے ساتھ ساتھ زیر بحث حدیث میں ایک پہلو اور بھی قابل ذکر ہے جس سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی خوش نصیبی و بخت آوری سامنے آتی ہے کہ جب وہ دائیں طرف سلام پھیرتے تو رخ مصطفیٰ کا دیدار کرلیا کرتے اور جب بائیں طرف سلام پھیرتے تو دیدار محبوب سے اپنے آپ کو شاد کام کرلیا کرتے اور اب صورت حال یہ ہے کہ ہر طرف ایک سے بڑھ کر ایک جغادری' شاطر' عیار اور مکار بیٹھا مگرمچھ کے آنسو بہاتا دکھائی دیتا ہے جو یقیناً اس کے ضمیر کی دستک پر کبھی نہیں بہتے' ورنہ یہ آنسو بہانے والا ایک مختلف زندگی لے کر باہر نکلتا۔

بَابُ الْاَمْرِ بِالتَّخْفِيْفِ فِى الصَّلٰوةِ

(۱۳۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ عَبْدَاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَحُذَيْفَةُ وَاَبُوْ مُوْسٰى وَغَيْرُهُمْ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اِجْتَمَعُوْا فِىْ مَنْزِلٍ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ تَقَدَّمْ يَا فُلَانُ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ فَاَبٰى فَقَالَ تَقَدَّمْ اَنْتَ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى صَلٰوةً خَفِيْفَةً وَجِيْزَةً اَتَمَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ الْقَوْمُ لَقَدْ حَفِظَ اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

نماز کو ہلکی پڑھانے کا حکم

ترجمہ: ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی گھر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ اکٹھے ہوئے، نماز کا وقت ہوا تو یہ مالک مکان سے کہنے لگے کہ آپ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیے! اس نے انکار کر دیا اور کہنے لگا اے ابوعبدالرحمٰن! آپ آگے بڑھیے اور نماز پڑھائیے چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر ہلکی پھلکی اور مختصر سی نماز پڑھا دی جس میں انہوں نے رکوع سجدہ مکمل کیا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سب لوگ کہنے لگے کہ ابوعبدالرحمٰن نے نبی علیہ السلام کی نماز کو خوب یاد رکھا ہے۔

حل عبارت: "اجتمعوا" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی اکٹھا ہونا۔ "فاقیمت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی کھڑا کرنا، اقامت کہنا "تقدم" باب تفعل سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی آگے بڑھنا "فابی" فعل ماضی معروف کا باب فتح سے صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی انکار کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی: ۵۱۸، وابن ابی شیبة: ۲/۴۱۷، والطیالسی: ۳۹۵، واحمد مختصرًا: ۴۳۹۷، وابن ماجه: ۱۰۳۹۔

مفہوم: اس حدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ جماعت صحابہ میں ہر فرد بہت کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا اور دوسرے کا احترام اور عزت و توقیر اپنے فرائض میں سمجھتا تھا، وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ امامت کا حقدار مجموعی طور پر افضل آدمی ہے، اس فضل و کمال میں تقویٰ وللّٰہیت، قراءت و تجوید، اور علم و عمل کے علاوہ دیگر شرائط بھی شامل ہیں۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کوئی معمولی درجے کے یا غیر معروف صحابی نہیں بلکہ صاحب سر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز لقب کے تن تنہا وارث ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں، لیکن یہ حضرات مکمل دیانتداری کے ساتھ سمجھتے تھے کہ امامت کا حق ہم سے زیادہ ابن مسعودؓ کو پہنچتا ہے اس لیے خواہ مخواہ امامت کے شوق میں آ کر مصلی امامت پر سوار نہیں ہو گئے جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ امام مسجد کی موجودگی کے باوجود وہ اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مصلیٰ امامت پر سوار ہونا اپنی کامیابی کی علامت سمجھتے ہیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ امامت کی ذمہ داریوں کو اتنا ہلکا سمجھنے والے اور اس کے شوق میں غلطاں و سرگرداں رہنے والے کون سا قلعہ سر کرنا چاہتے ہیں جو اس کے بغیر فتح کرنا ممکن نہیں رہتا، اور وہ اسوۂ صحابہ کو کیوں فراموش کر دیتے ہیں؟

پھر سونے پر سہاگہ ان کی وہ عظیم الشان طویل قراءت ہوتی ہے جسے سن کر آدمی اپنے آپ کو نماز میں کم اور محفل قراءت میں زیادہ محسوس کرتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا طرز عمل اس کی بھی پر زور نفی کرتا ہے کیونکہ زیر بحث

حدیث میں تصریح ہے کہ انہوں نے اپنے معاصرین کو اپنے پیچھے مقتدی بن کر کھڑا ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی ساری تجوید وقراءت کا نزلہ ان پر جھاڑنے کی بجائے مختصر اور ہلکی پھلکی نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا' امت کے تمام ائمہ کے نام' یہی ہے حضرت ابن مسعودؓ کا پیام' اب دیکھئے اس پر عمل کون کرتا ہے تمام؟

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْحَصِیْرِ

(۱۲۳) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّہٗ دَخَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَوَجَدَہٗ یُصَلِّیْ عَلٰی حَصِیْرٍ یَسْجُدُ عَلَیْہِ۔

بوریے پر نماز پڑھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی ؑ کو ایک چٹائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس پر آپ سجدہ کر رہے تھے۔

حل عبارت: "دخل" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی داخل ہونا "یصلی" یہ ہ ضمیر مفعول کی حالت ہے "حصیر" چٹائی کو کہتے ہیں "یسجد" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سجدہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ مسلم: ۱۱۵۹ (۵۱۹)' والترمذی: ۳۳۲' وابن ماجہ: ۱۰۲۹۔

مفہوم: دور حاضر کے نرم گرم قالینوں پر سجدہ کرنے والے اب سے صرف پندرہ بیس سال پہلے کی تنکوں والی وہ صفیں بھول گئے ہیں جو کبھی پیشانی پر چبھتی تھیں اور کبھی ان پر گھٹنے ٹکانا مشکل ہوتا تھا' گاؤں دیہاتوں کی بعض مساجد میں اب بھی اس کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے' گو کہ قالین اور کارپٹ پر نماز پڑھنے کی ممانعت نہیں کی جا سکتی بالخصوص اس زمانے میں جب کہ طبیعتیں ذرا سی مشقت بھی برداشت کرنے کے قابل نہیں رہیں اور ہمتیں پست ہو کر رہ گئی ہیں' تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ مشقت برداشت کر کے جو عبادت کی جائے اس کا لطف اور مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْمَرِیْضِ

(۱۲٤) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ صَلّٰی قَاعِدًا وَّقَائِمًا وَّمُحْتَبِیًا۔

مریض کی نماز کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر بھی نماز پڑھی ہے اور کھڑے ہو کر بھی اور احتباء کی حالت میں بھی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔

(۱۲۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِیْ سُفْيَانَ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰی مُحْتَبِئًا مِنْ رَمَدٍ كَانَ بِعَيْنِهٖ۔

ترجمہ: خواجہ حسن بصریؒ سے مرسلاً منقول ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے احتباء کی حالت میں نماز پڑھی گھٹنے میں تکلیف کی وجہ سے۔

حل عبارت: "محتبئا" باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی احتباء کرنا' اس کی مکمل وضاحت "مفہوم" میں ملاحظہ فرمائیے۔ "رمد" تکلیف کو کہتے ہیں "بعینہ" یوں تو عین کا معنی آنکھ ہوتا ہے لیکن یہاں سیاق وسباق کے پیش نظر یہ معنی یہاں پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتا اس لیے یہاں اس کا ترجمہ گھٹنا کیا گیا ہے کیونکہ لفظ عین کا ایک معنی یہ بھی ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الحارثی: ۱۱۔

تخریج حدیث دوم: اخرجه الحارثی: ۳۳۷۔

مفہوم: احتباء کا معنی یہ ہے کہ انسان سرین کے بل بیٹھ جائے' اپنی دونوں ٹانگوں کو کھڑا کر لے اور کپڑے یا ہاتھوں کے ذریعے حلقہ بنا لے' عام حالات میں اس کیفیت کے ساتھ بیٹھنا بالخصوص جبکہ تہبند یا دھوتی پہن رکھی ہو' ممنوع ہے کیونکہ اس میں بے پردگی اور کشف ستر کا غالب امکان ہے' البتہ عذر کی حالت مستثنیٰ ہے اور اس عذر کی حالت میں نماز بھی اس طرح پڑھ لینا جائز ہے۔

عام طور پر اس کیفیت میں نماز پڑھنے کا سب سے بڑا عذر گھٹنے کی تکلیف ہی ہوسکتی ہے' آنکھ کی تکلیف کا اس کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں بیٹھتا کہ تکلیف آنکھ میں ہو اور کھڑے کر لیے جائیں گھٹنے' اس لیے زیر بحث حدیث میں عین کا ترجمہ آنکھ کی بجائے گھٹنا کیا گیا ہے۔

اسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی عذر کی حالت پر محمول ہے یا پھر اسے نوافل پر محمول کیا جائے گا کہ نوافل بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھے جا سکتے ہیں' لیکن بہرحال! اتنی بات ضرور طے ہے کہ نبی علیہ السلام نے بغیر عذر کے احتباء کی حالت میں نماز پڑھی ہے اور نہ ہی بیٹھ کر' اس لیے عام حالات میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہی مسنون ہے۔

بَابُ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّصَلِّیَ قَائِمًا

(۱۲۶) مُحَمَّدُ بْنُ بُكَيْرٍ قَاضِی الدَّامِغَانَ قَالَ كَتَبْتُ اِلٰی اَبِیْ حَنِيْفَةَ فِی الْمَرِيْضِ اِذَا ذَهَبَ عَقْلُهٗ كَيْفَ يُعْمَلُ بِهٖ فِیْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَكَتَبَ اِلَیَّ يُخْبِرُنِیْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ مَرِضْتُ فَعَادَنِی النَّبِیُّ ﷺ وَمَعَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَقَدْ اُغْمِیَ عَلَیَّ فِیْ مَرَضِیْ وَجَاءَ تِ الصَّلٰوةُ

فَتَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَصَبَّ عَلَیَّ مِنْ وَضُوْئِہٖ فَاَفَقْتُ فَقَالَ کَیْفَ اَنْتَ یَا جَابِرُ ثُمَّ قَالَ صَلِّ مَا اسْتَطَعْتَ وَلَوْ اَنْ تُوْمِیَٔ۔

اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: محمد بن بکیر قاضی دامغان کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ اگر کسی مریض کی عقل کام کرنا چھوڑ دے تو اس کے ساتھ نماز کے وقت کیا کیا جائے؟ تو امام صاحبؒ نے جواب میں یہ حدیث لکھ بھیجی کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں بیمار ہو گیا' نبی علیہ السلام میری عیادت کے لیے تشریف لائے' آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمرؓ بھی تھے' مجھ پر بیماری کی وجہ سے بیہوشی طاری تھی' نماز کا وقت ہو چکا تھا' نبی علیہ السلام نے وضو کیا اور اپنے وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا' مجھے اسی وقت افاقہ ہو گیا' نبی علیہ السلام نے پوچھا جابر! کیسے ہو؟ پھر فرمایا جب تک استطاعت ہو نماز پڑھتے رہو اگرچہ اشارے سے ہی پڑھنا پڑے۔

حل عبارت: "الدامغان" خراسان کا ایک شہر ہے' "ذھب" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چلا جانا' "یخبرنی" یہ کتب کے فاعل کی حالت کا بیان ہے "مرضت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بیمار ہونا' "فعادنی" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عیادت کرنا "اغمی" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بیہوشی طاری ہونا "فافقت" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی افاقہ ہونا "تومی" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی اشارہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مختصراً: ۵٦۵۱' ومسلم ٤١٤۵ (١٦١٦)' وابوداؤد: ٢٨٨٦' والترمذی، ٢٠٩٧' وابن ماجه: ٢٧٢٨۔

مفہوم: اس حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط کیا جا سکتا ہے مثلاً:

۱۔ عالم اور فقیہ کو بھی سوال کرنے میں عار اور شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ قاضی محمد بن بکیر کے طریقے سے معلوم ہوا۔

۲۔ عالم کو جواب مدلل دینا چاہیے' جیسا کہ امام صاحبؒ نے اپنا جواب حدیث سے استدلال کرتے ہوئے واضح کیا اور سند بھی بیان کی۔

۳۔ بیمار کی عیادت کرنا سنت ہے جو بدقسمتی سے ہمارے معاشرے سے مٹتی جا رہی ہے' گھر کی دیوار کے ساتھ دیوار ملے ہوئے گھر میں ہمسایہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے اور ساتھ والے گھر میں گل چھرے اڑائے جا رہے ہوتے ہیں'

ہمسایہ بھوکا پیاسا سو جاتا ہے اور ساتھ والے گھر سے قورمے، بریانی اور مرغن غذاؤں کی خوشبوئیں اٹھتی ہیں، ہمسایہ دس دس دن تک بستر کے ساتھ دوستی نبھاتا ہے لیکن ساتھ والے خبر لینے کی زحمت تک گوارا نہیں کرتے۔ فالی اللہ المشتکی۔

۴۔ نماز کی اہمیت واضح ہوئی کہ اگر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی ہمت ختم ہو گئی ہے تو اشارے سے ہی نماز پڑھ لے لیکن اسے چھوڑے نہیں، صد حیف! کہ ہم تو عین اذان کے وقت ہاتھ میں گیند بلا پکڑ کر کے اپنی اور قوم کی قسمت سنوارنے کے لیے اور ملک وملت کا نام روشن کرنے کے لیے فاتحانہ انداز میں نکلتے ہیں، فجر کی نماز کے وقت لیلولہ اور ظہر کی نماز کے وقت قیلولہ، عصر اور مغرب میں کرکٹ کے دوران ہوا لُولا اور عشاء کے وقت کھانے کی خواہش میں بے حد تڑپ کر ہوا بسولا اور منہ بسورتا ہوا بستر میں گھس گیا، یوں ہی صبح و شام تمام ہوتے رہتے ہیں اور زندگی کے معمولات میں فرق نہیں دکھائی دیتا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

بَابٌ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ

(۱۲۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ لَمَّا اُغْمِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيْلَ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ حَصِرٌ وَهُوَ بِنَفْسِهٖ يَكْرَهُ اَنْ يَقُوْمَ مَقَامَكَ قَالَ اِفْعَلُوْا مَا اٰمُرُكُمْ بِهٖ۔

اہل علم وفضل حضرات امامت کے زیادہ حقدار ہیں

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی علیہ السلام پر بیہوشی طاری ہوئی تو فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، کسی نے کہا کہ ابوبکر رقیق القلب ہیں اور وہ خود بھی آپ کی جگہ کھڑا ہونا اچھا نہیں سمجھتے، نبی علیہ السلام نے فرمایا جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۲۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ لَمَّا اُغْمِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيْلَ لَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ حَصِرٌ وَهُوَ يَكْرَهُ اَنْ يَقُوْمَ مَقَامَكَ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ يَاصُوَيْحِبَاتِ يُوْسُفَ وَكَرَّرَ۔

ترجمہ: اس روایت کے آخر میں یہ لفظ زائد ہے اے یوسف کی عورتوں کی طرح بہانے بنانے والیو! اور نبی علیہ السلام نے اپنی بات کا تکرار کیا۔

فائدہ: اگلی روایت اسی مضمون کی تفصیل ہے۔

(۱۲۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا مَرِضَ الْمَرَضَ الَّذِيْ

قُبِضَ فِيهِ خَفَّ مِنَ الْوَجَعِ فَلَمَّا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ لِعَائِشَةَ مُرِيْ اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهَا اَنِّيْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ رَقِيْقٌ وَاِنِّيْ مَتٰى لَا اَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ مَقَامِهٖ اَرِقُّ لِذٰلِكَ فَاجْتَمِعِيْ اَنْتِ وَحَفْصَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَيُرْسِلُ اِلٰى عُمَرَ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ فَفَعَلْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ مُرِيْ اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَلَمَّا نُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ سَمِعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمُؤَذِّنَ وَهُوَ يَقُوْلُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِرْفَعُوْنِيْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ قَدْ اَمَرْتُ اَبَا بَكْرٍ اَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَاَنْتَ فِيْ عُذْرٍ قَالَ ارْفَعُوْنِيْ فَاِنَّهٗ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَرَفَعْتُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَقَدَمَاهُ تَخُدَّانِ الْاَرْضَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْبَكْرٍ لَحِسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَأَخَّرَ فَاَوْمَأَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ يَسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حِذَاءَهٗ يُكَبِّرُ وَيُكَبِّرُ اَبُوْبَكْرٍ بِتَكْبِيْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيْرِ اَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ مَا صَلّٰى بِالنَّاسِ غَيْرَ تِلْكَ الصَّلٰوةِ حَتّٰى قُبِضَ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ الْاِمَامَ وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَجِعٌ حَتّٰى قُبِضَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی علیہ السلام مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ایک دن درد کی شدت میں کمی محسوس کی، جب نماز کا وقت آیا تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف ایک قاصد کے ذریعے یہ پیغام بھیج دیا کہ نبی علیہ السلام آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دے رہے ہیں، انہوں نے جواباً کہلا بھیجا کہ میں بہت بوڑھا اور دل کا کمزور ہوں، جب میں نبی علیہ السلام کو ان کی جگہ پر نہ دیکھوں گا تو مجھ پر اور رقت طاری ہو جائے گی اس لیے تم اور حفصہ اکٹھے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کہ وہ عمر کے پاس لوگوں کو نماز پڑھانے کا پیغام بھیج دیں، جب حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا تو فرمایا تم تو یوسف کی عورتوں کی طرح ہو، ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

جب اذان شروع ہوئی اور نبی علیہ السلام نے مؤذن کو ''حی علی الصلوٰۃ'' کہتے ہوئے سنا تو فرمایا مجھے اٹھاؤ، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میں ابوبکر کو نماز پڑھانے کا کہہ چکی ہوں اور آپ حالت عذر میں ہیں، فرمایا مجھے اٹھاؤ، کیونکہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دو آدمیوں کے درمیان آپ کو اٹھایا، آپ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔

جب حضرت ابوبکرؓ کو نبی علیہ السلام کے مبارک قدموں کی آہٹ کا احساس ہوا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے، نبی علیہ السلام نے انہیں اشارہ کیا اور ان کی بائیں جانب آ کر بیٹھ گئے، اب نبی علیہ السلام تکبیر کہتے تھے اور نبی علیہ السلام کی تکبیر پر حضرت ابوبکرؓ تکبیر کہتے تھے اور

حضرت ابوبکرؓ کی تکبیر پر لوگ تکبیر کہتے تھے یہاں تک کہ نماز مکمل ہوگئی' پھر اس نماز کے علاوہ اپنی وفات تک آپ ﷺ نے لوگوں کو کوئی نماز نہ پڑھائی بلکہ حضرت ابوبکرؓ ہی امام رہے اور نبی علیہ السلام بیمار رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ وصال فرما گئے۔

حلِ عبارت: ''مروا'' باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی حکم دینا' اور جواب امر ''فلیصل بالناس'' ہے' ''حصر'' بمعنی رقیق القلب ''صویحبات'' صویحبة کی جمع ہے اور وہ صاحبۃ کی تصغیر ہے ''ارق'' باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی رقت طاری ہو جانا ''ارفعونی'' باب فتح سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی اٹھانا۔ ''تخدان'' اور ایک روایت میں'' تخطان'' بھی وارد ہوا ہے' دونوں باب نصر سے فعل مضارع معروف کے صیغہ تثنیہ مؤنث غائب ہیں بمعنی کھینچنا' لکیر بنانا۔

تخریج حدیث اول و ثانی: اخرجهما البخاری، ٦٧٨' ومسلم: ٩٨٤(٤٢٠)' والترمذی: ٣٦٧٢' والنسائی: ٨٣٤' وابن ماجه: ١٢٣٢۔

تخریج حدیث ثالث: اخرجه البخاری: ٦٨٧' ومسلم: ٩٣٦ (٤١٨)' والترمذی مختصراً: ٣٦٢' والنسائی: ٨٣٥' وابن ماجه: ١٢٣٤۔

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء و محدثین کرام نے بہت سے مسائل مستنبط کیے ہیں مثلاً حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کی طرف اشارہ' ان کی فضیلت کا اظہار اور نبی علیہ السلام کا ان کی امامت پر اصرار وغیرہ' ان تمام استنباطات کی صحت کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے مجھے ان کی تفصیلات میں نہیں جانا بلکہ مجھے یہاں اس نکتے کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ہے جس پر حدیث کا سیاق وسباق دلالت کرتا ہے اور وہ ہے نماز کی اہمیت۔

غور طلب بات یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ مرض الوفات میں مبتلا ہیں' بخار کی شدت حدت سے بھی آگے بڑھ چکی' نقاہت اپنی انتہا کو پھلانگ چکی اور بنو ہاشم آپ ﷺ کے چہرے بشرے کو دیکھ کر اپنی خاندانی روایات کے مطابق یہ سمجھ گئے کہ سرکار اب ہمارے درمیان بہت زیادہ عرصہ نہیں رہیں گے' لیکن ان سب کے باوجود نماز کا وقت ہو جانے پر سب سے پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟

اس سے کچھ اور آگے بڑھیں تو جب سرکار دو عالم ﷺ کے لیے خود مسجد میں تشریف آوری مشکل ہوگئی تو امام مقرر کر دیا لیکن لوگوں کو نماز کی چھٹی نہیں دی اور خود بھی نہیں چھوڑی' حالانکہ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہمیں اپنے پیغمبر کی بیماری کا بڑا غم ہے' اس غم میں کچھ بھی کرنے حتی کہ نماز پڑھنے کو بھی دل نہیں چاہتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر قدم اٹھائیں تو کتب حدیث وسیر گواہ ہیں کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اپنی امت کے لیے دو چیزوں کی وصیت سب سے آخری کلام کے طور پر جاری ہوئی' ایک نماز کی پابندی اور دوسرے ماتحتوں اور ملازموں کے ساتھ اچھا سلوک۔

زندہ قومیں اپنے بڑوں کی کم از کم آخری وصیت کو تو انتہائی اہمیت کا مقام دیتی ہیں اور ان پر دل و جان سے عمل کرتی ہیں لیکن ہم نجانے کیسی زندہ قوم ہیں کہ اس آخری وصیت کو دل و جان سے بھلا بیٹھے ہیں' ہم فراموش کر چکے ہیں کہ ہمارے پیغمبر نے چلتے چلتے آخر دم تک کس چیز کی وصیت اور تلقین کی تھی؟ ہمارے پاس اس نکتے پر سوچنے کے لیے فرصت ہی نہیں ہوتی' کیونکہ ہم بہت مصروف ہو چکے ہیں' اسی لیے ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اِمَامَةِ وَلَدِ الزِّنَا وَالْعَبْدِ وَالْاَعْرَابِیِّ

(۱۳۰) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ یَؤُمُّ الْقَوْمَ وَلَدُ الزِّنَا وَالْعَبْدُ وَالْاَعْرَابِیُّ اِذَا قَرَأَ الْقُرْاٰنَ۔

ولد الزنا' غلام اور دیہاتیوں کی امامت کا بیان

ترجمہ: ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ ولد الزنا' دیہاتی اور غلام' لوگوں کی امامت کر سکتے ہیں جبکہ قرآن پڑھ سکتے ہوں۔

حلِ عبارت: "یؤم" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی امامت کرنا' یہ دال بالجزاء مقدم ہے اور اس کی شرط "اذا قرء القرآن" مؤخر ہے۔

تخریج حدیث: هو قول تابعی' بدل علیه الاحادیث وقد اخرجه محمد بن الحسن الشیبانی فی کتاب الآثار۔

مفہوم: قانون اسلام کو دیکھتے ہوئے دیہاتی اور غلام کی امامت پر تو کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا' یہی وجہ ہے کہ اگر سروے کروایا جائے تو پورے پاکستان میں مثلاً اگر ہزار مساجد ہوں تو ان میں سے نو سو مساجد کے ائمہ کا تعلق کسی گاؤں' پنڈ اور دیہات سے ہوگا' اور غلاموں کا دور اگرچہ ختم ہو چکا ہے لیکن ابتداء میں طبقہ موالی میں بڑے بڑے جلیل القدر فقہاء' محدثین' قاضی اور ائمہ گزرے ہیں جن کی جلالتِ قدر ہر زمانے میں متفقہ رہی ہے اس لیے اس پر تو حرف اعتراض نہیں اٹھایا جا سکتا۔

البتہ ولد الزنا کے بارے ذہن امامت کے تصور کو قبول نہیں کرتا اور دلیل یہ دیتا ہے کہ جس کی نیو اور بنیاد ہی گندگی پر اٹھائی گئی ہو اس سے بھلائی کی توقع رکھنا ایسے ہی ہے جیسے ایلوا کے درخت سے کھجور اگنے کی توقع رکھنا' اور یوں بھی معاشرے میں اس کی حیثیت ایک پھٹکار زدہ دھتکارے ہوئے شخص کی ہوتی ہے اس لیے فطری طور پر لوگ اسے مصلیٰ امامت پر کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو اس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس گندگی اور غلاظت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اس بچے کا کیا قصور ہے؟ کیا اس بچے نے کسی نوجوان لڑکے اور لڑکی کو اپنے گناہ پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لیے مجبور کیا تھا؟ یا عالم ارواح میں اس بچے سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا جس کی سزا عالم اجساد میں اسے اس طرح بھگتنا پڑی؟ یقیناً ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور ہونا بھی چاہیے۔

پھر اگر وہ بچہ اپنی پیشانی سے گندگی کے اس داغ کو مٹانے کے لیے اپنے آپ کو زیور علم سے آراستہ کرتا ہے' قرآن کریم پڑھنا سیکھتا ہے' اس کے معانی و مفاہیم پر دسترس حاصل کرتا ہے اور دینی رہنمائی سے اپنی زندگی کو آشنا کرتا ہے' تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں طنز و تشنیع کے تیر اپنے سینے پر جھیلنا پڑیں۔

والد الزنا کی امامت سے اگر ہمارے ذہن میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ گناہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کو یوں ہی مصلّی امامت پر کھڑا کر دینا جائز ہے تو یہ تصور غلط ہے' والد الزنا کی امامت کا جواز بھی انہی شرائط پر موقوف ہے جن شرائط پر ایک عام آدمی کی امامت موقوف ہوتی ہے۔

بَابُ الْاِثْـنَيْنِ جَمَاعَةٌ

(۱۳۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰى بِرَجُلٍ فَصَلّٰى خَلْفَهٗ وَامْرَأَةٌ خَلْفَ ذٰلِكَ صَلّٰى بِهِمْ جَمَاعَةً۔

دو آدمی بھی جماعت کے حکم میں ہوتے ہیں

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھی' وہ آدمی نبی علیہ السلام کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک عورت اس کے پیچھے کھڑی ہوئی اور نبی علیہ السلام نے ان سب کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی۔

حل عبارت: "صلی" کے صلے میں اگر باء یا لام آجائے تو اس کا معنی نماز پڑھنا نہیں ہوتا بلکہ نماز پڑھانا ہوتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری ما فی معناه: ۷۲۷' والنسائی: ۸۷۰' وابن ماجه: ۹۷۵'

مفہوم: کتب حدیث کے تتبع و استقراء سے اس نوعیت کے تین واقعات ہمارے علم میں آئے ہیں۔

۱۔ اس قسم کے ایک واقعہ میں نبی علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کا نام حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آتا ہے اور خاتون کا نام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آتا ہے۔

۲۔ دوسرے واقعے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آتا ہے۔

۳۔ تیسرے واقعے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا نام آتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں ان تینوں میں سے جو واقعہ بھی مراد ہو' اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ مقتدی اکیلا ہونے کی صورت میں پچھلی صف میں کھڑا ہونے کی بجائے امام کے ساتھ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ حکم بھی یہی ہے تو پھر یہاں ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو میں سے ایک خرابی تو بہرحال لازم آنا ہی تھی' یا تو وہ خرابی جس کا سوال میں تذکرہ کیا گیا ہے یا پھر خاتون کو بھی مرد کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا' اس صورت میں محاذاۃ مراۃ لازم آتی' پہلی

خرابی سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور دوسری خرابی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لیے اہون البلیتین کے طور پر کراہت والی صورت کو گوارا کر لیا گیا تا کہ فساد نماز والی صورت سے بچا جا سکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَصِلُ الصُّفُوفَ

(۱۳۲) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ الصُّفُوْفَ۔

صفوں کے ملانے والوں کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو صفوں کو ملاتے ہیں۔

حل عبارت: "يُصَلُّوْنَ" اور "يَصِلُوْنَ" میں فرق ہے اول الذکر باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی دعاء رحمت کرنا' نزول رحمت کرنا اور ثانی الذکر باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ملانا "الصفوف" صف کی جمع ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۹۹۵' وابوداؤد: ٦٧٦۔

مفہوم: صفوں کی درستگی نماز کے لیے بہت ضروری ہے' خود جناب رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کی درستگی کا اہتمام فرماتے تھے اور آپ ﷺ کے اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نمازیوں کی صفیں تیر کی طرح سیدھی ہو جاتی تھیں اور ان میں ایسا سیدھا پن ہوتا تھا کہ اگر کوئی آدمی اس سے تیر کو سیدھا کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

اس قدر بلیغ اہتمام کے بعد ایک دن نبی علیہ السلام نے حجت تمام کر دی اور فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی رکھا کرو' ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا فرما دے گا۔

سردی کے موسم میں یہ منظر بکثرت دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد کا ہال مکمل طور پر خالی ہوتا ہے اور صحن دھوپ سے بھرا ہونے کی وجہ سے لوگوں سے بھی بھرا ہوتا ہے' دھوپ کی سکائی سے فائدہ اٹھانے کی خاطر کوئی شخص بھی اپنی جگہ سے ٹلنے کے لیے تیار نہیں ہوتا' ائمہ وخطباء مساجد مائیک پر اپنا گلا پھاڑ پھاڑ کر ان سے اندر کا حصہ پورا کرنے کی درخواست کر رہے ہوتے ہیں لیکن نمازی حضرات زمیں جنبد' نہ جنبد گل محمد کا مصداق بن کر اپنی جگہ جمے ہوتے ہیں' کچھ لوگوں کو بیچارے امام پر ترس آ جاتا ہے تو وہ مریلوں کی طرح رینگ رینگ کر آگے بڑھتے ہیں اور خالی جگہ پر کرنے کی بجائے اپنے ساتھ ڈیڑھ آدمی کی ایک نئی صف بنا لیتے ہیں۔

یقیناً ایسے لوگ اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعاء مغفرت سے محروم رہتے ہیں' سوچنے والی بات ہے کہ نماز پڑھ کر

بھی اگر کوئی شخص اللہ کی رحمتوں اور فرشتوں کی دعاؤں سے محروم رہے تو اس سے بڑھ کر محروم کون ہوسکتا ہے؟

بَابُ مَنْ شَهِدَ الْفَجْرَ وَالْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ

(۱۳۳) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ شَهِدَ الْفَجْرَ وَالْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ۔

فجر وعشاء کی جماعتوں میں شرکت کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص فجر اور عشاء کی نماز میں جماعت کے ساتھ شریک ہوا' اس کے لیے دو قسم کی براءت لکھی جائے گی' ایک نفاق سے براءت اور ایک شرک سے براءت۔

(۱۳۴) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ دَاوَمَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا عَلٰى صَلٰوةِ الْغَدٰوةِ وَالْعِشَاءِ فِيْ جَمَاعَةٍ كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ۔

ترجمہ: اس روایت میں فجر اور عشاء پر چالیس دن مداومت کا ذکر ہے' باقی مضمون وہی ہے۔

حل عبارت: "براء تان" مبدل منہ ہے اور "براء ۃ" اس سے بدل واقع ہو رہا ہے "داوم" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہمیشگی کرنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البيهقي في الشعب: ۲۸۷۵' والهندی: ۲۶۰۰' وعبدالرزاق: ۲۰۱۹۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن ماجه: ۷۹۸۔

مفہوم: زیر بحث حدیث میں فجر اور عشاء کی تخصیص کی بہت سی وجوہات شراح اور فقہاء کرام نے بیان فرمائی ہیں لیکن ان میں سے سب سے زیادہ آسان اور قابل قبول توجیہ یہ ہے کہ چونکہ عشاء کے وقت انسان دن بھر کا تھکا ہارا اپنے گھر کو لوٹتا ہے اس لیے اس کی ہمت اس کا ساتھ نہیں دیتی پھر شیطان کی تھپکی اور ڈرامہ کی دلچسپی اس پر مستزاد ہوتی ہے اور فجر کے وقت انسان خواب غفلت میں مدہوش ہوتا ہے' اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب مؤذن نے "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا نعرہ لگایا اور کب سورج نکل کر سر پر چڑھ آیا' پھر اسے یہ بھی فکر ہوتی ہے کہ اگر میں فجر کے وقت اٹھ گیا تو نیند پوری نہیں ہوگی دفتر میں جا کر نیند کے جھونکے آئیں گے' اگر فجر کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سو گیا تو آنکھ وقت مقررہ پر نہیں کھلے گی۔

یہ اور اس طرح کے بہانے اس کے نزدیک ایسے قطعی اور مؤثر دلائل کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں سے ایک ایک بہانہ ہزاروں دلائل پر غالب ہے' ظاہر ہے کہ ایسے مواقع پر نفس اور شیطان کی ناراضگی اور دشمنی مول لے کر جو شخص نماز پڑھنے کے لیے متوجہ ہو' اسے اضافی انعام بھی ضرور ملنا چاہیے' چنانچہ اس حدیث میں دو انعام ذکر کیے گئے ہیں۔

ا۔ نفاق سے براءت یعنی اتنی محنت برداشت کرنے والا شخص حقیقی منافق نہیں ہو سکتا۔
۲۔ شرک سے براءت یعنی اتنی محنت برداشت کرنے والا شخص حقیقی مشرک کبھی نہیں ہو سکتا۔

اور بعض احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم سے آزادی کا فیصلہ فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو خصوصیت کے ساتھ ان دونوں نمازوں اور عمومیت کے ساتھ تمام نمازوں پر مداومت کی توفیق عطاء فرمائے اور اس پر کیے گئے اجر و ثواب کے وعدے کو ہمارے حق میں بھی قبول فرمائے۔ آمین۔

بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ اِلَى الْمَسَاجِدِ

(۱۳۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ فِي الْخُرُوْجِ لِصَلٰوةِ الْغَدَاوةِ وَالْعِشَاءِ لِلنِّسَآءِ فَقَالَ رَجُلٌ اِذًا يَتَّخِذُوْنَهٗ دَغْلًا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُ هٰذَا۔

خواتین کے مساجد میں آنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں کو بھی نماز فجر اور عشاء میں آنے کی اجازت دے رکھی تھی، ایک آدمی نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ اس زمانے کی عورتیں تو اسے اپنے لیے دلیل بنا لیں گی؟ تو فرمایا کہ میں تمہیں نبی علیہ السلام کے حوالے سے حدیث سنا رہا ہوں اور تم اس کے مقابلے میں اپنی بات کہہ رہے ہو۔

حل عبارت: "رخص" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رخصت دینا "یتخذونہ" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی پکڑنا، اور ایک روایت میں جمع مؤنث کا صیغہ بھی آیا ہے "دغلا"، بمعنی مکر و فریب، دلیل، حیلہ، بہانہ۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۹۹۲ (۴۴۲)، والبخاری مختصراً: ۸۶۵، وابوداؤد: ۵۶۸، والترمذی: ۵۷۰، وابن ماجه: ۱۶۔

مفہوم: بنیادی طور پر خواتین کو چند قیودات کی پابندی کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لیے آنے کی اجازت ہے لیکن اگر ان قیود و شرائط کی پابندی کا خیال نہ رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ اس اجازت پر پابندی لگائی جائے گی۔
چنانچہ ان شرائط میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

ا۔ مسجد میں بے حجابانہ مت آئیں۔
۲۔ چمکیلے اور بھڑکیلے لباس پہن کر اور عطر کی خوشبو میں اپنے آپ کو بسا کر مت آئیں۔
۳۔ کھنکھتے ہوئے زیورات نہ پہن کر آئیں۔

۴۔ مردوں کے ساتھ گھلنے ملنے نہ پائیں۔
۵۔ راستے میں کسی اوباش کے تنگ کرنے کا خطرہ ہو تو گھر ہی میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیں۔

یہ اور اس جیسی دیگر شرائط کی موجودگی میں خواتین مسجد میں آ سکتی ہیں' یہی وجہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے بلال نے اس معاملے میں ان سے تکرار کی کوشش کی تو انہوں نے اسے حدیث سے معارضہ تصور کیا اور کتب حدیث کے مطابق انہوں نے اسی موقع پر قسم کھا لی کہ میں آئندہ تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا کیونکہ تو حدیث کا مقابلہ کرتا ہے اور یہ بات میری غیرت ایمانی برداشت نہیں کر سکتی چنانچہ پھر اس کے بعد انہوں نے زندگی بھر اپنے بیٹے سے بات نہیں کی' معلوم ہوا کہ حدیث کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی رائے کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

بَابٌ اِذَا حَضَرَ الْعِشَاءُ وَالْعَشَاءُ

(۱۳۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا نُوْدِيَ بِالْعِشَاءِ وَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ۔

جب رات کا کھانا اور نمازِ عشاء اکٹھے ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر عشاء کی اذان ہو چکی ہو اور مؤذن اقامت کہہ چکا ہو (بھوک شدید لگی ہوئی ہو اور کھانا آ جائے) تو پہلے کھانا کھا لو۔

حل عبارت: "العشاء" عین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو معنی ہو گا نماز عشاء' اور عین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو معنی ہو گا رات کا کھانا' "فابدء وا" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ابتداء کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائی: ۸۵۴' والترمذی: ۳۵۳' والبخاری: ۵۴٦۵' ومسلم: ۱۲۴۱ (۵۵۷) وابن ماجه: ۹۳۳۔

مفہوم: یہ مسئلہ جسے بھی معلوم ہوتا ہے وہ اپنی زندگی میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کر کے اپنے تئیں مطمئن ہو جاتا ہے اور مزیداری کی بات یہ ہے کہ منکرین حدیث بھی پورے ذخیرۂ حدیث کا انکار کر دینے پر تلا ہوا ہونے کے باوجود اس حدیث کا انکار نہیں کرتے کیونکہ اس حدیث سے ان کے ذاتی مفادات پر کوئی زد نہیں پڑتی بلکہ الٹا حفاظت ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو اس حدیث کو بیان جواز اور بیان رخصت کے پہلو سے کسی صورت آگے نہیں بڑھایا جا سکتا اور امر کا صیغہ دکھا کر اس کے وجوب پر استدلال کرنے کا دھوکہ بھی نہیں دیا جا سکتا چنانچہ فقہاء د

محدثین نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ حکم شدت جوع پر محمول ہے کہ اگر بھوک اتنی زیادہ لگی ہوئی ہو کہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا ہو اور اس حالت میں کوئی بھی کام صحیح طور پر ہونے کا امکان نہ ہو تو نماز کھڑی ہونے کے باوجود اتنے لقمے کھانا لینا جائز ہے جو کسی نہ کسی حد تک گزارے کا کام دے دیں اور انسان کی بھوک کسی حد تک کم ہو جائے' اس کے بعد وہ نماز پڑھ لے اور بعد ازاں اپنی بھوک کو مٹا لے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّيُ وَحْدَهٗ ثُمَّ يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ

(۱۳۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ جَابِرِ ابْنِ الْاَسْوَدِ اَوِالْاَسْوَدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا الظُّهْرَ فِيْ بُيُوْتِهِمَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُمَا يَرَيَانِ اَنَّ النَّاسَ قَدْ صَلُّوْا ثُمَّ اَتَيَا الْمَسْجِدَ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الصَّلٰوةِ فَقَعَدَا نَاحِيَةً مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُمَا يَرَيَانِ اَنَّ الصَّلٰوةَ لَا تَحِلُّ لَهُمَا فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَرَاٰهُمَا اَرْسَلَ اِلَيْهِمَا فَجِيْءَ بِهِمَا وَفَرَائِصُهُمَا تَرْتَعِدُ مَخَافَةَ اَنْ يَكُوْنَ قَدْ حَدَثَ فِيْ اَمْرِهِمَا شَيْءٌ فَسَالَهُمَا فَاَخْبَرَاهُ الْخَبَرَ فَقَالَ اِذَا فَعَلْتُمَا ذٰلِكَ فَصَلِّيَا مَعَ النَّاسِ وَاجْعَلَا الْاُوْلٰى هِيَ الْفَرْضَ۔

وَقَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ جَمَاعَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ فَقَالُوْا عَنِ الْهَيْثَمِ يَرْفَعُهٗ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ

اگر کوئی شخص تنہا فرض پڑھ آئے اور پھر جماعت پالے تو وہ کیا کرے؟

ترجمہ: مروی ہے کہ دو آدمیوں نے دور نبوت میں ظہر کی نماز اپنے گھر میں پڑھ لی' ان کا گمان یہ تھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں' پھر وہ دونوں مسجد میں آئے تو نبی علیہ السلام نماز پڑھا رہے تھے' وہ دونوں مسجد کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے اور ان کا خیال یہ تھا کہ اب دوبارہ نماز پڑھنا ان کے لیے جائز نہیں' جب نبی علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے اور انہیں بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہیں بلوایا' جب ان دونوں کو لایا گیا تو ان کے اعضاءِ جسم تھر تھر کانپ رہے تھے اس خوف سے کہ ان دونوں کے معاملے میں کوئی نیا حکم نہ آ گیا ہو' نبی علیہ السلام نے ان سے حقیقت حال پوچھی تو ان دونوں نے ساری بات بتا دی' نبی علیہ السلام نے فرمایا جب ایسا ہو جائے تو لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیا کرو اور پہلی نماز کو ہی فرض سمجھا کرو۔

یہ حدیث ایک جماعت نے امام صاحبؒ سے ہیثم سے بھی مرفوعاً نقل کی ہے۔

حل عبارت: "صلیا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی نماز پڑھنا "یریان" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی دیکھنا' مراد خیال کرنا ہے "فجیء" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا' چونکہ اس کے صلے میں ب آ رہا ہے اس لیے یہاں مراد لانا ہوگا "فرائصھما" کندھوں کے درمیان گوشت کے حصے کو کہتے ہیں "ترتعد" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے

بمعنی کانپنا۔ "فصلیا" یہ باب تفعیل سے امر معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر حاضر ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائي: ٨٥٩، والترمذي: ٢١٩، واحمد: ١٧٦١٣، والطيالسي: ١٢٤٧، وابوداؤد: ٥٧٥، والدارمي: ١٣٧٤، وابن خزيمه: ١٢٧٩۔

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ اصول نکالا ہے کہ ایک ہی دن کی ایک ہی فرض نماز دو مرتبہ نہیں پڑھی جا سکتی' جب بھی وہ نماز پہلی مرتبہ مخصوص نیت کے ساتھ پڑھی جائے گی خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر' وہ ادا ہو جائے گی اس کے بعد اگر اسی دن کی وہی نماز دوبارہ پڑھی جائے تو اس پر فرائض کا ثواب کسی صورت نہیں مل سکتا بلکہ اس نماز کو نفل شمار کیا جائے گا اور اس پر نوافل کا ہی ثواب مرتب ہوگا' یہی وجہ ہے کہ ایک شخص کے لیے بیک وقت دو مسجدوں میں امامت کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز مثلاً ایک مسجد میں پڑھائے' پھر وہی ظہر کی نماز جا کر دوسری مسجد میں پڑھا دے' کیونکہ اس صورت میں پہلی مسجد کے مقتدیوں کی تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن دوسری مسجد کے مقتدیوں کی نماز صحیح نہ ہو گی کیونکہ یہ "اقتداء المفترض بالمتنفل" ہے اور یہ ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

(۱۳۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوْا يَرُوْحُوْنَ اِلَى الْجُمُعَةِ وَقَدْ عَرِقُوْا وَتَلَطَّخُوْا بِالطِّيْنِ فَقِيْلَ لَهُمْ مَنْ رَاحَ اِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ النَّاسُ عُمَّارَ اَرْضِهِمْ وَكَانُوْا يَرُوْحُوْنَ يُخَالِطُهُمُ الْعَرَقُ وَالتُّرَابُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا حَضَرْتُمُ الْجُمُعَةَ فَاغْتَسِلُوْا۔

جمعہ کے دن غسل کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ لوگ دوسرے پہر جمعہ کے لیے روانہ ہوتے تھے' مٹی میں لتھڑنے کی وجہ سے وہ پسینہ پسینہ ہوتے تھے' اس لیے انہیں یہ حکم دیا گیا کو جو شخص جمعہ کے لیے روانہ ہو' اسے چاہیے کہ وہ غسل کر کے آئے' اور ایک روایت میں یہ ہے کہ لوگ اپنی زمینوں کو (کھیتی باڑی کے ذریعے) خود ہی آباد رکھتے تھے اور جب جمعہ کے لیے روانہ ہوتے تو پسینہ اور مٹی میں ڈوبے ہوتے تھے' اس موقع پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم نماز جمعہ کے لیے آیا کرو تو غسل کر کے آیا کرو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۳۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالْمَنْصُوْرُ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلٰى مَنْ اَتَى الْجُمُعَةَ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن غسل کرنا اس شخص پر واجب

ہے جو جمعہ کے لیے آئے۔

حَلِّ عبارت: "یروحون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی دوپہر کو چلنا "عرقوا" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی پسینہ آنا "تلطخوا" باب تفعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی آلودہ ہونا "عمار" عامر کی جمع ہے بمعنی آباد کار "اتی" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۹۰۳، ومسلم: ۱۹۵۸ (۸٤۷)، وابوداؤد: ۳۵۲، والنسائی: ۱۳۸۰، والطحاوی، ٦۸٤۔

تخریج حدیث ثانی: اخرج البخاری مثله: ۸۷۷، وابوداؤد: ۳٤۰، والترمذی: ٤۹۲، والنسائی: ۱۳۷۷، وابن ماجه: ۱۰۸۸۔

مفہوم: جمعہ کا دن سید الایام اور فضائل و برکات سے بھرپور ہونے کے سبب اپنے اندر عید کا سا احساس رکھتا ہے اس لیے نماز جمعہ سے قبل غسل کرنا' صاف ستھرے کپڑے پہننا اور خوشبو لگا کر خوب تیار ہو کر مسجد میں جانا اس کا تقاضا بھی بنتا ہے بالخصوص جبکہ صورت حال وہ ہو جس کا ترجمۂ حدیث میں ذکر کیا گیا۔

دیگر محدثین کی روش سے ہٹ کر یہ تشریح اس لیے کی گئی تا کہ مؤخر الذکر حدیث کو منسوخ ماننے کی یا اس میں تاویل کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور یہ بات واضح ہو جائے کہ جب بھی نمازیوں کے اجتماع اور ان کے پسینے کی وجہ سے مسجد میں گھٹن کا ماحول پیدا ہو اور ایسی کیفیت کا احساس ہو جس سے مسجد میں موجود ملائکہ کو اذیت پہنچنے کا امکان ہو' اس وقت یہ حکم دوبارہ متوجہ ہو جائے گا اور غسل جمعہ واجب قرار پائے گا اور جب ایسی کیفیت ختم ہو جائے تو کچھ عرصہ کے لیے اس پر حکم ملتوی ہو جائے گا۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے قانون کی کتابوں میں بے شمار قوانین اور آئینی جزئیات موجود ہوتی ہیں لیکن ہر وقت ہر قانون پر عملدرآمد ہوتا ہے اور نہ ہی ہر وقت وہ حالات موجود ہوتے ہیں جن کی بناء پر وہ آئینی حکم لاگو کیا جا سکے' البتہ آئین میں ان کی موجودگی اس لیے ضروری ہوتی ہے کہ جب کبھی وہ حالات پیدا ہوں تو اس کا آئینی حکم موجود ہو' زیر بحث قانون کو اگر اس مثال پر منطبق کر لیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْجَلْسَةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ

(۱٤۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطِیَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ جَلَسَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ جَلْسَةً خَفِیْفَةً۔

خطبہ سے پہلے بیٹھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن جب منبر پر رونق افروز ہوتے' تو خطبہ سے قبل تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۴۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ رَجُلًا حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ سَالَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ خُطْبَةِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ لَهٗ اَمَا تَقْرَأُ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَا اَعْلَمُ قَالَ فَقَرَأَ عَلَيْهِ وَاِذَا رَأَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے جمعہ کے دن نبی علیہ السلام کے خطبہ کی کیفیت کے متعلق دریافت کیا' انہوں نے فرمایا کیا تم نے سورۂ جمعہ نہیں پڑھ رکھی؟ اس نے کہا کیوں نہیں! لیکن میں سمجھ نہیں سکا' راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی کہ جب وہ تجارت یا لہو ولعب کی کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ اٹھتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

حل عبارت: "صعد" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چڑھنا' "جلسة خفيفة" موصوف صفت مل کر "جلس" کے لیے مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه ابوداؤد: ۱۰۹۲۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن ماجه: ۱۱۰۸۔

مفہوم: ۱۔ خطبہ سے قبل تھوڑی دیر بیٹھنا اذان کی وجہ سے ہونے کا بھی امکان ہے جیسا کہ آج کل حرمین شریفین میں یہی طریقہ مروج ہے۔

۲۔ سورۂ جمعہ کی آیت میں لفظ "قائما" سے استدلال کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

۳۔ سنن ابن ماجہ کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام جب منبر پر رونق افروز ہوتے تو سلام کرتے تھے جیسا کہ حرمین شریفین میں اب تک یہی طریقہ رائج ہے اور اس کی تائید مسند احمد میں حضرت براء بن عازبؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہم لوگ عیدگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی علیہ السلام آ گئے، اور نبی علیہ السلام نے لوگوں کو سلام کیا۔ (مسند احمد: ۱۸۶۸۲)

۴۔ جمعہ کے دن نماز جمعہ کی مناسبت اور اہمیت سے لوگوں کا ایک بڑا اجتماع ہوتا ہے جسے دیکھ کر عید کا احساس ہوتا ہے اسی مناسبت سے "خطبۂ جمعہ" مشروع کیا گیا ہے تاکہ عوام الناس تک دین کی ضروری اور اہم تعلیمات سادہ اور سہل انداز میں پہنچائی جا سکیں' عقائد کی اصلاح' مالی معاملات میں امانت و دیانتداری کی اہمیت' معاشرتی و اخلاقی رہنمائی اور آدابِ عبادت

لوگوں پر واضح کیے جا سکیں۔

لیکن آہستہ آہستہ خطباء نے اس نہج سے ہٹنا شروع کر دیا اور اب ہندو پاک میں خصوصاً اور دوسرے بہت سے ممالک میں عموماً ہر خطیب نے اپنی پسند کا ایک عربی خطبہ منتخب کر لیا ہے اور وہ ہر جمعہ کو اپنے رٹے ہوئے الفاظ لوگوں کو آ کر سنا دیتا ہے اور مندرجہ بالا ضروریات کی تکمیل کے لیے اردو کی تقریر کا اضافہ کر لیا گیا ہے لیکن اس اضافے کے باوجود بہت سے خطباء اپنے اصل مقاصد کی تکمیل سے محروم رہے اور انہوں نے اپنی اڑان چند مشہور خطباء اور واعظین کی کیسٹوں، خطبات اور اسلامی صحافت کے چند علمبردار اخبارات و رسائل تک ہی محدود رکھی، حالانکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عوام کی ذہن سازی کرنا کچھ مشکل نہ تھا، البتہ اس کے لیے مشنری جذبہ اور لگن مہیا کرنا یقیناً کارے دارد۔

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ

(۱۴۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَحْمَدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ الْكُوْفِيِّ عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ يُوْسُفَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ اَبِىْ جَنَادَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِىْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِيْنَ۔

جمعہ کی نماز میں کیا پڑھا جائے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۴۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ اَنَّهٗ كَانَ يَقْرَأُ فِى الْعِيْدَيْنِ وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ عیدین کے موقع پر اور جمعہ کے دن ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' اور ''ہل اتاک حدیث الغاشیۃ'' کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

حل عبارت: "**فی العیدین ویوم الجمعة**" معطوف اور معطوف علیہ حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو کر "یقرأ" فعل با فاعل کے متعلق ہوں گے، اور ضابطہ کے مطابق یہ استمرار تجددی ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ۲۰۲٦ (۸۷۷)، وابوداؤد: ۱۱۲٤، والترمذی: ۵۱۹، والنسائی: ۱٤۲۲، وابن ماجه: ۱۱۱۸، واحمد: ۲/٤۲۹۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه مسلم: ۲۰۲۸ (۸۷۸)، وابوداؤد: ۱۱۲۵، والنسائی: ۱٤۲۳، وابن ماجه: ۱۱۲۰۔

مفہوم: ان دونوں حدیثوں کا تعلق یوم جمعہ کی نماز فجر سے نہیں' بلکہ نماز جمعہ کے ساتھ ہے' کیونکہ جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دھر کی تلاوت سنت سے ثابت ہونے کا ذکر کتب حدیث میں مکمل سند کے ساتھ ملتا ہے' اس لیے ان سورتوں کا ''جن کا ذکر زیر بحث حدیثوں میں آیا ہے'' تعلق نماز جمعہ کے ساتھ ہی ہے۔

اول الذکر دو سورتوں میں سے پہلی سورت کے انتخاب کی وجہ تو اس کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کا نام ہی سورۂ جمعہ ہے اور دوسری سورت کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے اجتماع میں مخلص اور منافق دونوں طرح کے لوگ ہوتے تھے' اس سے مخلصین کو یہ پیغام مل جاتا کہ منافقین مار آستین ہیں' ان سے بچ کر رہنا اور منافقین کو یہ پیغام مل جاتا کہ تمہارے دلوں میں آنے والے خیالات اور زبانوں پر چلنے والے الفاظ سے ہم بذریعہ وحی مطلع ہو جاتے ہیں اس لیے ہمیں لاعلم مت سمجھنا۔

اور مؤخر الذکر دو سورتوں میں سے سورۂ اعلیٰ کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کائنات رنگ و بو میں بسنے والے ہر عاقل کے لیے کامیابی اور فوز و فلاح کا ایک دستور اور اصول متعین طور پر بتا دیا گیا ہے' انسان اس دستور کو فراموش نہ کر بیٹھے اس لیے اکثر اس سورت کو منتخب کیا جاتا اور سورۂ غاشیہ کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قیامت کے دن اہل جنت اور اہل جہنم کے دو گروہ اپنی اپنی علامتوں اور چہرے بشرے سے ہی شناخت کیے جاسکیں گے' اسکے بعد عذاب و ثواب کا امتیاز الگ ہوگا' اب تم یہ سوچ لو کہ ان دونوں میں سے کس گروہ کے ساتھ شامل ہونا تمہیں پسند ہے؟ نیز یہ کہ تمہیں کس قسم کا انجام پسند ہے؟ ہر جمعہ اس سورت کی تلاوت سے اپنے انجام کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ مَنْ مَّاتَ لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ

(۱۴۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ قَیْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ لَیْلَةِ جُمُعَةٍ اِلَّا وَیَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی خَلْقِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ یَغْفِرُ اللّٰهُ لِمَنْ لَّا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا۔

شب جمعہ میں فوت ہونے والے کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر شب جمعہ کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر تین مرتبہ نظر کرم فرماتے ہیں اور ہر اس آدمی کی بخشش فرما دیتے ہیں جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس کے قریب قریب ہے۔

(۱۴۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَاتَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وُقِیَ عَذَابَ الْقَبْرِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوا اسے عذاب قبر سے بچالیا جائے گا۔

حلِ عبارت: "ما" نافیہ ہے اور "الا" برائے استثناء اس سے کلام میں حصر پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے' "ینظر" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دیکھنا "یغفر" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بخش دینا "مات" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مر جانا "وقی" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بچانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الحارثي: ص٢٣٦ واما الحديث الثانى فقد اخرجه الترمذى: ١٠٧٤' وابو يعلى: ٤٠٥٣' وابن عدى: ٨٥٤٣، وعبدالرزاق: ٥٥٩٦، واحمد: ٦٥٨٢۔

مفہوم: بنیادی طور پر پہلی حدیث میں شب جمعہ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے اور دوسری حدیث میں یوم جمعہ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے لیکن ضمنی طور پر شرک کی مذمت پر بھی یہیں سے روشنی پڑ جاتی ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی بھی نوعیت میں کسی بھی شخص یا چیز کو شریک سمجھتا ہے' وہ اللہ کی اس نظر کرم سے محروم رہتا ہے جس سے باقی ساری خلق خدا مستفید ہوتی ہے اور یہیں سے عذاب قبر کا ثبوت بھی مل گیا جس کا بعض لوگ نادانی سے انکار کر دیتے ہیں۔

شب جمعہ اور یوم جمعہ کے فضائل کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہاں اس سوال کو حل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخر ان کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ کسی اور دن ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کا ایک جواب تو سیدھا سادھا ہے کہ اگر کسی اور دن کی یہ فضیلت ہوتی تب بھی سائل کا سوال برقرار رہتا کہ اس حکم کی اس دن کے ساتھ تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس لیے ایک اعتبار سے یہ سوال ہی بے موقع ہے۔

اور دوسرا جواب ''جو ذرا لچھے دار ہے اور اسے عام طور پر ''تحقیقی جواب'' کے شاندار خطاب سے نوازا جاتا ہے'' یہ ہے کہ جمعہ کے دن اللہ کے حکم سے جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور آتش جہنم کو بھڑکانا موقوف کر دیا جاتا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پروردگار کا دریائے رحمت جوش میں ہوتا ہے' اسی کا مظاہرہ ان دو صورتوں میں ہوتا ہے کہ ایک تو ہر مؤمن کی بخشش کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور دوسرا ہر مرنے والے کو عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے کیونکہ عذاب قبر' عذاب جہنم کا نمونہ ہے اور عذاب جہنم کو موقوف کر دیا گیا ہے لہٰذا عذاب قبر کو بھی موقوف کر دیا جائے گا لیکن اگر ایک دن اور رات گزرنے کے بعد عذاب قبر کو شروع کر دیا جائے تو اس سے بندے کو زیادہ تکلیف ہوگی اور وہ ذہنی طور پر بھی اذیت محسوس کرے گا اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ جو ابتداءً عذاب قبر سے محفوظ رہا وہ بعد میں بھی اس میں مبتلا نہیں کیا جائے گا' گویا اس دن فوت ہونا انسان کی سعادت ونجابت اور کامیابی کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الرُّخْصَةِ لِلنِّسَآءِ فِى الْخُرُوْجِ اِلَى الْخَيْرِ وَدَعْوَةِ الْمُسْلِمِيْنَ

(۱۴۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَمَّنْ سَمِعَ اُمَّ عَطِيَّةَ تَقُوْلُ رُخِّصَ لِلنِّسَآءِ فِى الْخُرُوْجِ اِلَى الْعِيْدَيْنِ حَتّٰى لَقَدْ كَانَتِ الْبِكْرَانِ تَخْرُجَانِ فِى الثَّوْبِ الْوَاحِدِ حَتّٰى لَقَدْ كَانَتِ الْحَائِضُ تَخْرُجُ فَتَجْلِسُ فِىْ عُرْضِ النَّاسِ يَدْعُوْنَ وَلَا يُصَلِّيْنَ۔

خواتین کے لیے نیکی اور دعاء میں نکلنے کی رخصت ہے

ترجمہ: حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ عیدین کی نماز کے لیے عورتوں کے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے' یہی وجہ ہے کہ دو لڑکیاں ایک کپڑے میں (ایک چادر اوڑھ کر) بھی چلی جاتی تھیں حتی کہ حائضہ عورت بھی نکلتی تھی اور لوگوں کے آخر میں جا کر بیٹھ جاتی' ایسی عورتیں دعاء میں شریک ہوتی تھیں' نماز نہیں پڑھتی تھیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۴۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كَانَ يُرَخَّصُ لِلنِّسَاءِ فِى الْخُرُوْجِ اِلَى الْعِيْدَيْنِ مِنَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَتْ اِنْ كَانَ الطَّامِثُ لَتَخْرُجُ فَتَجْلِسُ فِىْ عُرْضِ النِّسَاءِ فَتَدْعُوْ فِى الْعِيْدَيْنِ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَتْ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نُخْرِجَ يَوْمَ النَّحْرِ وَ يَوْمَ الْفِطْرِ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضَ فَاَمَّا الْحُيَّضُ فَيَعْتَزِلْنَ الصَّلٰوةَ وَيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَتْ اِمْرَأَةٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا كَانَتْ اِحْدٰنَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسُهَا اُخْتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔

ترجمہ: ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں جناب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن پردہ میں رہنے والی اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدگاہ میں لے جایا کریں' البتہ حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہیں لیکن خیر کے اس موقع پر اور مسلمانوں کی دعاء میں موجود رہیں' ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ فرمایا اس کی بہن اسے اپنے ساتھ اپنی چادر اوڑھا لے۔

حلِ عبارت: "رخص" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رخصت دینا "البکران" بکر کی تثنیہ ہے بمعنی کنواری لڑکی' "عرض" عین کے ضمہ کے ساتھ کنارہ کے معنی میں ہے "یدعون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی دعا کرنا "الطامث" بمعنی الحائض "ذوات الخدور" پردہ نشین خواتین "الحیض" حائض کی جمع مکسر ہے۔ "یعتزلن" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی جدا رہنا "لتلبسھا" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پہنانا "جلباب" بڑی چادر کو کہتے

ہیں جس سے جسم اچھی طرح ڈھانپا جا سکے۔

تخریج: اخرجه البخاری: ۹۸۱، ومسلم: ۲۰۵۶ (۸۹۰)، وابوداؤد: ۱۱۳۶، والترمذی: ۵۳۹، والنسائی: ۱۵۵۹، وابن ماجه: ۱۳۰۷۔

مفہوم: ہر قوم میں خوشی اور تہوار کے مخصوص ایام ہوتے ہیں جن میں چاروں طرف مسرت وشادمانی کا رقص دکھائی دیتا ہے، ہر شخص کسی نہ کسی طریقے سے اپنی خوشی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے اور ہر شخص مہمان نوازی کے لیے اپنے مہمانوں کے سامنے بچھا جاتا ہے، اس موقع پر بچوں اور بڑوں کی خوشی کا پیمانہ بھی مختلف ہوتا ہے اسی طرح اسلام میں بھی خوشی کے دو تہوار رکھے گئے ہیں جن میں سے ایک کا نام عید الفطر اور دوسرے کا نام عید الاضحیٰ ہے۔

لیکن اسلام اور دوسرے مذاہب کے تہواروں میں یہ فرق ہے کہ دیگر مذاہب کے پیروکار تو اپنے تہوار کے موقع پر بڑے خوش دکھائی دیتے ہیں مگر اپنے معبود کے خوش ہونے کا وہ بھی اعتقاد نہیں رکھتے جبکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ایسا تہوار عطاء کیا ہے جس میں بندے بھی خوش ہوتے ہیں اور بندوں کو پیدا کرنے والا بھی خوش ہوتا ہے اور وہ اپنی خوشی کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ اپنے بندوں کے نامۂ اعمال کو صاف کر دیتا ہے، ان کی قربانیوں اور محنتوں کو قبول کر لیتا ہے اور وہ اس سے جو بھی دعاء کرتے ہیں، وہ انہیں شرف قبولیت عطاء فرماتا ہے، پھر ایسے مبارک موقع سے خواتین کیوں پیچھے رہیں؟ اور انہیں کیوں محروم رکھا جائے؟ اس لیے آداب وشرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز عید میں ان کی حاضری کو انتہائی اہم قرار دیا گیا ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَ الْعِيْدِ وَلَا بَعْدَهَا

(۱۴۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ اِلَى الْمُصَلّٰى فَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَ الصَّلٰوةَ وَلَا بَعْدَهَا شَيْئًا۔

نماز عید سے پہلے یا بعد میں نوافل نہ پڑھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ عید کے دن عیدگاہ کی طرف نکلے، آپ ﷺ نے نہ تو عید سے پہلے نوافل پڑھے اور نہ عید کے بعد۔

حلِ عبارت: "المصلی" عیدگاہ "لم یصل" باب تفعیل سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نماز پڑھنا، "الصلوۃ" پر الف لام عہد ذہنی کا ہے اور مراد نماز عید ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۹۸۹، ومسلم: ۲۰۵۷ (۸۸۴)، وابوداؤد: ۱۱۵۹، والترمذی: ۵۳۸، والنسائی: ۱۵۸۸، وابن ماجه: ۱۲۹۱۔

مَفْهُوْم: انسان نماز کی صورت میں پروردگار عالم کی عبادت کے جس الہامی طریقے کو اختیار کرتا ہے' بنیادی طور پر اس کے دو حصے ہیں' ایک حصہ میں فرائض آتے ہیں اور دوسرے میں نوافل' فرائض کی ادائیگی درحقیقت ذات الٰہی کے حقوق کی ادائیگی ہے اور نوافل کے ذریعے انسان اپنے پروردگار کا قرب حاصل کرتا ہے اس لیے انہیں عظمت الٰہی کے حقوق میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ نوافل حق محبت کی ادائیگی کا دوسرا نام ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جسے اپنے محبوب کے ساتھ جس درجہ کی محبت ہوتی ہے' وہ اس قدر اپنے محبوب کا قرب حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوتا ہے اور اس کے لیے بڑی سے بڑی رکاوٹ کو اپنی خاطر میں نہیں لاتا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے معمولات میں کثرت نوافل کا جو تذکرہ ملتا ہے' اس کی اس سے زیادہ واضح اور عاشقانہ توجیہ نہیں ہوسکتی' اب اسے سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ جب نبی علیہ السلام نماز عید سے پہلے اور بعد میں نوافل نہیں پڑھتے تو بعد میں نیکی اور تقویٰ کا لبادہ اوڑھ کر اپنی ریاکاری کا واضح ثبوت پیش کرنے کے لیے کسی کو بھی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

رہی یہ بات کہ اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید کی انفرادیت کو برقرار رکھنا مقصود ہے' یہی وجہ ہے کہ اس سے پہلے اذان ہے نہ اقامت' نیز خطبۂ عید بھی نماز کے بعد ہے' نماز سے پہلے نہیں' اسی مناسبت سے نماز عید سے قبل یا بعد میں نوافل پڑھنا مسنون قرار نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ تَقْصِيرِ الصَّلٰوةِ فِي السَّفَرِ

(۱۴۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔

سفر میں نماز کو مختصر کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں ظہر کی چار اور عصر کی دو رکعتیں پڑھی ہیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔

(۱۵۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ لَا يَزِيْدُوْنَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین سفر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے' اس سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

(۱۵۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهُ اُتِیَ، فَقِيْلَ صَلّٰى عُثْمَانُ بِمِنًى اَرْبَعًا، فَقَالَ: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ اَبِیْ بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ، وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ حَضَرَ الصَّلٰوةَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلّٰى مَعَهُ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، فَقِيْلَ لَهُ: اِسْتَرْجَعْتَ وَقُلْتَ مَا قُلْتَ، ثُمَّ صَلَّيْتَ اَرْبَعًا؟ قَالَ: الْخِلَافَةَ، ثُمَّ قَالَ: وَكَانَ اَوَّلَ مَنْ اَتَمَّهَا اَرْبَعًا بِمِنًى۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ایام حج میں حضرت عثمان غنیؓ نے منیٰ کے میدان میں چار رکعتیں پڑھائی ہیں، یہ سن کر حضرت ابن مسعودؓ کی زبان سے نکلا ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' میں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھی ہیں اور حضرات شیخین کے ساتھ بھی یہاں دو رکعتیں ہی پڑھی ہیں۔

اتفاقاً ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ منیٰ میں موجود تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا، تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ چار رکعتیں ہی پڑھیں، کسی نے ان سے کہا کہ اس سے پہلے تو آپ نے اس پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا تھا اور اس پر اعتراض کیا تھا اور اب خود ہی چار رکعتیں پڑھ لیں؟ فرمایا خلافت کے ادب کی خاطر میں نے ایسا کیا، پھر فرمایا کہ منیٰ میں سب سے پہلے چار رکعتیں مکمل پڑھنے والے حضرت عثمانؓ تھے۔

حل عبارت: ''الظهر والعصر'' معطوف اور معطوف علیہ بن کر ''صلیا'' کے لیے مفعول بہ ہے ''اربعا'' اور ''رکعتین'' تمیز واقع ہو رہے ہیں، ''لا یزیدون'' باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی اضافہ کرنا ''حضر الصلوة'' میں فاعل ''ھو'' ضمیر ہے جس کا مرجع حضرت ابن مسعودؓ ہیں ''استرجعت'' باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۱۰۸۹، ومسلم: ۱۵۸۲ (۶۹۰)، وابوداؤد: ۱۲۰۲، والترمذی: ۵۴۶، والنسائی: ۴۷۰۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه النسائی: ۱۴۴۰، وابن ماجه: ۱۰۶۷ والترمذی: ۵۴۴، والبخاری: ۱۱۰۲۔

تخریج حدیث ثالث: اخرجه البخاری: ۱۸۰۴، وابوداؤد: ۱۹۶۰، ومسلم: ۱۵۹۶ (۶۹۵)

مفہوم: ان احادیث مبارکہ کی وضاحت سے قبل یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع کی مناسبت سے جو اصول اور قوانین انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے بنائے ہیں ان میں انسانوں کی سہولت اور راحت کا خیال اولین ترجیح کے طور پر کھا ہے، یہی وجہ ہے کہ مقیم کے لیے اتمام نماز عزیمت ہے اور مسافر کے لیے قصر عزیمت ہے کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر مہربانی ہے جسے قبول کرنا ہر شخص کی خواہش ہونی چاہیے، لہٰذا مسافر اتمام نہیں کر سکتا اور مقیم قصر نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص آٹھ ذی الحجہ سے پہلے ایام حج میں پندرہ دن مکہ مکرمہ میں

اقامت گزیں رہتا ہے تو وہ منیٰ' عرفات اور مزدلفہ سب جگہ مقیم ہی شمار ہوگا ورنہ مسافر' ان دو اصولوں کو مدنظر رکھ کر زیر بحث حدیثوں کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ نبی علیہ السلام ایک دن سفر پر روانہ ہوئے' ظہر کی نماز تو مدینہ منورہ میں ہی پڑھی' اور سب سے پہلی وہ نماز جو دوران سفر پڑھی گئی' عصر کی نماز تھی جو ذوالحلیفہ میں ادا کی گئی کہ وہ اہل مدینہ کی میقات بھی ہے اور مدینہ منورہ سے صرف چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے' لیکن یہاں ایک الجھن پیدا ہوتی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ چھ میل کا فاصلہ تو کوئی ایسا فاصلہ نہیں ہے جس کا سفر کسی بھی امام کے قول کے مطابق کسی شخص کو مسافر قرار دے سکے' پھر نبی علیہ السلام کا ذوالحلیفہ میں نماز عصر کو قصر کرنا چہ معنی دارد؟ سوصراحۃً تو اس کا جواب کہیں بھی نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہی یہ سوال کہیں پڑھنے میں آیا البتہ اس کا ایک جواب امام بخاریؒ کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے اور ایک جواب حافظ ابن حجر کی عبارت سے کشید ہو سکتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کی تخریج جس باب کے تحت کی ہے وہ ہے "باب یقصر اذا خرج من موضعه" گویا امام بخاریؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قصر کا تعلق مسافت سے نہیں بلکہ ارادۂ سفر کے ساتھ اپنے علاقے سے نکل آنے پر ہے اور اس کی تائید میں انہوں نے تعلیقاً حضرت علیؓ کا ایک قول بھی پیش کیا ہے جس کے مطابق کوئی شخص کسی علاقے میں اس وقت تک مقیم نہیں ہو سکتا جب تک وہ شہر کے اس حصے میں نہ پہنچ جائے جہاں سے لوگوں کے مکانات نظر آتے ہوں' جب اقامت کا یہ حکم ہے تو سفر کا حکم بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ جب سفر شروع ہو جائے تو قصر کا حکم متوجہ ہو جائے گا اور جب اقامت شروع ہو جائے تو اتمام کا حکم متوجہ ہو جائے گا' زیر بحث حدیث اسی کی دلیل ہے اور اسی وجہ سے نبی علیہ السلام نے صرف چھ میل کی مسافت پر قصر نماز ادا کی۔ واللہ اعلم۔

۲۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے واقعے میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

(الف) جب نبی علیہ السلام اور حضرات شیخین اور خود حضرت عثمان غنیؓ اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں دوران حج قصر نماز پڑھاتے رہے تو پھر یکایک انہوں نے چار رکعتیں کیوں پڑھانا شروع کر دیں؟ گو کہ علماء کرام نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں لیکن راقم نے جس اصول کی طرف تمہید میں اشارہ کیا ہے' اگر اسے مدنظر رکھ لیا جائے تو یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ آٹھ ذی الحجہ سے پندرہ دن پہلے مکہ مکرمہ پہنچ کر اقامت گزین ہو گئے ہوں' اس مناسبت سے انہیں منیٰ وغیرہ میں بھی مقیم ہی سمجھا جائے گا' اس لیے ان کا اتمام کرنا کسی طرح قابل اعتراض نہیں رہتا۔

(ب) حضرت ابن مسعودؓ کا رویہ بھی بظاہر الجھا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وہ حضرت عثمان غنیؓ کے عمل پر نکیر اور اس پر افسوس کا اظہار کر رہے ہیں اور دوسری طرف خود ہی ان کے پیچھے منیٰ کے میدان میں مکمل نماز بھی پڑھ رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی ایک رخ کو بھی عمل کے لیے متعین نہیں کیا جا سکتا' لیکن اگر ذرا گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو

واضح ہوتا ہے کہ دونوں موقعوں پر ان کا ردعمل ان کی فراست کی دلیل بن کر سامنے آتا ہے' یہی وجہ ہے کہ پہلے موقع پر انہوں نے اپنے شاگردوں کو ایک صحیح رخ بتا دیا اور دوسرے موقع پر امت مرحومہ کو انتشار و افتراق سے بچا لیا' اس لیے کہ اگر حج کے اس موقع پر ''جبکہ پوری دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں'' حضرت ابن مسعودؓ، سیدنا عثمان غنیؓ کے عمل پر نکیر کرتے اور اپنی رائے کا اور نبی علیہ السلام اور حضرات شیخین کے عمل کا اظہار کرتے تو لوگوں پر اس اختلاف رائے کا بہت برا اثر پڑتا اور ان کے ذہن انتشار کا شکار ہو جاتے' پھر لوگوں کے ذہن میں خلیفہ وقت کا کوئی ادب اور پاس لحاظ باقی نہ بچتا اس لیے موقع شناسی اور فراست ایمانی سے کام لیتے ہوئے انہوں نے خاموشی اختیار کرنا بہتر سمجھا اور امت مرحومہ کے لیے یہ پیغام چھوڑ گئے کہ ہر موقع پر بولنا اچھا نہیں ہوتا' کبھی خاموش رہنے کا لطف بھی اٹھانا چاہیے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ

(۱۵۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهٗ صَحِبَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَصَلّٰى ابْنُ عُمَرَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ قِبَلَ الْمَدِيْنَةِ يُوْمِیُٔ اِيْمَاءً اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ وَالْوِتْرَ فَاِنَّهٗ كَانَ يَنْزِلُ لَهُمَا عَنْ دَابَّتِهٖ قَالَ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ صَلَاتِهٖ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَوَجْهُهٗ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لِیْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّیْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ تَطَوُّعًا حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ يُوْمِیُٔ اِيْمَاءً۔

سواری پر نماز پڑھنے کا بیان

ترجمہ: مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کے سفر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہوا' اس دوران فرض نمازوں اور وتر کے علاوہ تمام نوافل حضرت ابن عمرؓ نے سواری پر ہی بیٹھے بیٹھے اشارہ سے پڑھ لیے' جبکہ آپ کا رخ مدینہ منورہ کی طرف تھا' البتہ فرائض اور وتر کے لیے آپ اپنی سواری سے اتر جاتے تھے' مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے سواری پر بیٹھے بیٹھے کس طرح نماز پڑھ لیتے ہیں؟ تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نفل نماز سواری پر ہی اشارہ سے پڑھ لیا کرتے تھے' خواہ سواری کا رخ کسی طرف بھی ہو۔

حل عبارت: ''صحب'' باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہم نشین بننا' ''ینزل'' باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اترنا۔

تخریج حدیث: اخرج مسلم مثله: ۱۶۱۲' والبخاری: ۱۰۹۸' وابوداؤد: ۱۲۲۴' والنسائی: ٤٩١' ٤٩٢۔

مفهوم: جماعت صحابہؓ میں ہر صحابی کے ایک خاص رنگ میں رنگا ہوا ہونے کا احساس اس وقت شدید تر ہو جاتا ہے جب احوال صحابہ کا ایک تجزیہ سامنے آتا ہے' آپ دور نہ جائیے' حضرت ابن عمرؓ ہی کو لے لیجیے' تاریخ صحابہ میں آپ کو

حضرت ابن عمرؓ کا اتباع سنت کے حوالے سے ایک خاص مقام نظر آئے گا' بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں اس نوعیت کے بے شمار واقعات موجود ہیں' خود اسی کتاب میں یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب نبی علیہ السلام اپنے مخصوص اصحاب کے ہمراہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت ابن عمرؓ اندر کی کیفیت جاننے کے لیے بے تابی سے باہر کھڑے ہو کر انتظار کرتے رہے اور جوں ہی نبی علیہ السلام باہر تشریف لائے تو یہ لپک کر حضرت بلالؓ کے پاس پہنچے اور ان سے اس جگہ کے متعلق دریافت کیا جہاں کھڑے ہو کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی تاکہ آئندہ جب بھی موقع ملے تو اسی جگہ پر نماز پڑھیں۔

اس سلسلے میں ان کا یہ جذبہ عشق کے درجے تک پہنچا ہوا تھا' یہی وجہ ہے کہ اگر انہیں کسی مستند ذریعہ سے بھی کسی سنت کا علم ہو جاتا' خواہ ان کا اپنا علم اس کے برخلاف ہوتا' وہ اس سنت پر عمل پیرا ہو جاتے' چنانچہ اسی کتاب میں مسح علی الخفین کی بحث میں اس نوعیت کا ایک واقعہ گزر چکا ہے' اور زیر بحث واقعہ کی نوعیت بھی یہی ہے کیونکہ ابتداءً حضرت ابن عمرؓ نہ صرف یہ کہ خود وتر سواری کے اوپر ہی پڑھ لیا کرتے تھے بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے اور اس کا خلاف کرنے پر ناراض ہوتے تھے لیکن جب انہیں مستند ذرائع سے معلوم ہو گیا کہ نبی علیہ السلام نے آخر میں سواری پر وتر پڑھنا چھوڑ دیے تھے اور اس کے لیے خصوصی اہتمام کے ساتھ سواری سے اتر کر قبلہ کا تعین فرماتے تھے تو انہوں نے یہ سوچے بغیر کہ لوگ کیا کہیں گے نبی علیہ السلام کی اس سنت کو بلا جھجک اختیار کر لیا اور اسی کے مطابق عمل کرنے لگے۔

نیز اسی حدیث سے نوافل کے بارے گنجائش بھی واضح ہو گئی کہ اس میں استقبال قبلہ کی شرط اگر کسی وجہ سے پوری نہ ہو سکے تو اس کے لیے اپنے سفر کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے اور اپنی جگہ اور سواری پر بیٹھے بیٹھے بھی نوافل پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى الْوِتْرِ

(۱۵۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ يَعْفُوْرٍ الْعَبْدِيِّ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ زَادَكُمْ صَلٰوةً وَهِيَ الْوِتْرُ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ وَزَادَكُمُ الْوِتْرَ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ زَادَكُمْ صَلٰوةَ الْوِتْرِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ زَادَكُمْ صَلٰوةً وَهِيَ الْوِتْرُ فَحَافِظُوْا عَلَيْهَا۔

وتر کی ترغیب کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز کا

اضافہ فرمایا ہے اور وہ وتر ہے۔

فائدہ: اگلی روایت بھی اسی مضمون سے تعلق رکھتی ہے۔

(۱۵۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ عَنِ الْوِتْرِ اَحَقٌّ هُوَ قَالَ اَمَّا كَحَقِّ الصَّلٰوةِ فَلَا وَلٰكِنْ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَا يَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّتْرُكَهٗ۔

ترجمہ: عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وتر کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وتر برحق ہیں؟ فرمایا کہ فرض نماز کی طرح تو اس کی حقیقت نہیں ہے' البتہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اس لیے کسی کو اس کا ترک کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔

حل عبارت: "زادکم" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی زائد ہونا' اضافہ کرنا "فحافظوا" باب مفاعلہ سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی پابندی کرنا "احق" ہمزہ برائے استفہام ہے' نفس کلمہ کا نہیں۔

تخریج حدیث اول: اخرج ابوداؤد مثلہ: ۱۴۱۸' والترمذی: ۴۵۲' وابن ماجہ: ۱۱۶۸' وبھذا السیاق اخرجہ ابن ابی شیبۃ واحمد' کما ذکرہ الشوکانی فی النیل۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ الترمذی: ۴۵۴' والنسائی: ۱۶۷۷' وابن ماجہ: ۱۱۶۹۔

مفہوم: وتر کے واجب اور سنت ہونے میں فقہاء کرام کا جو اختلاف کتب فقہ میں مذکور ہے' وہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل اور تفصیل کا مقتضی ہے جسے مطولات کے حوالہ کر کے میں یہاں صرف اتنی بات کہنا چاہتا ہوں کہ اس حقیقت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ شب معراج کے موقع پر اللہ کی طرف سے حضور نبی مکرم' سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداءً پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں جو بالآخر پانچ پر آ کر رک گئی تھیں اور یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا کہ بظاہر تو یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن جو شخص یہ پانچ نمازیں پڑھ لے گا' میں یہ سمجھ لوں گا کہ اس نے پچاس نمازیں پڑھی ہیں اور اس پر پچاس ہی کا اجر و ثواب عطاء کر دوں گا۔

ظاہر ہے کہ اس حقیقت کی موجودگی میں نماز وتر کو فرائض کے برابر تو درجہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس طرح فرائض کی تعداد پانچ سے بڑھ کر چھ ہو جائے گی جو خلاف حقیقت ہے اور یہی مطلب ہے حضرت علی مرتضٰی کے اس قول کا "اما کحق الصلوٰۃ فلا" البتہ چونکہ اسکی اہمیت اور نبی علیہ السلام کی اس پر مواظبت بھی کتب حدیث سے ثابت ہے اس لیے یوں کہا جائے گا کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے' اگر اس کا وجوب کسی آیت قرآنی سے ثابت ہوتا تو اس کا درجہ فرائض کے برابر ہوتا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي الْوِتْرِ؟

(۱۵۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الْوِتْرِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ۔

وتر میں کیا پڑھا جائے؟

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' کی تلاوت فرماتے، دوسری میں ''قل یا ایہا الکافرون'' اور تیسری میں ''قل ھو اللہ احد'' پڑھتے تھے۔

(۱۵۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ زُبَيْدِ بْنِ الْحَارِثِ الْيَامِيِّ، عَنْ اَبِيْ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِيْ وِتْرِهٖ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى، وَقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ فِي الثَّانِيَةِ، وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فِي الثَّالِثَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ النَّبِيَّ علیہ السلام كَانَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى، وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَعْنِيْ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، فَهٰكَذَا فِيْ قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى، وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلٰثِ رَكَعَاتٍ، يَقْرَأُ فِيْهَا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى، وَقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی بعینہٖ یہی ہے۔

حلِ عبارت: ''یوتر'' باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وتر پڑھنا۔

تخریج حدیث: اخرجهما ابن ماجه: ۱۱۷۳، والنسائي: ۱۷۰۰، والترمذي: ۴۶۳، وابوداؤد: ۱۴۲۳، ۱۴۲۴۔

مفہوم: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

ا۔ رکعات وتر میں نبی علیہ السلام کون سی سورتیں تلاوت فرماتے تھے؟ یاد رہے کہ زیر بحث حدیث میں جن تین سورتوں کا ذکر ہے نبی علیہ السلام کا معمول مبارک اکثر انہی تین سورتوں کو پڑھنے کا تھا اور اسی کی نقل میں آج تک ائمہ حرمین شریفین ماہ مقدس رمضان میں تراویح کے بعد جب وتر پڑھاتے ہیں تو اکثر انہی سورتوں کو پڑھتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ان

کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھنا جائز ہی نہیں۔

۲۔ رکعات وتر کی تعداد پر بھی اس حدیث سے روشنی پڑتی ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر حنفیہ اور حنابلہ دونوں کا اتفاق ہے، البتہ یہاں آ کر دونوں میں اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے کہ حنفیہ تینوں رکعتیں اکٹھی پڑھتے ہیں اور حنابلہ دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کے بعد پھر الگ سے ایک رکعت پڑھتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ہر فقیہہ اپنی فقہی رائے کی بنیاد کسی نہ کسی مرفوع یا موقوف روایت پر ہی رکھتا ہے اس لیے ہم اس باب میں کسی کو مطعون کیے بغیر ایک بات تو یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں حرمین شریفین حاضری کی سعادت عطاء فرما دیں تو محض اس اختلاف رائے کی وجہ سے وہاں کے باجماعت وتروں سے اپنے آپ کو محروم رکھنا بڑی حرماں نصیبی کی بات ہوگی، اسی طرح ائمہ حرمین کے پیچھے ادا کیے جانے والے وتروں کو یہاں آ کر قضاء کرنے کا خیال بھی لانا عتاب الٰہی کا سبب بن سکتا ہے اور دوسری بات یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اصل مقصد نماز پڑھنا ہے، نماز سے دور کرنا نہیں اور اس قسم کے اختلافات وسعت کی دلیل ہوتے ہیں نہ کہ تنگی کا سبب، اس لیے ان میں تنگ ذہنی کا رویہ رکھنا کسی کے لیے بھی کسی طور پر مناسب نہیں ہے۔

بَابٌ لَا فَصْلَ فِی الْوِتْرِ

(۱۵۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا فَصْلَ فِی الْوِتْرِ۔

وتر میں فصل نہ ہونے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وتر میں فصل نہیں ہے۔

تخریج حدیث: اخرج الطحاوی مثله: ۱٦۸۸، والطبرانی فی الکبیر: ۳۷۸/۲۳، والنسائی: ۱۷۱۵، وابن ماجه: ۱۱۹۲۔

فائدہ: اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیلی بحث گزشتہ حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے، تکرار سے بچنے کے لیے دوبارہ اسے تحریر نہیں کیا جا رہا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْوِتْرِ اَوَّلَ اللَّیْلِ وَاَوْسَطَهٗ وَآخِرَهٗ

(۱۵۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ الْوِتْرُ اَوَّلَ اللَّیْلِ سُخْطَةٌ لِلشَّیْطَانِ وَاَكْلُ السُّحُوْرِ مِرْضَاةُ الرَّحْمٰنِ۔

رات کے ابتدائی' درمیانے اور آخری حصہ میں وتر کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں وتر پڑھ لینا شیطان کو ناراض کرنے کا سبب ہے اور سحری کھانا رحمان کو راضی کرنے کا سبب ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۵۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ الْجَدَلِیِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَّلَ اللَّیْلِ وَاَوْسَطَهٗ وَاٰخِرَهٗ لِکَیْ یَکُوْنَ وَاسِعًا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ اَیَّ ذٰلِكَ اَخَذُوْا بِهٖ کَانَ صَوَابًا غَیْرَ اَنَّهٗ مَنْ طَمِعَ لِقِیَامِ اللَّیْلِ فَلْیَجْعَلْ وِتْرَهٗ فِیْ اٰخِرِ اللَّیْلِ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَفْضَلُ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ الْجَدَلِیِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَاَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّهُمَا قَالَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُوْتِرُ اَحْیَانًا اَوَّلَ اللَّیْلِ وَاَوْسَطَهٗ وَاٰخِرَهٗ لِیَکُوْنَ سَعَةً لِلْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے رات کے ابتدائی حصے میں بھی وتر پڑھے ہیں' اور درمیان اور آخر میں بھی' تا کہ مسلمانوں پر وسعت رہے اور جس پر بھی وہ عمل کریں' وہ صحیح ہو' البتہ جو شخص قیام اللیل کی خواہش رکھتا ہو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ وتر رات کے آخری حصے میں پڑھے کہ یہ زیادہ افضل ہے۔

حل عبارت: ''مسخطة'' بضم المیم وکسرھا اگر میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھیں تو اسم فاعل کا صیغہ ہوگا اور اگر کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو اسم آلہ کا صیغہ ہوگا' دونوں طرح پڑھنا جائز ہے ''ای'' منصوب ہے مفعول ہونے کی وجہ سے اور فعل مؤخر ہے ''اخذوا'' طَمِعَ باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی امید رکھنا۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الثانی فقد اخرجه النسائی: ۱۶۸۲' وابن ماجه: ۱۱۸۷' واما الاول فقد اخرجه الحارثی: ۱۴۲، واحمد مختصرا: ۱۷۱۹۹، والطبرانی فی المعجم الکبیر: ۲۴۴/۱۷ (۶۷۹ و ۶۸۰، ۶۸۲)۔

مفہوم: جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے آپ کی عبادت کے دو رخ سامنے آتے ہیں۔

۱۔ بعض مواقع پر آپ ﷺ کی عبادت اتنی طویل ہوتی تھی کہ قدم مبارک ورم آلود ہو جاتے جیسا کہ حدیث نمبر ۱۷۲ میں آتا ہے۔

۲۔ بعض مواقع پر نبی علیہ السلام کی عبادت مختصر اور مختلف اوقات میں پھیل جاتی تھی۔

پہلی صورت کا تعلق ان مواقع سے ہے جہاں نبی علیہ السلام کا عمل اپنی ذات کے لیے ہوتا تھا' امت کو اس میں اجتماعی طور پر تاکید کے ساتھ شامل کرنا آپ کا مقصد نہیں ہوتا تھا اور دوسری صورت کا تعلق ان مواقع سے ہے جہاں آپ ﷺ اجتماعی طور پر امت کو تاکید کے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے' اس اجتماعیت کے پہلو کو برقرار رکھنے کے لیے آپ

ﷺ اس میں تخفیف بھی فرما دیتے تھے اور اگر گنجائش ہوتی تو اسے مختلف اوقات میں ادا کر کے اس کی وسعت کو بھی واضح فرما دیتے جیسے عشاء کی نماز کا وقت ہے کہ بعض اوقات جلدی پڑھ لی' بعض اوقات ذرا تاخیر سے اور بعض اوقات اتنی تاخیر سے کہ لوگوں پر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔

نماز وتر کے اوقات میں بھی اسی شفقت کا پہلو کارفرما ہے کہ جس شخص کو جس وقت سہولت ہو' وہ اس وقت اسے ادا کر لے اور اس الجھن میں نہ رہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں پڑھے یا درمیانی حصے میں یا آخری حصے میں' رات کے جس حصے میں بھی یہ ادا کر لیے جائیں ان پر مرتب ہونے والا اجر و ثواب کسی کمی کے بغیر اس کے نامہ اعمال میں درج ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ نَقَصَ صَلٰوتَهٗ اَوْ زَادَ

(۱۶۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى صَلٰوةً اِمَّا الظُّهْرَ وَاِمَّا الْعَصْرَ فَزَادَ اَوْ نَقَصَ فَلَمَّا فَرَغَ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ اَحَدَثَ فِى الصَّلٰوةِ اَمْ نَسِيْتَ قَالَ اُنْسٰى كَمَا تُنْسَوْنَ فَاِذَا اُنْسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِىْ ثُمَّ حَوَّلَ وَجْهَهٗ اِلَى الْقِبْلَةِ وَسَجَدَ سَجْدَتَىِ السَّهْوِ وَتَشَهَّدَ فِيْهَا ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ۔

نماز میں کمی بیشی ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز پڑھائی یا تو وہ ظہر کی نماز تھی یا عصر کی' اور اس میں آپ ﷺ سے کچھ کمی بیشی ہو گئی' جب نبی علیہ السلام نے فارغ ہو کر سلام پھیرا تو کسی نے پوچھا یارسول اللہ! کیا نماز کے احکام میں کوئی تبدیلی آ گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ فرمایا جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں' اس لیے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو' پھر آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف اپنا چہرہ پھیرا' سجدۂ سہو کیا اور تشہد پڑھ کر دائیں اور بائیں طرف سلام پھیر دیا۔

حل عبارت: "اما الظهر واما العصر" شك من الراوى "نقص" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کمی کرنا' "احدث" ہمزہ برائے استفہام اور "حدث" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پیش آنا' نو پید ہونا "نسيت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بھول جانا "فذكرونى" باب تفعیل سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی یاد دہانی کرانا "حول" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پھیرنا' گھمانا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخارى: ۴۰۱' ومسلم: ۱۲۷۴ (۵۷۲)' وابوداؤد: ۱۰۲۰' والترمذى: ۳۹۲' والنسائى:

۱۲٤٤، وابن ماجه: ۱۲۱۱۔

مَفْهُوْم: کتب حدیث میں یہ واقعہ ''قصۂ ذوالیدین'' کے نام سے مشہور ہے کیونکہ جن صاحب نے نبی علیہ السلام کو سہو کے اس واقعے پر متوجہ کیا' ان کا مشہور نام ذوالیدین ہی تھا' گو کہ اصل نام میں مختلف اقوال ملتے ہیں' زیر بحث حدیث سے متعلق درج ذیل مسائل قابل توجہ ہیں۔

ا۔ کتب حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی حیات طیبہ میں دوران نماز سہو کا واقعہ پانچ مرتبہ پیش آیا' ظاہر ہے کہ نہ تو یہ مقدار بہت بڑی ہے اور نہ ہی سہو کا لاحق ہونا منافی رسالت ہے بلکہ انسان ہونے کے ناطے ایسا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ تو دوران نماز کی بات ہے، ایک مرتبہ تو ایسا بھی ہوا کہ نبی علیہ السلام کے ذہن سے یہی بات نکل گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں نماز پڑھی بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کو نمازِ مغرب پڑھ کر خیال آیا تو لوگوں سے پوچھا کہ میں نے عصر کی نماز بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے بتایا نہیں، تو نبی علیہ السلام نے نماز عصر پڑھی، اس کے بعد نمازِ مغرب دوبارہ لوٹائی۔ (مسند احمد: ۱۷۱۰۰)

بہرحال! دورانِ نماز سہو کے پانچ واقعات حسب ذیل ہیں:

(الف) ایک مرتبہ نماز پڑھاتے ہوئے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھا دینے کا واقعہ پیش آیا۔ (ب) ایک مرتبہ چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں پر سلام پھیر دینے کا واقعہ پیش آیا۔ (ج) ایک مرتبہ قعدۂ اولیٰ چھوڑ دینے کا واقعہ پیش آیا۔ (د) ایک مرتبہ قراءت میں سہو لاحق ہوا۔ (ہ) ایک مرتبہ نماز مغرب میں قعدۂ اولیٰ پر سلام پھیر دینے کا واقعہ پیش آیا۔

زیر بحث واقعہ کا تعلق پہلی صورت کے ساتھ ہے۔

۲۔ واقعے کی حد تک تو اس میں کچھ اشکال نہیں ہے لیکن فقہی اعتبار سے اس میں فقہاء کے لیے یہ الجھن ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے اندازے کے مطابق نماز مکمل کرنے کے بعد جب سلام پھیرا تو ایک صحابی نے کلام کیا' نبی علیہ السلام نے اس کا جواب دیا اور دیگر روایات کے مطابق دوسرے صحابہ کرامؓ سے بھی سائل کی تصدیق کی' اس کے بعد اسی نماز کو سجدۂ سہو کر کے مکمل بھی کر لیا' دوران نماز اتنی طویل گفتگو سے کیا کسی کی بھی نماز فاسد نہیں ہوئی؟ تو اس الجھن کا واضح حل یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جس طرح سلام کا جواب دینا دوران نماز جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے آتا ہے' اسی طرح کلام اور گفتگو کی بھی اجازت تھی اور جو بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے آتا ہے' اسی طرح کلام اور گفتگو کی بھی اجازت تھی جو بعد میں ختم کر دی گئی' یہ واقعہ اجازت ختم ہونے سے پہلے پیش آیا تھا اس لیے اس پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ سَجْدَةِ صٓ

(۱٦۱) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِيَاضٍ الْاَشْعَرِيِّ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم سَجَدَ فِیْ صٓ۔

سورۂ صٓ میں سجدہ کا بیان

تَرْجَمَہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت کیا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۰۶۹' والترمذی: ۵۷٤' وابوداؤد: ۱٤۰۹' والنسائی: ۹۵۸۔

مفہوم: پورے قرآن کریم میں چودہ آیات مبارکہ ایسی ہیں کہ جب کوئی شخص ان کی تلاوت کرے یا ان کی تلاوت سنے تو اس پر فوراً یا موقع ملنے پر سجدہ کرنا شرعاً واجب ہے' اس سجدہ کو ''سجدۂ تلاوت'' کہتے ہیں' یہاں ہم ان آیات کو تو بیان نہیں کریں گے تاکہ وجوب سجدہ نہ ہو' نیز یہ کہ وہ آیات سب ہی کو معلوم ہیں' البتہ ایک مختصر سا تجزیہ ضرور پیش کریں گے۔

سجدۂ تلاوت کی آیات پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان آیات میں یا تو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کی تعمیل میں بندہ اس آیت کو پڑھتے ہی یا موقع ملتے ہی فوراً بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہو جاتا ہے' یا اللہ کے برگزیدہ اور نیک بندوں' معصوم فرشتوں اور زمین و آسمان کی عظیم مخلوقات کے توبۃً یا شکراً سربسجود ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے جسے پڑھ اور سن کر بندہ ان کی پیروی کرتے ہوئے خود بھی اپنی جبین نیاز کو جھکا دیتا ہے' یا پھر متکبرین کے انکار سجدہ کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے زمرے میں داخل ہونے سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے بندہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

سورۂ ص میں جو آیت سجدہ آتی ہے' اس میں خلیفۃ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام کے توبۃً سجدہ ریز ہونے کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ اللہ کے مخلص اور برگزیدہ بندے تھے' چونکہ اس موقع پر نبی علیہ السلام نے سجدۂ تلاوت کیا تھا اس لیے ہمارے لیے یہی از بس ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ''سورۂ ص کا سجدہ ضروری نہیں'' نبی علیہ السلام کے عمل کی روشنی میں واجب التقلید نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ نَسْخِ الْكَلَامِ فِی الصَّلٰوةِ

(۱٦۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ لَمَّا قَدِمَ مِنْ اَرْضِ الْحَبَشَةِ سَلَّمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ یُصَلِّیْ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ سُخْطِ نِعْمَةِ اللّٰهِ قال النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا ذَاكَ قَالَ سَلَّمْتُ عَلَیْكَ فَلَمْ تَرُدَّ عَلَیَّ قَالَ اِنَّ فِی الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا قَالَ فَلَمْ نَرُدَّ السَّلَامَ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ یَوْمِئِذٍ۔

نماز میں بات چیت کے نسخ کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب سرزمین حبش سے واپس آئے تو انہوں نے نبی علیہ السلام (کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ) کو سلام کیا' اس وقت نبی علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے' اس لیے سلام کا جواب نہیں دیا' نبی علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے' تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نعمت خداوی کی ناراضگی پر اللہ کی پناہ میں آتا ہوں' نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا مطلب؟ عرض کیا کہ میں نے آپ کو سلام کیا' لیکن آپ نے جواب نہیں دیا (میں سمجھا کہ شاید آپ کسی بات پر ناراض ہیں) فرمایا دراصل نماز

میں مصروفیت ہوتی ہے (ورنہ تم سے کوئی ناراضگی نہیں) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے ہم میں سے کوئی بھی دوران نماز سلام کا جواب نہیں دیتا۔

حَلِّ عِبَارَت: "قدم" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا "لم یرد" باب نصر سے نفی حجد بلم معروف کا صیغۂ مذکورہ ہے بمعنی لوٹانا' مراد جواب دینا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری:۱۱۹۹' ومسلم:۱۲۰۱(۵۳۸)' وابوداؤد:۹۲۳' والنسائی:۱۲۲۲، واحمد:۳۸۸۵

مفہوم: سرزمین حبش کی طرف مسلمانوں نے دومرتبہ ہجرت کی' پہلی مرتبہ ماہ رجب ۵ نبوت میں چند مرد وعورت وہاں پہنچے اور اسی سال شوال یا رمضان کے مہینے میں یہ افواہ سن کر واپس آ گئے کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے لیکن جب حقیقت حال وہاں پہنچ کر معلوم ہوئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو ایک دن بعد ہی دوبارہ حبشہ چلے گئے اور باقی صحابہ بھی آہستہ آہستہ پہلے کی نسبت زیادہ تعداد میں ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گئے اور ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر ان کی واپسی ہوئی' تاہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ غزوۂ بدر سے پہلے ہی مدینہ منورہ واپس پہنچ چکے تھے اور مستند ترین روایات سے غزوۂ بدر میں ان کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے' ہماری تحقیق کے مطابق اس کا تعلق حبشہ سے پہلی واپسی کے ساتھ نہیں ہے جو مکہ مکرمہ کو ہوئی تھی بلکہ اس کا تعلق حبشہ سے دوسری واپسی کے ساتھ ہے جو مدینہ منورہ کو ہوئی تھی اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

گوکہ اس پر بے شمار دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن ان میں سے ایک دلیل تو انتہائی واضح ہے اور وہ یہ کہ دوران نماز سلام وکلام کی ممانعت قرآن کریم کے اس حکم سے کی گئی تھی۔

وقوموا لله قنتين۔

اور تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت ابن مسعودؓ کی دوسری واپسی بھی مدینہ منورہ کی طرف ہی ہوئی تھی لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کی طرف پہلی مرتبہ واپسی کے وقت پیش نہیں آیا تھا' جبکہ شوافع اسے مکہ مکرمہ کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ صَلّٰی وَفِیْ جَنْبِهٖ امْرَأَةٌ

(۱۶۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا نَائِمَةٌ اِلٰى جَنْبِهٖ وَجَانِبُ الثَّوْبِ وَاقِعٌ عَلَيَّ۔

اس شخص کا بیان جو نماز پڑھے اور اس کے پہلو میں عورت ہو

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام رات کو اٹھ کر نماز پڑھتے، میں آپ کے پہلو میں لیٹی ہوتی تھی اور کپڑے کا ایک حصہ مجھ پر ہوتا تھا۔

حل عبارت: "وانا نائمة" میں واؤ حالیہ ہے جو متکلم کی حالت کو بیان کر رہا ہے، فاعل یا مفعول کی حالت یہاں بیان نہیں کی جا رہی۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری مثلہ: ۳۸۳، ۵۱۲۰، ومسلم: ۱۱۴۷ (۵۱۴)، وابوداؤد: ۷۱۱، وابن ماجہ: ۹۵۸، والنسائی: ۷۶۰۔

مفہوم: فقہاء کرام کے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا پہلو یہ ہے کہ بعض روایات سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے سے اگر کوئی عورت گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، اس حدیث سے وہ روایات منسوخ قرار پاتی ہیں کیونکہ یہاں تو حضرت عائشہؓ کا گزرنا مذکور نہیں جو صرف ایک لمحہ میں ہی ہو جاتا ہے بلکہ نبی علیہ السلام کے پہلو میں استراحت کا ذکر ہے جس کا عرصہ طویل ہوتا ہے، جب اس صورت میں نماز نہیں ٹوٹتی تو پہلی صورت میں صرف مرور سے ہی کیوں ٹوٹ جائے گی؟

لیکن ہمارے لیے اس میں دلچسپی کے دو پہلو بہت اہم ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا خود شب بیداری کرنا اور اپنی اہلیہ محترمہ کو اس کے لیے مجبور نہ کرنا دینداری کا لبادہ اوڑھنے والے ان تمام افراد کو اس طرز زندگی پر نظر ثانی کی دعوت دے رہا ہے جو وہ نفلی عبادات کے سلسلے میں اپنے اہل خانہ پر سختی کے ساتھ روا رکھتے ہیں اور اسے بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں۔

۲۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر عسرت کا ایسا دور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن صبر پر کبھی حملہ نہیں کیا اور آپ کے جذبات شکر کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیا کہ میاں بیوی کے پاس اوڑھنے کے لیے صرف ایک چادر ہوتی تھی جس کا ایک حصہ اہلیہ محترمہ پر ہوتا اور ایک حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر پر ہوتا، اس پر بھی دل جذبات شکر سے لبریز اور زبان اظہار شکوہ سے محفوظ ہوا کرتی تھی۔

پھر اہل خانہ کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا اس پر مستزاد تھا، یہی وجہ ہے کہ اہلیہ محترمہ کی ضرورت کا احساس کر کے چادر کا ایک حصہ ان پر بھی ڈال دیتے تھے، خود ہی ساری چادر اپنے جسم پر لپیٹ کر اہلیہ محترمہ کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا کرتے تھے، وائے افسوس! کہ آج ہم اپنے اہل خانہ کو سب کچھ دینے کے باوجود وقت اور شفقت ہی نہیں دے پا رہے اور احساس ذمہ داری کو اپنے قریب بھی بھٹکنے کی اجازت دینا جرم سمجھنے لگے ہیں۔

بَابُ اِذَا نَابَ شَیْءٌ فِی الصَّلٰوۃِ

(۱٦٤) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَنَّ فِی الصَّلٰوۃِ اِذَا نَابَهُمْ فِیْهِ شَیْءٌ اَلتَّسْبِیْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ۔

اگر نماز میں کوئی امر نادر پیش آ جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز میں کوئی امر نادر پیش آنے پر امام کو مطلع کرنے کے لیے نبی علیہ السلام نے یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں مخصوص انداز میں تالی بجائیں۔

حل عبارت: "سن" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی طریقہ مقرر کرنا "نابھم" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی حادثہ پیش آنا' امر نادر پیش آنا "التصفیق" تالی بجانے کا ایک مخصوص انداز۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٦٨٤' ومسلم: ٩٥٤ (٤٢٢)' وابوداؤد: ٩٤٠' والترمذی: ٣٦٧' وابن ماجه: ١٠٣٥' والنسائی: ١٢٠٨۔

مفہوم: چونکہ نماز میں کسی بھی قسم کی گفتگو کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے اور اس مسئلے کی حیثیت ایک فقہی اصول کی سی ہو چکی ہے اس لیے ایک عامی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا بجا طور پر ممکن ہے کہ اگر دوران نماز امام صاحب سے کوئی غلطی ہو جائے مثلاً وہ ایک رکعت پڑھا کر بیٹھ جائیں یا دو رکعتیں پڑھانے کے بعد کھڑے ہو جائیں یا تین رکعت والی نماز میں دو رکعتوں پر سلام پھیرنے کی کوشش کریں یا کوئی اور صورت پیدا ہو جائے تو امام کو کیسے مطلع کریں؟

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کا حل یہ بتایا کہ اگر مردوں کو امام صاحب کی کسی غلطی کا احساس ہو جائے تو وہ ''سبحان اللہ'' کہہ کر اسے غلطی کا احساس دلا سکتے ہیں اور امام ان کے اس لقمے کو قبول کر کے اپنی غلطی کا تدارک کر سکتا ہے تاہم نماز کے آخر میں اسے سجدۂ سہو کرنا ہو گا اور اگر مردوں کو اس کا احساس نہ ہو سکے اور جماعت میں خواتین بھی شامل ہوں تو وہ بھی امام کو اس غلطی کا احساس دلا سکتی ہیں لیکن ''سبحان اللہ'' کہہ کر نہیں بلکہ اس طرح کہ سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کو الٹے ہاتھ کی پشت پر ماریں جس سے سننے والے کے کانوں تک آواز پہنچ جائے' یا ہلکی آواز میں تالی بجا دیں اسے ''تصفیق'' کہا جاتا ہے اور اس کی مشروعیت صرف خواتین کے لیے ہے' مردوں کے لیے نہیں۔

اگر امام نے مردوں کی تسبیح یا عورتوں کی تصفیق سن کر دوران نماز ہی اپنی غلطی کی اصلاح کر لی اور بعد میں سجدۂ سہو کر لیا تو نماز صحیح ہو جائے گی اور یہ ایک ایسی بے ضرر صورت ہو گی جس میں زبان سے کلام بھی نہیں کرنا پڑے گا' امام کو اس کی غلطی کا احساس بھی دلایا جا سکے گا اور کسی کی نماز بھی فاسد نہیں ہو گی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ وَمَا لَا يَقْطَعُ

(۱۶۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدٍ اَنَّهٗ سَأَلَ عَائِشَةَ عَمَّا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَتْ يَا اَهْلَ الْعِرَاقِ تَزْعُمُوْنَ اَنَّ الْحِمَارَ وَالْكَلْبَ وَالسِّنَّوْرَ يَقْطَعُوْنَ الصَّلٰوةَ قَرَنْتُمُوْنَا بِهِمْ اِدْرَأْ مَا اسْتَطَعْتَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ وَاَنَا نَائِمَةٌ اِلٰى جَنْبِهٖ عَلَيْهِ ثَوْبٌ جَانِبُهٗ عَلَيَّ۔

کونسی چیز نماز کو توڑتی ہے اور کونسی نہیں

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے ایک مرتبہ اسود بن یزید نے سوال پوچھا کہ کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا اے اہل عراق! تم یہ سمجھتے ہو کہ گدھا' کتا اور بلی (نمازی کے آگے سے گزر کر اس کی) نماز کو توڑ دیتے ہیں اور تم ہم عورتوں کو بھی ان کے ساتھ ملاتے ہو' جہاں تک ممکن ہو' آگے سے گزرنے والے کو روکو' حقیقت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور میں آپ ﷺ کے پہلو میں لیٹی ہوتی تھی اور آپ ﷺ پر جو کپڑا ہوتا تھا اس کا ایک حصہ مجھ پر ہوتا تھا۔

حلِ عبارت: "تزعمون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی گمان کرنا "یقطعون" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی توڑنا "قرنتمونا" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ملانا "ادرا" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ٹالنا' دور کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۱۱۴۳ (۵۱۲' ۵۱۴)' والبخاری: ۵۱۴' ۵۱۵۔

مفہوم: نمازی کے آگے سے گزرنے کو احادیث کی روشنی میں بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے اور بعض روایات میں تو یہاں تک وارد ہوا ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو پتہ چل جائے کہ اس پر کتنا گناہ ہو گا تو وہ چالیس...... تک کھڑا رہنے اور انتظار کو نمازی کے آگے سے گزرنے پر ترجیح دے گا' راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ نبی علیہ السلام نے "چالیس" کے بعد دن' مہینے یا سال میں سے کون سا لفظ استعمال کیا تھا؟

لیکن یہ بھی ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ اس سے نمازی کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور وہ بغیر کسی خرابی کے صحیح ہو جاتی ہے خواہ نمازی کے آگے سے کوئی انسان گزرے یا کوئی جانور' اور وہ مرد ہو یا عورت' کتا ہو یا گدھا' بہر صورت نماز ہو جاتی ہے۔

اصل میں جسمانی طور پر بعض لوگ بہت کمزور ہوتے ہیں اور عورت کا وجود ہی نہیں' صرف لفظ عورت بھی ان کے لیے آزمائش کا ذریعہ بن جاتا ہے' اس کیفیت کے بہت سے لوگوں پر کسی بھی عورت کا تصور آتے ہی یا اسے دیکھتے ہی ایسا نشہ طاری ہو جاتا ہے جس سے بالآخر ان پر غسل واجب ہو جاتا ہے' ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نماز کا برقرار رہنا

کیسے ممکن ہے؟

اس لیے جن روایات میں نمازی کے آگے سے کسی عورت کے گزرنے پر نمازی کی نماز ٹوٹ جانے کا ذکر ملتا ہے' ان کا بے غبار اور صاف ستھرا محمل یہی ہے اور جن روایات میں اس سے صحت نماز پر کوئی اثر بھی پڑنے کا ذکر نہیں ہے اس کا صحیح محمل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اس کمزوری کا شکار نہ ہوں۔

ہماری اس توجیہ کے بعد بعض محدثین کی طرف سے کیے گئے دعویٰ نسخ کی کوئی ضرورت باقی نہیں بچتی اور دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی واضح صورت نکل آتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ اِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ

(۱٦٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخَطَبَ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا تَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَاحْمَدُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْهُ وَسَبِّحُوْهُ حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَيُّهُمَا انْكَسَفَ ثُمَّ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔

سورج کو گہن لگ جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جس دن نبی علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا' اسی دن سورج گرہن ہو گیا' نبی علیہ السلام نے اس موقع پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا شمس وقمر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' انہیں کسی کی موت سے گہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی سے' اس لیے جب تم یہ کیفیت دیکھا کرو تو نماز پڑھا کرو' اور اللہ کی تحمید اور تکبیر و تسبیح بیان کیا کرو' یہاں تک کہ گہن ختم ہو جائے' یہ کہہ کر نبی علیہ السلام منبر سے اتر آئے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱٦٧) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ النَّاسُ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ قِيَامًا طَوِيْلًا حَتّٰى ظَنُّوْا اَنَّهٗ لَا يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهٗ قَدْرَ قِيَامِهٖ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَكَانَ قِيَامُهٗ قَدْرَ رُكُوْعِهٖ ثُمَّ سَجَدَ قَدْرَ قِيَامِهٖ ثُمَّ جَلَسَ فَكَانَ جُلُوْسُهٗ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَدْرَ سُجُوْدِهٖ ثُمَّ سَجَدَ قَدْرَ جُلُوْسِهٖ ثُمَّ صَلَّى الرَّكْعَةَ الثَّانِيَةَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ مِنْهَا بَكٰى فَاشْتَدَّ بُكَاؤُهٗ فَسَمِعْنَاهُ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَاَنَا فِيْهِمْ ثُمَّ جَلَسَ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ ثُمَّ

قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ لَا يَكْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أُدْنِيتُ مِنَ الْجَنَّةِ حَتّٰى لَوْ شِئْتُ أَنْ أَتَنَاوَلَ غُصْنًا مِنْ أَغْصَانِ شَجَرِهَا فَعَلْتُ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أُدْنِيتُ مِنَ النَّارِ حَتّٰى جَعَلْتُ أَتَّقِي وَلَقَدْ رَأَيْتُ سَارِقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ سَارِقَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ يُعَذَّبُ بِالنَّارِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ فِيهَا عَبْدَ بْنَ دَعْدَعٍ سَارِقَ الْحُجَّاجِ بِمِحْجَنِهِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ فِيهَا امْرَأَةً أَدْمَاءَ حِمْيَرِيَّةً تُعَذَّبُ فِي هِرَّةٍ لَّهَا رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خُشَاشِ الْأَرْضِ وَحَشَرَاتِهَا۔

وَفِي رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَفِيهِ لَقَدْ رَأَيْتُ عَبْدَ بْنَ دَعْدَعٍ سَارِقَ الْحُجَّاجِ بِمِحْجَنِهِ فَكَانَ إِذَا خَفِيَ ذَهَبَ وَإِذَا رَآهُ أَحَدٌ قَالَ إِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِي۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا خَفِيَ لَهُ شَيْءٌ ذَهَبَ بِهِ وَإِذَا ظَهَرَ عَلَيْهِ قَالَ إِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِي۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس دن نبی علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا' اسی دن سورج گرہن ہوگیا' لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے سورج کو گہن لگ گیا' اس موقع پر نبی علیہ السلام نے نماز کسوف پڑھاتے ہوئے اتنا طویل قیام کیا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ نبی علیہ السلام رکوع نہیں کریں گے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا جو بقدر قیام تھا' پھر رکوع سے سر اٹھایا تو قومہ بقدر رکوع تھا' پھر سجدہ کیا جو بقدر قومہ تھا' پھر دو سجدوں کے درمیان بیٹھے جو بقدر سجدہ تھا' پھر دوسرا سجدہ کیا جو بقدر جلسہ تھا۔

پھر دوسری رکعت پڑھائی اور اس میں بھی اسی طرح کیا' یہاں تک کہ جب دوسری رکعت کے سجدے میں پہنچے تو رو پڑے اور یہ آہ و بکاء بہت شدید ہوگئی' ہم نے کان لگا کر سنا تو نبی علیہ السلام یہ فرما رہے تھے کہ اے اللہ! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ میری موجودگی میں تو انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے' تشہد پڑھا اور نماز سے فارغ ہو کر صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ شمس و قمر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے ذریعے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' انہیں کسی کی موت سے گہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی سے' اس لیے جب ایسی صورت حال پیش آیا کرے تو نماز کا اہتمام کیا کرو۔

اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ مجھے اسی نماز کے دوران جنت کے اتنا قریب کر دیا گیا کہ اگر میں اس کے درختوں کی ٹہنیوں میں سے کوئی ٹہنی توڑنا چاہتا تو توڑ سکتا تھا اور میں نے اپنے آپ کو جہنم کے بھی اتنا قریب دیکھا کہ میں ڈرنے لگا' اور میں نے پیغمبر خدا کے گھر میں چوری کرنے والے کو جہنم میں مبتلاءِ عذاب دیکھا اور میں نے جہنم میں عبد بن دعدع کو بھی دیکھا جو اپنی لاٹھی کے ذریعے حجاج کرام کا سامان چوری کرتا تھا' نیز میں نے اس میں قبیلہ حمیر سے تعلق رکھنے والی گندمی

رنگ کی ایک عورت کو بھی دیکھا جسے اپنی ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا جسے اس نے باندھ رکھا تھا' نہ خود اسے کچھ کھلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ خود ہی زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لے۔

ایک دوسری روایت میں اسی طرح کا مضمون آیا ہے جس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب عبد بن دعدع کو کوئی نہ دیکھ پاتا تو وہ اس کا ساز و سامان اٹھا کر لے جاتا اور اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو وہ یہ بہانہ بنا دیتا کہ یہ سامان میری لاٹھی سے چپک کر آ گیا ہے۔

حلِ عبارت: "انکسفت" باب انفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی گہن لگ جانا "**ینجلی**" مذکورہ باب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی روشن ہو جانا "**اشتد**" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی شدید ہونا' "**یخوف**" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ڈرانا' خوفزدہ کرنا "**ادنیت**" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی قریب کرنا "**ادماء**" فعلاء کے وزن پر مؤنث ہے بمعنی گندمی رنگ "**ربطتها**" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی باندھنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۱۰۴۳' ومسلم: ۲۱۲۲ (۹۱۵)' وابوداؤد: ۱۱۹۱' والنسائی: ۱۵۰۳' وابن ماجه: ۱۲۶۲۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری مختصراً:۱۰۵۲' ومسلم:۲۱۰۲(۹۰۴)' وابوداؤد:۱۱۹۴' والنسائی:۱۴۸۳' وابن ماجه: ۱۲۶۵' واحمد بهذا السیاق:۶۴۸۳' و عبدالرزاق: ۴۹۳۸، وابن ابی شیبة: ۴۶۷/۲ و ابن خزیمة: ۹۰۱۔

مفہوم: نماز کسوف کے حوالے سے فقہاء کرام نے ان حدیثوں سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے لیکن یہاں ہم شرح حدیث کے حوالے سے چند امور کے ذکر پر اکتفاء کریں گے۔

ا۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کے یہاں یہ بات بہت مشہور تھی کہ سورج گرہن اور چاند گرہن ہونا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا فوت ہو گیا ہے' اسی خیال کا اظہار انہوں نے نبی علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے انتقال پر کیا جن کی والدہ نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے بطور ہدیہ کے آنے والی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں' نبی علیہ السلام نے فوراً اس خیال کی تردید فرمائی۔

۲۔ سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں اور نظام کائنات کے دو اہم ترین پرزے ہیں' مظاہر پرست لوگ ان کی پوجا بھی کرتے ہیں اور ان کی عظیم جسامت تو ویسے ہی واضح ہے' روشنی کے ان دو میناروں کو کلی یا جزوی طور پر بے نور کر کے بندوں کو یہ سبق سکھانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ بے جان شمس و قمر مستحق عبادت اور معبود کیونکر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ یہ اتنے عاجز ہیں کہ اپنے آپ کو بے نور ہونے سے بچا نہیں سکتے اور وہ ذات کس قدر طاقتور اور قادر ہو گی جو ایسی عظیم چیزوں کی روشنی چھین لینے میں کسی ہچکچاہٹ اور پریشانی کا شکار نہیں ہوتی' پھر اس ذات کو چھوڑ کر ان مظاہر کی عبادت کرنا انصاف کے

منافی ہوگا یا نہیں؟

۳۔ دنیا میں آج تک سورج اور چاند گرہن ہوتا چلا آ رہا ہے، لیکن اب یہ فیشن بن چکا ہے کہ سائنسدان اس کے ذریعے نئی سائنسی معلومات حاصل کریں اور عام آدمی "اگر اس کے پاس فرصت ہو" تو دوربین وغیرہ کے ذریعے اس کا نظارہ کرلے اور اس پر اپنی حیرت کا اظہار کر کے متعجب ہو جائے، اس حقیقت کو فراموش کر کے طاق نسیاں میں رکھا جا چکا کہ چاند اور سورج کا بے نور ہونا قیامت کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا ہے، اور یہ کہ اسی وجہ سے نبی علیہ السلام اس موقع پر گھبرا جاتے تھے اور فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، آلات جدیدہ کی ایجاد کے بعد کئی دن قبل سورج اور چاند گرہن کی تاریخ اور وقت معلوم ہونے کے باوجود مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی صلوٰۃ کسوف یا خسوف کی جماعت ہوتے ہوئے دیکھی ہو، اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ عرب میں ایک شخص "سارق الحجاج" کے نام سے مشہور گزرا ہے، اس کا اصل نام "عبد بن دعدع" تھا، اس کے پاس ایک لاٹھی ہوتی تھی جس کے سرے پر اس نے دھاری دار لوہا لگا رکھا تھا، اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ جب وہ زمین پر اپنی لاٹھی گھسیٹتے ہوئے چلتا تھا تو بہت سی چیزیں اس کی لاٹھی کے ساتھ ہی گھستی ہوئی چلی آتی تھیں، اگر کوئی آدمی شور مچاتا تو وہ یہ کہہ کر معذرت کر لیتا کہ مجھے پتہ نہیں چل سکا، یہ میری لاٹھی کے ساتھ گھستی ہوئی آ گئی ہے اور یہ کہہ کر وہ چیز اس کے مالک کو لوٹا دیتا اور اگر کوئی آدمی کسی طرف سے بھی نہ بولتا تو وہ اس طرح کرتے کرتے اس چیز کو اپنے گھر لے جاتا۔

وہ شخص ان کاموں میں اتنا دلیر ہو چکا تھا کہ اللہ کے مہمان حجاج کرام کو بھی نہیں بخشتا تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ایام حج ہی تو اس کی اصل کمائی اور محنت کے دن ہوتے تھے تو کچھ بے جا نہیں ہوگا، اللہ نے اس عمل کی پاداش میں اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا نوالہ بنا دیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا بھی دیا کہ وہ جہنم میں جل رہا ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی حرکتیں کرنے والے ہر شخص کا یہی انجام ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صَلٰوةِ الْاِسْتِخَارَةِ

(۱۶۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَاصِحٍ عَنْ یَحْیٰی عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ كَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

استخارہ کی نماز کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استخارہ کی تعلیم اسی طرح دیا کرتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت اسی مضمون کی وضاحت ہے۔

(۱۶۹) اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاَمْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَمْرًا فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا الْاَمْرُ خَيْرًا لِّي فِي مَعِيْشَتِي وَخَيْرًا لِّي فِي عَاقِبَةِ اَمْرِي فَيَسِّرْهُ لِي وَبَارِكْ لِي فِيْهِ۔

وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ وَاِنْ كَانَ غَيْرُهٗ فَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهٖ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملہ میں ہمیں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیا کرتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے' اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وضو کرے اور فرائض کے علاوہ دو رکعتیں (نفلی طور پر) پڑھ کر یہ دعاء کرے کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے علم کے ذریعے خیر کا طلب گار ہوں' اور آپ کی قدرت سے اس کام پر قدرت کا خواستگار ہوں' اور آپ سے آپ کا فضل چاہتا ہوں کیونکہ آپ سب کچھ جانتے ہیں' میں کچھ بھی نہیں جانتا' آپ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور مجھے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں اور آپ تو علام الغیوب ہیں۔

اے اللہ! اگر یہ کام میرے لیے معاشی طور پر اور انجام کار کے اعتبار سے اچھا ہے تو اسے میرے لیے آسان فرما اور اسے مبارک فرما اور اگر نہیں تو پھر میرے لیے خیر مقدر فرما جہاں بھی ہو اور پھر اس پر مجھے راضی بھی فرما۔

حل عبارت: "استخيرك" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی خیر طلب کرنا' "استقدرك" بھی یہی صیغہ ہے بمعنی قدرت طلب کرنا "فاقدر" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مقدر کرنا "رضنی" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی راضی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجهما البخاری: ۱۱۶۲' وابوداؤد: ۱۵۳۸' والترمذی: ۴۸۰' وابن ماجه: ۱۳۸۳' والنسائی: ۳۲۵۵۔

مفہوم: اس حدیث کا تعلق نمازِ استخارہ سے ہے جس سے فقہاء کرام نے بہت سے مسائل مستنبط کیے ہیں لیکن یہاں ہم شرح حدیث کے حوالے سے چند باتیں ذکر کرنے پر ہی اکتفاء کریں گے۔

۱۔ استخارہ کے ذریعے بندے اور اس کے رب کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنا اصل مقصد ہے۔

۲۔ استخارہ وہاں کیا جاتا ہے جہاں کسی کام کے بارے انسان کشمکش کا شکار ہو اور اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا ہو کہ اسے کیا کرنا چاہیے' اگر کوئی ایک رخ متعین ہو تو وہاں استخارہ کے بجائے دعاء کرنی چاہیے۔

۳۔ کسی سے اپنے لیے استخارہ کروانا بھی جائز ہے لیکن افضل یہی ہے کہ صاحب معاملہ خود مذکورہ طریقے سے استخارہ کرے اور اس کے بعد جب ذہن کسی ایک رخ پر مطمئن ہو جائے تو اسی میں اللہ کی طرف سے خیر اور بھلائی کو مضمر سمجھے۔

۴۔ استخارہ کا مطلب ہے "طلب خیر" لہٰذا استخارہ وہیں کیا جا سکتا ہے جہاں کسی کام میں خیر اور شر دونوں کے پہلو ہوں، جہاں صرف شر کا پہلو ہو اسے ترک کرنے میں استخارہ کی ضرورت نہیں اور جہاں صرف خیر کا پہلو ہو اسے اختیار کرنے میں استخارہ کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صَلٰوۃِ الضُّحٰی

(۱۷۰) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ وَضَعَ لَامَتَہٗ وَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّہٗ عَلَیْہِ ثُمَّ دَعَا بِثَوْبٍ وَاحِدٍ فَصَلّٰی فِیْہِ وَزَادَ فِیْ رِوَایَۃٍ مُتَوَشِّحًا۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَضَعَ لَامَتَہٗ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَاُتِیَ بِہٖ فِیْ جَفْنَۃٍ فِیْهَا خُبْزُ الْعَجِیْنِ فَاسْتَتَرَ بِثَوْبٍ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَعَا بِثَوْبٍ فَتَوَشَّحَ بِہٖ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ وَهِیَ الضُّحٰی وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَضَعَ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ لَامَتَہٗ وَدَعَا بِمَاءٍ فَاُتِیَ بِہٖ فِیْ جَفْنَۃٍ فِیْهَا اَثَرُ عَجِیْنٍ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰی اَرْبَعًا اَوْ رَکْعَتَیْنِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا۔

چاشت کی نماز کا بیان

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جس دن نبی علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو اپنی زرہ اتار دی اور پانی منگوا کر اپنے جسم پر بہایا پھر ایک کپڑا منگوا کر اس میں نماز پڑھی، ایک روایت میں اسے لپیٹنے کی وضاحت بھی آئی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس پانی کا ایک بڑا سا پیالہ لایا گیا جس پر آٹے کے کچھ اثرات باقی تھے، نبی علیہ السلام نے کپڑے سے پردہ کر کے اس پانی سے غسل کیا، پھر ایک کپڑا منگوا کر جسم پر اچھی طرح لپیٹ کر دو رکعت نماز پڑھی، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔

حل عبارت: "لَامَتَہٗ" یہ لفظ لام کے فتحہ، ہمزہ کے سکون، میم اور تاء کے فتحہ کے ساتھ ہے بمعنی اسلحہ، زرہ، اس لفظ کو "لِاُمَّتِہٖ" پڑھنا غلط ہے "دعا" کے صلے میں اگر "ب" آ جائے تو اس کا معنی منگوانا ہوتا ہے، "جفنۃ" پانی کا ٹب یا بڑی پرات "استتر" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھپانا، ستر ڈھانپنا۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری مثلہ: ۱۱۷۶، ومسلم: ۱۶۷۰ (۳۳۶)، وابوداؤد: ۱۲۹۰، والترمذی: ۴۷۴، واحمد: ۲۷۴۲۵، وابن خزیمۃ: ۳۳۷۔

مفہوم: اس حدیث کے تحت ہمیں صرف دو باتیں ذکر کرنا ہیں۔

۱۔ فتح مکہ کا عظیم الشان تاریخی واقعہ تاریخ عالم میں ایک انوکھی انفرادیت کا مقام رکھتا ہے کیونکہ دنیا نے اس سے پہلے دارا' سکندر اور رستم و سہراب کے قصے پڑھے تھے اور ان کی سفا کی و بربریت کو بچشم خود دیکھا تھا' فتح کا یہ انوکھا واقعہ تھا کہ جس میں فاتح مفتوحوں سے زیادہ عاجز دکھائی دیتا تھا' جس میں فاتح نے دنیا کے سامنے جنگ کی ایک نئی اور قابل تقلید طرح ڈالی اور جس میں فاتح نے اپنے مفتوحوں کو بھیڑ بکریوں کے درجے پر لے جانے کی بجائے انہیں انسانیت ہی کے مرتبے پر اپنے جیسا انسان سمجھا اور اسی کے مطابق برتاؤ کیا۔

۲۔ سنت سے ثبوت کے لیے کسی عمل کی نسبت اگر صحیح سند کے ساتھ نبی علیہ السلام کی طرف فقط ایک مرتبہ بھی ثابت ہو جائے تو اسے کافی سمجھا جاتا ہے اور اس کے لیے یہ کہنا جائز ہوتا ہے کہ یہ عمل سنت سے ثابت ہے گو کہ فقہاء کرام درجہ بندی میں اسے مستحب یا جائز ہی قرار دیں اس لیے کہ وہ ان کی اصطلاح ہے۔

نماز چاشت کا تعلق بھی اسی نوعیت کے ساتھ ہے کہ بعض تابعین سے منقول ہے کہ چاشت کی نماز نبی علیہ السلام کے حوالے سے صرف حضرت ام ہانیؓ نے نقل کی ہے اور یہ کہ نبی علیہ السلام نے بھی اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ ہی یہ نماز پڑھی ہے' گو کہ تتبع اور استقراء سے اس مضمون کی بہت سی روایات جمع کی جا سکتی ہیں اور مذکورہ تابعین کے قول کو ان کے علم پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے لیکن سر دست اگر ان ہی کی بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ چاشت کی نماز سنت سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْعَمَلِ فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

(۱۷۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ قَامَ وَنَامَ وَاِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ شَدَّ الْمِیْزَرَ وَاَحْیَ اللَّیْلَ۔

رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں محنت کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب ماہ رمضان شروع ہوتا تو نبی علیہ السلام قیام بھی کرتے اور نیند بھی کرتے' اور جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور رت جگا کرتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی قیام اللیل سے ہی متعلق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْقِیَامِ عَامَّةَ اللَّیْلِ

(۱۷۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ زِیَادٍ عَنِ الْمُغِیْرَةِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْمُ عَامَّةَ اللَّیْلِ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقَالَ لَهٗ اَصْحَابُهٗ اَلَیْسَ قَدْ غُفِرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

رات کے اکثر حصے میں قیام کا بیان

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ رات کو اکثر حصہ قیام فرماتے تھے' حتی کہ آپ کے قدم مبارک ورم آلود ہو جاتے' ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ کیا اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہوں کو معاف نہیں فرما دیا؟ (یعنی اتنی محنت کا فائدہ کیا ہے جبکہ آپ کے تو سارے گناہ معاف ہو چکے؟) فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

حل عبارت: "شد" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی باندھنا "المیزر" تہ بند' کنایۃً عبادت میں محنت مراد ہے "احی" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی زندہ کرنا "تورمت" باب تفعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ورم آلود ہو جانا' سوج جانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاري: ۲۰۲٤' ومسلم: ۲۷۸۷ (۱۱۷٤)' وابوداؤد: ۱۳۷٦' والترمذي: ۷۹۵' والنسائي ۱٦٤۰' وابن ماجه: ۱۷٦۸' واحمد: ۲٤٦۳۲' وابن خزيمة: ۲۲۱٤۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري، ۱۱۳۰' ومسلم: ۷۱۲٤ (۲۸۱۹)' والترمذي: ٤۱۲' وابن ماجه: ۱٤۱۹' والنسائي، ۱٦٤۵۔

مفہوم: ماہ مقدس رمضان سعادتوں اور برکتوں سے بھرپور اللہ کا عظیم مہمان ہے جس کی مہمان نوازی کرنا ہر اس شخص کے ذمے ضروری ہے جو اس نعمت کو پائے' اس عظیم مہینے میں سرکار دو عالم ﷺ کے معمولات یکسر بدل جاتے تھے چنانچہ قرآن کریم کا دور اسی مہینے کے معمولات میں سے تھا' حضرت ابن عباسؓ کے بقول ماہ مقدس میں آپ ﷺ کی سخاوت تیز آندھی سے بھی زیادہ تیزی سے لوگوں پر ہوتی تھی' رات رات بھر عبادت میں مشغول رہنا اور دس دن تک تو مخلوق سے مکمل ناطہ توڑ کر اعتکاف کی حالت میں اپنے آپ کو مصروف رکھنا رمضان کے اہم معمولات میں سے تھا' لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ امت مرحومہ کے رمضان اور غیر رمضان میں امتیاز صرف سحری اور افطاری کے دسترخوان پر بھانت بھانت کی اشیائے خورد و نوش سے ہی ہوتا ہے' ورنہ زندگی کی ڈگر میں کوئی فرق اور تبدیلی محسوس نہیں ہوتی۔

بلکہ اگر رمضان کی بات بھی ایک طرف رکھ کر ایک دوسرے پہلو سے اس پر غور کیا جائے تو عام دنوں میں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی جہد مسلسل ایک پیغام انقلاب محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایک طرف تو یہ حقیقت تھی کہ اللہ نے آپ کو گناہوں سے پاک اور معصوم پیدا کیا تھا' اور اگر بتقاضائے بشریت کوئی معمولی سی لغزش سرزد ہو بھی گئی ہو تو اس کے لیے "**ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر**" کا اعلان فرما دیا تھا اور دوسری طرف آپ کے قلب مطہر میں جذبات شکر کا وہ بحر بیکراں موجزن تھا جو آپ ﷺ کو ہر وقت اپنے پروردگار کے حضور حاضر رکھتا تھا' گویا عبادت الٰہی میں اس قدر استغراق اور بارگاہ الٰہی میں اس قدر حاضری کے باوجود آپ ﷺ اپنی عبادت پر کبھی فخر نہ فرماتے تھے اور

ہماری صورت حال یہ ہے کہ کسی دن نفلی روزہ رکھنے یا رات کو تہجد کی چار رکعتیں پڑھ لینے کی توفیق مل جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے معاذ اللہ خدا پر کوئی احسان کر دیا۔ شتان بینھما

بَابٌ كَمْ كَانَتْ صَلٰوةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِاللَّيْلِ؟

(۱۷۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ اَنَّ صَلٰوةَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِاللَّيْلِ كَانَتْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً مِنْهُنَّ ثَلٰثُ رَكَعَاتِ الْوِتْرِ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ۔

نبی علیہ السلام کی رات کی نماز کتنی رکعتوں پر مشتمل ہوتی تھی؟

ترجمہ: حضرت امام ابوجعفر باقرؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کی رات کی نماز تیرہ رکعت پر مشتمل ہوتی تھی، جن میں وتر کی تین رکعتیں اور فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔

حل عبارت: "رکعتا الفجر" اصل میں "رکعتان الفجر" تھا، لیکن اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ گر گیا۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری مثلہ: ۱۱۴۰، ومسلم: ۱۷۲۶ (۷۳۸)، وابوداؤد: ۱۳۳۴، والترمذی: ۴۴۲، والنسائی: ۱۷۲۸۔

مفہوم: ذخیرۂ حدیث پر نظر رکھنے والا اس حدیث کو پڑھ کر بعض اوقات اس الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ آیا نبی علیہ السلام رات کے وقت گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جیسا کہ کتب صحاح میں ہے یا تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جیسا کہ اس روایت میں تصریح ہے؟ س کا ایک حل تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کبھی گیارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے اور کبھی تیرہ، جس صحابی کو گیارہ کا علم ہوا، ان کی روایت میں گیارہ کا عدد آ گیا اور جس صحابی کو تیرہ کا علم ہوا ان کی روایت میں تیرہ کا عدد آ گیا۔

اور دوسرا حل یہ ہے کہ جن روایات میں گیارہ کا عدد مذکور ہے، ان میں آٹھ رکعتیں نماز تہجد کی اور تین رکعتیں نماز وتر کی شمار کی گئی ہیں اور جن روایات میں تیرہ کا عدد مذکور ہے، ان میں فجر کی دو سنتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے، گو کہ فجر کی سنتیں طلوع صبح صادق کے بعد ادا کی جاتی ہیں لیکن رات کے ساتھ انتہائی قرب کی وجہ سے ان دو رکعتوں کو بھی رات کی نمازوں میں شامل کر لیا گیا۔

رہی یہ بات کہ زیر بحث حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں، ان سے کم نہیں تو یہاں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے کیونکہ اس موضوع پر قدرے گفتگو گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

(۱۷۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ حُمْرَانَ قَالَ مَا لُقِيَ ابْنُ عُمَرَ قَطُّ اِلَّا وَاَقْرَبُ النَّاسِ مَجْلِسًا حُمْرَانُ فَقَالَ ذَاتَ يَوْمٍ يَا حُمْرَانُ لَا اُرَاكَ تُوَاظِبُنَا اِلَّا وَاَنْتَ تُرِيْدُ لِنَفْسِكَ خَيْرًا فَقَالَ اَجَلْ

يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ اَمَّا اِثْنَتَانِ فَاِنِّيْ اَنْهَاكَ عَنْهُمَا وَاَمَّا وَاحِدَةٌ فَاِنِّيْ اٰمُرُكَ بِهَا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَاْمُرُبِهَا قَالَ مَا هِيَ تِلْكَ الْخِصَالُ الثَّلٰثُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ لَا تَمُوْتَنَّ وَعَلَيْكَ دَيْنٌ اِلَّا دَيْنًا تَدَعُ بِهٖ وَفَاءً وَلَا تُسَمِّعَنَّ مِنْ تِلَاوَةِ اٰيَةٍ فَاِنَّهٗ يُسَمِّعُ بِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا سَمَّعْتَ بِهٖ قِصَاصًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا' وَاَمَّا الَّذِيْ اٰمُرُكَ بِهٖ كَمَا اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَرَكْعَتَا الْفَجْرِ فَلَا تَدَعْهُمَا فَاِنَّ فِيْهِمَا الرَّغَائِبَ۔

سنت فجر کا بیان

ترجمہ: ابن اقمر سے حمران کے متعلق منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب بھی ملاقات ہوتی تو مجلس میں ان کے سب سے زیادہ قریب حمران ہی ہوتے' ایک دن حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا حمران! میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے اس دوام اور مداومت کا مقصد ہی اپنے لیے بھلائی کا حصول ہے؟ عرض کیا جی حضرت! فرمایا یاد رکھو! میں تمہیں دو عادتوں سے روکتا ہوں اور ایک کام کے کرنے کا حکم دیتا ہوں' کیونکہ میں نے نبی علیہ السلام کو اس کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے' حمران نے عرض کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! وہ تین عادتیں کون سی ہیں؟ فرمایا تمہیں اس حال میں موت نہ آئے کہ تم پر کسی قسم کا کوئی قرض ہو الا یہ کہ اس کی ادائیگی کا انتظام موجود ہو' کسی آیت کی تلاوت سے اپنی شہرت کے متلاشی نہ رہنا ورنہ قیامت کے دن قصاص کے طور پر تمہاری بھی اسی طرح تشہیر کی جائے گی اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا' اور جس چیز کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں' نبی علیہ السلام نے مجھے بھی اس کا حکم دیا تھا اور وہ ہے فجر کی دو رکعتیں' کہ انہیں کبھی نہ چھوڑیں کیونکہ اس میں رغبت کے بہت سے اسباب موجود ہیں۔

فائدہ: اگلی روایت میں اسی مضمون کے ایک جزء کی وضاحت ہے۔

(۱۷۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ ابْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ مُعَاهِدَةً مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوافل میں فجر کی دوسنتوں سے زیادہ کسی کی رعایت اور خیال نہیں کرتے تھے۔

حلِ عبارت: "مالقی" باب سمع سے فعل ماضی منفی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ملاقات کرنا "انهاك" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی روکنا "تدع" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی چھوڑنا "لا تسمعن" باب تفعیل سے نہی معروف بانون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی شہرت کے لیے کوئی کام کرنا "اشد" کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے' اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس کا استعمال "من" کے

ساتھ ہوا ہے۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الثانی فقد اخرجه البخاری: ۱۱۶۹، ومسلم: ۱۶۸۶ (۷۲٤)، وابوداؤد: ۱۲٥٤، والنسائی: ۱۷٥۹، ۱۷٦۰، واحمد: ۲٤٦٦۸، وابن خزیمة: ۱۱۰۸، واما الحدیث الاول فقد اخرجه الحارثی: ٥۹۹۔

مفہوم: بنیادی طور پر تو اس حدیث میں فجر کی سنتوں کی تاکید بیان کرنا مقصود ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ کی نصیحتیں آج بھی زندگی کو کامیاب اور خوشحال بنانے کا ایک نسخہ کیمیاء ہیں، کیونکہ ظاہر ہے اگر مقروض جلد از جلد قرض کی ادائیگی کر دے گا تو عوام کی نظروں میں بھی قابل تعریف ٹھہرے گا اور اللہ کی خوشنودی بھی اسے حاصل ہو گی اور اگر وہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے گا تو ظالم کہلائے گا اور اسی حال میں مر جانے کی صورت میں وہ اپنے اہل خانہ کے لیے بھی مصائب کا ایک پہاڑ کھڑا کر جائے گا اور خود بھی اس حق العباد کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے اس معاملہ میں پکڑ کا شکار ہو گا۔

اسی طرح وہ قاری جو لوگوں میں اپنی واہ واہ کروانے اور شہرت حاصل کرنے کا گھٹیا مقصد پانے کے لیے آیات قرآنیہ کا استعمال کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کی تشہیر کی جائے گی کہ یہ ہیں وہ قاری صاحب جو لوگوں میں اپنی شہرت چاہتے تھے، سو آج ہم انہیں مشہور کیے دیتے ہیں، بنیادی طور پر یہ حدیث ہمارے قراء و مجودین کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے جو جلسوں اور محفلوں میں صرف شہرت اور پیسہ کمانے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کا چکر کاٹتے رہتے ہیں۔

بَابُ مَا يُقْرَأُ فِيْ رَكْعَتِي الْفَجْرِ

(۱۷۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَمَقْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا فَسَمِعْتُهٗ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتِي الْفَجْرِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔

فجر کی سنتوں میں کیا پڑھا جائے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں چالیس دن یا ایک مہینے تک مسلسل اس بات پر غور کرتا رہا ہوں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو فجر کی سنتوں میں قل ھو اللہ احد اور قل یایھا الکافرون کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔

حل عبارت: "رمقت" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دیکھنا، غور کرنا "یوما او شهرا" شك من الراوی.

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ٤۱۷، وابن ماجه: ۱۱٤۹، والنسائی: ۹٤٦، وابوداؤد: ۱۲٥٦، ومسلم: ۱٦۹۰ (۷۲٦) واحمد: ٤۹۰۹، والطیالسی: ۱۸۹۳، وابن ابی شیبة: ۲/۲٤۲۔

مفہوم: بعض دوسری روایات کو ملا کر اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس گہرے تجزیئے کا دورانیہ ایک مہینے پر محیط تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چالیس دن یا ایک مہینے کی تعیین میں کسی راوی کو شک ہو

گیا ہے، حضرت ابن عمرؓ کی طرف اس شک کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کا عام معمول مبارک فجر کی سنتیں مختصر پڑھنے کا تھا کیونکہ سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کوئی لمبی سورتیں نہیں ہیں جنہیں پڑھنے میں کوئی زیادہ وقت لگے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مسنون ہے۔

لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سنن ونوافل کی ادائیگی انفرادی طور پر ہوتی ہے اور اس میں بلند آواز سے قراءت بھی نہیں کی جاتی، پھر حضرت ابن عمرؓ کو یہ کیونکر پتہ چلا کہ نبی علیہ السلام ایک مہینے تک یہی دو سورتیں فجر کی سنتوں میں پڑھتے رہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم وتعلم کے نظریے سے نبی علیہ السلام کا سرّی فرض نمازوں میں ایک دو آیتوں کا جہراً تلاوت کرنا روایات صحیحہ سے ثابت ہے تو پھر سنن ونوافل میں اس کے ثبوت میں کیا قباحت ہوسکتی ہے اور ایک آدھ آیت سے بھی سورت اور پارے کا تعین کرنا ممکن ہے بالخصوص جبکہ وہ آخری پارے کی سورتیں ہوں، اس لیے یہ امکان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ابن عمرؓ نے قرب نبوی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ اندازہ لگا لیا ہو اور اس کے لیے انہیں سورت کی ایک آدھ آیت کا اشارہ ہی کافی ہو۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ وَجَلَسَ فِيْ مَكَانِهٖ

(۱۷۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا صَلَّى الصُّبْحَ لَمْ يَبْرَحْ عَنْ مَكَانِهٖ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَبْيَضَّ۔

نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھے رہنے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو سورج نکلنے اور اس کی روشنی پھیل جانے تک اپنی جگہ سے نہ ہٹتے تھے۔

حل عبارت: "لم یبرح" یوں تو یہ باب فتح سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے لیکن افعال ناقصہ میں جو "ما برح" آتا ہے وہ اسی سے ہے جس کا معنی ہے ہمیشہ رہنا "تبیض" باب افعلال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی سفید ہونا، روشن ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ١٥٢٦ (٦٧٠)، والترمذى: ٥٨٥ وهو من الثنائيات لابى حنيفة۔

مفہوم: نماز اشراق جو طلوع آفتاب کے پندرہ بیس منٹ بعد ادا کی جاتی ہے، کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے جس کا اہتمام کرنے والے افراد کی تعداد روز بروز گھٹتی جا رہی ہے اور اب تو صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ بہت سے لوگوں کو نماز اشراق کا پتہ ہی نہیں اور جنہیں پتہ ہے وہ عافیت اسی میں سمجھتے ہیں کہ اپنی زبان کو تالا لگا کر رکھیں اور اس عمل سے اپنے

آپ کو دور رکھنے کے لیے اپنے اعضاء و جوارح پر بھی مضبوط پہرہ بٹھا دیں' حالانکہ اس روایت سے نہ صرف یہ کہ اس کا ثبوت ملتا ہے بلکہ نبی علیہ السلام کا روزانہ کا معمول ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔

اب فقہاء کرام کی درجہ بندی میں آپ اسے سنت کہیے یا مستحب قرار دیجئے' میں تو اس غرض سے بالاتر ہو کر صرف ایک ہی درخواست کرنا چاہوں گا کہ اگر نماز فجر کے بعد اپنی نماز کی جگہ پر طلوع آفتاب تک بیٹھنا مشکل معلوم ہو تو اپنے گھر جانے میں اور وہیں پر وقت مقررہ میں نماز اشراق کی نیت سے دو رکعت ہی پڑھ لینے میں پروردگار عالم سے اسی ثواب کی امید رکھنی چاہیے جو مسجد میں پڑھنے پر ملتا۔ واللہ اعلم عند اللہ

بَابُ مَنْ صَلّٰی اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ

(۱۷۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْعِشَاءِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ عَدَلْنَ مِثْلَهُنَّ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

بعد عشاء چار رکعات نفل پڑھنا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز عشاء کے بعد مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے چار رکعت نفل پڑھ لے تو وہ اس کے لیے شب قدر میں پڑھنے کے برابر ہو جائیں گے۔

(۱۷۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ صَلّٰى اَرْبَعًا بَعْدَ الْعِشَاءِ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِتَسْلِيْمٍ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَنْزِيْلِ السَّجْدَةِ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحٰمٓ الدُّخَانُ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّالِثَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَيٰسٓ وَفِي الرَّكْعَةِ الْاَخِيْرَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَبَارَكَ الْمُلْكُ كُتِبَ لَهٗ كَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَشُفِّعَ لَهٗ فِي اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ مِمَّنْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ وَاُجِيْرَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَرُوِيَ مَوْقُوْفًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص نماز عشاء کے بعد چار رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان کے درمیان سلام نہ پھیرے' پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ سجدہ کی تلاوت کرے' دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ دخان پڑھے' تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ یٰس پڑھے اور آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ ملک کی تلاوت کرے تو اس کے لیے شب قدر میں قیام کرنے کا ثواب لکھا جائے گا اور اس کے اہل خانہ میں سے جس جس کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا' ان کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی اور اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا۔

حلِ عبارت: "عدلن" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی برابر ہونا "شفع"

باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سفارش قبول کر لینا "وجبت" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی واجب ہونا' ثابت ہونا "اجیر" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پناہ لینا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الهيثمي في المجمع: ٢/٢٣١' والطبراني' وابن كثير' والشوكاني في النيل: ٨٩٨۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الهيثمي: ٢/٢٣٠' والطبراني في الكبير: ١٢٢٤٠' والبيهقي: ٤٣٨٩۔

مفہوم: ان دونوں روایتوں کا تعلق سلسلہ فضائل سے ہے اور ان میں نماز عشاء کے بعد چار رکعت نوافل کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ میں جب نماز عشاء کے فرائض اور واجبات وسنن کی تعداد پر غور کرتا ہوں تو ہمیں بچپن ہی سے یہ پڑھایا گیا ہے کہ نماز عشاء کی سترہ رکعتیں ہوتی ہیں' ان میں فرائض اور وتر کی سات رکعتوں کے علاوہ دس رکعتیں بطور سنت اور نفل کے پڑھی جاتی ہیں' چار سنتیں فرضوں سے پہلے اور دو فرضوں کے بعد' اسی طرح دو نفل وتروں سے پہلے اور دو وتروں کے بعد' بعض اوقات میں یہ سوچتا تھا کہ نوافل کی تعداد چار مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس حدیث پر مطلع ہونے کے بعد یہ حقیقت تو آشکارا ہوگئی کہ بنیادی طور پر شب قدر کی عبادت کے برابر ثواب کا حصول ہے۔

لیکن دوسری روایت سے "جس میں اس کا مکمل تفصیلی طریقہ مذکور ہے" یہ الجھن پیدا ہوگئی کہ اس میں تو چاروں رکعتیں اکٹھی پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ ہم ان نوافل کو دو دو کر کے پڑھتے ہیں؟ اسی لمحے اللہ نے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ دوسری حدیث میں اس تفصیلی طریقے پر عمل کرنے کے تین فائدے مذکور ہیں اور پہلی حدیث میں ایک فائدہ' ہم عامیوں جیسا دوسری حدیث پر عمل کرتے ہوئے چار رکعتوں میں سورۂ سجدہ' سورۂ دخان' سورۂ یٰس اور سورۂ ملک تو روزانہ نہیں پڑھ سکتا' البتہ چار رکعتیں ضرور پڑھ سکتا ہے اور اس حدیث میں اکٹھے یا الگ الگ پڑھنے کی کوئی قید نہیں اس لیے عوام کے لیے پہلی حدیث پر عمل کر لینا ہی بہت بڑی بات ہے اور خواص میں سے بھی جو خواص ہیں وہ دوسری حدیث پر عمل کر کے اپنی سعادت مندی کا مظاہرہ کریں گے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ

(۱۸۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي بَعْدَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ۔

نماز ظہر کے بعد دو رکعت ادا کرنا

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

تخریج حدیث: اخرج الترمذي مثله: ٤٣٦' وابوداؤد: ٩٥٥' ومسلم: ١٦٩٨ (٧٢٩)' والبخاري' ١١٨٠۔

مَفْھُوْمْ : روایات سے نماز ظہر کے بعد پڑھی جانے والی دوسنتوں پر نبی علیہ السلام کی مواظبت ثابت ہے بلکہ بعض روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی وجہ سے نبی علیہ السلام یہ دوسنتیں نماز ظہر کے بعد نہ پڑھ سکے تو نماز عصر کے بعد انہیں قضاء فرمایا' چونکہ نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا ممنوع ہیں اس لیے بعض لوگوں کو اس سے اشتباہ پیدا ہو گیا اور وہ اس واقعے سے استدلال کرتے ہوئے نماز عصر کے بعد بھی نوافل ادا کرنے لگے' حالانکہ اس کی حقیقت وہ تھی جو ابھی مذکور ہوئی' اور اس واقعے کے ذریعے نماز عصر کے بعد نوافل کی اجازت دینا مقصود نہیں تھا بلکہ نماز ظہر کے بعد والی دوسنتوں کی اہمیت جتانا مقصود تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الصَّلٰوۃِ فِی الْبُیُوْتِ

(۱۸۱) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَلَا تَجْعَلُوْھَا قُبُوْرًا۔

گھروں میں نفل نماز پڑھنے کا بیان

تَرْجَمَۃ : حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور انہیں قبرستان مت بناؤ۔

تخریج حدیث : اخرجہ البخاری، ۴۳۲' ومسلم: ۱۸۲۱ (۷۷۷) وابوداؤد: ۱۰۴۳' والترمذی: ۴۵۱' والنسائی: ۱۵۹۹' وابن ماجہ: ۱۳۷۷۔

مَفْھُوْمْ : قدیم آسمانی مذاہب میں عبادت کے جو بھی طریقے مقرر تھے' انہیں بروئے کار لانے اور ان پر عمل کرنے کے لیے جو مخصوص عبادت گاہیں قائم کی جاتی تھیں' صرف انہی میں عبادت کرنا جائز تھا' اپنے گھر یا کسی اور جگہ پر عبادت کا فریضہ ادا نہیں کیا جا سکتا تھا جیسے گرجا' صومعہ' کلیسا اور مندر وغیرہ لیکن اسلامی شریعت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں عبادت کی ادائیگی کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے' انسان جہاں بھی ہو ساری زمین اس کے لیے مسجد اور طہور ہے' وہ اس کی مٹی سے تیمّم اور اس کی سطح پر سجدہ کر سکتا ہے چنانچہ خود نبی علیہ السلام نے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے اعتبار سے اپنی جن خصوصیات کا خود اظہار فرمایا ہے' ان میں سے ایک یہ بھی ہے

وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا۔

اسی مناسبت سے گھروں میں بھی عبادت کا جواز ثابت ہو گیا جس کا ایک فائدہ اگر خواتین کو ہوا تو دو فائدے مردوں کو ہوئے ایک تو یہ کہ اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہو جائے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اب عبادت سے بھی اس کی چھٹی ہو گئی بلکہ اپنے گھر میں ہی وہ اپنی سہولت کے مطابق نماز پڑھ لے اور دوسرا یہ کہ نوافل' سنن اور نماز تہجد وغیرہ کا اہتمام ہر شخص اپنے گھر میں اپنی منشاء کے مطابق کر سکتا ہے۔

اور اگر ذرا سی باریک بینی کے ساتھ اس حدیث کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک اعتبار سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مسلمانوں کو ایک عالمی پیغام ہے کہ اپنی نماز اور عبادت کو صرف مسجد کی چار دیواری تک محدود کرنے کی بجائے اس کا دائرہ اپنے گھروں تک وسیع کر دو تا کہ نئی نسل جب اپنے گھر میں اس کثرت سے ایک عمل کو ہوتے ہوئے دیکھے تو وہ اس کے ذہن میں نقش ہو جائے اور اس کے معمولات کا اٹوٹ حصہ بن جائے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِی الْكَعْبَةِ

(۱۸۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلْتُ بِلَالًا اَيْنَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْكَعْبَةِ وَكَمْ صَلّٰى قَالَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ مِمَّا يَلِیَ الْعُمُوْدَيْنِ اللَّتَيْنِ تَلِيَانِ بَابَ الْكَعْبَةِ وَالْبَيْتُ اِذْ ذَاكَ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ۔

خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ میں داخل ہو کر کہاں نماز پڑھی تھی اور کتنی رکعتیں پڑھی تھیں؟ انہوں نے بتایا کہ نبی علیہ السلام نے ان دوستونوں کے درمیان جو باب کعبہ کے قریب ہیں، کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھی تھیں اور بیت اللہ ان دنوں چھ ستونوں پر استوار تھا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۸۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَهٗ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْكَعْبَةِ يَوْمَ دَخَلَهَا فَقَالَ صَلّٰى فِی الْكَعْبَةِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَقَالَ لَهٗ اَرِنِی الْمَكَانَ الَّذِیْ صَلّٰى فِيْهِ فَقَالَ فَبَعَثَ مَعَهُ اِبْنَهٗ ثُمَّ ذَهَبَ تَحْتَ الْاُسْطُوَانَةِ بِحِيَالِ الْجَذَعَةِ۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْكَعْبَةِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قُلْتُ لَهٗ اَرِنِی الْمَكَانَ الَّذِیْ صَلّٰى فِيْهِ فَبَعَثَ مَعِیَ ابْنَهٗ فَاَرَانِی الْاُسْطُوَانَةَ الْوُسْطٰى تَحْتَ الْجَذَعَةِ۔

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ جب نبی علیہ السلام خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تھے تو کیا وہاں نماز پڑھی تھی؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں چار رکعتیں پڑھی تھیں اس شخص نے اور ایک روایت کے مطابق سعید بن جبیرؒ نے عرض کیا کہ مجھے وہ جگہ دکھا دیجیے جہاں نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی تو حضرت ابن عمرؓ نے ان کے ساتھ اپنے بیٹے کو بھیج دیا وہ انہیں کھجور کے درخت کی جڑ کے سامنے والے ستون کے نیچے لے گئے۔

حل عبارت: "یلی" باب حسب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قریب ہونا "اعمدۃ" عماد کی جمع ہے بمعنی ستون، "الجذعۃ" کھجور کے درخت کی جڑ۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری مفصلا: ۵۰۵، وابوداؤد: ۲۰۲۳، ومسلم: ۳۲۳۰ (۱۳۲۹)، والنسائی: ۶۹۳، وابن ماجه: ۳۰۶۳۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن حبان مختصراً، واحمد، والدارقطنی، والطبرانی والحارثی: ۴۷۵، ۴۷۶۔

مفہوم: خانہ کعبہ مرکز توحید ہی نہیں، مرکز عالم بھی ہے، وہ منبع جلال ہی نہیں، سرچشمۂ جمال بھی ہے، وہ کیا عجب وقت ہو گا جب کعبہ میں کعبہ کا کعبہ داخل ہوا ہو گا، جب سرچشمۂ جلال و جمال میں پیغمبر جلال و جمال نے نزول اجلال فرمایا ہو گا، اس روز کعبہ کی مراد پوری ہو گئی ہو گی اور اس کا تعلق کسی افسانے سے نہیں، ان حقائق سے ہے جو تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں کہ کس طرح اہل مکہ نے مرکز توحید کو مرکز شرک و بت پرستی بنا رکھا تھا، اس کی ضیاء پاشیوں کو بت پرستی کے اندھیرے نے ماند کر رکھا تھا اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی تصویریں بنا کر ان کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر پکڑا کر انہوں نے کعبہ کے قلب و جگر پر چھریاں چلائی تھیں، اس لیے جب بلالؓ کے نعرہ توحید کی صدا کعبہ نے اپنے اوپر سے سنی اور اپنے بیچوں بیچ وجہ تخلیق عالم کو پایا تو اسے دوبارہ ملت ابراہیمی پر لوٹنے کا موقع ملا اور اس کے چہرے کی وہ پرانی تازگی عود کر آئی جو عرصۂ دراز سے مفقود ہو چکی تھی۔

اب رہی یہ بات کہ خانہ کعبہ میں داخل ہو کر سرکار دو عالم ﷺ نے نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ سو اس سلسلے میں دونوں ہی پہلو ہیں، فتح مکہ کے موقع پر نماز پڑھنا ارجح ہے جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ سے مروی ہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر صرف تکبیر و تہلیل پر اکتفاء کرنا ارجح ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا اصرار ہے اس توجیہ کی موجودگی میں کسی ایک حدیث کو بھی چھوڑنا نہیں پڑتا اور خلاف واقعہ بات تسلیم کرنا بھی لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ مَاتَ وَلَهُ وَلَدَانِ اَوْ ثَلٰثَةٌ

(۱۸۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ لَهٗ ثَلٰثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ اَوِ اثْنَانِ فَقَالَ ﷺ اَوِ اثْنَانِ۔

اگر کسی شخص کے دو یا تین بیٹے فوت ہو جائیں

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے تین بیٹے فوت ہو جائیں (اور وہ ان پر صبر کرے) تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اگر دو ہوں تو پھر؟ فرمایا دو ہوں تب بھی یہی حکم ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۱۸۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّكَ لَتَرٰى السِّقْطَ مُحْبَنْطِئًا يُقَالُ لَهٗ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ لَهٗ لَا حَتّٰى يَدْخُلَ اَبَوَاىَ۔

ترجمہ: ایک شامی صحابی کے حوالے سے نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے کہ بیشک تم قبل از وقت پیدا ہو کر مر جانے والے بچے کو ہکا بکا کسی کو تلاش کرتے ہوئے دیکھو گے' اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ' جنت میں چلے جاؤ' وہ کہے گا کہ میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میرے والدین جنت میں نہ چلے جائیں۔

حلِ عبارت: "السقط" ناتمام بچہ' یا قبل از وقت پیدا ہونے والا بچہ' "محبنطئا" بمعنی جھگڑالو' پریشان ہو کر تلاش کرنے والا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۱۲۴۹' ومسلم: ٦٦٩٨ (٢٦٣٢) والترمذی: ۱۰٦۰' والنسائی: ۱۸۷٤' وابن ماجه: ۱٦۰٦۔

تخریج حدیث ثانی: اخرج ابن ماجه مثله: ۱٦۰۸۔

مفہوم: رحمت الٰہیہ کے موجیں مارتے سمندر کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے جسے ہر دم وہ لوگ ضرور ملحوظ رکھیں جن کا کوئی بچہ ننھی سی عمر میں ہی اللہ کے پاس چلا گیا ہو اور وہ اس پر صابر رہے ہوں' تقدیر خداوندی پر اعتراض کرنے سے بچتے رہے ہوں اور اس بات کی خوب احتیاط کی ہو کہ ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلنے پائے جو ان کے رب کو پسند نہ ہو۔

یوں تو اس مضمون کی روایات کو اگر اکٹھا کیا جائے تو تیس سے زیادہ روایات جمع ہو سکتی ہیں جن کا مضمون اسی کے قریب قریب ہے' لیکن ان میں سے ایک روایت کو یہاں ذکر کرنا میرے جذبات کی ترجمانی کے لیے ضروری ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں سے جس شخص نے دو ذخیرے (بچے) آگے بھیجے ہوں اللہ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے' یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا اگر کوئی شخص ایک ہی ذخیرہ بھیج سکا ہو تو کیا حکم ہے؟ فرمایا اس کا بھی یہی حکم ہے' حضرت عائشہؓ نے پھر عرض کیا اگر کسی کے پاس کوئی ذخیرہ ہی نہ ہو (وہ بے اولاد ہو) تو کیا حکم ہے؟ فرمایا پھر اپنی امت کا ذخیرہ میں خود ہوں گا' اور انہیں مجھ جیسا کوئی نہ ملے گا۔ (مسند احمد' ترمذی' شعب الایمان)

یقیناً ہمیں ان جیسا کوئی نہیں ملے گا جس کی شفقت امت پر اتنی زیادہ ہو کہ ایک سگی ماں اپنی سگی اولاد پر وہ شفقت نہ کر سکے' جس کی رأفت و رحمت کا اظہار خالق کائنات خود کرتا ہو اور جو اپنی امت کو ہر موقع پر یاد رکھے' افسوس صد افسوس! کہ امت ہر موقع پر انہیں فراموش کر دیتی ہے' ان کے احکام کو پس پشت ڈال دیتی ہے بلکہ بعض اوقات ان کے طریقوں کا مذاق اڑانے سے بھی نہیں چوکتی' ان کی شفقت اور ہماری شقاوت میں زمین آسمان کا یہ تفاوت اور فاصلہ کیا ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کرے گا؟

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنُ يَقُولُ النَّاسُ فِى حَقِّهٖ خَيْرًا

(۱۸۶) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدِّمِشْقِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ التُّسْتُرِيِّ عَنْ يَحْيٰى بُنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَامِرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا مَاتَ الْعَبْدُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مِنْهُ شَرًّا وَيَقُوْلُ النَّاسُ فِىْ حَقِّهٖ خَيْرًا قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ لِمَلاَئِكَتِهٖ قَدْ قَبِلْتُ شَهَادَاتِ عِبَادِىْ عَلٰى عَبْدِىْ وَغَفَرْتُ عِلْمِىْ۔

اس شخص کا بیان جس کے متعلق لوگوں کی رائے اچھی ہو

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی ایسا شخص فوت ہوتا ہے جس کے شریر ہونے کا اللہ کو علم ہوتا ہے لیکن لوگ اس کے حق میں اچھی بات کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اس بندے کے متعلق اپنے بندوں کی گواہی کو قبول کر لیا اور اپنے علم کو چھپا لیا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی قنوطیت کو توڑتا ہے۔

(۱۸۷) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِيءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لَهٗ فَهُوَ مَغْفُوْرٌ لَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ اس کی بخشش فرما دے گا تو واقعی اللہ اس کی بخشش فرما دے گا۔

حل عبارت: "قبلت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی قبول کرنا "غفرت" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بخشش، لیکن یہاں یہ معنی مرادنہیں، بلکہ یہاں چھپانا مراد ہے "علم" باب سمع سے مذکورہ فعل کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جاننا، لیکن مراد یقین کرنا ہے۔

تخریج حدیث: اما الحديث الأول فلم اجده واما الثانی فقد اخرجه الشوكانی فی الفوائد المجموعة: ١٤٤٠۔

مفہوم: اس مضمون کی آیات و روایات انسانیت کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچانے کے لیۓ موجیں مارتے گناہوں کے سمندر کے طوفانی تھپیڑوں سے گناہگار کے تار تار جسم کی حفاظت کے لیے اور اسے قنوطیت و ناامیدی کے دریا سے نکالنے کے لیے انتہائی اہم ہیں جن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بڑے سے بڑا گناہگار بھی رحمت الٰہیہ سے مایوس نہ ہو وہ جب بھی اپنے پروردگار کے دربار پر حاضر ہو کر اشک ندامت سے وضو کرے گا، اس کا پروردگار آگے بڑھ کر اسے تھامنے میں دیر نہیں لگائے گا اور دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے پروردگار سے حسن ظن اور بڑی امید رکھے اس لیے کہ بارگاہ ایزدی کا یہ اصول ہے کہ وہ بندے سے اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہے، بندہ جیسی امید اور گمان اس سے قائم کرتا ہے، اللہ اس

سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔

لیکن ہمیں اس بات کا بھی فراخدلی سے اعتراف کرنا چاہیے کہ ان آیات و روایات کے اصل مقصد کو ''جس کی طرف کچھ اشارہ ابھی گزرا'' پس پشت ڈال کر اہل اسلام نے انہیں اپنے گناہوں اور جرائم پر جری ہونے کا بہانہ بنا لیا اور اپنے گناہوں پر ان آیات و روایات کا پردہ ڈالنے لگے جو یقیناً ایک خطرناک طرز عمل ہے اس لیے کہ رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہونا کچھ اور چیز ہے اور گناہوں پر جری ہونا چیزے دیگر است۔

اول کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی گناہگار اپنے گناہوں کے پہاڑ کو نہ دیکھے اللہ کی رحمت کی وسعت کو دیکھے اور دوسرے کا مقصد یہ ہے کہ ہم جو مرضی کرتے پھریں' ہمیں اللہ کی رحمت سے بخشش کی امید ہاتھ سے نہیں چھوڑنی چاہیے' **شتان بینهما۔**

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ حَمْلِ الْجَنَائِزِ

(۱۸۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ عَنْ عُبَیْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تُحْمَلَ بِجَوَانِبِ السَّرِیْرِ فَمَا زَادَ عَلٰی ذٰلِكَ فَهُوَ نَافِلَةٌ۔

جنازے کو کس طرح اٹھایا جائے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کو چار پائی کے کناروں سے اٹھائیں (جب چاروں طرف سے کندھا دے چکیں تو) اس پر جو زائد ہوگا وہ نفلی عمل ہوگا۔

حل عبارت: "تحمل" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی اٹھانا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۱٤۷۸۔

مفہوم: سند کے اعتبار سے تو یہ روایت موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ یہ ضابطہ متفق علیہ ہے کہ جب کوئی صحابی کسی بات کو بیان کرتے وقت "من السنة" یا اس سے ملتا جلتا کوئی لفظ کہیں تو اسے مرفوع سمجھا جائے گا گو کہ بظاہر وہ موقوف ہی ہو۔

اور متن کے اعتبار سے بھی یہ روایت واضح ہے کہ جس چار پائی پر میت کو رکھا گیا ہو' اگر کوئی آدمی اسے کندھا دینا چاہے تو اس کا سنت طریقہ یہی ہے کہ اس کے چاروں پایوں سے کندھا دیا جائے' درمیان سے نہیں' لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر کسی شخص نے درمیان سے کندھا دیا تو اس نے غلط کیا یا اس کا یہ عمل ناجائز تھا' بلکہ اصل مقصد سنت طریقے کی نشاندہی ہے۔

اس سلسلے میں ایک روایت نظر سے گزری ہے جس کی سند پر تحقیق کرنے کا موقع مل نہیں سکا' لیکن اگر اس کی سند

صحیح ہو تو اس کا مضمون بڑی عظیم فضیلت پر مشتمل ہے اور وہ یہ کہ جو شخص جنازے کو اس کے چاروں کناروں سے کندھا دے تو اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف کیے جائیں گے۔

البتہ یہ روایت سند کے اعتبار سے بڑی مضبوط ہے کہ جو شخص نماز جنازہ میں شرکت کرتا ہے' اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو شخص دفن کے وقت تک موجود رہتا ہے اسے دو قیراط ثواب ملتا ہے' جن میں سے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہو گا۔

(۱۸۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ اَبِيْ عَطِيَّةَ بْنِ الْوَدَاعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى اِمْرَاَةً فَاَمَرَبِهَا فَطُرِدَتْ فَلَمْ يُكَبِّرْ حَتّٰى لَمْ يَرَهَا۔

ترجمہ: ابوعطیہ بن الوداعی سے مرسلاً مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک جنازے کے لیے نکلے۔ راستے میں آپ ﷺ نے ایک عورت کو بھی جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا' آپ ﷺ کے حکم پر اسے وہاں سے بھگا دیا گیا اور آپ ﷺ نے جنازہ کی تکبیر اس وقت تک نہ کہی جب تک وہ عورت نظر آنا بند نہ ہو گئی۔

حل عبارت: "خرج" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نکلنا "فطردت" باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دھتکار دینا۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری مثله: ۱۲۷۸' ومسلم: ۲۱۶۷ (۹۳۸)' وابوداؤد: ۳۱۶۷' وابن ماجه: ۱۵۷۸۔

مفہوم: عورت خواہ دنیا کے کسی خطے میں رہتی ہو' کسی رنگ و نسل سے تعلق رکھتی ہو' کسی دین و مذہب کی پیروکار ہو اور کوئی بھی زبان بولتی ہو' یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے لیے اپنے جذبات پر قابو رکھنا بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے خاص طور پر اپنے کسی عزیز کے انتقال کے موقع پر اس کے اندازِ آہ و بکا' نوحہ و مرثیہ اور سینہ کوبی عورت کی خاص پہچان بن چکی ہے۔

اس حقیقت سے چونکہ صرف نظر کرنا ممکن نہیں اس لیے جنازہ کی تجہیز و تکفین اور اس کی تدفین میں تاخیر کرنے کو پسند نہیں کیا گیا کیونکہ میت جب تک ان کی نگاہوں کے سامنے رہے گی' ان کا زخم ہرا رہے گا اور اسی بناء پر خواتین کو نماز جنازہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی گئی تاکہ اس موقع پر کوئی عورت جذباتی نہ ہو جائے اور میت کو سنبھالنے کی بجائے اسے سنبھالنا نہ پڑ جائے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيْرِ عَلَى الْجَنَائِزِ كَمْ هُوَ؟

(۱۹۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ جَمَعَ اَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَالَهُمْ عَنِ التَّكْبِيْرِ قَالَ لَهُمْ اُنْظُرُوْا اٰخِرَ جَنَازَةٍ كَبَّرَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَوَجَدُوْهُ قَدْ كَبَّرَ

اَرْبَعًا حَتّٰی قُبِضَ قَالَ عُمَرُ فَکَبِّرُوْا اَرْبَعًا۔

نماز جنازہ میں کتنی تکبیرات ہیں؟

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے تکبیرات جنازہ کے عدد کے بارے سوال کیا اور فرمایا یہ دیکھو کہ نبی علیہ السلام نے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی تھی اس پر کتنی تکبیریں کہی تھیں؟ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیریں کہی تھیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بس پھر اب چار تکبیریں ہی کہا کرو۔

حل عبارت: "جمع" باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جمع ہونا' مراد یہاں جمع کرنا ہے "قبض" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی فوت ہو جانا' روح قبض ہو جانا "فکبروا" باب تفعیل سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی تکبیر کہنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الطحاوی مفصلا: ۲۷۷۴' والبیهقی' وابن عبدالبر کما فی النیل تحت الحدیث: ۱۴۲۳۔

مفہوم: گو کہ محدثین نے اس حدیث کو کتاب الجنائز کی روایات میں جگہ دی ہے لیکن راقم الحروف کا ذوق اسے مناقب فاروق اعظمؓ میں شمار کرنے پر مصر ہے اور اسے فقہاء کے علی الرغم اس حدیث کو فراست فاروقی میں سرفہرست رکھنے پر اصرار ہے' جس پر اس کے پاس کوئی لفظی دلیل نہیں' البتہ جذباتی تعلق و قلبی وارفتگی اس کی مجبوری ہے' اور تبویب حدیث میں ہر شخص آزاد ہے' یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب کے تحت ذکر کیا ہے۔

ذرا ٹھنڈے دل سے اس نکتے پر غور فرمائیے کہ فاروق اعظمؓ مستقبل میں جھانک کر اس کے مسائل سمجھنے کی کس عظیم فراست کے امین تھے' آخر یہ ان کی فراست ہی تھی کہ قرآن کریم حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم پر یکجا جمع کیا گیا' آخر یہ ان کی فراست ہی تھی جس نے دنیا کی سپر پاور روم و ایران کی حکومتوں کو ان کے قدموں میں لا ڈالا تھا' آخر یہ ان کی فراست ہی تھی جو مستقبل کا ادراک کر کے ارکان شوریٰ کو اختلافی مسائل میں ایک رائے قائم کرنے اور اس پر متفق ہونے میں مدد کرتی تھی' زیر بحث واقعہ اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے اور کتب حدیث و سیرت فاروقی اس نوعیت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

بَابُ مَا یَقُوْلُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْمَیِّتِ

(۱۹۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ شَیْبَانَ عَنْ یَحْیٰی عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَقُوْلُ اِذَا صَلّٰی عَلَی الْمَیِّتِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا۔

نماز جنازہ کی دعاء کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھاتے تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ! ہمارے زندہ اور فوت شدہ، موجود اور غیر موجود، چھوٹے اور بڑے، مرد و عورت کی مغفرت فرما دے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ١٠٢٤، وابوداؤد: ٣٢٠١، وابن ماجه: ١٤٩٨، والنسائی: ١٩٨٨، واحمد: ٣٦٨/٢۔

مفہوم: مذاہب عالم پر اگر غور کیا جائے تو ہر مذہب میں مرنے والے کے ساتھ جدا معاملہ کیا جاتا ہے، کوئی مرنے والے کو آگ لگاتا ہے، کوئی اس کی لاش کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور کوئی سمندر کے پانی میں میت کی لاش کو بہا دیتا ہے جبکہ اسلام اپنے پیروکاروں کو میت کی لاش کا بھی احترام سکھاتا ہے اور اسے عزت و آبرو کے ساتھ اگلے جہان رخصت کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے، ظاہر ہے کہ میت کو غسل دینا، کفن کی چادروں میں لپیٹنا، اس کی نماز جنازہ پڑھنا، اس کی چارپائی کو کندھوں پر اٹھا کر لیجانا، قبرستان پہنچ کر قبر میں اسے اتارنا، قبلہ رخ کرنا اور ''بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ'' کہہ کر اسے سپرد خاک کرنا وغیرہ یہ سب طریقے اسے ایک شان اعزازی دیتے ہیں جو کسی اور مذہب کے پیروکار کو میسر نہیں۔

پھر نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی اس دعاء کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے ''جسے نماز جنازہ پڑھتے وقت اکثر جدید تعلیم یافتہ ان پڑھ بورڈ پر لکھا ہوا دیکھ کر پڑھ رہے ہوتے ہیں'' تو حیرت ہوتی ہے کہ اس مختصر دعاء میں طلب بخشش کے لیے کسے شامل کیا گیا ہے اور کسے چھوڑا گیا ہے، پھر اگر اس کے ساتھ ترمذی، ابوداؤد اور مسند احمد کا وہ اضافہ بھی ملا لیا جائے جو صحیح سند سے ثابت ہے۔

"اللھم من احییته منا فاحیه علی الاسلام، ومن توفیته منا فتوفه علی الایمان۔

تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس دعاء میں زندہ اور مردہ، نماز جنازہ میں شرکت کرنے والے اور کسی وجہ سے اس میں شرکت سے رہ جانے والے، چھوٹے اور بڑے، مرد و عورت سب ہی تو شامل ہیں اور سب ہی کے لیے اسلام پر زندگی اور ایمان پر موت کی درخواست کی گئی ہے۔

اور اس سے بھی آگے بڑھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعاء میں زندوں کا ذکر پہلے آیا ہے اور مرنے والوں کا ذکر بعد میں، حالانکہ یہ دعاء نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے اور جنازہ مردے کا ہوتا ہے لہٰذا دعاء میں پہلے اسے ذکر کرنا چاہیے؟ لیکن ایسا نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ نماز جنازہ درحقیقت بارگاہ خداوندی میں مردے کی سفارش ہے اور سفارش کرنے والے آدمی کا منظور نظر ہونا ضروری ہے اور منظور نظر ہونے کے لیے اس کے دامن کو تمام عیوب سے پاک ہونا چاہیے، اس لیے نماز جنازہ پڑھنے والا پہلے اپنے آپ کو منظور نظر بنانے کے لیے خود اپنے گناہوں کی معافی

مانگتا ہے اور اس کے بعد دوسروں کے حق میں سفارش کرتا ہے‘ جس سے سفارش میں ایک قسم کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور قبولیت کی صورت میں اس سے میت کا بھلا ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّحْدِ

(۱۹۲) أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ أُلْحِدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأُخِذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَنُصِبَ عَلَيْهِ اللَّبِنُ نَصْبًا۔

لحد کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے لحد بنائی گئی تھی اور قبلہ رخ کر کے آپ ﷺ کو لٹایا گیا اور اس کے بعد قبر مبارک پر کچی اینٹیں نصب کر دی گئیں۔

حل عبارت: ”الحد“ باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لحد بنانا ”نصب“ باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی نصب کرنا ”اللبن“ باء کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی کچی اینٹ‘ نہ کہ باء کے فتحہ کے ساتھ جس کا معنی دودھ ہوتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۱۵۵۶‘ ومسلم: ۲۲۴۰ (۹۶۶)‘ والنسائي: ۲۰۰۹ وابن حبان: ٦٦٣٥۔

مفہوم: امام الانبیاء‘ سرور کون و مکاں‘ نبی آخر الزماں‘ شفیع امم‘ تاجدار حرم‘ صاحب حوض کوثر حضور نبی مکرم‘ سرور دو عالم ﷺ نے جس دن اس عالم فانی سے پردہ فرمایا‘ جانثاران نبوت کو اس دن قیامت صغریٰ کا منظر دکھائی دے رہا تھا‘ مدینہ کے در و دیوار پر حسرت برس رہی تھی‘ زمین و آسمان آنسو بہا رہے تھے‘ ہر کوئی اپنی ذات سے بیگانہ اور بے خود ہو چکا تھا‘ ہر شخص شدت جذبات سے مغلوب دکھائی دیتا تھا‘ اس حسرت و مغلوبیت میں مردوں کے ساتھ بچے بھی شامل تھے‘ پردہ نشین خواتین بھی خون کے آنسو بہا رہی تھی‘ بوڑھوں پر سراسیمگی طاری تھی اور جوان اپنے آپ کو سنبھالنے سے عاجز تھے لیکن یہ ایک حکم الٰہی تھا جس نے بہرحال پورا ہو کر رہنا تھا اس لیے صدیق اکبرؓ اس اعلان میں حق بجانب تھے کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ آج وہ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ آج بھی حی قیوم موجود ہے۔

مدینہ منورہ میں دو صحابی قبریں کھودنے کے لیے مشہور تھے‘ حضرت ابو طلحہؓ بغلی قبر بنانے میں بہت مشہور تھے جسے لحد بھی کہا جاتا ہے اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ ایک دوسری طرح قبر کھودنے میں ماہر تھے جس شق کہا جاتا ہے‘ اختلاف رائے پر طے پایا کہ ان دونوں حضرات کے پاس آدمی بھیجا جائے‘ جو پہلے آ جائے وہ اپنے طریقے کے مطابق حجرۂ عائشہؓ میں قبر بنا دے‘ یہ سعادت حضرت ابو طلحہؓ کے حصے میں لکھی تھی اور نبی علیہ السلام کا یہ فرمان پورا ہونا مقدر تھا ”اللحد لنا

والشق لغیرنا'' اس لیے وہ پہلے آ گئے اور انہیں قبر مبارک بنانے کی سعادت حاصل ہوگئی۔

قبر تیار ہونے کے بعد نبی علیہ السلام کے جسم اطہر کو سر کی طرف سے لحد میں داخل کیا گیا' اور بغل کو بند کرنے کے لیے نو عدد کچی اینٹیں استعمال کی گئیں اور پھر مٹی ڈال کر قبر مبارک کو برابر کیا گیا۔

اللھم صل علیہ وآتہ الوسیلة وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته وارزقنا شفاعته۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی السُّؤَالِ فِی الْقَبْرِ

(۱۹۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ الْمُؤْمِنُ فِیْ قَبْرِهٖ اَتَاهُ الْمَلَكُ فَاَجْلَسَهٗ فَقَالَ مَنْ رَّبُّكَ فَقَالَ اللّٰهُ قَالَ وَمَنْ نَبِیُّكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ وَمَا دِیْنُكَ قَالَ الْاِسْلَامُ قَالَ فَیُفْسَحُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَیُرٰی مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ فَاِذَا کَانَ کَافِرًا اَجْلَسَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ مَنْ رَّبُّكَ فَقَالَ هَاهُ لَا اَدْرِیْ کَالْمُضِلِّ شَیْئًا فَیَقُوْلُ مَنْ نَبِیُّكَ فَیَقُوْلُ هَاهُ لَا اَدْرِیْ کَالْمُضِلِّ شَیْئًا فَیُقَالُ مَا دِیْنُكَ فَیَقُوْلُ هَاهُ لَا اَدْرِیْ کَالْمُضِلِّ شَیْئًا فَیُضَیَّقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ وَیُرٰی مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ فَیَضْرِبُهٗ ضَرْبَةً یَسْمَعُهٗ کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الثَّقَلَیْنِ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ۔

قبر میں سوال و جواب کا بیان

تَرْجَمَۃٌ: حضرت سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کسی مؤمن کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اسے اٹھا کر بٹھاتا ہے اور اس سے سوال کرتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے اللہ! وہ اگلا سوال کرتا ہے کہ تیرے نبی کون ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اگلا سوال کرتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے اسلام! اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔

اور اگر مرنے والا کافر ہو تب بھی فرشتہ آ کر اسے اٹھاتا ہے اور اس سے یہی سوال پوچھتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ہائے افسوس! مجھے کچھ پتہ نہیں' اس کے جواب سے ایسا محسوس ہوگا گویا اس سے کوئی چیز گم ہوگئی ہے' پھر اگلے دونوں سوال جواب بھی اسی طرح ہوتے ہیں' اس کے بعد اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے اور اسے جہنم میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے اور اسے فرشتہ ایک ضرب اتنی زور سے لگاتا ہے کہ اس کی آواز جن و انس کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے' یہ فرما کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں ثابت شدہ قول (کلمہ توحید) پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا

ہے۔

فائدہ: اگلی روایت میں بھی سوال و جوابِ قبر ہی کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْقَبْرِ ثَلٰثُ اُمُوْرٍ

(۱۹۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: فِی الْقَبْرِ ثَلٰثٌ، سُؤَالٌ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی وَدَرَجَاتٌ فِی الْجِنَانِ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ عِنْدَ رَأْسِكَ۔

قبر میں تین چیزیں ہوں گی

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبر میں پیش آنے والی تین چیزوں کی وضاحت یوں فرمائی کہ ایک تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے متعلق سوال ہوگا' دوسری چیز درجات جنت کے حوالے سے ہوگی اور تیسری چیز تمہارے سر کے پاس تلاوت قرآن ہوگی۔

حل عبارت: "فاجلسه" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بٹھانا "فیفسح" باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کشادہ کرنا "فی القبر ثلث" میں "ثلث" مبتدا مؤخر ہے اور "فی القبر" اپنے متعلق سے مل کر خبر مقدم ہے' اصل عبارت "ثلث فی القبر" ہے "سوال" کا اس جملے سے صرف وضاحت کا تعلق ہے۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الاول فقد اخرجه البخاری مختصرا: ۱۳۳۸' ومسلم: ۷۲۱۶ (۲۸۷۰)' وابوداؤد: ۳۲۳۱' والنسائی: ۲۰۵۳' والترمذی: ۱۰۷۱' واما الثانی فقد اخرجه الحارثی: ۷۵۳' ۷۵۴۔

مفہوم: قبر کی زندگی کیسی ہوگی اور انسان اس میں کیسے گزارہ کرے گا؟ اس کی مکمل تفصیلات تو قرآن وسنت میں نہیں ملتی ہیں' البتہ مذکورہ بالا تفصیلات سے اس پر کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے' باقی جس کی آنکھ بند ہوگی اسے ساری تفصیلات کا حق الیقین حاصل ہو جائے گا اور میں تو صرف اتنی بات جانتا ہوں کہ ہم اپنے درمیان موجودہ زندہ ومتحرک ایک ننھے معصوم بچے کے خیالات کو نہیں جان سکتے' ہم اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے کہ ایک دم بیٹھے بیٹھے وہ کس بات پر مسکرانا شروع کر دیتا ہے؟ کس بات پر اپنے ہاتھوں کو ہلانا شروع کر دیتا ہے اور سب کی موجودگی میں بلا وجہ یکدم کیوں رونا شروع کر دیتا ہے؟ تو جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے ہم اس کی مکمل حقیقت تک کیسے رسائی حاصل کر سکتے ہیں؟

ہماری معلومات کا حال تو اتنا پتلا ہے کہ ہمارے سامنے ہمارا کوئی عزیز سو رہا ہوتا ہے' سوتے سوتے بعض اوقات وہ زور زور سے ہنسنا شروع کر دیتا ہے اور بعض اوقات چیخیں مارنا شروع کر دیتا ہے' کبھی روتا ہے اور کبھی ہاتھ پاؤں چلاتا ہے' ہم اپنے سامنے موجود اپنے عزیز کے ان افعال کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتے' تو حیات برزخ کی حقیقت ہماری

ناتواں سمجھ میں کیسے آ سکتی ہے' سوائے اس کے کہ جس طرح اس کی آنکھیں بند ہوئیں تو اس نے وہ سب دیکھ لیا جو ہم نے نہیں دیکھا' اسی طرح جب ہماری آنکھ بند ہوگی تو ہم بھی وہ سب کچھ دیکھ لیں گے جو زندہ لوگ نہیں دیکھ سکے۔

واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَبرَ اُمِّهٖ

(۱۹۵) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْ جَنَازَةٍ فَاَتٰى قَبرَ اُمِّهٖ فَجَاءَ وَهُوَ يَبْكِيْ اَشَدَّ الْبُكَاءِ حَتّٰى كَادَتْ نَفْسُهٗ اَنْ يَخْرُجَ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ اِسْتَاْذَنْتُ رَبِّيْ فِيْ زِيَارَةِ قَبرِ اُمِّ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَذِنَ لِيْ وَاسْتَاْذَنْتُهٗ فِي الشَّفَاعَةِ فَاَبٰى عَلَيَّ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رَبَّهٗ فِيْ زِيَارَةِ قَبرِ اُمِّهٖ فَاَذِنَ لَهٗ فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰى انْتَهَوْا اِلٰى قَرِيْبٍ مِنَ الْقَبرِ فَمَكَثَ الْمُسْلِمُوْنَ وَمَضَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ اشْتَدَّ بُكَاؤُهٗ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ لَا يَسْكُنُ فَاَقْبَلَ وَهُوَ يَبْكِيْ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ مَا اَبْكَاكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ؟ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّيْ فِيْ زِيَارَةِ قَبرِ اُمِّيْ فَاَذِنَ لِيْ وَاسْتَأْذَنْتُهٗ فِي الشَّفَاعَةِ فَاَبٰى فَبَكَيْتُ رَحْمَةً لَهَا وَبَكَى الْمُسْلِمُوْنَ رَحْمَةً لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نبی علیہ السلام کا اپنی والدہ کی قبر پر آنے کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک جنازے کے لیے نکلے' وہاں سے فارغ ہو کر نبی علیہ السلام اپنی والدہ کی قبر کے پاس تشریف لائے' وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید گریہ طاری ہو گیا' ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کا دل دونوں پہلوؤں کی طرف سے باہر نکل آئے گا' ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیوں اتنا رو رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی' اس نے اجازت دی' پھر میں نے اپنی والدہ کی سفارش کی اجازت مانگی لیکن اس نے انکار کر دیا۔

حل عبارت: "یبکی" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رونا "اشد البکاء" رونے کی کیفیت میں اضافہ بتانا مقصود ہے' کمیت میں اضافہ بتانا مقصود نہیں۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائی: ۲۰۳۶' ومسلم: ۲۲۵۹ (۹۷۶)' وابوداؤد: ۳۲۳۴' وابن ماجه: ۱۵۷۳۔

مفہوم: علماء کرام نے نبی علیہ السلام کے والدین کے ایمان لانے یا نہ لانے میں بڑا تفصیلی کلام کیا ہے' بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تحریر فرمائی ہیں اور ان میں ہر طرح کی روایات جمع فرما دی ہیں لیکن میں کسی تفصیل میں جائے بغیر اپنا موقف بے لچک پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ ہی

اس مسئلے پر کوئی حتمی اور فیصلہ کن رائے دین کا مدار ہے جس کے بغیر دین نامکمل رہے' قیامت کے دن ہم سے ہمارے ایمان کے متعلق سوال کیا جائے گا اس لیے ہمیں اپنے ایمان کی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے۔

البتہ دل اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو عدم ایمان سے موصوف کیا جائے اور اس پر عدم نجات و دخول جہنم کی بنیاد رکھی جائے' اور میں اپنے ان قلبی جذبات کو کسی دلیل کا پابند سمجھتا ہوں اور نہ ہی ان پر استدلال کی حاجت محسوس کرتا ہوں' باقی اگر کسی صاحب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے حوالے سے اعتراض ہو تو اس کا جواب واضح ہے کہ ان دونوں کے درمیان تو کوئی قدر مشترک ہے ہی نہیں' کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے بارے میں تو یہ نص صریح ہے کہ وہ مشرک تھا اور صرف بت پرست ہی نہیں' بت ساز بھی تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سخت مخالف بھی تھا جبکہ یہاں دور دور تک کسی شرک و بت پرستی میں ملوث ہونے کا کوئی حوالہ نہیں ملتا' اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الرُّخْصَةِ فِیْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ

(۱۹۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَحَمَّادٍ اَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عُبْدِاللّٰهِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ قَالَ کُنْتُ نَهَیْتُکُمْ عَنِ الْقُبُوْرِ اَنْ تَزُوْرُوْهَا فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا۔

قبرستان میں جانے کی اجازت کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے تمہیں پہلے قبرستان جانے سے منع کیا تھا' لیکن اب اجازت دیتا ہوں اس لیے قبرستان میں جایا کرو' البتہ کوئی بیہودہ بات نہ کہنا۔

حل عبارت: "تزورھا" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی زیارت کرنا "ھجرا" بضم الھاء بمعنی بیہودہ' بیکار اور لایعنی بات۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۳۲۳۵' والترمذی: ۱۰۵۴' وابن ماجه: ۱۵۷۱' والنسائی: ۲۰۳۵' ومسلم: ۲۲۶۰ (۹۷۷)۔

مفہوم: قبرستان ایک ایسے شہر خموشاں کا نام ہے جہاں بڑے بڑے بولنے والے آباد ہیں' یہاں ایسی مجالس جمتی ہیں جن میں بڑے بڑے کروفر اور رعب و دبدبے والے آ کر خاموشی سے کسی کونے کھدرے میں بیٹھ جاتے ہیں' یہاں کرسیوں پر مرنے مارنے والے مٹی کی ڈھیریوں پر چپ چاپ بیٹھ جاتے ہیں' یہاں اقتدار کے بھوکے اور ہوس کے ننگے ایک ایک گز زمین پر قناعت پسند دکھائی دیتے ہیں' یہاں مغروروں کا غرور' متکبروں کا تکبر' حکمرانوں کی سلطنت' مالداروں کا مال و دولت' طاقتوروں کی طاقت' رعب و دبدبے والوں کی شان و شوکت' فوجیوں کی کھال نما وردی' عالموں کا علم' جاہلوں کی جہالت'

زمینداروں کی زمین، کاشتکاروں کی کھیتی باڑی، سائنسدانوں کی ایجادات اور دانشوروں کی عقل کسی ان دیکھی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے اور دیدۂ عبرت رکھنے والا اس شہر خموشاں میں آ کر اپنی زندگی کے زیر و بم کا جائزہ لیتا ہے، اپنا موازنہ اس شہر کے مکینوں کے ساتھ کرتا ہے اور اپنے مستقبل کے زاویے کا تعین کرتا ہے، یاد آخرت اور فکر آخرت کو اپنے دماغ پر سوار کر کے دوسرے تمام تفکرات کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی کا یقین اپنے قلب و جگر میں راسخ کرتا ہے، اسی لیے ہنگامہ آرائیوں کے شہر سے نکل کر سناٹے اور ویرانے کے اس شہر میں آمد و رفت کو نہ صرف یہ کہ جائز قرار دیا گیا بلکہ ترغیب بھی دی گئی۔

لیکن ہم نے قبرستان کے جنگل میں منگل کا سماں پیدا کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں اور بالآخر ہم اس مقصد کو فراموش کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے جس کی خاطر یہاں آنے کی ترغیب سرکار دو عالم ﷺ نے دی تھی، اب یہ جگہ شہر خموشاں نہیں رہی، اب یہاں بھی طبلے کی تھاپ، قوالوں کی آواز، گھنگروں کی جھنکار اور سازندوں کے ساز اپنا رنگ جما رہے ہیں، اب یہاں رہنے والوں کو بھی موسیقی کی صورت میں ''روح کی غذا'' فراہم کی جا رہی ہے کیونکہ یہ لوگ اب ''جسم کی غذا'' تو استعمال نہیں کر سکتے۔ فیا اسفی علی تلك الاحوال۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا خَرَجَ اِلَى الْمَقَابِرِ

(۱۹۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا خَرَجَ اِلَى الْمَقَابِرِ قَالَ السَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔

قبرستان جا کر کیا دعاء کرے؟

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب قبرستان جاتے تو وہاں جا کر یہ کہتے اے شہر خموشاں کے مسلمانو! تم پر سلام ہو، انشاء اللہ ہم بھی تم سے آ کر ملنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

حل عبارت: ''المقابر'' مقبرۃ کی جمع ہے بمعنی قبرستان ''لاحقون'' باب سمع سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ہے بمعنی ملنا، ملحق ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۲۲۵۷ (۹۷۵)، وابوداؤد: ۳۲۳۷، والنسائی: ۲۰۴۲، وابن ماجه: ۱۵۴۷۔

مفہوم: محدثین کرام نے اس حدیث کے تحت ''سماع موتی'' کی بحث چھیڑی ہے اور اس کے تحت دلائل اور جواب دلائل کا ایک طولانی سلسلہ انہوں نے اختیار کیا ہے، میں اس موضوع پر اختصار کے ساتھ اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس

طرح اس حیات فانی میں انسان زبردستی کسی کو کوئی بات سنانا چاہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب بھی ہو جائے' یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی آدمی کو زبردست بولنے یا چلنے پر مجبور کیا جائے' گویا کسی کو سنانا سننے والے کا اختیاری فعل نہیں بلکہ سنانے والے کا اختیاری فعل ہے جبکہ سننا سامع کا اختیاری فعل ہے۔

دنیا کا یہی اصول ہے اور ہر انسان اس بات کو سمجھ سکتا ہے' اسی طرح حیات برزخی میں بھی یہی اصول ہے کہ کسی کے سنانے سے مردے سننے پر مجبور ہو جائیں' ایسی بات نہیں' البتہ خود سننے کا انہیں اختیار ہے جس طرح دیکھنے کا اختیار رہے اور ہاتھ پاؤں ہلانے کا اختیار ہے' بالفاظ دیگر مردوں کو سماع' رؤیت اور تکلم وغیرہ جو ''لازمی'' چیزیں ہیں وہ تو حاصل ہیں لیکن زندوں کو اسماع واراءت وغیرہ ''متعدی'' چیزوں پر قدرت نہیں ہے۔

اگر اس تقریر کو سامنے رکھ لیا جائے تو آیات قرآنیہ بھی اپنی جگہ منطبق ہو جاتی ہیں اور اس موضوع کی احادیث میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ اور آیات قرآنیہ کے ساتھ بھی کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّكَازِ

(۱۹۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرِّكَازُ مَا رَكَزَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْمَعَادِنِ الَّذِيْ يَنْبُتُ فِي الْاَرْضِ۔

رکاز کا حکم

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''رکاز'' اس خزانے کو کہتے ہیں جو اللہ نے کانوں میں چھپا رکھا ہو' اور جو زمین کی نشوونما سے بڑھتا ہو۔

حل عبارت: ''رکز'' باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گاڑنا ''المعادن'' معدن کی جمع ہے بمعنی کان۔

تخریج حدیث: اخرجه البيهقى فى سننه: ۷۴۲۸' والهندى: ۵۰۹۶۱' وابو يعلى: ۶۶۰۹۔

مفہوم: ''کتاب الصلوٰۃ'' کے بعد ''کتاب الزکوٰۃ'' کا عنوان قائم کرنے کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ چونکہ قرآن کریم میں ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ بے شمار مرتبہ کیا گیا ہے اس لیے اس ''ساتھ'' کو یہاں بھی برقرار رکھنا مناسب معلوم ہوا' اور

دوسری وجہ سمجھنے کے یے ایک تمہید کا سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا میں جو شخص کسی کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے اس کی دو وجہیں ہوتی ہیں' یا تو حاکمیت یا پھر محبوبیت' یہی وجہ ہے کہ نچلا طبقہ اپنے سے اوپر والے طبقے کی اور ملازم اپنے آقا کی اطاعت اس کی حاکمیت کی وجہ سے کرتا ہے اور محبّ اپنے محبوب کی ہر بات آنکھیں بند کر کے اس کی محبوبیت کی وجہ سے مان لیتا ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مظہر ہے اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا مظہر ہے کیونکہ محبوبیت کے لیے جو اوصاف و کمالات ضروری ہیں وہ بھی اس میں علی وجہ الکمال پائے جاتے ہیں اور حاکمیت کی تمام شرائط بھی اس میں علی وجہ الاتم موجود ہیں' اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لیے نماز کو مشروع کیا گیا اور اپنی محکومیت اور اللہ کی حاکمیت کا اقرار کرنے کے لیے زکوٰۃ کا نظام متعارف کروایا گیا۔

اظہار محبوبیت کے لیے مال کا ہونا ضروری نہیں بلکہ بدن ہی کافی ہے جبکہ اظہار محکومیت کے لیے مال بھی ضروری ہے کیونکہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو دوسرے کا محکوم اسی صورت میں سمجھے گا جبکہ وہ مال و دولت میں اس سے کم تر ہو' بصورت دیگر وہ محکومیت کا اقرار نہیں کر سکتا' اور ظاہر ہے کہ بدن مقدم ہے مال سے' لہٰذا جس میں فقط بدن کا استعمال ہو اسے مقدم ہونا چاہیے اور جس میں فقط مال کا استعمال ہو اسے مؤخر ہونا چاہیے۔

اس تقریر سے کتاب الصلوٰۃ کی وجہ تقدیم اور کتاب الزکوٰۃ کی وجہ تاخیر بھی ظاہر ہوگئی اور ان دونوں کے درمیان ربط بھی واضح ہو گیا کہ دونوں اطاعت الٰہی کے ذرائع ہیں' پہلا محبوبیت کی صورت میں اور دوسرا محکومیت کی صورت میں' اس لیے ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوا۔

انسان کو بغیر کسی محنت و مشقت اور تجارت کے یوں ہی کسی گڑھے یا غار سے بیٹھے بٹھائے مفت کا خزانہ ہاتھ لگ جائے تو اسے ''رکاز'' کہتے ہیں' اللہ کی طرف سے یہ ضابطہ مقرر کیا گیا ہے کہ اس بے محنت کے مال میں دوسرے غریبوں کو بھی شامل کیا جائے اور کل مال کے پانچ حصے کر کے چار حصے اپنے پاس رکھ کر صرف ایک حصہ اللہ کے نام پر دے دیا جائے مثلاً اگر ایک سو تولے سونے کا خزانہ ہاتھ لگ جائے تو صرف ۲۰ تولے سونا غریبوں میں تقسیم کر کے باقی ۸۰ تولے سونا اپنی ضروریات میں خرچ کرے' یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے ''وفی الرکاز الخمس''

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کُلِّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ

(۱۹۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کُلُّ مَعْرُوْفٍ فَعَلْتَهٗ اِلٰی غَنِیٍّ وَفَقِیْرٍ صَدَقَةٌ۔

بھلائی کا ہر کام صدقہ ہے

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نیکی جو تم کسی غنی یا فقیر کے ساتھ کرو' وہ صدقہ ہے۔

حل عبارت: "**کل معروف**" مبتداء ہے اور "صدقۃ" اس کی خبر' درمیان کا جملہ "معروف" کی صفت کے طور پر آیا ہے "**فعلتہ**" ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٦٠٢١' ومسلم: ٢٣٢٨ (١٠٠٥)

مفہوم: قرآن و حدیث میں فرض زکوٰۃ کے علاوہ نفلی طور پر صدقات و خیرات کی بھی خوب ترغیب وارد ہوئی ہے اور اس کے فضائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں' کہیں یہ فرمایا گیا ہے کہ راہ خدا میں ایک خرچ کرنے پر سات سو کا ثواب ملتا ہے اور کہیں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے سے مصائب ٹلتے ہیں اور پریشانیاں دور ہوتی ہیں' یہ اور اس طرح کے فضائل پڑھ اور سن کر ایک غریب آدمی بڑی دل شکستگی کا شکار ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ صدقہ وخیرات کرنے کے لیے میرے پاس تو کچھ ہے نہیں لہٰذا میں اس ثواب سے محروم رہوں گا اور یہ سمجھنے میں وہ ایک حد تک حق بجانب بھی ہوتا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی امت کے غرباء کو بھی ایک ایسا طریقہ بتا دیا جسے اختیار کر کے وہ روپے پیسے راہِ خدا میں لٹانے کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں' اور اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ مال و دولت کے ذریعے جو صدقہ کیا جاتا ہے وہ کسی غریب آدمی کو دیا جاتا ہے' اور اس طریقے میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ایک غریب آدمی ایک امیر آدمی کے ذریعے بھی صدقہ کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور وہ طریقہ ہے بھلائی کرنا' نیکی کرنا۔

انسان جس کے ساتھ بھی کوئی نیکی کرتا ہے مثلاً سڑک پار کرانا' گھر سے کھانا لا کر دینا' میڈیکل سٹور سے دوا لا کر دینا' کوئی سنت یا دین کی بات بتانا' شریعت نے اس نوعیت کی تمام چیزوں کو صدقہ شمار کیا ہے یعنی ان کاموں پر بھی وہی ثواب ملے گا جو کسی کو روپے پیسے خرچ کرنے پر ملتا ہے' ظاہر ہے کہ ان کاموں میں جس طرح ایک غریب آدمی کو دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے ایک امیر آدمی کو بھی اسی طرح ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوتی ہے۔

دیکھئے! کوئی نیکی چھوٹ نہ جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ قُبُوْلِ الْهَدِيَّةِ مِمَّنْ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ

(۲۰۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُصُدِّقَ عَلٰى بَرِيْرَةَ بِلَحْمٍ فَرَاٰهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔

اگر کسی کو صدقہ کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہو تو اس کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ بریرہ کے پاس صدقہ کا گوشت آیا' نبی علیہ السلام نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

حل عبارت: "تصدق" باب تفعل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی صدقہ کرنا "بریرۃ" حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آزاد کردہ باندی کا نام ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۵۷۷' ومسلم: ۳۷۸۲ (۱۵۰۴)

مفہوم: فقہاء کرام نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ تبدیل ملک سے حکم بدل جاتا ہے' اسی وجہ سے گو کہ صدقہ کی چیز نبی علیہ السلام نہیں کھایا کرتے تھے لیکن جب پہلے وہ کسی کی ملک میں آجاتی اور وہ اپنی طرف سے بطور ہدیہ کے پیش کرتا تو نبی علیہ السلام اسے تناول فرمالیا کرتے تھے۔

لیکن ہماری نظر میں اس موقع پر حضرت بریرہؓ کے ذاتی احوال سے متعلق کچھ عرض کرنا زیادہ ضروری ہے تاکہ حدیث کا پس منظر مکمل طور پر واضح ہو جائے' سو اتنی بات تو واضح ہے کہ حضرت بریرہؓ ایک باندی تھیں' ان کے آقا نے ایک مرتبہ انہیں بیچنا چاہا' حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے حضرت بریرہؓ کو خریدنے کا ارادہ کر لیا' لیکن اس موقع پر ان کے آقا نے یہ شرط لگا دی کہ میں اسے بیچ تو دوں گا لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کا جو کچھ ہو گا وہ سب مجھے ملے گا' چونکہ قانونی طور پر یہ چیز اس کے حق میں نہیں جاتی تھی اس لیے اس نے پہلے سے اس معاملے کو اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا' حضرت عائشہؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا' نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اسے خرید لو اور ان لوگوں کو اس کی ''ولاء'' نہیں مل سکتی کیونکہ یہ اس شخص کا حق ہوتی ہے جو غلام کو آزاد کر دے' چونکہ وہ لوگ اسے آزاد نہیں کر رہے اس لیے وہ اس کے حقدار بھی نہیں' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مناسبت سے ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔

حضرت عائشہؓ نے انہیں خرید لیا اور کچھ عرصہ کے بعد ان کا نکاح حضرت مغیثؓ سے کر دیا گیا' لیکن یہ نکاح پائیدار نہ رہ سکا کیونکہ حضرت بریرہؓ شکل وصورت میں بہت زیادہ خوبصورت تھیں اور حضرت مغیثؓ قبول صورت نہ تھے' اس لیے جب حضرت عائشہؓ نے انہیں آزاد کیا تو انہوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ میں مغیث کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور اسلامی قانون کے مطابق اگر کوئی باندی آزاد ہوتے وقت اپنا یہ اختیار استعمال کر لے تو خاوند اسے چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے' لہٰذا ان دونوں کے درمیان جدائی ہو گئی۔

حضرت بریرہؓ تو غلامی اور شوہر سے آزادی حاصل کر کے دوہری خوشی سے سرشار ہو گئیں' لیکن ان کے خاوند ان کی جدائی کے غم میں بے قرار ہو گئے اور مدینہ کے گلی کوچوں میں ان کے پیچھے پیچھے یہ درخواست لے کر پھرنے لگے کہ

مجھ سے اپنا تعلق نہ توڑو' لیکن انہوں نے ایک نہ سنی حتی کہ صحابہ کرامؓ اور خود نبی علیہ السلام تک کی سفارش کو بھی قبول نہیں کیا' زیر بحث واقعہ کا تعلق انہی سے ہے۔

یاد رہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت بریرہؓ سے حضرت مغیثؓ کے حق میں سفارش کی تھی' حکم نہیں دیا تھا کیونکہ اگر حکم دیا ہوتا تو پھر انہیں انکار کی مجال نہ ہوتی جیسا کہ قرآن کا فیصلہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اَنَّ کُلَّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهٗ اِلَّا الصَّوْمَ

(۲۰۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحِ الزَّیَّاتِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّیَامُ فَهُوَ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ۔

انسان کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزے کے

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہے سوائے روزے کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔

فائدہ: اگلی حدیث بھی روزے کی فضیلت سے متعلق ہے۔

(۲۰۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ جَاعَ یَوْمًا فَاجْتَنَبَ الْمَحَارِمَ وَلَمْ یَاْکُلْ مَالَ الْمُسْلِمِیْنَ بَاطِلًا اِلَّا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مسلمان روزہ رکھ کر بھوکا رہتا ہے' محرمات سے بچتا ہے اور مسلمانوں کا مال ناحق طریقے سے نہیں کھاتا' اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا۔

حل عبارت: "اجزی" باب ضرب سے فعل مضارع معروف یا مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بدلہ دینا' "جاع" بمعنی بھوکا' "اجتنب" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچنا "اطعمه" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھلانا۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الاول فقد اخرجه البخاری: ۱۸۹٤، ومسلم: ۲۷۰۷ (۱۱۵۱)، والترمذی: ۷٦٤، والنسائی: ۲۲۲۱، وابن ماجه: ۱٦۳۸، واما الثانی فقد اخرجه الحارثی: ۷۵٦۔

مفہوم: کتاب الزکوٰۃ کے بعد یہاں سے کتاب الصوم شروع ہو رہی ہے جس میں روزے کے فضائل و احکام اور اس کے آداب و مسائل ذکر کیے جائیں گے، اس سلسلے میں سب سے پہلے روزے کی فضیلت سے متعلق دو حدیثیں لائے ہیں جن میں سے پہلی حدیث تو بہت ہی مشہور ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے لیکن روزہ میرے لیے ہے، اس حدیث کو پڑھتے ہی میرے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ کیا صرف روزہ اللہ کے لیے ہے؟ نماز اور زکوٰۃ و حج وغیرہ دیگر عبادات سب بندے کے لیے ہیں؟ کیا انسان کا کوئی عمل غیر اللہ کے لیے بھی ہونا چاہیے؟ اگر آپ اس کا یہ جواب دیں کہ الفاظ حدیث میں لام برائے انتفاع ہے تو میں سوال کروں گا کہ بندے کو اس کے اعمال کا فائدہ ہونا تو سمجھ میں آ گیا کہ اسے آخرت میں ثواب ملے گا اور وہ جنت میں داخل ہو گا لیکن روزے میں اللہ کا کیا فائدہ ہے جو اسے خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کیا؟

محدثین کرام نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں، صرف حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مختلف حضرات سے اس کے دس معانی نقل کیے ہیں لیکن ہماری نظر میں امام قرطبیؒ کا بیان کردہ معنی حدیث کے مفہوم کو خوب واضح کر دیتا ہے، جواب کی تقریر یہ ہے کہ عبادات خواہ کسی بھی نوعیت کی ہوں، سب اللہ ہی کے لیے ہوتی ہیں اور ان کا بنیادی مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے، زیر بحث حدیث میں جو روزہ اور غیر روزہ کی تقسیم کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر عبادات خواہ ان کی نوعیت کچھ بھی ہو، بندوں کے احوال کے مناسب ہیں اور روزہ اللہ کی صفات سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ کھانے پینے وغیرہ سے بے نیازی اللہ کی صفت ہے، روزہ رکھنے والا اس کی نقالی کرتا ہے تو پروردگار اس نقالی کی قدر دانی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ تو میرا کام ہے اور یہ تو میری صفت ہے، اسے اختیار کرنے پر میں اپنے بندے کو گنتی اور شمار کے تمام اعداد کو پس پشت ڈال کر عطاء فرماؤں گا، جبکہ زکوٰۃ، نماز اور حج بندوں کی صفات کے مناسب ہیں اس لیے انہیں بندوں کی طرف منسوب کر کے عبادات کے ثواب کا جو معیار ہے کہ ایک نیکی پر کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ سات سو پر محمول کر لیا گیا گویا تقدیری عبارت اس طرح ہوئی **''کل عمل ابن آدم مناسب له الا الصوم فانه مناسب لی فانا اجزی به''**۔

۲۔ اس تقریر کے مطابق ''فانا اجزی بہ'' مضارع معروف کا صیغہ ہو گا اور اگر اسے مجہول پڑھا جائے تو معنی ہو گا کہ روزہ دار کو روزہ کا ثواب حور و غلمان اور جنت کی نہروں اور کوٹھیوں کی صورت میں نہیں دیا جائے گا اس کا بدلہ یہ ہو گا کہ میں اللہ اس کا ہو جاؤں گا اور اللہ جس کا ہو جائے، پوری کائنات اس کی ہو جاتی ہے، اس دوسری صورت میں روزے کی عظمت اور فضیلت مزید نکھر کر سامنے آتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ

(۲۰۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ مُرْقَوْمَكَ فَلْيَصُوْمُوْا هٰذَا الْيَوْمَ قَالَ اِنَّهُمْ طَعِمُوْا قَالَ وَاِنْ كَانُوْا قَدْ طَعِمُوْا۔

عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا بیان

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰن حمیری سے مرسلاً منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس محرم کے دن اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم دے دو کہ آج کے دن کا روزہ رکھیں' انہوں نے عرض کیا کہ لوگ تو کھا پی چکے؟ فرمایا اگرچہ کھا پی چکے ہوں تب بھی بقیہ دن روزہ داروں کی طرح گزاریں۔

حل عبارت: "مر" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی حکم دینا "طعموا" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کھانا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ابی شيبة' وفي البخاري ما يدل عليه: ۲۰۰۷' ومسلم: ۲۶۶۹ (۱۱۳۶)' وابن ماجه: ۱۷۳۵۔

مفہوم: ا۔ اس حدیث میں "ایک صحابی" کا ذکر آیا ہے' اس مضمون کی دوسری روایات کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جنہیں یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کے لیے منادی کا حکم دیا گیا تھا۔

۲۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم اور ترغیب دیتے تھے' جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو فرمایا کہ جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے نہ رکھے۔

۳۔ دس محرم کا روزہ واقعہ کربلا کی وجہ سے رکھنا مسنون و مشروع نہیں ہوا کیونکہ واقعہ کربلا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے تقریباً نصف صدی بعد واقع ہوا ہے' نبی علیہ السلام کی حیات طیبہ ہی نہیں' سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بھی اس کا دور دور تک کوئی تصور موجود نہ تھا' اس لیے اس مناسبت سے روزہ کے مسنون ہونے کی کوئی وجہ نہیں بنتی' البتہ یہ واقعہ اس دن پیش آنے والے اہم ترین واقعات میں ضرور شمار کیا جائے گا۔

دس محرم کا روزہ مشروع ہونے کی ایک وجہ تو صراحۃً احادیث میں آتی ہے کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات ملی تھی اور دشمن خدا ملعون فرعون غرقاب ہوا تھا' اس کے شکرانے کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے روزہ رکھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزہ رکھا اور اس کے ساتھ ایک اور روزہ ملانے کی ترغیب بھی دی۔

اور دوسری وجہ اس حدیث کی صحت پر موقوف ہے جو عام طور پر بیان کی جاتی ہے اور فوری طور پر میرے سامنے اس کا کوئی مستند حوالہ بھی موجود نہیں ہے جس کے مطابق قیامت دس محرم کو آئے گی' اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس دن کا روزہ رکھنے کی حکمت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی سال دس محرم کو قیامت قائم ہو بھی جائے تو انسان روزے سے ہوتا کہ افطاری کے لیے کوثر کے پانی اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ جب پیغام برنے عرض کیا کہ سرکار اس وقت تک تو لوگ کھا پی چکے ہوں گے اس لیے روزہ نہیں رکھ سکیں گے؟ تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا مغرب کے وقت تک کے لیے اب کھانا پینا بند کر دیں اور روزہ داروں کے ساتھ مشابہت اختیار کر لیں تاکہ اپنی استطاعت کے مطابق روزہ داروں میں شامل ضرور ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیُ صِیَامِ اَیَّامِ الْبِیُضِ

(۲۰۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ مُوْسَی ابْنِ طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ الْحُوْتَکِیَّةِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِاَرْنَبٍ فَاَمَرَ اَصْحَابَهٗ فَاَکَلُوْا وَقَالَ لِلَّذِیْ جَآءَ بِهَا مَالَکَ لَا تَاْکُلُ مِنْهَا قَالَ اِنِّیْ صَائِمٌ قَالَ وَمَا صَوْمُکَ قَالَ تَطَوُّعٌ قَالَ فَهَلَّا الْبِیُضَ۔

ایامِ بیض کے روزوں کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک خرگوش لایا گیا' آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا اور انہوں نے اسے کھا لیا' نبی علیہ السلام نے خرگوش لانے والے سے پوچھا کہ آپ کیوں نہیں کھا رہے؟ اس نے کہا کہ میں روزہ سے ہوں' نبی علیہ السلام نے پوچھا کیسا روزہ؟ عرض کیا نفلی! فرمایا اگر نفلی روزہ رکھنا تھا تو ایام بیض میں کیوں نہ رکھا؟

حلِّ عبارت: "اتی" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آنا' لیکن چونکہ اس کے صلے میں باء آ رہا ہے اس لیے اس کا معنی "لانا" ہوگا "مالك" ما حرف استفہام ہے اور "لك" ضمیر مجرور متصل ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائی: ۲۴۲۳' ۲۴۲۹' ۲۴۳۰' ۲۴۳۱، واحمد: ۱۸۴۱۵۔

مفہوم: اس حدیث میں ایام بیض میں روزہ رکھنے کی ترغیب کا واضح ثبوت موجود ہے اور اس مضمون کی دوسری بہت سی روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے' رہی یہ بات کہ ایام بیض سے کیا مراد ہے؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے مراد چاند کے اعتبار سے ہر مہینے کی تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ ہوتی ہے اور ان ایام کو ایام بیض کہتے ہیں۔

ان ایام میں روزہ رکھنا فقہاء کی درجہ بندی کے اعتبار سے مستحب اور احادیث کی رو سے سنت سے ثابت ہے اور اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ تو بالکل ظاہر باہر ہے کہ شریعت کے اصول کے مطابق ایک نیکی کا ثواب کم از

کم دس گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے اور مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں' ہر روزہ دس دن کی کفایت کرتا ہے اور صرف تین روزے رکھنے سے پورے مہینے روزے رکھنے کا ثواب بندے کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔

بَابٌ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ

(۲۰۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَاِنَّهٗ يُؤَذِّنُ وَقَدْ حَلَّتِ الصَّلٰوةُ۔

بلال کی اذان تمہیں سحری سے نہ روک دے

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بلال رات کو سحری کی اذان دیتے ہیں' اس لیے تم ان کی اذان کے بعد بھی کھاتے پیتے رہا کرو' یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دے دیں کیونکہ وہ نماز کا وقت ہونے کے بعد اذان دیتے ہیں۔

حل عبارت: "ینادی" باب مفاعلہ سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی آواز لگانا' مراد اذان دینا ہے "حلت" باب نصر یا ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی وقت داخل ہو جانا' یا حلال ہو جانا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۱۹۱۸' ۱۹۱۹' والنسائي: ۶۳۸' والترمذي: ۷۰۶' ومسلم: ۲۵۳۶ (۱۰۹۲)

مفہوم: جس شخص کو حرمین شریفین کے سفر کا اتفاق ہوا ہو' اسے معلوم ہوگا کہ وہاں عام دنوں میں بھی اور رمضان میں بھی ایک اذان تہجد کے لیے ہوتی ہے اور ایک نماز فجر کے لیے' پہلی اذان کے وقت طلوع صبح صادق کا پایا جانا کسی صورت ممکن نہیں اور دوسری اذان طلوع صبح صادق ہی کی اطلاع دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے دور باسعادت میں بھی ماہ رمضان میں دو اذانیں ہوتی تھیں جن میں سے دوسری اذان تو اسی مقصد کے لیے ہوتی تھی جس کا ابھی ذکر ہوا لیکن پہلی اذان تہجد کے لیے نہیں ہوتی تھی بلکہ تہجد میں مشغول رہنے والوں کو سحری کے لیے متوجہ کرنے کی خاطر ہوتی تھی تاکہ وہ تہجد میں مشغول رہ کر سحری کھانے سے نہ رہ جائیں اور پھر سارا دن گزارنا ان کے لیے مشکل ہو جائے' یا اگر کوئی سو رہا ہو تو وہ جاگ کر اپنے لیے سحری وغیرہ کا انتظام کر لے۔

حرمین شریفین میں جو دو اذانیں ہوتی ہیں' ان میں سے اگر پہلی اذان کو "اذان تہجد" کی بجائے "اذان سحور" قرار دے دیا جائے تو احادیث سے مطابقت بھی ہو جائے گی اور یہ اعتراض بھی دور ہو جائے گا کہ اذان تو صرف پنج وقتہ فرض نمازوں کے لیے مشروع ہے' صلوٰۃ الکسوف' صلوۃ الاستسقاء' صلوۃ الجنازہ اور صلوٰۃ العیدین میں سے کسی کے

لیے بھی مشروع نہیں تو کیا نماز تہجد کا درجہ ان نمازوں سے بڑھ کر ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں' اس لیے پہلی اذان کے لیے تہجد کی بجائے سحور کی قید لگا کر تبدیلی پیدا کر لینا زیادہ بہتر ہے۔

بَابُ الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ

(۲۰۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى السَّوَّارِ وَيُقَالُ لَهٗ اَبُو السَّوْرَآءِ وَهُوَ السُّلَمِىُّ عَنِ ابْنِ حَاضِرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجَمَ بِالْقَاحَةِ وَهُوَ صَائِمٌ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْقَاحَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ اِحْتَجَمَ وَاَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَلَوْ كَانَ خَبِيْثًا مَا اَعْطَاهُ۔

روزے دار کے لیے سینگی لگوانے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے روزے کی حالت میں ''قاحہ'' نامی جگہ میں سینگی لگوائی' ایک روایت میں حالت احرام کا بھی ذکر ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے سینگی لگانے والے کو اس کی مزدوری بھی دی' اگر یہ حرام ہوتی تو نبی علیہ السلام اسے کبھی مزدوری نہ دیتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۰۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ سُفْيَانَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِىُّ ﷺ بَعْدَ مَا قَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمانے کے بعد ''کہ سینگی لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا'' خود سینگی لگوائی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۰۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِىِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ اَخْبَرَنِىْ ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ وَلَمْ يَذْكُرْ اَنَسًا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی' ایک دوسری سند سے یہ روایت مرسلاً بھی مروی ہے۔

حل عبارت: ''احتجم'' باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سینگی لگوانا ''القاحة'' مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے ''خبیثا'' بمعنی حرام' اردو والا خبیث مراد نہیں ہے ''افطر'' باب

افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی افطار کر لینا۔

تخریج حدیث اول و ثالث: اخرجهما البخاري: ۱۹۳۸، وابوداؤد: ۲۳۷۳، والترمذي: ۷۷۷، وابن ماجه: ۱٦۸۲، وابن حبان: ۳۵۳۱، ۳۵۳٦، واحمد: ۱۸٤۹۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الدارقطني: ۱۸۲/۲، كما في النيل تحت حديث: ۱٦٤۸۔

مفہوم: انسان کے جسم میں جو خون گردش کرتا ہے اس کی گردش انسان کو متحرک و توانا رکھتی ہے جس کے لیے خون کی صفائی ضروری ہے، ماضی میں جسم سے گندہ خون نکالنے کا ایک خاص طریقہ ہوتا تھا جسے ''حجامت'' کہا جاتا تھا اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کندھوں کے درمیان ایک خاص قسم کی رگ ہوتی ہے جس کی شناخت اس پیشے سے تعلق رکھنے والے ماہر لوگوں کو ہی ہوتی تھی، وہ اس رگ کو نشتر یا چاقو سے چاک کرتے اور اس کے اوپر جانور کا کوئی سینگ رکھ کر اس حصے سے نکلنے والے خون کو منہ سے چوستے، سینگ کے ایک طرف سے خون اس میں داخل ہوتا اور دوسرے سوراخ سے منہ کے ذریعے خون کھینچا جاتا، اس طریقے سے جسم میں موجود جتنا بھی گندہ خون ہوتا تھا، نکال لیا جاتا تھا، اس کی اجرت بھی دی جاتی تھی اور جسمانی صحت برقرار رکھنے کے لیے اس کا رواج بھی تھا۔

ظاہر ہے کہ اس طریقے میں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں خون چوسنے والے کے منہ میں خون نہ چلا جائے، یا جس کا خون نکالا جا رہا ہے، زیادہ مقدار میں خون نکلنے کی وجہ سے کہیں وہ ضعف اور کمزوری کا شکار نہ ہو جائے اس لیے ابتداء میں روزے کی حالت میں یہ عمل کرنے اور کروانے والے کا روزہ فاسد سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں اس حکم میں نرمی کر دی گئی کیونکہ اس عمل کے ذریعے جسم سے خون نکلتا ہے اور جسم سے کوئی چیز نکلنے پر روزہ نہیں ٹوٹتا، داخل ہونے پر روزہ ٹوٹتا ہے، باقی اگر مذکورہ اندیشہ وقوع پذیر ہو جائے تو اس صورت میں روزے کا فساد محتاج دلیل نہیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الصَّائِمِ يُصْبِحُ جُنُبًا اَوْ يُقَبِّلُ نِسَاءَهٗ

(۲۰۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ يُصْبِحُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جُنُبًا مِنْ غَيْرِ احْتِلَامٍ ثُمَّ يُتِمُّ صَوْمَهٗ۔

روزہ دار اگر صبح کو ناپاکی کی حالت میں اٹھے یا اپنی بیوی کو بوسہ دے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام ماہ رمضان میں بعض اوقات صبح کو اٹھتے تو بغیر خواب دیکھے آپ ﷺ کو غسل کی ضرورت ہوتی، پھر آپ ﷺ اپنا روزہ مکمل کر لیتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۱۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ﷺ يَخْرُجُ اِلَى صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَرَأْسُهٗ يَقْطُرُ مَاءً مِنْ غُسْلِ جَنَابَةٍ وَجِمَاعٍ ثُمَّ يَظَلُّ صَائِمًا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے تشریف لے جاتے اور آپ ﷺ کے سر مبارک سے مباشرت کے سبب غسل جنابت کے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوتے تھے پھر آپ ﷺ دن بھر روزہ سے رہتے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۱۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ اِلَى الْفَجْرِ وَرَأْسُهٗ يَقْطُرُ وَيَظَلُّ صَائِمًا۔

وَبِاِسْنَادِهٖ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَبِّلُ نِسَاءَهٗ فِيْ رَمَضَانَ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہٖ گزشتہ روایت والا ہے البتہ اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ نبی علیہ السلام ماہ رمضان میں اپنی ازواج مطہرات کا بوسہ لے لیا کرتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون اس آخری حدیث سے مطابقت رکھتا ہے۔

(۲۱۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصِيْبُ مِنْ وَجْهِهَا وَهُوَ صَائِمٌ تَعْنِى الْقُبْلَةَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں ان کے چہرے کا بوسہ لیا کرتے تھے۔

(۲۱۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہٖ گزشتہ روایت والا ہے۔

حل عبارت: "یصبح" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی صبح کرنا "یتم" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مکمل کرنا' "یقطر" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی قطرے ٹپکنا "یقبل" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بوسہ لینا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری، ۱۹۲۵' ومسلم: ۲۵۹۲ (۱۱۰۹)' وابوداؤد: ۲۳۸۸' وابن حبان: ۳٤۸۹۔

تخریج حدیث ثانی و ثالث: اخرجهما الطحاوی: ۳۳۸۰' وابن ماجه مثلهما: ۱۷۰۳' وابن حبان: ۳٤۹۰۔

تخریج حدیث رابع و خامس: اخرجهما البخاری: ۱۹۲۹' ومسلم: ۲۵۸۵ (۱۱۰٦)' وابوداؤد: ۲۳۸۲' والترمذی: ۷۲۹' وابن ماجه: ۱٦۸۷۔

مفہوم: ان پانچ حدیثوں میں جو دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں وہ تو واضح ہیں کہ اگر انسان حالت جنابت میں سحری کھا

کر یا سحری کھائے بغیر روزے کی نیت کر لے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا کیونکہ روزے کی نیت کے لیے طہارت شرط نہیں ہے اور حدیث میں صبح سے مراد سحری ہی کا وقت ہے' دن کے نو دس بجے کا وقت مراد نہیں اور دوسرا یہ کہ روزے کی حالت میں اگر شوہر اپنی بیوی کا یا والدین اپنے بچے کا بوسہ لیں تو اس سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا بشرطیکہ بوسہ بوسہ ہی رہے' سموسہ نہ بن جائے۔

لیکن مجھے جس نکتہ کی طرف آپ کو متوجہ کرنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء اور خصوصاً سید الانبیاء جناب رسول اللہ ﷺ کی شیطان اور اس کے حملوں سے حفاظت کا غیر معمولی نظام ہے کہ جس طرح شیطان کو نبی علیہ السلام کی شکل وصورت اختیار کر کے کسی کو دھوکہ دینے پر دسترس نہیں دی گئی اسی طرح اس بات پر بھی قدرت نہیں دی گئی کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کو خواب میں کوئی ایسی کیفیت دکھا سکے جس کے بعد انسان پر غسل واجب ہو جاتا ہے' بھلا جس ذات کی حفاظت اس درجے احتیاط کے ساتھ کی جاتی ہو' اس کی تعلیمات وافکار اور اس کے احکام کی حفاظت کے لیے کس درجے احتیاط کی گئی ہوگی' لیکن جسے ''انکارِ حدیث'' کا روگ لگ گیا ہو اس کے مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ رُخْصَةِ الْاِفْطَارِ فِی السَّفَرِ

(۲۱۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ ابْنِ حَبِیْبِ الصَّیْرَفِیِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلَیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلٰی مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰی اَتٰی قُدَیْدًا فَشَكَا النَّاسُ اِلَیْهِ الْجُهْدَ فَاَفْطَرَ فَلَمْ یَزَلْ مُفْطِرًا حَتّٰی اَتٰی مَكَّةَ۔

سفر میں روزہ کھولنے کی اجازت کا بیان

تَرْجَمَہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ رمضان کی دو راتیں گزرنے کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے' راستے میں بھی روزہ رکھا لیکن جب مقام قدید میں پہنچے تو کچھ لوگوں نے مشقت کی شکایت کی' نبی علیہ السلام نے روزہ چھوڑ دیا اور مکہ مکرمہ پہنچنے تک مستقل افطار فرماتے رہے۔

(۲۱۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ یُرِیْدُ مَكَّةَ فَصَامَ وَصَامَ النَّاسُ مَعَهٗ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ خَرَجَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلٰی مَكَّةَ فِیْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰی انْتَهٰی اِلٰی بَعْضِ الطَّرِیْقِ فَشَكَا النَّاسُ اِلَیْهِ الْجُهْدَ فَاَفْطَرَ فَلَمْ یَزَلْ مُفْطِرًا حَتّٰی اَتٰی مَكَّةَ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ سَافَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ یُرِیْدُ مَكَّةَ فَصَامَ وَصَامَ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰی اِذَا كَانَ بِبَعْضِ الطَّرِیْقِ شَكَا بَعْضُ الْمُسْلِمِیْنَ الْجُهْدَ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَفْطَرَ وَاَفْطَرَ الْمُسْلِمُوْنَ۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے، البتہ اس کے آخر میں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے پانی منگوا کر اسے پی لیا اور یوں روزہ توڑ دیا اور مسلمانوں نے بھی اپنا روزہ توڑ دیا۔

حل عبارت: "خلتا" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ تثنیہ مؤنث غائب ہے بمعنی خالی ہونا، مراد گزر جانا ہے "قدیدا" مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، اسی سے ملتا جلتا لفظ "کدید" ہے، یہ ایک دوسری جگہ کا نام ہے "الجهد" بمعنی مشقت۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری مثلهما: ٤٢٧٦، ومسلم: ٢٦٠٨ (١١١٣)، والترمذی: ٧١٠، والنسائی: ٢٢٦٥۔

مفہوم: دوران سفر روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں برابر ہیں، رکھنے سے ثواب میں اضافہ نہیں ہو جائے گا بلکہ ایک روایت کے مطابق تو اسے کوئی خاص نیکی شمار ہی نہیں کیا گیا اور نہ رکھنے سے آدمی گناہگار نہیں ہو جائے گا کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ملنے والی ایک سہولت ہے اور سہولت سے فائدہ اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں ہوتی بلکہ امام ابو حاتم ابن حبان نے تو اپنی سند سے یہ روایت بھی نقل کی ہے۔

"ان الله ان یحب ان تؤتی رخصه کما یحب ان تؤتی عزائمه" (ابن حبان : ٣٥٦٨)

دراصل یہی وہ نکتہ تھا جو فتح مکہ کے اس سفر میں نبی علیہ السلام لوگوں کو ذہن نشین کرانا چاہتے تھے اور یہی وہ حقیقت پسندی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں تقریباً سترہ نمازیں اپنے گھر میں ادا فرمائیں اور اسی بناء پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سردی کے موسم میں موزوں پر ہی مسح بھی فرما لیا کرتے تھے تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ رخصت پر عمل کرنا کوئی گناہ نہیں، اللہ کی طرف سے ملنے والی سہولت کا صحیح استعمال ہے اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حضرات رخصت پر عمل کرنا گناہ سمجھتے ہیں اور عزیمت کو چھوڑنا ان پر بارگراں بنتا ہے، انسان کو کسی عمل اور اس کے عام طریقے سے لگاؤ ہونا ایک فطری بات ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن رخصت پر عمل کرنے کو اچھا نہ سمجھنا چیزے دیگر است۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ الصَّمْتِ وَالْوِصَالِ

(٢١٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ اَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى عَنْ صَوْمِ الْوِصَالِ وَصَوْمِ الصَّمْتِ۔

صوم وصال اور خاموشی کا روزہ ممنوع ہے

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال اور چپ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

(۲۱۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنِ الْمُهَاجِرِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ الصَّمْتِ وَصَوْمِ الْوِصَالِ۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی بعینہٖ یہی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجهما البخاری من غیر زیادة صوم الصمت: ۱۹۶۲، ومسلم: ۲۵۷۲ (۱۱۰۵)، وابوداؤد: ۲۳۶۰، والترمذی ۷۷۸۔

مفہوم: شریعت اسلامیہ نے ہر اس عمل کی حوصلہ شکنی کی ہے جو انسان کو دوسروں سے اچھوت اور ایک عجیب وغریب مخلوق ثابت کرے، اسی وجہ سے گو کہ دوسری شریعتوں میں چپ کا روزہ جائز تھا، شریعت نے اس کی حوصلہ شکنی کی، اس سے جہاں یہ مقصد حاصل ہوا، وہیں یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ چپ کا روزہ رکھنا کوئی عبادت نہیں ہے، اگر کوئی آدمی چپ کا روزہ رکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ عام لوگ تو کھانے پینے وغیرہ سے رکتے ہیں، میں نے ایسا روزہ رکھا ہے کہ میں بولنے تک سے باز آ گیا ہوں اور ایسا کر کے میں نے کوئی تیر مار لیا ہے تو اس کی یہ خام خیالی اور کج فہمی ہے، اس لیے کہ اگر گونگا بننا نیکی کا کام ہے تو پھر آدمی کو بہرا، اندھا، لولا، لنگڑا اور اپاہج بھی بننا چاہیے تاکہ نیکی کا کامل درجہ تو حاصل ہو۔

اسی طرح شریعت نے ''صوم وصال'' سے بھی منع فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل کئی دن اس طرح روزہ رکھنا کہ درمیان میں افطار نہ کرے مثلاً کوئی شخص مہینے کی پہلی تاریخ کو نفلی روزے کی نیت کرے، غروب آفتاب ہونے پر افطار نہ کرے، رات بھی کھائے پیے بغیر گزار دے، اور اگلے دن پھر روزے کی نیت کر لے اور کئی دن تک اسی طرح کرتا چلا جائے، شریعت نے اس کی بھی حوصلہ شکنی کی ہے اس لیے کہ شریعت کے احکام ایسے ہیں جن پر ہر آدمی آسانی سے عمل کر سکتا ہے، جبکہ اس عمل پر ہر آدمی کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرنا ناممکن ہے، نیز یہ عمل مسلمانوں کو ان ہندو جوگیوں اور ان عیسائیوں راہبوں سے مشابہت دے دیتا ہے جو کئی کئی دن تک ایک ہی کیفیت میں عبادت کرتے رہتے ہیں یا اس طرح تسلسل کے کے ساتھ روزے رکھتے ہیں، اور اسے کار ثواب سمجھتے ہیں۔

امت کو صوم وصال سے منع کیا گیا ہے تاہم رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرنے کی اللہ کی طرف سے خصوصی اجازت تھی جس کا صحابہ کرامؓ کے استفسار پر نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ اظہار بھی فرمایا تھا کہ مجھے میرا پروردگار خود ہی سیراب کر دیتا ہے اور مجھے بھوک پیاس محسوس ہی نہیں ہوتی اس لیے میں خود تو تسلسل کے ساتھ روزے رکھ لیتا ہوں لیکن چونکہ تم میری طرح نہیں ہو اور تمہارا معاملہ اس سے جدا ہے اس لیے تمہیں اس سے روکتا ہوں۔

شرح حدیث کے حوالے سے تو بات یہاں آ کر مکمل ہو گئی لیکن اس تفصیل سے میرا ذہن ایک نکتے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا اشارہ مجھے امام ابن حبانؒ کی ایک عبارت سے ملا، اس کے لیے میں ان کا شکر گزار اور ان کے لیے دعا گو ہوں، وہ نکتہ یہ ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ کئی کئی دن تک کھائے پیئے بغیر گزار لیتے

تھے کیونکہ ان کا رب انہیں غیبی طور پر خود ہی سیراب کر دیتا تھا' پھر غزوۂ خندق کے حوالے سے جو یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ بھوک کی شدت سے نبی علیہ السلام نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے تھے' یہ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ آخر جو اللہ اپنے محبوب کو صوم وصال کی صورت میں سیرابی دیتا تھا' معاذ اللہ غزوۂ خندق کے موقع پر وہ کہیں چلا گیا تھا؟ اس موقع پر پتھر باندھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

گوکہ محدثین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں' لیکن امام ابن حبانؒ کی رائے یہ ہے ''جس کی حیثیت صرف ایک نکتہ کی ہے'' کہ اصل بات یہ ہے کہ غزوہ خندق کا واقعہ نقل کرنے والوں سے تصحیف ہو گئی ہے اور انہوں نے لفظ ''حجز'' کو لفظ ''حجر'' بنا کر آگے نقل کر دیا جس سے پتھر باندھنے کا مفہوم پیدا ہو گیا' حالانکہ صحیح لفظ ''حجز'' تھا جس کا معنی ازار بند ہے' اس کے باندھنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ النَّهْيِ عَنْ صِيَامِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

(۲۱۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ صِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَبِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ صِيَامِ الْيَوْمِ الَّذِيْ يُشَكُّ فِيْهِ مِنْ رَمَضَانَ۔

ایام تشریق کا روزہ رکھنا منع ہے

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے (عیدین کے علاوہ) ایام تشریق کے (باقی) تین دنوں کا روزہ رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے' اور اسی سند سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے یوم شک کا روزہ رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

حل عبارت: ''ایام التشریق'' وہ ایام ہیں جن میں تکبیرات تشریق پڑھی جاتی ہیں یعنی ۹ ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک ''یشک'' باب نصر سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی شک ہونا۔

تخریج حدیث: الحدیث مشتمل علی جزئین۔

اما الاول: فقد اخرج مثله مسلم: ۲٦۷۷۔

واما الثانی: فقد اخرجه ابوداؤد: ۱۳۳٤' وابن ماجه: ۱٦٤٥' والترمذی: ٦۸٦' والنسائی: ۲۱۹۰' وهو للبخاری فی کتاب الصوم' باب: ۱۱ تعلیقاً

مفہوم: اس حدیث کے پہلے جزو کی وضاحت تو گزشتہ حدیث کے ذیل میں کی گئی تقریر کے ابتدائی پیرے سے ہی ہو جاتی ہے' تاہم دوسرا جزو قابل وضاحت محسوس ہوتا ہے جس میں ''یوم الشک'' کا روزہ رکھنے سے ممانعت کا حکم آیا ہے' دراصل یوم الشک سے مراد ماہ شعبان کی تیس تاریخ ہے جس کے بارے بعض اوقات ذہن میں شک پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید آج شعبان کی تیس تاریخ نہ ہو بلکہ رمضان کی پہلی تاریخ ہو' لیکن چونکہ پورے ملک میں کہیں سے چاند نظر آنے کی اطلاع

نہیں آئی اور رمضان کا علان بھی نہیں ہوا اس لیے ہوسکتا ہے کہ آج شعبان کی تیس تاریخ ہی ہو۔

بعض لوگ اس موقع پر یہ نیت کر کے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ آج اگر رمضان کی یکم تاریخ ہوگئی ہے تو یہ ہمارا رمضان کا روزہ ہے ورنہ نفلی روزہ ہے' یہ سب باتیں غلط ہیں اور صاحب شریعت ﷺ نے ان کی تردید کی ہے' اس لیے اس کا سب سے بہترین حل یہ ہے کہ شریعت کی اس ہدایت پر عمل کیا جائے جو اس نے اس موقع کے لیے دی ہے اور اس دن کا روزہ نہ رکھا جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْتَكِفَ قَبْلَ اَنْ يُسْلِمَ

(۲۱۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ نَذَرْتُ اَنْ اَعْتَكِفَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا اَسْلَمْتُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے اگر کوئی شخص اعتکاف کی منت مان لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمۃ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں میں نے زمانۂ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا' جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو نبی علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا' فرمایا اپنی منت پوری کرو۔

حل عبارت: "نذرت" باب نصر اور ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی منت ماننا' "اعتکف" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی اعتکاف کرنا "اوف" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پورا کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۰۳۲' ومسلم: ۴۲۹۲ (۱۶۵۶)' واحمد: ۲/ ۲۰' وابوداؤد: ۳۳۲۵' والترمذی: ۱۵۳۹' والنسائی: ۳۸۵۲' وابن ماجه: ۲۱۲۹' وابن حبان: ۴۳۸۰۔

مفہوم: اس حدیث کی بنیاد ایک اصول پر ہے جو اسی کتاب میں عنقریب "کتاب الایمان والنذور" میں انشاء اللہ آئے گا۔ مختصراً یہ کہ جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی منت مانی ہو اس کے ذمے اسے پورا کرنا ضروری ہے اور جس نے معصیت کی منت مانی ہو اس کے ذمے اسے پورا نہ کرنا واجب ہے۔

اس اصول کے مطابق چونکہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے مسجد حرام میں اعتکاف کی منت مانی تھی گو کہ اس کا وقت زمانۂ جاہلیت کا تھا لیکن چونکہ اس سے کسی حکم خداوندی کی نافرمانی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک عظیم عبادت کی منت تھی اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے اسے پورا نہ کرنے کا حکم دیا۔

فائدہ: کتاب الصوم کی یہ آخری حدیث تھی جس کا تعلق بظاہر "کتاب النذور" سے بنتا ہے لیکن چونکہ اس نذر کی بنیاد

اعتکاف پر تھی اس لیے کتاب الصوم کا اختتام ''اعتکاف'' کی حدیث پر کیا' یوں محدثین کے اس طریقے کی بھی رعایت ہوگئی جس کا خیال رکھتے ہوئے وہ کتاب الصوم کے بعد کتاب الاعتکاف لاتے ہیں۔

کتاب الحج
حج کے احکام

بَابُ التَّعْجِيْلِ فِى الْحَجِّ

(۲۲۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ۔

اداءِ حج میں جلدی کرنا

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ اس ارادہ کی تکمیل میں جلدی کرے۔

حلِ عبارت: ''من'' حرف شرط ہے ''اراد الحج'' اس کی شرط ہے ''ف'' جزائیہ اور ''لیعجل'' جزاء ہے ''اراد'' باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ارادہ کرنا ''فلیعجل'' اسے باب تفعیل کے بجائے باب سمع سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب مراد لینا زیادہ بہتر ہے بمعنی جلدی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابن ماجہ: ۲۸۸۳' وابوداؤد: ۱۷۳۲' واحمد: ۱۹۷٤۔

مفہوم: کتاب الصوم سے فراغت کے بعد کتاب الحج شروع ہو رہی ہے' کتاب الصوم اور کتاب الحج میں جو عمیق ترین مناسبت پائی جاتی ہے' اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ان دونوں کو پے در پے لانا ہی مناسب تھا' چنانچہ قرآن کریم پارہ نمبر دو میں ''یایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام'' کے ذریعے سے روزہ اور احکامِ روزہ کا جو سلسلۂ بیان شروع کیا گیا' اس کے متصل بعد ہی ''قل ھی مواقیت للناس والحج'' کے ذریعے احکام حج کا بیان لایا گیا ہے' ویسے بھی نفس الامر اور خارج میں جوں ہی روزے کے ایام ختم ہوتے ہیں' ساتھ ہی اشہر حج شروع ہو جاتے ہیں' ترتیب مذکور میں نفس الامر کی مطابقت بھی پائی جاتی ہے۔

اور وہ عمیق ترین وجہ جس کی طرف گزشتہ سطور میں اشارہ گزرا اور جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ذکر فرمائی ہے یہ ہے کہ روزے میں کچھ کاموں کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور حج میں کچھ کاموں کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے'

روزے کے ذریعے انسان کو اپنی نفسانی وجسمانی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کروائی جاتی ہے اور حج میں جذبہ عشق کی تکمیل کروائی جاتی ہے' اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنے محبوب سے ملنے کی خاطر اپنے کھانے پینے اور آرام و راحت تک کو تج دیتا ہے' اس کی تمنا صرف وصالِ محبوب ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ روزے میں تخلیہ ہوتا ہے یعنی بہت سی چیزوں سے اپنے آپ کو خالی کرنا پڑتا ہے اور حج میں تحلیہ ہوتا ہے یعنی اپنے آپ کو بہت سی چیزوں سے آراستہ کرنا ہوتا ہے' ایک دنیوی عاشق اپنے محبوب کے وصال سے تخلیہ حاصل کرنے کے لیے اپنی جسمانی ضروریات سے تحلیہ کرکے اپنے گوہر مقصود کو حاصل کرسکتا ہے تو ایک حقیقی عاشق اپنے محبوب حقیقی کو کیوں حاصل نہیں کرسکتا؟ یقیناً ایسا ہوسکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ تخلیہ کے بعد جذبہ محبت وعشق میں اور سرشاری پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ تحلیہ کی صورت میں نکلتا ہے' اور تخلیہ وتحلیہ کی تقدیم وتاخیر ایک فطری چیز ہے لہٰذا کتاب الصوم اور کتاب الحج کی تقدیم وتاخیر بھی فطری چیز ہوئی۔

اسی وجہ سے حج کا ارادہ رکھنے والے کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے ارادے کی تکمیل میں تاخیر نہ کرے اور جوں ہی اسباب مہیا ہوں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنا دے اور اس فریضے کو ''جو پوری زندگی میں انسان پر صرف ایک مرتبہ عائد ہوتا ہے'' جلد از جلد ادا کرلے' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ارادے ہی کرتا رہے اور فرشتہ اجل اسے لینے کے لیے آ پہنچے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان وسائل کے باوجود اپنے جذب عاشقی کی حقیقی تکمیل سے محروم رہ جائے' کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کے لیے زبان نبوی سے بڑی سخت وعید بیان ہوئی ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوا' اور وہ حج کیے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہوگیا تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اَفْضَلِ الْحَجِّ وَفَضْلِ الْحَاجِّ

(۲۲۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْحَاجُّ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهٗ اِلَی انْسِلَاخِ الْمُحَرَّمِ۔

افضل حج اور حاجی کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت علقمہ سے مرسلاً مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حاجی کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اس شخص کے بھی جس کے لیے حاجی بخشش کی دعاء کرے' محرم کے اختتام تک۔

فائدہ: اگلی روایت بھی فضیلت حج سے متعلق ہے۔

(۲۲۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ قَیْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الْحَجِّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ فَاَمَّا الْعَجُّ فَالْعَجِیْجُ وَاَمَّا الثَّجُّ فَثَجُّ الْبُدْنِ قَالَ فَثَجُّ الدَّمِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَمَّا الثَّجُّ فَنَحْرُ الْهَدْیِ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا افضل ترین حج وہ ہے جو عج اور ثج ہو، عج کا لفظ تو عجیج سے ہے اور ثج کا معنی قربانی کرنا ہے۔

حل عبارت: "انسلاخ" باب انفعال کا مصدر ہے بمعنی ختم ہونا "عج" عجیج سے نکلا ہے بمعنی آواز کی بلندی "ثج" بمعنی خون بہانا۔

تخریج حدیث اول: اخرج البیهقی نحوه، وابن ماجه: ۲۸۹۲، واحمد مثله: ۵۳۷۱۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن ماجه: ۲۹۲٤، والترمذی: ۸۲۷، وابن ابی شیبه: ۳۳۰، وابو یعلی: ۵۰۱٦، والبیهقی: ۷۰۳۹۔

مفہوم: ایام حج میں تلبیہ اور تکبیر و تہلیل کے پر کیف نعروں سے جس طرح منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے میدان گونجتے ہیں، ان نعروں اور زمزموں کو صرف سن کر ہی انسان کی روح کو تازگی اور بالیدگی اور ایمان کو کیف و سرور مل جاتا ہے، ظاہر ہے کہ جب سننے والوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ مرغ بسمل کی طرف تڑپتے ہیں تو یہ نعرے بلند کرنے والے کن جذبات و احساسات سے دوچار ہوں گے، انہی جذبات و احساسات کو انسان کے تحت الشعور میں اچھی طرح راسخ کرنے اپنی عاجزی اور اللہ کی کبریائی، اپنے گناہوں اور اللہ کی مغفرت کے اقرار پر پوری کائنات کو گواہ بنانے کے لیے حج کی افضلیت کو ہی اس بات میں پوشیدہ کر دیا گیا کہ بارگاہ خداوندی میں اپنی حاضری اور ہر قسم کے شریک سے براءت کا اعلان بانگِ دہل کیا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ اصول تو یہ بنتا ہے کہ دعویٰ عشق و محبت رکھنے والا اپنی جان تک اپنے محبوب پر نچھاور کر دے لیکن یہ محبوب حقیقی کی کرم نوازی ہے کہ وہ انسان کے بدلے میں بکری، گائے اور اونٹ کو قبول کر لیتا ہے اور انسان کو وہی ثواب عطاء کرتا ہے جو اپنی جان نچھاور کرنے پر عطاء ہوتا، اسی لیے قربانی کے جانور کا خون بہانا حج کی افضلیت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

جب حاجی اپنی زبان سے اپنے محبوب کی کبریائی کا اقرار اور اپنے عمل سے اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ خداوندی میں پیش کر چکا تو اس کا صلہ دنیا میں اسے یہ عطاء کیا گیا کہ نہ صرف یہ کہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیا گیا بلکہ ان لوگوں کے حق میں بھی اس کی سفارش کو قبول کر لیا گیا جو اس سے اس سفارش کی درخواست کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ مَوَاقِیْتِ الْحَجِّ

(۲۳۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ یَحْیٰی اَنَّ نَافِعًا قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیْنَ الْمُهَلُّ قَالَ یُهِلُّ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ مِنْ ذِی الْحُلَیْفَةِ وَیُهِلُّ اَهْلُ الْعِرَاقِ مِنَ الْعَقِیْقِ وَیُهِلُّ اَهْلُ الشَّامِ

مِنَ الْجُحْفَةِ وَيُهِلُّ اَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ۔

احرام باندھنے کی جگہوں کی نشاندہی

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر سوال کیا یارسول اللہ! میقاتِ احرام کہاں ہے؟ فرمایا اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں گے، اہل عراق عقیق سے، اہل شام جحفہ سے اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں گے۔

فائدہ: اگلی روایت بھی مواقیت سے متعلق ہے۔

(۲۲۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ مَنْ اَرَادَ مِنْكُمُ الْحَجَّ فَلَا يُحْرِمَنَّ اِلَّا مِنَ الْمِيْقَاتِ وَالْمَوَاقِيْتُ الَّتِيْ وَقَّتَهَا نَبِيُّكُمْ ﷺ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ مَرَّبِهَا مِنْ غَيْرِ اَهْلِهَا ذُوالْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ وَمَنْ مَرَّبِهَا الْجُحْفَةُ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ وَمَنْ مَرَّبِهَا مِنْ غَيْرِ اَهْلِهَا قَرْنٌ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ وَمَنْ مَرَّبِهَا مِنْ غَيْرِ اَهْلِهَا يَلَمْلَمُ وَلِاَهْلِ الْعِرَاقِ وَلِسَائِرِ النَّاسِ ذَاتُ عِرْقٍ۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تم میں سے جو شخص حج کرنا چاہے وہ صرف میقات ہی سے احرام باندھے اور مواقیت ان جگہوں کو کہتے ہیں جن کی تعیین احرام باندھنے کے لیے نبی ﷺ نے کی تھی، یعنی اہل مدینہ کے لیے یا مدینہ منورہ سے ہوکر گزرنے والوں کے لیے ذوالحلیفہ کو مقرر فرمایا تھا، اہل شام اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے جحفہ کو، اہل نجد اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے قرن، اہل یمن اور وہاں سے گزرنے والوں کے لیے یلملم، اور اہل عراق اور باقی تمام لوگوں کے لیے ذات عرق کو متعین فرمایا تھا۔

حل عبارت: "المهل" اسم ظرف کا صیغہ ہے بمعنی تہلیل کہنے کی جگہ، مراد میقات ہے جہاں پر تلبیہ پڑھ کر احرام باندھا جاتا ہے اور بغیر احرام کے وہاں سے گزرنے پر دم لازم آتا ہے "یهل" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مذکورہ "فلا یحرمن" باب افعال سے نہی معروف با نون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی احرام باندھنا "وقتها" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ مذکور ہے بمعنی میقات بنانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ۲۸۱۰ (۱۱۸۳)، والبخاری: ۱۵۲۵، وابوداؤد: ۱۷۳۷، ۱۷٤۰، والترمذی: ۸۳۱، ۸۳۲، والنسائی: ۲٦۵۳، وابن ماجه: ۲۹۱٤۔

تخریج حدیث ثانی: اخرج البخاری ما یدل علی معناه: ۱۵۳۱۔

مفہوم: میقات کا معنی ہے وہ جگہ جہاں سے گزر کر اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہے تو اس کے لیے احرام باندھے

بغیر وہاں سے گزرنا منع ہو، اور بغیر احرام باندھے وہاں سے گزر جانے پر دم لازم ہو، حرم شریف کی طرف آنے والے راستوں پر نبی علیہ السلام نے ان جگہوں کی خود نشاندہی فرما دی ہے اور ہر علاقے کے لوگوں کے لیے ایک مخصوص جگہ مقرر فرما دی ہے۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ آخر اس کی کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب دینے کے لیے کسی لمبی چوڑی تقریر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ ہر ملک میں کچھ جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں عام آدمی کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے چنانچہ ایک عام آدمی کبھی ایوان صدر میں داخل نہیں ہو پاتا، وہ کبھی اپنی ایٹمی تنصیبات نہیں دیکھ سکتا اور اسی طرح بہت سی جگہوں کی مثال پیش کی جا سکتی ہے، اسی طرح پوری دنیا میں شہر مکہ کو ایسی خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں داخل ہونے کے لیے ہر کس و ناکس کو اجازت نہیں دی جا سکتی، ایک ہی قسم کا فقیرانہ و مجذوبانہ لباس اختیار کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کے لیے شرائط متعین کی گئی ہیں۔

اس موضوع کی فقہی جزئیات تو کتب فقہ میں تلاش کرنی چاہئیں تاہم یہاں اتنی بات معلوم کر لینا ضروری ہے کہ ان تمام جگہوں کی تعیین جنہیں میقات کہا جاتا ہے، نبی علیہ السلام نے خود فرمائی تھی، اس میں کسی صحابی کے اجتہاد کا عمل دخل نہیں ہے۔

بَابُ مَا يَلْبَسُهُ الْمُحْرِمُ

(۲۲۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا ذَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ قَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا الْقَبَاءَ وَلَا السَّرَاوِيْلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهٗ وَرَسٌ اَوْ زَعْفَرَانٌ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ۔

محرم کا لباس

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! محرم کس طرح کے کپڑے پہن سکتا ہے؟ فرمایا نہ قمیص پہن سکتا ہے اور نہ عمامہ، قباء، شلوار، ٹوپی، اور نہ ہی کوئی ایسا کپڑا جسے ورس یا زعفران لگی ہوئی ہو، اور جس شخص کے پاس جوتیاں نہ ہوں، اسے موزے پہننے کی اجازت ہے لیکن اسے چاہیے کہ انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۲۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ اِزَارٌ فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيْلَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ نِعَالَ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس تہبند نہ ہو وہ شلوار پہن لے اور جس شخص کے پاس جوتی نہ ہو، وہ موزے پہن لے۔

حَلِّ عبارت: "یلبس" باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہننا "البرنس" بڑی ٹوپی' سر کو ڈھانپنے والی ہر چیز "مسہ" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "ورس" ایک خاص قسم کی خوشبودار گھاس۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۱۳٤' ومسلم: ۲۷۹۲ (۱۱۷۷)' وابوداؤد: ۱۸۲٤' والترمذی: ۸۳۳' وابن ماجه: ۲۹۲۹' والنسائی: ۲٦٦۸' وابن حبان: ۳۷۸٤' والدارمی: ۳۱/۲

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری: ۱۸٤۱' ومسلم: ۲۷۹۷ (۱۱۷۹) وابوداؤد: ۱۸۲۹' والترمذی: ۸۳٤' والنسائی: ۲٦۷۳' وابن ماجه: ۲۹۳۱' وابن حبان: ۳۷۸۵۔

مفہوم: حج کی یہ پابندی بھی ظاہر بینوں کو بڑی عجیب اور مشکل محسوس ہوتی ہے لیکن اگر ذرا سطحی نظر سے ہی جائزہ لے لیا جائے تو اس پابندی کی حیثیت پابندی کی نہیں رہتی' چنانچہ اس کیفیت میں ایک تو انسان کے عجز کا اقرار بخوبی ہو جاتا ہے اور دوسرے اس کے دماغ سے غرور و تکبر کا خناس نکل جاتا ہے' ایک طرف انسان اپنے جذبہ عشق کی تکمیل کر لیتا ہے اور دوسری طرف ہر لمحے اسے قبر کی زندگی یاد رہتی ہے کیونکہ میت کو بھی دو سفید چادروں میں لپیٹ کر قبر کے حوالے کر دیا جاتا ہے' اور حاجی کو بھی کفن کی دو سفید چادریں لپیٹ کر رخصت کر دیا جاتا ہے' میت سے قبر میں سوال و جواب ہوتے ہیں اور حاجی سے ائیر پورٹ پر تفتیش کی جاتی ہے' غرض کفن کی ان چادروں کو پہننا ہر احرام باندھنے والے مرد پر اس لیے فرض کیا گیا ہے تاکہ اسے اپنی دوسری زندگی بھول نہ جائے۔

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ جوتی یا موزے پہننے کی جو اجازت دی گئی ہے' وہ محض ہماری سہولت اور آسانی کی وجہ سے دی گئی ہے تاکہ عرب کی جھلسا دینے والی گرمی سے ہمارے پاؤں نہ جھلس جائیں' اے کاش! اس سرزمین پر جوتی پہن کر چلنے والوں نے کبھی سوچا ہوتا کہ بلال پر اس وقت کیا گزرتی ہوگی جب اسے ننگے پاؤں کھڑے رہنے کی سزا نہیں دی جاتی تھی' ننگے جسم اس تپتی ہوئی زمین پر جلتے ہوئے کوئلے بچھا کر اس پر لٹایا جاتا تھا اور اے کاش! کبھی بلال کے جلتے ہوئے جسم کا تصور کر کے ہی کوئی عاشق زار کچھ دیر کے لیے اس گرم ریگ زار پر اپنے پاؤں رکھ کر اپنے عشق و محبت کا ثبوت پیش کرتا۔

بَابُ هَلْ يَتَطَيَّبُ الْمُحْرِمُ؟

(۲۲۷): اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ اَيَتَطَيَّبُ الْمُحْرِمُ قَالَ لَاَنْ اُصْبِحَ اَنْضَحُ قَطِرَانًا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُصْبِحَ اَنْضَحُ طِيْبًا فَاَتَيْتُ عَائِشَةَ فَذَكَرْتُ لَهَا فَقَالَتْ اَنَا طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَطَافَ فِيْ اَزْوَاجِهٖ ثُمَّ اَصْبَحَ تَعْنِيْ مُحْرِمًا۔

کیا محرم کے لیے خوشبو کا استعمال جائز ہے؟

ترجمہ: منتشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کیا محرم خوشبو لگا سکتا ہے؟ فرمایا مجھے اس حال میں صبح کرنا زیادہ پسند ہے کہ مجھ سے تارکول کی بھبھک آ رہی ہو بہ نسبت اس کے کہ مجھ سے خوشبو کی مہک آ رہی ہو، میں اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دوران گفتگو یہ بات بھی ذکر کر دی، فرمایا کہ میں نے خود جناب رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے پاس گئے اور صبح کو اسی خوشبو کے ساتھ احرام کی نیت کر لی۔

حل عبارت: "ایتطیب" ہمزہ برائے استفہام اور صیغہ باب تفعل سے فعل مضارع معروف کا واحد مذکر غائب ہے بمعنی خوشبو لگانا "انضح" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی چھڑکنا، مراد مہکنا ہے "طیبت" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی خوشبو لگانا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ٢٨٤٢ (١١٩٢) والنسائی: ٢٧٠٥۔

مفہوم: اس حدیث کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ محرم کے خوشبو لگانے کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ احرام کی نیت کرنے سے پہلے احرام کی چادروں پر خوشبو لگا لی جائے، پھر انہی چادروں کو اوڑھ کر حج یا عمرہ کیا جائے۔

۲۔ احرام کی نیت کرنے کے بعد اپنے جسم پر یا چادروں پر خوشبو لگائی جائے۔

پہلی صورت میں کوئی حرج نہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مراد یہی ہے اور دوسری صورت اختیار کرنے سے دم واجب ہو گا اور حضرت ابن عمرؓ کی بھی یہی مراد ہے، اس تقریر کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے، صرف صورت کا فرق ہے۔

اور حالت احرام میں خوشبو لگانے کی ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ انسان پر فقیروں اور بھکاریوں والی صورت دکھائی دے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اس در پر بھیک اور خیرات ہی مانگنے کے لیے گیا ہے، ٹپ ٹپ منانے کے لیے نہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ احرام کسے کہتے ہیں؟ ہمارے یہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ احرام سے مراد وہ دو سفید چادریں ہوتی ہیں، جو ہم اپنے جسم پر لپیٹتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، احرام ان چادروں کو نہیں کہتے بلکہ اس نیت اور تلبیہ کو کہتے ہیں جس کا استحضار و اظہار کرنے کے بعد انسان پر احرام کی پابندیاں متوجہ ہو جاتی ہیں۔

اگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے تو حالت احرام کے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں مثلاً احرام کی چادر گندی ہو جانے کی صورت میں اسے تبدیل کرنا، کسی وجہ سے ایک یا دونوں چادروں کا جسم پر نہ رہنا۔

بَابُ التَّمَتُّعِ

(۲۲۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ اَمَرَ اَصْحَابَهٗ اَنْ يُّحِلُّوْا مِنْ اِحْرَامِهِمْ بِالْحَجِّ وَيَجْعَلُوْا عُمْرَةً۔

حج تمتع کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ احرامِ حج کھول لیں اور اسے عمرہ کا احرام بنالیں۔

فائدہ: اگلی روایت ضمنی طور پر اسی واقعے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۲۲۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَا اَمَرَ بِهٖ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا عَنْ عُمْرَتِنَا اَلَنَا خَاصَّةً اَمْ لِلْاَبَدِ قَالَ هِىَ لِلْاَبَدِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب وہ حکم دیا جو دیا تو سراقہ بن مالکؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ بتائیے کیا یہ حکم ہمارے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ فرمایا ہمیشہ کے لیے ہے۔

حل عبارت: "یحلوا" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی حلال ہونا' مراد احرام سے نکل جانا۔

تخریج حدیث اول: اخرج ابن ماجه مثله فی ضمن حديث طويل: ۲۹۸۲' والنسائی: ۲۸۰۷' ومسلم: ۲۹٤٥ (۱۲۱٦)

تخریج حدیث ثانی: اخرجه مسلم فی نهاية حديث طويل: ۲۹٤۳ (۱۲۱٦)' وابوداؤد: ۱۷۸۷' والنسائی: ۲۸۰۸' وابن ماجه: ۲۹۸۰۔

مفہوم: پہلی حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے' اس کا مختصر پس منظر حدیث نمبر ۲۳۹ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں اور اس کی کچھ مناسبت دوسری حدیث کے ساتھ بھی پائی جاتی ہے ارو اسی وجہ سے ان دونوں کو اکٹھا بھی کیا گیا ہے' لیکن اس وضاحت سے پہلے یہ فرق ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ دوسری حدیث کا تعلق واقعہ حجۃ الوداع سے ہے اور پہلی حدیث کا تعلق عمرۃ القضاء سے ہے۔

کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کا یہ خیال تھا کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے' ظاہر ہے کہ اس خیال کے پیچھے ان کے پاس دلائل کی قوت نہیں تھی بلکہ صرف مفروضات اور توہمات ہی ان کے اس نظریے کی بنیاد

تھے اس لیے نبی علیہ السلام اس خیال کی اصلاح فرمانا چاہتے تھے' جس کا ایک طریقہ تو زبانی طور پر سمجھا دینا تھا اور دوسرا طریقہ عملی طور پر اور موقع پر بات کو ذہن نشین کرانا تھا' نبی علیہ السلام نے اس کے لیے دوسرا طریقہ اختیار فرمایا۔

یہ بات تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی زندگی میں صرف ایک حج کیا ہے لہٰذا اشہر حج میں احرام باندھنے کا موقع بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری زندگی میں ایک مرتبہ ملا' اور یہ بات بھی واضح ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ حج کے لیے جب جاتے تھے تو قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے جیسا کہ اس نوع کی روایات آگے بھی آئیں گی۔

سفر حجۃ الوداع میں نبی علیہ السلام نے حرم مکہ پہنچنے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لایا ہوتا تو میں اپنے حج کے احرام کو فسخ کر کے عمرہ کے احرام کی نیت کر لیتا' اب میں تو ایسا نہیں کر سکتا لیکن تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہیں لایا' وہ حج کا احرام ختم کر کے عمرہ کی نیت کر لے' ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں ہمیشہ ایسا کرنا چاہیے یا یہ حکم اس سال کے ساتھ خاص ہے؟ یعنی کیا ہم دوبارہ اشہر حج میں عمرہ کرنا چاہیں تو کوئی ممانعت تو نہیں ہوئی؟ فرمایا کوئی ممانعت نہیں ہوگی' اور تم ہمیشہ اشہر حج میں بھی عمرہ کر سکو گے۔

بَابُ مَنْ قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَهِیَ فِیْ اَیَّامِهَا

(۲۳۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ وَهِیَ مُتَمَتِّعَةٌ وَهِیَ حَائِضٌ فَاَمَرَهَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَرَفَضَتْ عُمْرَتَهَا۔

اگر عورت حج تمتع کی نیت سے آئے اور وہ ''ایام'' میں ہو تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ حج تمتع کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچیں' اتفاق سے انہیں پھول آ گئے' نبی علیہ السلام نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے عمرہ کو چھوڑ دیا۔

(۲۳۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَهِیَ حَائِضٌ فَاَمَرَهَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَرَفَضَتْ عُمْرَتَهَا۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہٖ یہی ہے۔

(۲۳۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَهِیَ حَائِضٌ فَاَمَرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَرَفَضَتْ عُمْرَتَهَا وَاسْتَاْنَفَتِ الْحَجَّ حَتّٰی اِذَا فَرَغَتْ مِنْ حَجِّهَا اَمَرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ تَصْدُرَ اِلَی التَّنْعِیْمِ مَعَ اَخِیْهَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہٖ یہی ہے البتہ آخر میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے از سر نو حج کا احرام باندھ لیا' جب حج سے فراغت ہو گئی تو نبی علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنعیم سے احرام باندھ آئیں (اور عمرہ

کی قضاء کرلیں)

(۳۳۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَبَحَ لِرَفْضِهَا الْعُمْرَةَ بَقَرَةً۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان کے عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے ایک گائے ذبح کی۔

(۳۳٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيِّ ابْنِ حِرَاشٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَ بِرَفْضِهَا الْعُمْرَةَ دَمًا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم دینے کا حکم دیا۔

(۳۳۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ يَصْدُرُ النَّاسُ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ وَاَصْدُرُ بِحَجَّةٍ فَاَمَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ انْطَلِقْ بِهَا اِلَى التَّنْعِيْمِ فَلْتُهِلَّ ثُمَّ لِتَفْرَغْ مِنْهَا ثُمَّ لِتَعْجَلْ عَلَيَّ فَاِنِّيْ اَنْتَظِرُهَا بِبَطْنِ الْعَقَبَةِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ! لوگ حج اور عمرہ کے ساتھ واپس جائیں گے اور میں صرف حج کے ساتھ؟ اس پر نبی علیہ السلام نے (ان کے بھائی) عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ ان کیساتھ تنعیم چلے جائیں تاکہ وہ وہاں سے احرام باندھ لیں، پھر جب عمرہ سے فارغ ہو جائیں تو جلدی سے لوٹ آئیں کیونکہ میں بطن عقبہ میں ان کا انتظار کروں گا۔

حل عبارت: "قدمت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی آنا "فرفضت" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی چھوڑنا "استانفت" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی از سرنو کرنا۔

تخریج حدیث اول و ثانی وثالث: اخرج البخاری ما فی معناہ: ۱۵۵٦، ومسلم: ۲۹۱۱ (۱۲۱۱)، وابوداؤد: ۱۷۸۲، والترمذی: ۹٤۵، والنسائی: ۲۷٤۲، وابن ماجہ: ۳۰۰۰۔

تخریج حدیث رابع وخامس: اخرجہ البخاری فی آخر: ۲۹٤، ومسلم: ۲۹۱۸ (۱۲۱۱)

تخریج حدیث سادس: اخرجہ البخاری: ۱۷۸۷، ومسلم: ۲۹۲۷ (۱۲۱۱)

مفہوم: اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کی جو تقسیم فرمائی ہے اس تقسیم کے مطابق جسمانی طور پر ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کچھ عوارض رکھے ہیں اور یہ عوارض بھی اسی طرح فطری ہیں جس طرح مرد و عورت کی طرف انسان کی تقسیم فطری ہے، ان عوارض کی وجہ سے کسی کو طعنہ نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی ان عوارض کی وجہ سے انسان انسانیت کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔

انہی عوارض میں سے ایک کا ذکر مندرجہ بالا احادیث میں ہوا ہے جس کے لیے ہم نے "پھول آنے" کی تعبیر اختیار کی ہے اور یہ تشبیہ صرف رنگ میں ہے، خوشبو میں نہیں، کیونکہ خون کا رنگ تو سرخ ہوتا ہے مگر اس میں خوشبو نہیں

ہوتی۔

زیر بحث احادیث سے جو فقہی مسئلہ مستنبط ہوا' وہ تو واضح ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے' البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عورت ہونے کے باوجود اپنے شاگردوں سے ''جن میں مرد و عورت دونوں ہی ہوتے تھے'' اس مسئلے کو کس طرح بیان کیا ہوگا؟ کیونکہ عورت کا طبعی حجاب اس نوعیت کے مسائل بیان کرنے سے مانع ہوتا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ سے اس موضوع پر سوالات نہ کیے جاتے اور وہ ان کا جواب نہ دیتیں' بلکہ ان مسائل کا علم اپنے ساتھ ہی لے جاتیں جن کا تعلق خانگی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے اور جو عام لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتے تو اس سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی خانگی زندگی کا مکمل نقشہ بھی سامنے نہ آ پاتا اور امت مرحومہ بھی ان مسائل میں تشنگی کا شکار رہتی' حضرت عائشہؓ کی دوررس نگاہوں نے مستقبل کے اس منظر کو بھانپ لیا تھا اس لیے انہوں نے اس باب میں اپنا کردار ایک ایسی معلّمہ کا ادا کیا ہے جو اپنی فراست سے لوگوں کو پہچان کر ان کے مسائل کا صحیح حل پیش کر سکے۔

اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے یہ مسائل صرف مردوں سے ہی ذکر کیے ہوں بلکہ حقائق کے مطابق وہ اپنی شاگرد خواتین سے اس باب کے مسائل ذکر کرتیں' وہ خواتین اپنے شوہروں سے اس کا ذکر کرتیں اور یوں مردوں تک اس روایت کا سلسلہ پہنچ جاتا۔ واللہ اعلم

بَابٌ اِذَا صَادَ الْحَلَالُ فَاَكَلَهُ الْمُحْرِمُ

(۲۳۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ قَالَ تَذَاكَرْنَا لَحْمَ صَيْدٍ يَصِيْدُهُ الْحَلَالُ فَيَاكُلُهُ الْمُحْرِمُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَائِمٌ حَتّٰى ارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُنَا فَاسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ فِيْمَا تَتَنَازَعُوْنَ فَقُلْنَا فِيْ لَحْمِ صَيْدٍ يَصِيْدُهُ الْحَلَالُ فَيَاْكُلُهُ الْمُحْرِمُ قَالَ فَاَمَرَنَا بِاَكْلِهٖ۔

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا جبکہ اسے کسی غیر محرم نے شکار کیا ہو

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں شکار کے گوشت کے بارے میں بحث مباحثہ کر رہے تھے جسے غیر محرم نے شکار کیا ہو' اور محرم نے اسے کھا لیا ہو' نبی علیہ السلام قریب ہی سو رہے تھے' ہماری آوازیں بلند ہوئیں تو آپ ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا کس بات میں اختلاف ہو رہا ہے؟ ہم نے عرض کیا شکار کے گوشت کے بارے میں' جسے غیر محرم نے شکار کیا ہو اور محرم اسے کھا لے' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ہمیں وہ کھانے کی اجازت دے دی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۳۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْتُ فِيْ رَهْطٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ لَيْسَ فِي الْقَوْمِ حَلَالٌ غَيْرِيْ فَنَظَرْتُ نُعَامَةً فَسِرْتُ اِلٰى فَرَسِيْ فَرَكِبْتُهَا وَعَجِلْتُ عَنْ سَوْطِيْ فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُوْنِيْهِ فَاَبَوْا فَنَزَلْتُ عَنْهَا فَاَخَذْتُ سَوْطِيْ فَطَلَبْتُ النُّعَامَةَ فَاَخَذْتُ مِنْهَا حِمَارًا فَاَكَلْتُ وَاَكَلُوْا۔

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا' پوری جماعت میں میرے علاوہ غیر محرم کوئی نہ تھا' راستے میں میں نے جنگلی گدھوں کو دیکھا' انہیں دیکھ کر میں اپنے گھوڑے کی طرف چلا اور اس پر سوار ہو گیا لیکن جلدی میں اپنا کوڑا بھول گیا' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے یہ کوڑا پکڑا دو لیکن انہوں نے انکار کر دیا' مجبوراً میں نے گھوڑے سے اتر کر اسے خود ہی اٹھایا اور جنگلی گدھوں کی تلاش میں چل پڑا' راستے میں مجھے ایک جنگلی گدھا مل گیا' میں نے اسی کو شکار کر کے پکڑ لیا' میں نے بھی اسے کھایا اور میرے ساتھیوں نے بھی کھایا۔

حل عبارت: "تذاکرنا" باب تفاعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی مباحثہ اور تکرار کرنا "لحم صید" ترکیب میں موصوف واقع ہو رہا ہے "یصیدہ الحلال" اس کی صفت ہے "یصیدہ" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکار کرنا "نعامۃ" شتر مرغ' یا جنگلی گدھوں کا غول "فسرت" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی چلنا "ناولونیہ" باب مفاعلہ سے فعل امر معروف کا صیغہ جمعہ مذکر حاضر ہے بمعنی پکڑانا۔

تخریج حدیث اول: اخرج مسلم مثلہ: ۲۸۶۰ (۱۱۹۷)' والنسائی: ۲۸۱۹۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ البخاری: ۲۵۷۰' ومسلم: ۲۸۵۱ (۱۱۹۶)' والنسائی: ۲۸۲۹' وابن ماجہ: ۳۰۹۳۔

مفہوم: حالت احرام میں ایک مسلمان پر عائد ہونے والی پابندیوں میں سے ایک پابندی یہ بھی ہے کہ اسے شکار کی اجازت نہیں ہے' لیکن یہ پابندی نہیں ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جو حالت احرام میں نہ ہو' کوئی جانور شکار کر کے لائے اور محرم کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنا چاہے تو وہ اسے کھانے میں شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل پابندی شکار کرنے پر ہے اور وہ اس نے کیا نہیں' لہٰذا اسے کھانے میں شریک ہونے کی ممانعت بھی نہیں۔

دوسری بہت سی پابندیوں کی طرح اس پابندی کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ عام طور پر شکار کھیلنا تفریح طبع کے لیے ہوتا ہے' اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شکار کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے' پھر اسے کاٹنے سے لے کر پکانے تک کا ایک طویل مرحلہ ہوتا ہے جس میں انسان کا بہت سارا وقت صرف ہو جاتا ہے' ان تمام خرابیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت نے خشکی کا شکار ممنوع قرار دے دیا تاکہ انسان جس مقصد کے لیے اپنے گھربار' کاروبار' دوست احباب اور عزیز واقرباء کو چھوڑ کر نکلا ہے اس مقصد کو حاصل کر سکے' شکار تو انسان کسی اور وقت بھی کر سکتا ہے لیکن دربار خداوندی پر

حاضری کا موقع بار بار نہیں ملتا اور مجھے انتہائی افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ زمانہ جدید میں اگرچہ شکار کی طرف سے تو حجاج و معتمرین کی توجہ ہٹ گئی ہے لیکن بازاروں اور دکانوں پر خریداروں اور شاپنگ کرنے والوں کا ہجوم بڑھ گیا ہے اور حجاج کرام کو واپسی پر آتے ہوئے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ لوگ بیرون ملک شاپنگ کرنے کے لیے گئے تھے جب ہی اس میں کمبل، استری، کیمرہ، برتن، زیورات اور کھانے پینے کی اشیاء سے بھرے ہوئے بڑے بڑے کارٹن شامل ہوتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

بَابُ مَا یَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ قَتْلُهٗ

(۲۳۸) اَبُوْ حَنِیفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ یَقْتُلُ الْمُحْرِمُ الْفَارَّةَ وَالْحَیَّةَ وَالْکَلْبَ وَالْحِدَاةَ وَالْعَقْرَبَ۔

محرم کے لیے موذی جانور کو مارنا جائز ہے

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا محرم چوہے، سانپ، کتے، چیل اور بچھو کو مار سکتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۳۳۱۴، ومسلم: ۲۸۶۸ (۱۱۹۹)، وابوداؤد: ۱۸۴۶، والترمذی: ۸۳۸، والنسائی: ۲۸۳۵، وابن ماجه: ۳۰۸۸۔

مفہوم: حرم شریف چونکہ ایک مقدس مقام ہے اس لیے اس کی حرمت و تقدیس کو برقرار رکھنے کے لیے خود پروردگار عالم کی طرف سے مختلف احکام دیے گئے ہیں جنہیں نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ نے مختلف معجزانہ اسالیب میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ میقات سے احرام کے ساتھ گزرنے کی شرط حرم کی حرمت و تقدیس ہی کی خاطر ہے، شکار کی پابندی اسی بناء پر ہے حتی کہ حرم شریف میں دانہ چگتے ہوئے کبوتر کو ڈرا کر اڑانے کی ممانعت بھی اسی وجہ سے ہے، حرم شریف میں ''اذخر'' نامی گھاس کے علاوہ ہر قسم کی گھاس کاٹنے کی ممانعت اسی حرمت و تقدیس کی رہین منت ہے، یہاں قتل و قتال اور جنگ و جدال کی ممانعت بھی اس کی تقدیس و تعظیم کی بقاء کی ضامن ہے۔

ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر فطری طور پر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حرم شریف میں کوئی موذی جانور دکھائی دے اور انسان اس سے خطرہ محسوس کرے تو کیا حرمت و تقدیسِ حرم کا خیال رکھتے ہوئے ان سے بھی تعرض نہ کرے یا کیا کرے؟ نیز یہ کہ اس میں محرم اور غیر محرم کی کوئی تفریق و امتیاز بھی ہے یا نہیں؟

زیر بحث حدیث میں ان دونوں سوالوں کا جواب دیا گیا ہے چنانچہ اس حدیث کے مطابق حرم شریف میں موذی جانور کو مارنا اس کی حرمت کے خلاف نہیں ہے اس لیے اس کی اجازت و جواز میں بھی کوئی شک نہیں ہے، اسی طرح اس

میں محرم اور غیر محرم کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے، محرم بھی ان چیزوں کو مار سکتا ہے اور غیر محرم بھی۔ واللہ اعلم

بَابٌ هَلْ يَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ اَنْ يَتَزَوَّجَ

(۲۳۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

کیا احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارثؓ سے حالت احرام میں نکاح فرمایا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۸۳۷ ومسلم: ۳۴۵۲ (۱۴۱۰)، وابوداؤد: ۱۸۴۴، والترمذی: ۸۴۲، والنسائی: ۲۸۴۰، وابن ماجه: ۱۹۶۵، واحمد: ۱۹۱۹۔

مفہوم: محدثین اور فقہاء کرام نے اس حدیث کے حوالے سے یہ ایک بحث چھیڑی ہے کہ آیا حالت احرام میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور اور ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کی صحت کے دلائل دیے ہیں لیکن اس سوال سے کسی نے تعرض نہیں کیا کہ آخر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا روایت کے مطابق حالت حرام میں نکاح کیوں کیا؟ اس کی فوری اور اشد ضرورت کیا پیش آ گئی تھی کہ اسے مؤخر نہیں کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ جب سوال ہی نہیں اٹھایا گیا تو جواب ملنا بھی محال ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذہن میں جو بات ڈالی ہے، پہلے وہ لکھتا ہوں پھر اس واقعہ کا مختصر پس منظر عرض کروں گا۔

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاحب شریعت و کتاب پیغمبر تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل شریعت ہی کی ترجمانی ہوتا تھا، جس میں خوشی اور غمی کی تفریق بھی روا نہیں رکھی گئی تھی، حالت احرام میں نکاح کی فوری ضرورت تو نہیں تھی، البتہ امت کے لیے یہ پیغام چھوٹا ضروری تھا کہ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے تو اسے حل کرنے کے لیے میری سنت اور میرا اسوۂ حسنہ موجود ہے، آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی صورت یہ بھی تو ہو سکتی تھی کہ نبی علیہ السلام زبانی طور پر امت کے لیے دوسرے بہت سے پیغاموں کی طرح یہ پیغام بھی چھوڑ جاتے؟ تو میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ دیگر مذہبی و دنیاوی معاملات کے برعکس حج وعمرہ اور احرام کا معاملہ کچھ جذباتی نوعیت رکھتا ہے اور اس میں اکثر اوقات کسی کی بات ماننے کا عنصر مغلوب اور اپنے جذبہ عشق کی تکمیل کا عنصر غالب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا گیا اور بالآخر ایک صلح نامے کے ذریعے فریقین میں ایک باہمی معاہدہ طے پا گیا تو نبی علیہ السلام نے صلح نامے کی شرائط کے مطابق مدینہ منورہ کی طرف واپسی کا اعلان کر دیا اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اپنا احرام کھول کر حلال ہو جائیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکم نبوی کی تعمیل میں

صحابہ کرامؓ حسب عادت فوراً لپکتے اور احرام کھول کر حلال ہو جاتے لیکن شرائطِ صلح ''جو ان کے خیال کے مطابق مکمل طور پر مسلمانوں کے خلاف اور مشرکوں کے حق میں تھیں'' کی وجہ سے ان کے دل مغموم تھے اور ان پر اس بظاہر دبی ہوئی صلح کا بہت اثر تھا اس لیے بہت سے صحابہ کرامؓ اس حکم کی تعمیل و تکمیل میں ذرا جھجکے۔

نبی علیہ السلام پر اس رویے کا اثر ہوا اور آپ علیہ السلام مغموم حالت میں اپنے خیمے میں تشریف لائے' ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے مغموم دیکھ کر خیریت دریافت کی' جواب میں نبی علیہ السلام نے انہیں ساری بات بتائی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ چونکہ ان لوگوں کو ذہنی و قلبی طور پر بہت صدمہ ہے اس لیے شاید یہ لوگ کچھ پس و پیش کریں' اس کا حل یہی ہے کہ آپ خود باہر تشریف لے جائیں اور ان کے سامنے احرام کھول کر حلال ہو جائیں' جب یہ آپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھیں گے تو خود بخود احرام کھول کر حلال ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا گویا حکم نبوی کی تعمیل میں تاخیر ممکن ہے لیکن عمل نبوی کی تعمیل فوری طور پر ہوتی تھی۔

میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ نبی علیہ السلام کو حالت احرام میں نکاح کرتے ہوئے دیکھ کر بہت سے صحابہ نے اگلی مرتبہ خود بھی حالت احرام میں نکاح کر لیا ہوگا' میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حج کا معاملہ ایک جذباتی معاملہ ہے جس میں قول سے زیادہ عمل کو اہمیت دی جاتی ہے اس لیے نبی علیہ السلام نے اپنے عمل سے اس کا جواز ثابت کر دیا اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے اس باب میں بھی مکمل رہنمائی چھوڑ گئے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ نکاح کا لفظ سن کر کسی کا ذہن بدک نہ جائے اور وہ یہ نہ سوچنے لگے کہ احرام کی حالت میں ازدواجی تعلقات قائم کرنا تو بڑی دور کی بات' اس نوعیت کی کوئی بات کرنا بھی منع ہے اور یہاں اس کی اجازت دی جا رہی ہے؟ اس لیے کہ ''نکاح'' سے یہاں مراد صرف زبان سے ایجاب و قبول کرنا ہے' تخلیہ اور خلوتِ باہمی مراد نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ایجاب و قبول زبان سے ہوتا ہے' جس طرح انسان حالت احرام میں کسی چیز کو خریدنے یا بیچنے کے لیے ایجاب و قبول کر سکتا ہے اسی طرح نکاح کے لیے بھی ایجاب و قبول کر سکتا ہے۔ باقی رہے تخلیہ کے لمحات سو اس کی اجازت کسی صورت نہیں دی گئی۔

پسِ منظر: زیر بحث واقعے کا مرکزی کردار ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں' اور اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو رشتے میں نبی علیہ السلام کے تایا زاد بھائی لگتے ہیں اور حضرت میمونہؓ کے بھانجے' کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ام الفضلؓ حضرت عباسؓ کے نکاح میں تھیں' اس اعتبار سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا' حضرت عباسؓ کی سالی اور حضرت ابن عباسؓ کی خالہ ہوئیں' اتفاق سے حضرت میمونہؓ کے شوہر کا انتقال ہو گیا' اور وہ بیوہ ہو گئیں' جس پر حضرت عباسؓ اور ان کی زوجہ کا فکر مند ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

ان دونوں حضرت عباسؓ اور حضرت میمونہؓ مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھے اور نبی علیہ السلام مدینہ منورہ میں' حضرت میمونہؓ

نے اپنا معاملہ اپنی بہن اور بہنوئی کے سپرد کر دیا' حضرت عباسؓ نے ان کے رشتے کے لیے نبی علیہ السلام سے بات کی' نبی علیہ السلام راضی ہو گئے اور اپنے غلام حضرت ابو رافعؓ کو اپنا وکیل مقرر کر دیا' جبکہ حضرت میمونہؓ کے وکیل خود حضرت عباسؓ تھے۔

۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر نبی علیہ السلام مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے' ادھر سے حضرت عباسؓ رشتے کے معاملات طے کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے' مکہ مکرمہ کے قریب سرف نامی مقام پر پہنچ کر دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا اور وہیں پر زوجین کے وکیلوں نے اپنے اپنے مؤکلوں کی طرف سے ایجاب وقبول کر لیا اور یوں یہ رشتہ طے پا گیا۔

نبی علیہ السلام اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق حالت احرام میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے' عمرہ کیا اور ارکان عمرہ پورے کرنے کے بعد حلال ہو گئے' چونکہ معاہدہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں صرف تین دن گزار سکتے تھے اس لیے یہ مدت پوری ہونے پر مشرکین کا ایک نمائندہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور مکہ مکرمہ کو خالی کر دینے کی درخواست کی' نبی علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ میرا نکاح تو ہو چکا ہے اگر تم مجھے یہاں رات گزارنے کی اجازت دے دو تو شادی کے کھانے میں آپ کی بھی شرکت ہو جائے گی اور میں اپنی زوجہ سے بھی مل لوں گا' لیکن اس نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

چنانچہ نبی علیہ السلام معاہدہ کے مطابق مکہ مکرمہ روانہ سے ہو گئے اور مقام سرف پر پہنچ کر پڑاؤ کیا' اور وہیں حضرت میمونہؓ کے ساتھ تخلیہ کیا اور صحابہ کرامؓ کی دعوت ولیمہ کی' یہ ہے اس واقعہ کا وہ پس منظر جس کا ذکر کبار محدثین اور فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں کیا ہے اور اس کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے اس کی موجودگی میں کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

بَابُ مَنِ احْتَجَمَ مُحْرِمًا

(۲۴۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

محرم کے لیے پچھنے لگوانا

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں سینگی لگوائی۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۸۳۵' ومسلم: ۲۸۸۵ (۱۲۰۲)' وابوداؤد: ۱۸۳۵' والترمذی: ۸۳۹' والنسائی، ۲۸۴۸' وابن ماجه: ۳۰۸۱۔

مفہوم: اس حدیث پر بقدر ضرورت کلام کتاب الصوم کے تحت گزر چکا ہے' جس میں صرف اس بات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح سینگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا' اسی طرح حج پر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِسْتِلَامِ

(۲۴۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا تَرَكْتُ اِسْتِلَامَ الْحَجَرِ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَسْتَلِمُهٗ۔

استلام کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے نبی علیہ السلام کو حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس وقت سے استلام کو کبھی ترک نہیں کیا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی اس کے قریب قریب ہے۔

(۲۴۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا انْتَهَيْتُ اِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ اِلَّا لَقِيْتُ عِنْدَهٗ جِبْرَئِيْلَ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تُكْثِرُ مِنْ اِسْتِلَامِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ قَالَ مَا اَتَيْتُ عَلَيْهِ قَطُّ اِلَّا وَجِبْرَئِيْلُ قَائِمٌ عِنْدَهٗ يَسْتَغْفِرُ لِمَنْ يَسْتَلِمُهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں جب بھی رکن یمانی پر پہنچا، جبرئیل سے وہاں پر ملاقات ہوئی، عطاء بن ابی رباح کے حوالے سے یہ روایت اس طرح مروی ہے کہ کسی نے پوچھا یارسول اللہ! آپ رکن یمانی کا استلام بہت کثرت سے کرتے ہیں؟ فرمایا میں جب بھی وہاں پہنچا ہوں تو جبریل سے ملاقات ہوئی ہے جو اس کا استلام کرنے والوں کے لیے بخشش کی دعا مانگ رہے ہوتے۔

(۲۴۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ وَالْحَجَرِ الْاَسْوَدِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَالذُّلِّ وَمَوْقِفِ الْخِزْيِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے اے اللہ! میں کفر، فقر و فاقہ، ذلت اور دنیا و آخرت میں رسوائی کے مقامات سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

(۲۴۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْبَيْتِ وَهُوَ شَاكٍ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ يَسْتَلِمُ الْاَرْكَانَ بِمِحْجَنِهٖ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهُوَ شَاكٍ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرض کی شکایت میں بیت اللہ کا طواف اپنی سواری پر کیا اور حجر اسود کا استلام اپنی چھڑی سے کرتے رہے، ایک روایت میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی سواری پر کرنے کا ذکر آیا ہے۔

(۲۴۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا۔

حل عبارت: "يستمله" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "ما انتهيت" باب افتعال سے فعل ماضی منفی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی پہنچنا' "موقف" باب ضرب سے اسم ظرف کا صیغہ ہے بمعنی ٹھہرنے کی جگہ "شاك" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی شکایت ہونا "رمل" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رمل کرنا' تیز چلنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۱۶۰۶' والنسائی: ۲۹۵۶' وابوداؤد مثله: ۱۸۷۶' ومسلم: ۳۰۶۵ (۱۲۶۸)

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الحارثی: ۳۶۷۔

تخریج حدیث ثالث: اخرج ابوداؤد مثله: ۱۸۹۲' وابن ماجه: ۲۹۵۷ والفاكهی فی اخبار مكة: ۱۶۷۔

تخریج حدیث رابع: اخرجه البخاری ۱۶۰۷' ومسلم: ۳۰۷۳ (۱۲۷۲) وابوداؤد: ۱۸۸۱' والنسائی: ۲۹۵۷' وابن ماجه: ۲۹۴۸۔

تخریج حدیث خامس: اخرج البخاری مثله: ۱۶۰۴' ومسلم: ۳۰۵۲ (۱۲۶۲) وابوداؤد: ۱۸۹۱' والترمذی: ۸۵۷' والنسائی: ۲۹۴۷' وابن ماجه: ۲۹۵۱۔

مفہوم: خانہ کعبہ "جو پورے عالم میں اللہ کی خصوصی تجلیات کا مرکز ہے" نیکوکاروں کے لیے جس طرح اپنے اندر جلال کی کشش رکھتا ہے' گناہگاروں کے لیے اسی طرح جمال کی کشش سے بھی بھرپور ہے' اس کا ایک ایک کونہ اور ایک ایک اینٹ متبرک و بابرکت ہے' اس کے چپے چپے پر دعاؤں کی قبولیت کے راز موجود ہیں' انہی میں سے خانہ کعبہ کے وہ دو کونے جو حجر اسود اور رکن یمانی کے نام سے مشہور ہیں' بھی شامل ہیں جن کا استلام کیا جاتا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حجر اسود صرف ایک پتھر ہے لیکن نجانے اس پتھر میں ایسی کون سی خاص بات ہے کہ یہاں پہنچ کر اور اسے چھو کر بڑے بڑے پتھر پگھل کر موم ہوتے دیکھے گئے ہیں' نجانے اس پتھر میں ایسی کون سی کشش ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان بلاتفریق رنگ ونسل اس کی تقبیل و استلام کو اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں اور نجانے اس پتھر میں ایسا کون سا مقناطیس رکھ دیا گیا ہے کہ یہ گناہگاروں کے گناہوں کو چوس کر اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

میں شاید اس کی بہت زیادہ توجیہات پیش نہ کر سکوں لیکن اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ اللہ سے مصافحہ کرنے کا شوق انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے کیونکہ یہ پتھر محض پتھر نہیں بلکہ روایات کے مطابق یہ اللہ کا داہنا ہاتھ ہے جسے بوسہ دینے والا درحقیقت حق تعالیٰ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے۔

اور میں یہ بھی عرض کروں گا کہ پوری انسانیت کا نقطۂ آغاز حضرت آدم علیہ السلام ہیں' اور حضرت آدم علیہ السلام کی رہائش

گاہ جنت تھی، گویا وہ ہم سب کے والدین کی جائیداد تھی جس کی وراثت میں ہمارا بھی حق بنتا ہے جو انشاء اللہ قیامت کے دن پروردگار عالم محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں عطاء فرمائے گا، چونکہ جنت ہمارا اصلی وطن ہے اور ہمیں بالآخر وہیں پر قیام پذیر ہونا ہے اس لیے ہمیں اپنے وطن کی ہر چیز سے پیار ہے حتی کہ اس کی مٹی اور پتھروں تک کو ہم محبوب رکھتے ہیں اور حجر اسود کو بوسہ دیکر اپنی اسی محبت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ یہ پتھر جنت ہی سے آیا ہے تو جنت کی محبت نے اس پتھر میں کشش رکھ چھوڑی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْجَمْعِ بِعَرَفَةَ

(۲۴۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيٰى بْنِ اَبِىْ حَيَّةَ اَبِىْ جَنَابٍ عَنْ هَانِىءِ بْنِ يَزِيْدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَفَضْنَا مَعَهٗ مِنْ عَرَفَاتٍ فَلَمَّا نَزَلْنَا جَمْعًا اَقَامَ فَصَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَهٗ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّ عَلَيْهِ ثُمَّ اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ فَقَعَدْنَا نَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ طَوِيْلًا ثُمَّ قُلْنَا يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ الصَّلٰوةَ فَقَالَ اَىُّ الصَّلٰوةِ فَقُلْنَا الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ فَقَالَ اَمَّا كَمَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَدْ صَلَّيْتُ وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِىَّ صلی اللہ علیہ وسلم جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔

عرفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنا

ترجمہ: ہانی بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ عرفات سے روانہ ہوئے، جب ہم نے مزدلفہ پہنچ کر پڑاؤ کیا تو انہوں نے نماز کھڑی کی، چنانچہ ہم نے ان کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی، پھر انہوں نے (عشاء کی) دو رکعتیں پڑھیں پھر پانی منگوا کر اپنے اوپر بہایا اور اپنے بستر پر تشریف لے گئے، ہم بیٹھ کر کافی دیر تک نماز کا انتظار کرتے رہے، بالآخر ہم نے ان سے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! نماز، فرمایا کون سی نماز؟ عرض کیا نماز عشاء! فرمایا جس طرح نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی میں نے اس طرح پڑھ لی ہے، اور ایک روایت میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے مغرب اور عشاء کی نماز (کو مزدلفہ میں) جمع فرمایا۔

فائدہ: اگلی دو روایتوں کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۴۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَدِىٍّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ يَزِيْدٍ عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْمُزْدَلِفَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھے پڑھی ہے۔

(۲۴۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدٍ الْخَطْمِىِّ عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّی الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ۔

ترجمہ: اس میں ایک اذان اور ایک اقامت کا اضافہ ہے فقط۔

حل عبارت: "افضنا" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی لوٹنا "جمعا" اس سے مراد مزدلفہ ہے اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ چونکہ مزدلفہ میں نماز مغرب اور عشاء اکٹھی ایک ہی اذان اور ایک ہی اقامت سے ادا کی جاتی ہے اس لیے اسے "جمع" بھی کہہ دیتے ہیں "اوی" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ٹھکانہ پکڑنا۔"

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ۱۶۷۵' ومسلم مختصراً' ۳۱۱۵ (۱۲۸۸)

تخریج حدیث ثانی و ثالث: اخرجهما البخاری: ۱۶۷۴' ومسلم: ۳۱۰۸ (۱۲۸۷) وابوداؤد: ۱۹۲۶' والنسائی: ۳۰۲۹' وابن ماجه: ۳۰۲۰۔

مفہوم: ہر مسلمان پر دن بھر میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں' اور ہر ایک کا وقت بھی متعین کیا گیا ہے' نیز یہ اصول بھی وضع کیا گیا ہے کہ ہر نماز کو اپنے وقت مقررہ میں ہی ادا کرنا ضروری ہے' اس سے پہلے ادا کرنے کی صورت میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور بعد میں ادا کرنے پر اسے قضاء شمار کیا جائے گا' ظاہر ہے کہ اس اصول کو اللہ ہی کی طرف سے اپنے بندوں پر لاگو کیا گیا ہے تو درحقیقت اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم وقت کے پابند نہیں' بلکہ حکم خداوندی کے تابع ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر پروردگار عالم ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات کو عبادت کے لیے متعین کرتا تو ہم پر اس حکم الٰہی کی تعمیل میں ان اوقات کا خیال رکھنا ضرور ہوتا۔

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ مسلمان اصل میں حکم الٰہی کی تابعداری کرتے ہیں تو یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ عرفات میں ظہر اور عصر کی جمع تقدیم اور مزدلفہ میں یا اس کے راستے میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر مذکورہ اصول کے خلاف ہونے کے باوجود صحیح ہے' اگرچہ اصول تو یہی ہے کہ ایام حج میں بھی ہر نماز کو اس کے وقت مقررہ پر پڑھا جائے لیکن اس اصول کو وضع کرنے والے کا حکم یہ ہے کہ عرفات اور مزدلفہ میں اس اصول کو پورا نہیں کرنا' تاکہ پوری دنیا پر یہ بات واضح ہو جائے کہ مسلمان حکم الٰہی کا تابع ہوتا ہے' خواہ اس کی حکمت تک اس کی عقل کی رسائی ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ رَمْيِ الْجِمَارِ

(۳۴۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سَلَمَةَ' عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ' عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ عَجَّلَ ضَعَفَةَ اَهْلِهٖ وَقَالَ لَهُمْ: لَا تَرْمُوْا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔

جمرات پر کنکری پھینکنا

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ میں سے کمزور افراد (خواتین اور بچوں) کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جلدی روانہ کر دیا اور ان سے فرمایا کہ طلوع آفتاب سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرنا۔

(۲۵۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ضَعَفَةَ اَهْلِهٖ وَقَالَ لَهُمْ لَا تَرْمُوْا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

حل عبارت: "لا ترموا" باب ضرب سے فعل نہی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی پھینکنا' مراد رمی کرنا ہے

تحريج حديثين: اخرجهما ابوداؤد: ١٩٤٠' والنسائى: ٣٠٦٧' والترمذى: ٨٩٣' وابن ماجه: ٣٠٢٥' واحمد: ٢٢٠/١۔

مفہوم: مزدلفہ کا میدان بڑا ہی بھاگوان ہے' حجاج کرام یہاں نو ذی الحجہ کا دن گزارنے کے بعد تلبیہ اور تکبیر و تہلیل کے نعرے لگاتے ہوئے رات کا قیام کرتے ہیں' یہاں اللہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو خصوصیت کے ساتھ قبول فرماتا ہے' یہاں کی رات بہت قیمتی اور یہاں کا وقوف بہت مبارک ہوتا ہے۔

حجاج کرام منیٰ سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ کا چکر لگانے کے بعد دس ذی الحجہ کو دوبارہ منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں' وہاں پہنچ کر انہیں سب سے پہلے اپنے ازلی دشمن سے انتقام لینا ہوتا ہے' پھر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہوتا ہے' پھر اپنے بالوں کی قربانی دینا ہوتی ہے اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو کر طواف زیارت کے لیے جانا ہوتا ہے' ان تمام چکروں میں بعض اوقات خواتین اور بچوں کو چکر آ جاتے ہیں اس لیے شریعت نے ان سے وقوف مزدلفہ کو ساقط کر کے اس بات کی اجازت دے دی کہ رش اور تنگی سے بچنے کے لیے اگر وہ رات ہی کو مزدلفہ سے منیٰ جانا چاہیں تو انہیں اس بات کی اجازت ہے' لیکن اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے اگلے دن کے افعال سر انجام دینا شروع کر دیں۔

شریعت کی طرف سے دی گئی یہ آسانی اس صورت میں ہے' جبکہ خواتین اور بچوں کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو جو ان کی حفاظت بھی کر سکے اور کسی ناگہانی واقعے کی صورت میں معاملات کو سنبھال بھی سکے' اور یہ آسانی آج بھی موجود ہے' یہ الگ بات ہے کہ دور حاضر میں حجاج کرام کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے رش بھی بڑھ گیا ہے اور صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بہت سے حاجی ساری رات سفر کرنے کے بعد بمشکل صبح صادق سے پہلے وہاں پہنچ پاتے ہیں' ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نماز فجر پڑھ کر ہی وہاں سے دوبارہ روانہ ہوا جا سکتا ہے' جب نماز فجر پڑھ لی تو وقوف

کرنے میں کیا رکاوٹ ہے اس لیے وقوف کر کے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

(۲۵۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَبّٰى حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ وَكَانَ غُلَامًا حَسَنًا فَجَعَلَ يُلَاحِظُ النِّسَاءَ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَهٗ فَلَبّٰى حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ اَخِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَزَلْ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے تک تلبیہ پڑھتے رہے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے فضل بن عباسؓ کو سوار کر لیا' وہ ایک خوبصورت لڑکے تھے' انہوں نے عورتوں کو دیکھنا شروع کر دیا اور نبی علیہ السلام ان کا چہرہ عورتوں کی طرف سے پھیرتے رہے اور جمرۂ عقبہ کی رمی تک آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھا۔

حل عبارت: "لبی" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تلبیہ پڑھنا "اردف" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پیچھے آنا۔ "یلاحظ" باب مفاعلہ سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی کن انکھیوں سے دیکھنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۶۸۵' ۱۶۸۶' ۱۶۸۷' وابوداؤد: ۱۸۱۵' والترمذی: ۹۱۸' والنسائی: ۳۰۸۳' وابن ماجه: ۳۰۳۹۔

مفہوم: زیر بحث حدیث میں دو مضمون قابل ذکر ہیں۔

۱۔ حجاج کرام نے میقات آنے سے پہلے تلبیہ اور نیت کے ذریعے اپنے اوپر احرام کی جن پابندیوں کو لازم کیا تھا' وہ پابندیاں ارکان حج کی ادائیگی تک برقرار رہیں گی اور وہ تلبیہ جس سے انہوں نے احرام کا آغاز کیا تھا' اس کا ورد انہیں کثرت اور تسلسل کے ساتھ اس وقت تک کرتے رہنا ہوگا جب تک وہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے لیے دس ذی الحجہ کو جمرات کے پاس پہنچ نہیں جاتے اور کنکری مارنے کی تیاری نہیں کر لیتے' اس لیے جوں ہی حجاج کرام رمی کرنے لگیں اس وقت تلبیہ موقوف کر دیں۔

۲۔ حضرت فضل بن عباسؓ "جن کا واقعہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے" حضرت ابن عباسؓ کے حقیقی بھائی تھے' اس لیے انہوں نے واقعہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے ان کا نام لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی' جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے کہ حضرت فضلؓ نے خواتین کو دیکھنا شروع کر دیا' اس سے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اولاً تو یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش آیا' ثانیاً: "خواتین" کا لفظ قابل غور ہے کیونکہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے قبیلۂ خثعم کی ایک عورت نبی علیہ السلام سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے آئی تھی' یہ اس وقت نبی علیہ السلام کے ہمرکاب تھے' اس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا تھا' ثالثاً: یہ کہ بشری

تقاضے کے مطابق انسان اپنی جنس مخالف میں اپنے لیے کشش کے جذبات پاتا ہے اس لیے اسے دیکھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے' اس بشری تقاضے کے تحت یہ واقعہ ہوا' لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آج بھی کوئی شخص اس واقعہ کو دلیل بنا کر خود بھی اس طرح کرنا شروع کردے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اس فعل پر نکیر فرمائی اور اپنے ہاتھ سے ان کا چہرہ دوسری جانب موڑ دیا تاآنکہ انہوں نے اس سے توبہ کر لی۔ واللہ اعلم

بَابُ الرُّكُوبِ عَلَى الْبُدْنِ لِلْمُحْرِمِ

(۲۵۲) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِالْكَرِيمِ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلاً يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا۔

محرم کا قربانی کے جانور پر سوار ہونا

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک آدمی کو دیکھا جو اونٹ کو ہانکتا چلا جا رہا تھا' اس سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ۔

حل عبارت: "رجلا" موصوف واقع ہو رہا ہے اور "یسوق بدنته" اس کی صفت ہے "یسوق" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیچھے سے ہانکنا "ارکبھا" باب سمع سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی سوار ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۶۸۹' ومسلم: ۳۲۰۸ (۱۳۲۲) وابوداؤد: ۱۷۶۰' والترمذی: ۹۱۱' والنسائی: ۲۸۰۱' وابن ماجه: ۳۱۰۳۔

مفہوم: جیسا کہ گزشتہ صفحات میں یہ بات ذکر کی گئی کہ ابتداءً حجاج کرام قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے' یہ واقعہ بھی اسی نوعیت سے تعلق رکھتا ہے' یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان جانوروں کا لوگوں کی نظروں میں اس مناسبت سے بڑا احترام ہوتا تھا کہ یہ اللہ کے نام پر قربان ہونے کے لیے جا رہے ہیں' اس لیے اگر کسی ڈاکو کو پتہ چل جاتا کہ یہ جانور حرم شریف قربانی کے لیے لے جایا جا رہا ہے' تو وہ بھی اسے چھوڑ دیا کرتا تھا' خود حجاج کرام اس پر سوار نہیں ہوتے تھے' خواہ انہیں پیدل ہی کیوں نہ چلنا پڑے اور خواہ انہیں کتنی ہی مشقت کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔

اس تناظر کو مدنظر رکھ کر اگر اس واقعے کو پڑھا جائے تو بات سمجھنا آسان ہو جائے گا' تاہم اس بات کی وضاحت ضروری ہوگی کہ پھر نبی علیہ السلام نے زیر بحث واقعے میں اس حاجی کو اصرار کرکے قربانی کے جانور پر کیوں سوار کرایا؟ جبکہ واقعۃً وہ جانور قربانی کا تھا اور اس شخص نے اپنے سوار نہ ہونے کا عذر بھی یہی بیان کیا تھا؟ سو جب ہم اس موضوع کی دوسری روایات کو ملاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص پیدل چل چل کر اتنا تھک چکا تھا کہ اس سے دو قدم چلنا بھی دو بھر ہو رہا تھا اور وہ خاصی مشقت میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا' چونکہ یہ ایک مجبوری اور اضطراری کیفیت تھی اس لیے نبی

علیہ السلام نے اسے سواری پر بیٹھنے کا حکم دیا' عام حالات میں یہ حکم لاگو نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

بَابٌ هَلْ يَجُوزُ لِلرَّجُلِ اَنْ بَجْمَعَ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ فِيْ سَفَرٍ وَاحِدٍ؟

(۲۵۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الصُّبَيِّ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ اَقْبَلْتُ مِنَ الْجَزِيْرَةِ حَاجًّا فَمَرَرْتُ بِسَلْمَانَ ابْنِ رَبِيْعَةَ وَزَيْدِ بْنِ صُوْحَانَ وَهُمَا شَيْخَانِ بِالْعُذَيْبَةِ قَالَ فَسَمِعَانِيْ اَقُوْلُ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ فَقَالَ اَحَدُهُمَا هٰذَا الشَّخْصُ اَضَلُّ مِنْ بَعِيْرِهٖ وَقَالَ الْاٰخَرُ هٰذَا اَضَلُّ مِنْ كَذَا وَ كَذَا قَالَ فَمَضَيْتُ۔

حَتّٰى اِذَا قَضَيْتُ نُسُكِيْ مَرَرْتُ بِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ كُنْتُ رَجُلًا بَعِيْدَ الشِّقَّةِ قَاصِيَ الدَّارِ اَذِنَ اللّٰهُ لِيْ فِيْ هٰذَا الْوَجْهِ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَجْمَعَ عُمْرَةً اِلٰى حَجَّةٍ فَاَهْلَلْتُ بِهِمَا جَمِيْعًا وَلَمْ اٰنَس فَمَرَرْتُ بِسَلْمَانَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَزَيْدِ بْنِ صُوْحَانَ فَسَمِعَانِيْ اَقُوْلُ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ مَعًا فَقَالَ اَحَدُهُمَا هٰذَا اَضَلُّ مِنْ بَعِيْرِهٖ وَقَالَ الْاٰخَرُ هٰذَا اَضَلُّ مِنْ كَذَا وَ كَذَا قَالَ فَصَنَعْتَ مَا ذَا قَالَ مَضَيْتُ فَطُفْتُ طَوَافًا لِعُمْرَتِيْ وَسَعَيْتُ سَعْيًا لِعُمْرَتِيْ ثُمَّ عُدْتُ فَفَعَلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ بَقِيْتُ حَرَامًا اَصْنَعُ كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ حَتّٰى قَضَيْتُ اٰخِرَ نُسُكِيْ قَالَ هُدِيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ الصُّبَيِّ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ كُنْتُ حَدِيْثَ عَهْدٍ بِنَصْرَانِيَّةٍ فَقَدِمْتُ الْكُوْفَةَ اُرِيْدُ الْحَجَّ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَهَلَّ سَلْمَانُ وَزَيْدُ بْنِ صُوْحَانَ بِالْحَجِّ وَحْدَهٗ وَاَهَلَّ الصُّبَيُّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَقَالَا وَيْحَكَ تَمَتَّعْتَ وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْمُتْعَةِ قَالَا لَهٗ وَاللّٰهِ لَاَنْتَ اَضَلُّ مِنْ بَعِيْرِكَ قَالَ نَقْدِمُ عَلٰى عُمَرَ وَتَقْدِمُوْنَ فَلَمَّا قَدِمَ الصُّبَيُّ مَكَّةَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ حَرَامًا لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحَجَّتِهٖ ثُمَّ اَقَامَ حَرَامًا لَمْ يَحْلِلْ مِنْهُ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَاتٍ وَفَرَغَ مِنْ حَجَّتِهٖ فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ حَلَّ فَاَهْرَقَ دَمًا لِمُتْعَتِهٖ فَلَمَّا صَدَرُوْا مِنْ حَجِّهِمْ مَرُّوْا بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهٗ زَيْدُ بْنُ صُوْحَانَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّكَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُتْعَةِ وَاَنَّ الصُّبَيَّ بْنَ مَعْبَدٍ قَدْ تَمَتَّعَ قَالَ صَنَعْتَ مَا ذَا يَا صُبَيُّ قَالَ اَهْلَلْتُ يَااَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَلَمَّا قَدِمْتُ مَكَّةَ طُفْتُ بِالْبَيْتِ وَطُفْتُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِيْ ثُمَّ رَجَعْتُ حَرَامًا وَلَمْ اَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ طُفْتُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحَجَّتِيْ ثُمَّ اَقَمْتُ حَرَامًا يَوْمَ النَّحْرِ فَاَهْرَقْتُ دَمًا لِمُتْعَتِيْ ثُمَّ اَحْلَلْتُ قَالَ فَضَرَبَ عُمَرُ عَلٰى ظَهْرِهٖ

وَقَالَ هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ الصُّبَيِّ قَالَ خَرَجَ هُوَ وَسَلْمَانُ بْنُ رَبِيْعَةَ وَزَيْدُ بْنُ صُوْحَانَ يُرِيْدُوْنَ الْحَجَّ قَالَ فَاَمَّا الصُّبَيُّ فَقَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ جَمِيْعًا وَاَمَّا سَلْمَانُ وَ زَيْدٌ فَاَفْرَدَا الْحَجَّ ثُمَّ اَقْبَلَا عَلَى الصُّبَيِّ يَلُوْمَانِهٖ فِيْمَا صَنَعَ ثُمَّ قَالَا لَهٗ اَنْتَ اَضَلُّ مِنْ بَعِيْرِكَ تَقْرِنُ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَقَدْ نَهٰى اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنِ الْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ قَالَ تَقْدِمُوْنَ عَلٰى عُمَرَ وَاَقْدِمُ قَالَ فَمَضَوْا حَتّٰى دَخَلُوْا مَكَّةَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ لِعُمْرَتِهٖ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِهٖ ثُمَّ عَادَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ لِحَجَّتِهٖ ثُمَّ سَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ اَقَامَ حَرَامًا كَمَا هُوَ لَمْ يَحِلَّ لَهٗ شَيْءٌ حُرِّمَ عَلَيْهِ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ شَاةً فَلَمَّا قَضَوْا نُسُكَهُمْ مَرُّوْا بِالْمَدِيْنَةِ فَدَخَلُوْا عَلٰى عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ سَلْمَانُ وَزَيْدٌ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ الصُّبَيَّ قَرَنَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ قَالَ صَنَعْتَ مَا ذَا قَالَ لَمَّا قَدِمْتُ مَكَّةَ طُفْتُ طَوَافًا لِعُمْرَتِيْ ثُمَّ سَعَيْتُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِيْ ثُمَّ عُدْتُ فَطُفْتُ بِالْبَيْتِ لِحَجَّتِيْ ثُمَّ سَعَيْتُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحَجَّتِيْ قَالَ ثُمَّ صَنَعْتَ مَا ذَا قَالَ اَقَمْتُ حَرَامًا لَمْ يَحِلَّ لِيْ شَيْءٌ حُرِّمَ عَلَيَّ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحْتُ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ شَاةً قَالَ فَضَرَبَ عُمَرُ عَلٰى كَتِفِهٖ ثُمَّ قَالَ هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: صبی بن معبد کہتے ہیں کہ میں جزیرہ سے حج کرنے کے لیے روانہ ہوا' میرا گزر سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے پاس سے ہوا' یہ دونوں عذیبہ کے شیوخ میں شمار ہوتے تھے' جب ان دونوں نے یہ سنا کہ میں حج وعمرہ (کی نیت کرکے) دونوں کا تلبیہ اکٹھے پڑھے ہوئے ہوں تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ شخص اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور دوسرے نے بھی طبع آزمائی کرتے ہوئے کہا کہ یہ فلاں فلاں سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

میں وہاں سے چل پڑا یہاں تک کہ جب میں حج سے فارغ ہوا تو امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ کے پاس سے میرا گزر ہوا' میں نے ان سے اپنے واقعہ کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں دو دراز کے علاقے اور دور کی جگہ سے تعلق رکھتا ہوں' اللہ نے مجھے حج کی سعادت بخشی تو میں نے چاہا کہ حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھا کرلوں چنانچہ میں نے دونوں کی طرف سے احرام باندھ لیا' اور میں نے یہ کام بھول کر نہیں کیا' راستے میں میرا گزر سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے پاس سے ہوا' جب انہوں نے یہ سنا کہ میں حج اور عمرہ دونوں کا تلبیہ اکٹھا کیے ہوئے ہوں تو ان میں سے ایک نے یہ کہا کہ یہ تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور دوسرے نے کہا کہ یہ فلاں فلاں سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

امیر المومنین نے پوچھا کہ پھر تم نے کیا کیا؟ عرض کیا کہ میں وہاں سے چل کر یہاں آیا' عمرہ کا طواف اور سعی کی' پھر

دوبارہ ایسا ہی کیا اور احرام کی حالت ہی میں رہا اور وہی کچھ کرتا رہا جو ایک حاجی کرتا ہے یہاں تک کہ میں نے حج کا آخری رکن ادا کرلیا' فرمایا تمہیں اپنے نبی ﷺ کی سنت کی رہنمائی نصیب ہوگئی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صبی بن معبد کہتے ہیں میں نے عیسائیت کو ابھی تازہ تازہ خیر باد کہا تھا' سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں حج کے ارادے سے میں کوفہ آیا (راستہ میں کوفہ بھی پڑا) وہاں سے سلمان اور زید بن صوحان نے صرف حج کا احرام باندھا اور میں نے حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا' وہ دونوں کہنے لگے افسوس! تم حج تمتع کررہے ہو جبکہ نبی علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے؟ بخدا! تم تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہو' میں نے کہا کہ ہم سیدنا فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچیں گے اور آپ بھی (وہاں فیصلہ کروالیں گے)

جب صبی مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا' صفا اور مروہ کے درمیان عمرہ کی سعی کی' پھر حالت احرام میں واپس لوٹ آئے اور کسی چیز کو اپنے اوپر حلال نہیں کیا' پھر حج کی نیت سے طواف اور سعی کی اور محرم ہونے کی حالت ہی میں اقامت گزین ہوگئے' حلال نہیں ہوئے' یہاں تک کہ عرفات آئے اور حج سے فارغ ہوگئے' چنانچہ جب دس ذی الحجہ کو انہوں نے حلال ہونے کا ارادہ کیا تو دم تمتع کی نیت سے قربانی کی (اور احرام کی حالت سے نکل آئے)

جب یہ لوگ حج سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچے' زید بن صوحان نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ نے تمتع سے منع فرمارکھا تھا اور صبی بن معبد نے حج تمتع کیا ہے؟ انہوں نے صبی سے پوچھا کہ تم نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ صبی نے کہا کہ امیر المومنین! میں نے حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا' جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو عمرہ کا طواف اور سعی کی' پھر حالت احرام میں واپس آیا اور کسی چیز کو اپنے اوپر حلال نہیں کیا اور دوبارہ حج کے لیے طواف اور سعی کی' پھر دس ذی الحجہ تک احرام کی حالت میں رہا اور دم تمتع دے کر حلال ہوگیا' حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تمہیں نبی علیہ السلام کی سنت پر رہنمائی نصیب ہوگئی۔

حلِ عبارت: "اقبلت" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی سامنے آنا "اضل" اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو "من" کے ساتھ استعمال ہورہا ہے بمعنی گمراہ۔ "القاصی" بمعنی بعید دور' "اذن" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اجازت دینا "لمن انس" باب سمع سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بھولنا "فطفت" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی طواف کرنا "ھدیت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ہدایت دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد مختصراً: ۱۷۹۹' والنسائی: ۲۷۲۰' وابن ماجه: ۲۹۷۰۔

مفہوم: اس واقعے سے نہ صرف یہ کہ حج قران کا ثبوت ملتا ہے بلکہ حضرت عمر فاروقؓ کی تائید اور سنت نبوی کے عین مطابق ہونے کی سند بھی ملتی ہے' نیز اس سے حج قران کے طریقہ پر بھی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ حج

اور عمرہ کو اکٹھا کرنا اچھا نہیں سمجھتے تھے، سیدنا فاروق اعظمؓ کے ارشاد سے ان لوگوں کے خیال کی تردید بھی ہوگئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ مَنِ اعْتَمَرَ فِیْ رَمَضَانَ

(۲۵٤) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ عُمْرَةٌ فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔

رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان المبارک میں ایک عمرہ کرنا ایک حج کے برابر ہے۔

حل عبارت: "**تعدل**" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی برابر ہونا، لفظ عدل اسی سے مصدر ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۸٦۳، ومسلم: ۳۰۳۸ (۱۲۵٦) ابوداؤد: ۱۹۸۸، ۱۹۹۰، والترمذی: ۹۳۹، وابن ماجه: ۲۹۹۱۔

مفہوم: ماہ مقدس رمضان المبارک میں حرم شریف حاضری کا شوق بہت سے لوگوں میں دیکھا جاتا ہے اور الحمد للہ! چند سالوں میں اس کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے اور رمضان المبارک میں حرم شریف بالکل اسی طرح کھچا کھچ بھرا ہوتا ہے جیسے ایام حج میں۔

زیر تشریح حدیث پڑھ کر اس کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے، اور اس کی کیا وجہ ہے؟ بلکہ اگر اس کے ساتھ اس موضوع کی دوسری روایات کو بھی ملا لیا جائے تو آتش شوق تیز تر گردد، چنانچہ بعض روایات میں نبی علیہ السلام کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ ماہ مقدس رمضان میں عمرہ کرنا ایسے ہی ہے، جیسے کسی نے "میرے ساتھ حج" کرنے کی سعادت حاصل کی ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی عظیم فضیلت ہے جسے حاصل کرنے کا اور اس کی رحمتوں و برکتوں سے اپنے دامن کو مالا مال کرنے کا اشتیاق ہر شخص کو ہے، اس لیے حج کے بعد بلکہ بعض حضرات کے مطابق حج سے بھی زیادہ بڑا اجتماع رمضان المبارک کی پر کیف ساعتوں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ماہ مقدس رمضان میں اپنے در اور اپنے حبیب علیہ السلام کے گھر کی زیارت سے شاد کام فرمائے۔ آمین

(۲۵۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ عَلٰی بَعِیْرٍ اَوْرَقَ اِلٰی سَوَادٍ وَهُوَ النَّاقَةُ الْقُصْوٰی مُتَقَلِّدًا بِقَوْسٍ مُتَعَمِّمًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن قصویٰ اونٹنی پر ''جس کا رنگ سفیدی سے سیاہی کی طرف مائل تھا'' کمان لٹکائے ہوئے اور اونٹ کی پشم کا بنا ہوا سیاہ عمامہ باندھے ہوئے سوار تھے۔

حل عبارت: ''اورق'' اونٹ پر جب اس لفظ کا اطلاق کیا جائے تو اس سے مراد سفید رنگ ہوتا ہے جو سیاہی کی طرف مائل ہو ''متقلدا'' باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی لٹکانا ''متعمما'' مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی عمامہ باندھنا۔

مفہوم: بظاہر کتاب الحج کے ساتھ اس حدیث کی کوئی مناسبت نظر نہیں آتی کیونکہ فتح مکہ کا واقعہ ایام حج میں پیش نہیں آیا تھا اور نہ ہی اس میں ارکان حج میں سے کسی رکن کا ذکر موجود ہے جس کی وجہ سے کسی کے ذہن میں اس کی مناسبت کے حوالے سے خلجان پیدا ہوسکتا ہے' سو اس کا حل یہ ہے کہ ہر حدیث کا ترجمۃ الباب سے صریح ربط ضروری نہیں ہوتا بلکہ معمولی اور ادنیٰ مناسبت بھی کافی ہوتی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں اس کی ایک دو نہیں' سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ گزشتہ حدیث میں ماہ رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے' دوسرے لفظوں میں ماہ رمضان کا ایک عمل ذکر کیا گیا ہے اور زیر توضیح حدیث میں بھی رمضان ہی کا ایک دوسرا عمل ذکر کیا گیا ہے' اس مناسبت کی وجہ سے اس کا کتاب الحج میں ذکر کرنا صحیح ہوا۔

نیز اس حدیث کو پڑھ کر کسی کے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آنا چاہیے کہ جس طرح رسول اکرم ﷺ حرم شریف میں قوس و کمان لٹکا کر' کالا عمامہ باندھے ہوئے داخل ہوئے اور بعض مشرکین کو کیفر کردار تک پہنچانے کا حکم دیا' اسی طرح آج بھی حرم شریف میں قتال جائز ہے؟

کیونکہ اس بات کی وضاحت خود جناب رسول اللہ ﷺ نے فرما دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کو ''حرم'' بنایا ہے اس لیے اس میں لڑائی جھگڑا اور قتل و قتال جائز نہیں ہے' مجھے بھی صرف چند گھنٹوں کے لیے اس کی اجازت ملی تھی' اور اب قیامت تک کے لیے یہاں قتل و قتال کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور نہ صرف قتال کو بلکہ یہاں کے درختوں اور گھاس تک کو کاٹنے کی ممانعت کی جاتی ہے' اس وضاحت کی موجودگی میں مذکورہ خیال کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ زِیَارَةِ قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ

(۲۵۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَأْتِیَ قَبْرَ النَّبِیِّ ﷺ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَتَجْعَلَ ظَهْرَكَ اِلَی الْقِبْلَةِ وَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ بِوَجْهِكَ ثُمَّ تَقُوْلَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرنا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم نبی علیہ السلام کی قبر مبارک پر قبلہ کی جانب سے حاضری دو اور اپنی پشت کو قبلہ کی طرف کر کے اپنے چہرے کو قبہ مبارک کی طرف کر لو اور پھر یہ کہو "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

حل عبارت: "قبل" بمعنی جانب طرف "تستقبل" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی استقبال کرنا سامنے آنا۔

تخریج حدیث: اخرجه محمد فی المؤطا وعبدالرزاق فی المصنف

مفہوم: جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ دعاء مانگی تھی کہ پروردگار! میری قبر پر میلے نہ لگوایئے گا اور میری قبر کو عرس گاہ نہ بنایئے گا' اس دعاء کی قبولیت ہی ہے کہ دنیا جہان کے بزرگوں کے مزارات پر طرح طرح کے چڑھاوے' اور بھانت بھانت کے نذرانے نچھاور کیے جاتے ہیں' حلوے اور حلیم کے دور چلتے ہیں' چرس اور بھنگ کے سوٹے لگتے ہیں اور شرعی کاموں کو چھوڑ کر تمام غیر مشرعی کام کیے جاتے ہیں لیکن اس مزار مبارک پر کوئی غیر شرعی حرکت نہیں ہوتی' یہاں کوئی نذرانہ اور چڑھاوا نہیں چڑھانا پڑتا' یہاں کوئی پھولوں کی چادر نہیں چڑھائی جاتی' یہاں کسی حلوے مانڈے کی دکان نہیں چلتی' یہاں کسی مجاور پر نظر نہیں پڑتی۔

بلکہ یہاں تو صرف ایک ہی کام ہے اور وہ ہے عقیدت و محبت کے آنسو نچھاور کرنا' والہانہ وارفتگی سے درود و سلام کا نذرانہ گزارنا' ادب و احترام کے ساتھ پلکوں کو جھکانا' اپنی آواز کو پست رکھنا اور ادب اور عشق کا حسین امتزاج پیش کرنا' لیکن اس کا کیا کیجیے کہ جب میں حرم مدنی میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے مسجد نبوی سے زیادہ وہاں کے بازار آباد دکھائی دیتے ہیں' جی بھر کر صلوۃ و سلام کا تحفہ پیش کرنے کا عزم ظاہر کرنے والے دکانوں کے دھکے کھاتے نظر آتے ہیں اور جو مسجد میں دکھائی بھی دیتے ہیں تو اس شان کے ساتھ کہ روضہ مبارکہ پر کھڑے ہو کر درود و سلام بھی پیش کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے موبائل فون پر بجنے والی کلاسیکل موسیقی والی ٹون سے جناب رسول اللہ ﷺ کو اذیت بھی پہنچا رہے ہیں۔

اس کیفیت کو دیکھ کر بعض اوقات میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور کئی لوگوں کو سمجھایا کہ اگر موبائل جیب میں رکھنا ہی ضروری ہے تو کم از کم حرم شریف کے اندر داخل ہونے سے پہلے اس کا گلا ہی گھونٹ دیا کریں تاکہ اس کی آواز تو نہ نکل سکے' ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اس درخواست کو نکال کر ہوا میں اڑا دیتے ہیں' حالانکہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ یہ مقامِ ادب ہے اور میں سمجھتا ہوں کو جو شخص اس موقع پر صاحب روضہ ﷺ کا ادب نہیں کر سکا' خواہ وہ کتنا ہی مؤدب بنتا پھرے' اسے مؤدب قرار دینا لفظ ادب کی توہین ہو گی۔

کتاب النکاح
نکاح کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ خُطْبَةِ النِّکَاحِ

(۲۵۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خُطْبَةَ الْحَاجَةِ یَعْنِی النِّکَاحَ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَسْتَهْدِیْهِ مَنْ یَّهْدِی اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا۔ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

نکاح کا خطبہ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ حاجت یعنی خطبہ نکاح کی تعلیم بھی دی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں‘ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں‘ اسی سے مدد مانگتے ہیں‘ اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں‘ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا‘ اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم مسلمان ہونے کی حالت میں ہی مرنا‘ اور اس اللہ سے ڈرو جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دے کر سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کو توڑنے سے بچو‘ بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے‘ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہو‘ اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا‘ اور جو شخص اللہ رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ عظیم کامیابی حاصل کرتا ہے۔

حلِ عبارت: "تساء لون" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ایک دوسرے سے سوال کرنا "الارحام" ترکیب میں یہ مفعول بہ واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اصل عبارت یہ ہے "واتقوا

الارحام ان تقطعوہ' "یصلح" جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۲۱۱۸' والترمذی: ۱۱۰۵' والنسائی: ۳۲۷۹' وابن ماجه: ۱۸۹۲۔

مفہوم: عبادات کی ایک قسم سے فارغ ہونے کے بعد یہاں سے عبادات کی دوسری قسم کو شروع کیا جا رہا ہے اور اس کی مناسبت صاف ظاہر ہے کہ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات انسان ادا کرتا ہے اور انسان اپنی نسل کی بقاء میں نکاح کا محتاج ہے' اگر نسل انسانی کی بقاء ہی معرض خطر میں پڑ جائے تو نماز روزہ کی ادائیگی بھی قصہ پارینہ بن جائے' یہی وجہ ہے کہ اس باب کی پہلی حدیث میں ہی خطبہ نکاح کو خطبہ حاجت قرار دیا گیا ہے۔

البتہ نکاح کی نوعیت دوسری عبادات سے ذرا مختلف ہے کیونکہ نماز' روزہ تو ہر انسان انفرادی طور پر خود ہی کرتا ہے' ہر انسان کا رکوع اکیلا ہی مکمل شمار ہوتا ہے' ہر انسان کا سجدہ کسی دوسرے کے سجدے سے متصل ہوئے بغیر مکمل تصور کیا جاتا ہے اور ہر انسان اپنی زکوٰۃ خود ادا کر سکتا ہے ایسا نہیں ہے کہ جب تک کوئی دوسرا شخص اس عبادت میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو' اس کا تحقق اور وقوع ہی نہ ہوگا جبکہ نکاح کے لیے دو افراد کا ہونا ضروری ہے' جب تک مرد اور عورت مل کر اس عبادت کو سرانجام نہ دیں' یہ ادا نہیں ہو سکتی' اکیلا مرد نکاح نہیں کر سکتا اور اکیلی عورت کے لیے نکاح کرنا ناممکن ہے۔

پھر اگر ذرا اس حقیقت پر بھی نظر ڈالی جائے تو بات مزید واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے ہر انسان کے جسم میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے اسباب رکھے ہیں اور جسمانی خواہشات کی تکمیل کو ہر انسان کا فطری اور جسمانی حق قرار دیا ہے اور اسے اس حق کی ادائیگی کا پابند بنایا ہے' یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور امت کے بہترین لوگ اس فطری نظام پر کاربند نظر آتے ہیں اور کوئی بھی اس نظام سے ہٹنے یا اس کے خلاف کوئی دوسرا نظام پیش کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

اس لیے کہ جن معاشروں میں اس کا متبادل نظام لانے کی کوشش کی گئی ہے وہاں کے شناختی کارڈ سے باپ کا نام درج ہونے والا خانہ ہی غائب ہو گیا' وہاں سے چچا' تایا' دادا' دادی' بھائی' بہن سب رشتے ناپید ہو گئے' وہاں انسانیت حیوانیت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکی ہے' زندگی معاشرتی طوفانوں کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھا رہی ہے لیکن کوئی ناخدا آگے بڑھ کر اسے نظام فطرت کے قریب لانے کی کوشش نہیں کرتا' اسی کا نتیجہ ہے کہ ایسے معاشروں میں آج کوئی شخص بھی اپنے سینے پر ہاتھ مار کر اپنے آپ کو کسی کا بیٹا اور کسی کو اپنا باپ ثابت نہیں کر سکتا' اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس خطبہ نکاح میں ''جو سراسر خوشی کے موقع پر دیا جاتا ہے'' تین دفعہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ انسان ہر آن اللہ کی طرف متوجہ رہے اور غیر متمدن معاشروں کی گندی تہذیب پر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے کی بجائے اس نظام فطرت پر اللہ کا شکر گزار رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْاَمْرِ بِالنِّکَاحِ

(۲۵۸) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ زِیَادٍ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم تَزَوَّجُوْا فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ۔

نکاح کا حکم

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شادی کیا کرو، کیونکہ میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر اپنی کثرت کے معاملے میں فخر کرسکوں گا۔

فائدہ: کس قسم کی عورتوں سے شادی کرو، اس سوال کا جواب اگلی حدیث میں ملاحظہ فرمائیے۔

بَابُ الْحَثِّ عَلٰی نِکَاحِ الْاَبْکَارِ

(۲۵۹) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنْکَحُوا الْجَوَارِیَ الشَّوَابَّ فَاِنَّھُنَّ اَنْتَجُ اَرْحَامًا وَاَطْیَبُ اَفْوَاھًا وَاَعَزُّ اَخْلَاقًا۔

کنواری لڑکیوں سے نکاح کی ترغیب کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کنواری لڑکیوں سے نکاح کیا کرو، کیونکہ ان کا رحم مرد کے آب حیات کو زیادہ قبول کرتا ہے اور وہ خوشبو دار منہ اور عمدہ اخلاق رکھتی ہیں۔

حلِّ عبارت: "تزوجوا" باب تفعل سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی نکاح کرنا "مکاثر" باب مفاعلہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کثرت میں مقابلہ کرنا "انکحوا" باب ضرب سے فعل امر معروف کا صیغہ مذکر حاضر ہے، بمعنی نکاح کرنا "الجواری" جاریۃ کی جمع ہے بمعنی لڑکی "الشواب" شابۃ کی جمع ہے بمعنی نوجوان، "انتج" نتیجہ سے ہے مراد اولاد ہے کیونکہ وہ بھی زوجین کے ملاپ کا نتیجہ ہوتی ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ ابوداؤد: ۲۰۵۰، والنسائی: ۳۲۲۹، وابن ماجہ: ۱۸۶۳، واحمد: ۱۵۸/۳۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ ابن ماجہ: ۱۸۶۱۔

مفہوم: اس حقیقت کو یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ نکاح کا مقصد محض شہوت رانی اور ہر وقت کی عیاشی نہیں ہے، بلکہ اپنی جسمانی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ نکاح کے اور بھی بہت سے عظیم مقاصد ہیں مثلاً معاشرے سے گندگی اور غلاظت کی فضاء کو دور کرکے پاکیزگی اور بھلائی کی بنیاد پر ایک صالح معاشرے کا قیام، توالد وتناسل کے ذریعے امت مسلمہ کو نیک و صالح افراد "جو ملک وملت کی خدمت سرانجام دے کر اپنے والدین کا نام روشن کرسکیں" مہیا کرنا، خاندانوں اور

قبیلوں میں باہمی محبت و مودت کے تعلقات کا فروغ اور امت مسلمہ کی طاغوتی طاقتوں اور قوموں کے مقابلے میں عددی برتری وغیرہ۔

غور کر کے دیکھا جائے تو یہ مقاصد معمولی نہیں' اور ان غیر معمولی مقاصد کے حصول کے لیے جو نظام شریعت مطہرہ کی طرف سے دیا گیا ہے' وہ بھی معمولی نہیں بلکہ اس میں بھی انسانی فطرت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اگر ایک طرف دیندار عورت کے انتخاب کی ترغیب دی گئی ہے تو دوسری طرف نوجون نسل کے جذبات کو بالکل مجروح کر کے مطلقہ اور بیوہ عورتوں سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا' بلکہ بخاری شریف کی ایک روایت میں تو یہاں تک آتا ہے کہ حضرت جابرؓ ''جو ایک نوجوان صحابی تھے'' ایک سفر میں نبی علیہ السلام کے ہمرکاب تھے' واپسی پر جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو نبی علیہ السلام سے جلدی جانے کی اجازت مانگی' نبی علیہ السلام نے وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے اس لیے بیوی کو خوش کرنا چاہتا ہوں' پوچھا کنواری سے شادی کی یا شوہر دیدہ سے؟ عرض کیا شوہر دیدہ سے' فرمایا:

فهلا بكرا؟ تلاعبها و تلاعبك

''باکرہ سے شادی کیوں نہیں کی کہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔''

آپ یہ نہ سمجھئے! کہ مطلقہ یا بیوہ سے شادی کرنا گناہ ہے' بلکہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جوانی کے جذبات کو شریعت نے بالکل مرجھائے ہوئے پھول کی طرح مسل کر پھینکنے کی بجائے ان کی قدر کی ہے اور یوں بھی جب ''کفو'' کا مسئلہ آتا ہے تو اس میں اس چیز کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے' اسی لیے ایک پیر فرتوت اور قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے بڈھے کو کسی نوجوان لڑکی کی زندگی برباد کر دینے کی اجازت نہیں دی جاتی' تاکہ ''ملاعبت'' کا وہ حقیقی لطف جو مرد و عورت ایک دوسرے سے حاصل کرنا چاہتے ہیں' برقرار رہ سکے۔

بَابٌ لَا يَتَزَوَّجَنَّ اَحَدٌ خَمْسًا

(۲٦٠) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَخْبَرَنِىْ شَيْخٌ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ جَاءَ اِلَى النَّبِىِّ ﷺ فَقَالَ لَهٗ هَلْ تَزَوَّجْتَ قَالَ لَا قَالَ تَزَوَّجْ تَسْتَعِفَّ مَعَ عِفَّتِكَ وَلَا تَزَوَّجَنَّ خَمْسًا قَالَ مَا هُنَّ قَالَ لَا تَزَوَّجَنَّ شَهْبَرَةً وَلَا نَهْبَرَةً وَلَا لَهْبَرَةً وَلَا هَبْدَرَةً وَلَا لَفُوْتًا قَالَ زَيْدٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا قُلْتَ قَالَ بَلٰى اَمَّا الشَّهْبَرَةُ فَالزَّرْقَاءُ الْبَذِيْئَةُ وَاَمَّا النَّهْبَرَةُ فَالطَّوِيْلَةُ الْمَهْزُوْلَةُ وَاَمَّا اللَّهْبَرَةُ فَالْعَجُوْزُ الْمُدْبِرَةُ وَاَمَّا الْهَدْبَرَةُ فَالْقَصِيْرَةُ الذَّمِيْمَةُ وَاَمَّا اللَّفُوْتُ فَذَاتُ الْوَلَدِ مِنْ غَيْرِكَ قَالَ الشَّيْبَانِىُّ ضَحِكَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ طَوِيْلًا۔

کوئی شخص پانچ قسم کی عورتوں سے نکاح نہ کرے

ترجمہ: ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ مجھے مدینہ منورہ کے ایک شیخ نے بتایا کہ حضرت زید بن ثابتؓ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' نبی علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے شادی کر لی؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! فرمایا شادی کر لو تا کہ تمہاری عفت وعصمت محفوظ ہو جائے' لیکن پانچ قسم کی عورتوں سے شادی نہ کرنا' عرض کیا کہ وہ کون سی ہیں؟ فرمایا کہ ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو شہبرہ ہو' یا نہبرہ ہو' یا لہبرہ ہو' یا ھبدرہ ہو' یا لفوت ہو۔

حضرت زیدؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں تو ان میں سے کسی کو نہیں جانتا' فرمایا اچھا' شہبرہ تو اس عورت کو کہتے ہیں جو گربہ چشم ہو اور بھاری جسم ہو' نہبرہ اس عورت کو کہتے ہیں جو لمبی اور لاغر ہو' لہبرہ اس عورت کو کہتے ہیں جو بڑھیا ہو اور پیٹھ پھیرنے والی ہو' ھبدرہ اس عورت کو کہتے ہیں جو ٹھنگنی اور بدشکل ہو اور لفوت اس عورت کو کہتے ہیں جو تم سے علاوہ کسی اور شخص کی اولاد رکھتی ہو' شیبانی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیان کر کے امام صاحبؒ دیر تک مسکراتے رہے۔

فائدہ: اگلی روایت بھی بیوی کا انتخاب کرنے کا اصول واضح کرتی ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَتَزَوَّجْ عَنِ الْحَسْنَاءِ الْعَاقِرِ

(۳۶۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ رَجُلٍ شَامِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَزَوَّجُ فُلَانَةً فَنَهَاهُ عَنْهَا ثُمَّ اَتَاهُ اَيْضًا فَنَهَاهُ عَنْهَا ثُمَّ اَتَاهُ فَنَهَاهُ عَنْهَا ثُمَّ قَالَ سَوْدَاءُ وَلُوْدٌ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ حَسْنَاءَ عَاقِرٍ۔

خوبصورت مگر بانجھ عورت سے نکاح نہ کرنے کا بیان

ترجمہ: ایک شامی صحابی سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ! میں فلاں عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں' نبی علیہ السلام نے اسے منع کر دیا' کچھ عرصہ کے بعد وہ دوبارہ آیا' نبی علیہ السلام نے اسے پھر منع کر دیا' تیسری مرتبہ منع کرنے کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا میرے نزدیک ایک بانجھ عورت سے خواہ وہ خوبصورت ہی ہو' شادی کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان ایسی عورت سے شادی کر لے جو اگرچہ رنگت میں کالی ہو لیکن اولاد کا ذریعہ بن سکے۔

حل عبارت: "تستعف" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی عفت طلب کرنا "ولود" فعول کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی کثرت سے اولاد پیدا کرنے والی۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الديلمی' والسيوطی' كما فی الحاشية' والحارثی: ٤٨٥۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الهندی: ٤٤٤٢٧' والهيثمی' ٢٥٨/٤' وابن ماجه مثله: ١٨٥٩۔

مفہوم: اس حدیث کی وضاحت سے قبل یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جن روایات میں کسی

خاص وصف کی عورت سے نکاح کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس کا تعلق تشریعی ممانعت سے نہیں ہے بلکہ پیغمبر انسانیت ﷺ کی طرف سے ایک مشورہ ہے جو یقیناً فطرت کے عین مطابق اور انسانی مزاج کی رعایت سے بھرپور ہے' اس لیے اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کر لے جس سے نکاح کی ممانعت آئی ہو تو وہ کسی حرام کام کا مرتکب نہ ہو گا البتہ اگر اسے ازدواجی زندگی میں خوشیاں نہ مل سکیں تو دوسری بات ہے۔

یہ تمہید ذکر کرنا اس لیے ضروری محسوس ہوئی کہ خود نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہؓ کے کوئی خاتون بھی کنواری نہ تھیں' سب ہی شوہر دیدہ تھیں' پھر حضرت سودہؓ کا وجود بھاری بھی تھا اور لمبا بھی' حضرت خدیجہؓ بڑھاپے کی عمر تک پہنچ چکی تھیں اور وہ اور حضرت ام سلمہؓ دوسرے شوہر سے صاحب اولاد بھی تھیں۔

پھر دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کسی عورت کا بانجھ ہونا جس کا ذکر دوسری حدیث میں بھی آیا ہے ایسی چیز نہیں ہے جسے آدمی کسی ذریعہ سے معلوم کر سکے' خاص طور پر نکاح سے پہلے' البتہ حدیث میں جس خاتون کا ذکر آیا ہے' عین ممکن ہے کہ جو صاحب ان سے شادی کرنا چاہتے تھے' ان کی تو یہ پہلی شادی ہوتی اور اس خاتون کی دوسری شادی ہوتی' اور پہلی شادی میں اس کا بانجھ پن واضح ہو گیا ہو' جیسا کہ اب بھی آلات جدیدہ سے معلوم کر لیا جاتا ہے لیکن اس کی تعیین کنوار پن میں نہیں کی جا سکتی' اس لیے بھی ان احکام کا تعلق ازدواجی زندگی میں بہتری کے ساتھ تو ہے' لیکن تشریعی احکام کی نوعیت سے نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شُوْمِ الْمَرْأَةِ

(۳۶۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ قَالَ تَذَاکَرَ الشُّوْمُ ذَاتَ یَوْمٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ الشُّوْمُ فِی الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ فَشُوْمُ الدَّارِ اَنْ تَکُوْنَ ضَیِّقَةً لَهَا جِیْرَانٌ سُوْءٌ وَشُوْمُ الْفَرَسِ اَنْ تَکُوْنَ جَمُوْحًا وَشُوْمُ الْمَرْأَةِ اَنْ تَکُوْنَ عَاقِرًا زَادَ الْحَسَنُ بْنُ سُفْیَانَ سَیِّئَةَ الْخُلُقِ عَاقِرًا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اِنْ یَّکُنِ الشُّوْمُ فِیْ شَیْءٍ فَفِی الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ فَاَمَّا الدَّارُ فَشُوْمُهَا ضِیْقُهَا وَاَمَّا الْمَرْأَةُ فَشُوْمُهَا سُوْءُ خُلُقِهَا وَعَقْرُ رَحِمِهَا وَاَمَّا شُوْمُ الْفَرَسِ فَاَنْ تَکُوْنَ جَمُوْحًا۔

عورت کا منحوس ہونا

ترجمۃ: حضرت ابن بریدہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی موجودگی میں نحوست کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ نحوست کا تعلق گھر' گھوڑے اور عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ گھر کی نحوست تو یہ ہے کہ وہ تنگ ہو اور پڑوسی اچھے نہ ہوں' گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ وہ سرکش ہو' اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ بانجھ ہو۔ ایک روایت میں ''بداخلاق'' کا لفظ بھی آیا ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان چیزوں میں ہوتی۔

حل عبارت: "الشؤم" بمعنی نحوست "جموحا" بمعنی سرکش۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۸۵۸، ومسلم: ۵۸۰۷ (۲۲۲۵) وابوداؤد: ۳۹۲۲، والنسائی: ۳۵۹۸، وابن ماجه: ۱۹۹٤۔

مفہوم: عام طور پر گاؤں، دیہاتوں اور پنڈوں میں چھوت چھات اور توہمات کی اتنی زیادہ صورتیں مروج ہوتی ہیں کہ انہیں شمار کرنا آسان نہیں ہوتا، شہروں اور متمدن آبادیوں میں بسنے والے انسان بھی ان توہمات سے اپنا پیچھا اب تک نہیں چھڑا سکے، کسی یتیم بچے کے گھر میں آنے پر کوئی نقصان ہو جائے تو وہ منحوس، کسی لڑکی کے گھر میں بہو بن کر آنے پر سسرالی رشتہ داروں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو وہ منحوس، ٹریفک حادثے کا شکار ہو جائے تو صبح سب سے پہلا دکھائی دینے والا شخص منحوس، کاروبار میں خسارہ ہو جائے تو وہ پیشہ منحوس، بیٹی کو جنم دے کر ماں فوت ہو جائے تو وہ بیٹی منحوس، اولاد ہو جانے سے ضروریات زندگی میں تنگی پیدا ہو جائے تو وہ منحوس۔

غرضیکہ ہمارے بنائے ہوئے خاکوں کے مطابق ''منحوسوں'' کا ایک طوفان ہے جو کسی کے تھامے نہیں تھمتا اور ایک ایسا سیلاب ہے جسے دنیا کا کوئی بند روک نہیں سکتا، لیکن اگر ہم اسلام کے سائبان رحمت تلے آ جائیں تو یہاں ہمیں ''نحوست'' نام کی کوئی چیز نہیں ملے گی، یہاں ہمیں صرف رحمت، ہمدردی، خوش نصیبی اور خوش قسمتی ہی ملے گی جو ہماری زندگی کی تمام نحوستوں کو بھی دھو کر صاف کر دے گی۔

نحوست کا یہ تصور جو راقم السطور نے ذکر کیا، کم و بیش یہی تصور اہل عرب میں بھی موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ان فاسد اور بے بنیاد خیالات کی اصلاح کرنا تھی اس لیے فرما دیا کہ اسلام کے نظریہ حیات اور اصول زندگانی کے مطابق تو کوئی چیز اپنی ذات کے اعتبار سے منحوس ہوتی ہی نہیں ہے، اگر کسی چیز میں نحوست ہو سکتی تو وہ ان تین چیزوں میں ہوتی، لیکن جب ان تین چیزوں میں ہی نحوست نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں بھی نہیں ہو سکتی۔

۱۔ گھر میں نحوست، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ گھر کی نحوست یہ ہے کہ وہاں کوئی مر جائے، گھر خریدتے ہی کوئی حادثہ ہو جائے، گھر میں رہائش اختیار کرتے ہی کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے، ہاں! اگر تم کسی چیز کو گھر کے حوالے سے منحوس سمجھنا ضروری خیال کرتے ہو تو وہ ضروریات کے لیے ناکافی ہونا ہے، باقی کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جانا سو اس کا تعلق نحوست کے ساتھ نہیں ہے۔

۲۔ گھوڑے میں نحوست، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ سواری کی نحوست یہ ہے کہ اسے خریدتے ہی ایکسیڈنٹ ہو جائے، خریدتے ہی وہ چوری ہو جائے، اسے خریدتے ہی اس کی بریک خراب ہو جائے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے، اگر تم کسی چیز کو سواری کے حوالے سے منحوس سمجھنا ہی ضروری خیال کرتے ہو تو وہ اس کا تمہارے قابو میں نہ آنا ہے، جب تم اسے منحوس نہیں سمجھتے تو پھر کوئی اور چیز بھی منحوس نہیں ہو سکتی۔

۳۔ عورت میں نحوست' اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ جہیز کم لائے' کھانا زیادہ کھائے' کام کرنے میں سستی کرے' بچے پیدا کرنے میں چستی کرے' ہر سال ایک نئی بچی شوہر کے ہاتھ میں تھما دے' تو یہ خیال صحیح نہیں ہے' اگر تم کسی چیز کو عورت کے حوالے سے منحوس سمجھنا ہی چاہتے ہو تو وہ عورت کی بدخلقی اور اس کا بانجھ پن ہے' جب تم اسے منحوس نہیں سمجھتے تو پھر کوئی اور چیز بھی منحوس نہیں ہو سکتی۔

بَابٌ هَلْ يَذْكُرُ الرَّجُلُ لِابْنَتِهِ مَنْ يُزَوِّجُهَا

(۲۶۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَ لِفَاطِمَةَ اَنَّ عَلِيًّا يَذْكُرُكِ۔

کیا انسان اپنی بیٹی کے سامنے اس شخص کا ذکر کر دے جس سے وہ اس کی شادی کرنا چاہتا ہے

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ علی تمہارا ذکر کر رہے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۶۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنِ الْمُهَاجِرِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُزَوِّجَ اِحْدٰى بَنَاتِهِ يَقُوْلُ اِنَّ فُلَانًا يَذْكُرُ فُلَانَةَ ثُمَّ يُزَوِّجُهَا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا زَوَّجَ اِحْدٰى بَنَاتِهِ اَتٰى خِدْرَهَا فَيَقُوْلُ اِنَّ فُلَانًا يَذْكُرُ فُلَانَةَ ثُمَّ يُزَوِّجُهَا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خُطِبَ اِلَيْهِ ابْنَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ اَتٰى خِدْرَهَا فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يَذْكُرُ فُلَانَةَ ثُمَّ ذَهَبَ فَانْكَحَ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتے تو فرماتے کہ فلاں شخص فلاں خاتون کا ذکر کر رہا تھا' اس کے بعد نکاح کر دیتے' اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام جب اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتے تو پہلے خلوت میں اس کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں عورت کا ذکر کر رہا تھا اور اس کے بعد جب خاموشی محسوس فرماتے تو نکاح کر دیتے۔

حل عبارت: "یذکرك" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ذکر کرنا' مراد پیغام نکاح دینا "خدرھا" لفظی معنی تو پردہ ہے' مراد خلوت کی جگہ۔

تخریج حدیث: اما الاول: فقد ذکرہ فی مجمع البحار عن النهایة والحارثی: ۲۲' واما الثانی فقد اخرجه البیهقی فی

الکبری: ۱۲۷۳۹، واحمد: ۲٤۹۹۹، وابن عدی: ۷٥۲، وابن ابی حاتم: ۱۱٦۸۔

مَفْهُوْمٌ: مال و دولت اور مفادات کے حریصوں کو نکال کر والدین کی اکثریت اس بات کی خواہش رکھتی ہے کہ ان کی اولاد جب کسی دوسرے کی طرف منسوب ہو تو اسے کسی قسم کی شرمندگی نہ ہو، اولاد کو اپنے والدین کے انتخاب پر پچھتاوا نہ ہو اور اسے سکھی زندگی میسر آئے، اس سلسلے میں والدین بعض اوقات ایسے رشتے مسترد کر دیتے ہیں جن میں بظاہر کوئی عیب نہیں ہوتا اور وہ اس کی اولاد کے حق میں اچھے ثابت ہو سکتے ہیں، جس پر اولاد کو فطری طور پر رنج بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات والدین کسی ایسے رشتے کو قبول کر لیتے ہیں جس میں بظاہر کوئی خوبی نہیں ہوتی لیکن ان کی دور رس نگاہوں کے اثرات سامنے آنے پر اولاد کو اکثر خوشی محسوس ہوتی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ شریعت نے اولاد کے احساسات و جذبات کو بھی مدنظر رکھا ہے اور والدین کو ان کی مرضی معلوم کر لینے کی ترغیب بھی دی ہے، گو کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اولاد کی رضا مندی کے لیے صریح الفاظ استعمال کیے جائیں، اشاروں اور کنایوں اور غیر محسوس طریقوں کے ذریعے بھی اس کا پتہ چلایا جا سکتا ہے جیسا کہ زیر بحث حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ شریعت اس حقیقت کو فراموش نہیں کرتی جو انسانی جذبات کی عکاس ہوتی ہے اور اکثر اوقات انسان کی زبان سے الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ زندگی ہم نے گزارنی ہے، ہمارے والدین نے تھوڑی گزارنی ہے۔

اس سے پہلے کہ جذبات کو زبان ملے، شریعت نے پہلے ہی اس کا راستہ بند کر دیا، بالخصوص صنف نازک کے لیے کہ ان معاملات میں اس کا اپنے جذبات کا اظہار کرنا نسوانی حیا اور شرم کے منافی سمجھتا ہے اور خاندانی نظام زندگی میں اب بھی لڑکی اپنے والدین کی رضا پر راضی ہو جاتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت نے اولاد کی مرضی کا خیال رکھنے کی ترغیب بھی دے دی اور اولاد بالخصوص لڑکی کے منہ میں زبان آنے کے سارے راستے بھی بند کر دیئے، یہ شریعت ہی کا حسین امتزاج ہے جو کسی دوسرے دین و مذہب میں تلاش کرنا بھی کار عبث ہے۔ واللہ اعلم

(٢٦٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوَّجَتْ يَتِيْمَةً كَانَتْ عِنْدَهَا، فَجَهَّزَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ عِنْدِهٖ۔

تَرْجَمَہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی طرف سے ایک یتیم بچی کا نکاح کروایا، تو نبی علیہ السلام نے اسے اپنے پاس سے جہیز عطاء فرمایا۔

حَلِّ عِبَارَت: "یتیمة" ترکیب میں موصوف واقع ہو رہا ہے جس کی صفت "کانت عندھا" ہے، "فجھزھا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سامان تیار کرنا، مراد جہیز دینا ہے۔

تخریج حدیث: وقع عند ابن ماجه ما يدل عليه: ۱۹۰۰، والتبريزي في المشكوٰة: ۳۱۵۴۔

مفهوم: عام طور پر ہمارے اخبارات، رسائل و جرائد اور معروف و غیر معروف شخصیات کے بیانات اور تقاریر میں یہ لفظ بڑی بے دردی سے استعمال کیا جاتا ہے کہ ہم معاشرے سے جہیز کی لعنت ختم کر دیں گے، معاشرہ جہیز کی لعنت کی وجہ سے بہت سی بچیوں کو اپنے گھروں میں ہی انتظار کرنے پر مجبور کر رہا ہے، یقین جانئے! اس قسم کے الفاظ پڑھ اور سن کر مجھ پر تو ایک جھرجھری سی طاری ہو جاتی ہے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ اگر جہیز لعنت ہے تو نبی علیہ السلام نے اپنے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ان کی شادی کے موقع پر سونے کا زیور کیوں دیا تھا؟ اگر جہیز لعنت ہے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز کیوں دیا تھا؟ اگر جہیز لعنت ہے تو اس لعنت کا ثبوت خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کیوں ملتا ہے؟

ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے! کیا کوئی باپ اپنی بیٹی کو اپنے گھر سے خالی ہاتھ رخصت کرنا پسند کرے گا؟ کیا کوئی بھائی اپنی بہن کو یوں ہی رخصت کر دے گا؟ کیا کسی ماں کا کلیجہ اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت کرتے ہوئے بیٹھ نہ جائے گا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور ہونا بھی چاہیے۔

رہا بعض لوگوں کا یہ عزم کہ ہم معاشرے سے جہیز کی لعنت کو ختم کر دیں گے تو اس میں الفاظ کا چناؤ غیر محتاط طریقے سے کیا گیا ہے، اگر اس کی بجائے یہ الفاظ ہوتے کہ ہم معاشرے سے جہیز میں حد سے زیادہ اسراف اور نمود و نمائش کی خاطر اپنی مالداری کا اظہار کرنے کی لعنت کو ختم کر دیں گے تو یہ بات نہ صرف یہ کہ صحیح ہوتی بلکہ اسلامی تعلیمات کے بھی عین مطابق ہوتی اور معاشرے کے ماحول کو بھی سازگار بناتی۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ بعض لوگ خواہ مخواہ میں جہیز کو جو ہندوانہ رسم قرار دینے پر تلے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی رائے بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ جہیز ہندوانہ رسم نہیں ہے، بلکہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ثابت ہے، جیسا کہ عنقریب ذکر ہوا اور زیر بحث حدیث میں بھی اسی کو ثابت کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ اسْتِيمَارِ الْبِكْرِ وَاسْتِيْذَانِ الثَّيِّبِ

(۲۶۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِىْ كَثِيْرٍ عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ عِكْرِمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَرِضَاهَا سُكُوْتُهَا وَلَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَا تُزَوَّجُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَرِضَاهَا سُكُوْتُهَا وَلَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَاِذَا سَكَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا وَلَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا باکرہ عورت سے اس کا امر لیے بغیر

نکاح نہ کیا جائے اور اس کی خاموشی رضا مندی ہی ہے اور ثیبہ سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔

فائدہ: اگلی روایت اسی کی وضاحت ہے۔

(۲۶۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِالْعَزِیْزِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّیَ عَنْهَا زَوْجُهَا ثُمَّ جَاءَ عَمُّ وَلَدِهَا فَخَطَبَهَا فَاَبَی الْاَبُ اَنْ یُزَوِّجَهَا وَزَوَّجَهَا مِنَ الْاٰخَرِ فَاَتَتِ الْمَرْاَةُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهٗ فَبَعَثَ اِلٰی اَبِیْهَا فَحَضَرَ فَقَالَ مَا تَقُوْلُ هٰذِهٖ قَالَ صَدَقَتْ وَلٰكِنِّیْ زَوَّجْتُهَا مِمَّنْ هُوَ خَیْرٌ مِنْهُ فَفَرَّقَ بَیْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا عَمَّ وَلَدِهَا وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَسْمَاءَ خَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا وَرَجُلٌ اٰخَرُ اِلٰی اَبِیْهَا فَزَوَّجَهَا مِنَ الرَّجُلِ فَاَتَتِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاشْتَكَتْ ذٰلِكَ اِلَیْهِ فَنَزَعَهَا مِنَ الرَّجُلِ وَزَوَّجَهَا عَمَّ وَلَدِهَا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّیَ عَنْهَا زَوْجُهَا فَخَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا فَزَوَّجَهَا اَبُوْهَا بِغَیْرِ رِضَاهَا مِنْ رَجُلٍ اٰخَرَ فَاَتَتِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهٗ فَدَعَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَزَوَّجْتَهَا بِغَیْرِ رِضَاهَا قَالَ زَوَّجْتُهَا مِمَّنْ هُوَ خَیْرٌ مِّنْهُ فَفَرَّقَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَیْنَهَا وَبَیْنَ زَوْجِهَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّیَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَهَا مِنْهُ وَلَدٌ فَخَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا اِلٰی اَبِیْهَا فَقَالَتْ زَوِّجْنِیْهِ فَاَبٰی وَزَوَّجَهَا مِنْ غَیْرِهٖ بِغَیْرِ رِضًی مِنْهَا فَاَتَتِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهٗ فَسَاَلَهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ زَوَّجْتُهَا مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَیْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا' اس کے چچا زاد بھائی نے آ کر اسے نکاح کا پیغام دیا' لیکن اس عورت کے باپ نے اس رشتے سے انکار کر دیا اور اپنی بیٹی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا' وہ عورت نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ ذکر کر دیا' نبی علیہ السلام نے اس کے والد کو بلایا جب وہ آ گیا تو فرمایا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ سچ کہتی ہے لیکن میں نے اس کا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو اس کے کزن سے زیادہ بہتر ہے' نبی علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی اور اس کا نکاح اس کے کزن سے کرا دیا۔

حل عبارت: "تستامر" باب استفعال سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی طلب امر "توفی" باب تفعل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی فوت ہو جانا "فخطبھا" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پیغام نکاح بھیجنا' "ففرق" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تفریق کرانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری، ٥١٣٦' ومسلم: ٣٤٧٣ (١٤١٩) وابوداؤد: ٢٠٩٤' والترمذی: ١١٠٩' والنسائی: ٣٢٦٧' وابن ماجه: ١٨٧١۔

تخریج حدیث ثانی: اخرج النسائی مثله: ٣٢٧٠، وابوداؤد: ٢٠٩٦، وابن ماجه: ١٨٧٥، والدارقطنی: ٣/٢٣٤۔

مفہوم: شریعت کا یہ اصول ہے کہ کنواری لڑکی سے شادی کے موقع پر رضا مندی حاصل کر لی جائے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر رضا مندی معلوم کرتے وقت وہ خاموشی اختیار کر لے تو اسے اس کی رضا مندی پر محمول کیا جائے گا اور اس کا نکاح کر دیا جائے گا' اور شوہر دیدہ عورت کا جب دوسرا نکاح کیا جائے تو اس کی رضا مندی کا اظہار صرف خاموشی سے نہیں ہوگا بلکہ اسے گواہوں کے سامنے اپنی زبان سے اظہار رضا مندی کرنا ہوگا' شاید یہی وجہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں باکرہ کے لیے استیمار اور ثیبہ کے لیے استیذان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسلام پر زبان طعن دراز کرنے والے کہتے ہیں کہ لڑکا اور لڑکی کو زبردستی ایک دوسرے کے پلے باندھ دیا جاتا ہے' ان سے ان کی مرضی پوچھی تک نہیں جاتی اور محض اپنی مرضی ہی ان پر مسلط کرنا مردانگی سمجھا جاتا ہے' کیا ایسے لوگ اپنے اختراعی اور خود ساختہ قوانین میں ایسی لچک دکھا سکتے ہیں جس سے عورت کی فطری شرم و حیاء کا پردہ بھی تار تار ہونے سے بچ جائے اور اس کا مستقبل بھی برباد ہونے سے بچ جائے؟ یقیناً وہ ایسی لچک نہیں دکھا سکتے اور انہیں دو میں سے کسی ایک چیز سے ہاتھ دھونا پڑیں گے' چونکہ ان کے لیے نسوانی شرم و حیاء ایک ایسا نامانوس لفظ بن چکا ہے جو ان کی لغت اور ڈکشنری سے بھی خارج ہو چکا اس لیے وہ اس سے محروم ہو گئے' یہی وجہ ہے کہ ان کی خواتین ''بے حیا'' ہو چکیں۔

جبکہ اسلام دولت شرم و حیاء کی حفاظت بھی کرتا ہے اور عورت کے مستقبل کو بھی محفوظ کرتا ہے' صرف زبانی کلامی حد تک نہیں' بلکہ موقع پر والدین کے فیصلے کے خلاف لڑکی کی خواہش اور مرضی کو پورا کرتا ہے اور والدین کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار دے کر ازسرنو نکاح کر دیتا ہے جیسا کہ زیر بحث حدیث میں ہے۔

بَابٌ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْاَةِ وَعَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا

(٢٦٨) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تُزَوَّجُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا۔

عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ کو اپنے نکاح میں رکھ کر نکاح نہ کیا جائے (دونوں کو جمع نہ کیا جائے)

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(٢٦٩) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُنْكَحُ

الْمَرْأَةُ عَلٰی عَمَّتِهَا وَلَا عَلٰی خَالَتِهَا وَلَا تُنْكَحُ الْكُبْرٰی عَلَی الصُّغْرٰی وَلَا الصُّغْرٰی عَلَی الْكُبْرٰی۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ کو اپنے نکاح میں رکھ کر نکاح کیا جائے' اور چھوٹی کی موجودگی میں بڑی سے نکاح نہ کیا جائے اور بڑی کی موجودگی میں چھوٹی سے نکاح نہ کیا جائے۔

حل عبارت: "علی عمتها" "ای مع وجود عمتها فی النکاح" گویا "علی" کو "مع" کے معنی میں لینا چاہیے اور "لا تنکح" کو "لا تجمع" کے معنی میں مراد لینا چاہیے تا کہ عبارت کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے۔

تخریج حدیث: اخرجهما البخاری: ۵۱۰۸' ومسلم: ۳۴۴۰ (۱۴۰۸) وابوداؤد: ۲۰۶۵' والترمذی: ۱۲۶۶' والنسائی: ۳۲۹۷' وابن ماجه: ۱۹۲۹۔

مفہوم: اس حدیث میں دو حکم دیے گئے ہیں۔

۱۔ایک شخص ایک ہی وقت میں پھوپھی اور اس کی بھتیجی کو اپنے نکاح میں جمع نہیں کر سکتا' اسی طرح کسی کے لیے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ وہ خالہ اور اس کی بھانجی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھے' یعنی اگر پھوپھی یا خالہ سے نکاح کیا ہے تو اس کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح نہ کرے الا یہ کہ انہیں طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائیں اور اگر بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کیا ہے تو ان کی پھوپھی یا خالہ سے نکاح نہ کرے الا یہ کہ انہیں طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائیں' ظاہر ہے کہ یہاں نکاح کرنے والے کی پھوپھی' خالہ' بھتیجی اور بھانجی مراد نہیں بلکہ ان عورتوں کی آپس میں رشتہ داری مراد ہے۔

۲۔ایک شخص ایک ہی وقت میں چھوٹی اور بڑی کو اپنے نکاح میں جمع نہیں کر سکتا' اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔

(الف) کبری سے مراد رشتہ میں بڑی ہے مثلاً پھوپھی اور خالہ' اور صغری سے مراد رشتہ میں چھوٹی ہے مثلاً بھتیجی یا بھانجی' اس صورت میں یہ پہلے جملے کے لیے عطف تفسیر واقع ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں ایسی عورت ہو جو رشتے میں چھوٹی ہو تو اسی کے خاندان میں کسی ایسی عورت سے شادی کرنا جائز نہیں ہے جو رشتے میں اس سے بڑی ہو' یا اس کے برعکس۔

(ب) کبریٰ سے مراد عمر میں بڑی ہے مثلاً بڑی بہن اور صغریٰ سے مراد عمر میں چھوٹی ہے مثلاً چھوٹی بہن' اس صورت میں یہ جملہ پہلے جملے سے مغایر ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ بڑی بہن کی موجودگی میں اس کی چھوٹی بہن سے نکاح نہ کیا جائے اور چھوٹی بہن کی موجودگی میں بڑی بہن سے نکاح نہ کیا جائے' میرے نزدیک یہ دوسرا معنی زیادہ راجح ہے تا کہ دونوں جملوں سے دو الگ الگ حکم مستنبط ہو سکیں۔

اس مضمون کی احادیث کو سامنے رکھ کر فقہاء نے یہ اصول وضع کر لیا ہے کہ کسی شخص کے لیے بھی ایسی دو عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنا جائز نہیں ہے کہ ان دو میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہ ہو سکے۔

اور اس ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب اتنی قرابت کا رشتہ رکھنے والی دو عورتیں آپس میں سوکن بنیں گی تو سوکن کی فطرت سے مجبور ہو کر ان کے درمیان ہر وقت خانہ جنگی رہے گی جس سے ان کی یہ نئی رشتہ داری تو خطرے میں پڑے گی ہی' پرانی رشتہ داری بھی ختم ہو جائے گی اور قربتیں دوریوں میں' محبتیں نفرتوں میں اور تعلقات خانہ جنگیوں میں تبدیل ہو جائیں گے جیسا کہ مشاہدہ گواہ ہے اس لیے اس کی جڑ بنیاد ہی کو ختم کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ حُرْمَةِ الْمُتْعَةِ

(۲۷۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ۔

متعہ کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

(۲۷۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنِ الْمُتْعَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن متعہ سے منع فرما دیا۔

(۲۷۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

(۲۷۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ سَبْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَامَ الْفَتْحِ۔

ترجمہ: آل سبرہ کے ایک صحابی سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت فتح مکہ کے دن یا فتح مکہ کے سال فرمائی۔

(۲۷۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَبِيْعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ عَامَ الْحَجِّ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ يَوْمَ الْفَتْحِ۔

ترجمہ: حضرت سبرہ جہنیؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت فتح مکہ کے دن یا حجۃ الوداع

کے سال فرمائی۔

(۲۷۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَامَ غَزْوَةِ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَعَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے غزوۂ خیبر کے سال پالتو گدھوں کے گوشت اور عورتوں سے متعہ کرنے کو ممنوع قرار دے دیا۔

تخریج حدیث اول و ثانی و ثالث: اخرجها مسلم: ٣٤٢٦ (١٤٠٦) وابوداؤد: ٢٠٧٣۔

تخریج حدیث رابع و خامس: اخرجهما مسلم: ٣٤٢٧ (١٤٠٦)

تخریج حدیث سادس: اخرجه البخاری: ٥١١٥، ومسلم: ٣٤٣١ (١٤٠٧) والترمذی: ١١٢١، والنسائی: ٣٣٦٨، وابن ماجه: ١٩٦١۔

مفہوم: ا۔ نکاح متعہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے اثبات و تردید پر ہر زمانے میں مستقل کتب و رسائل اور آرٹیکلز لکھے گئے ہیں اور ہر زمانے میں اس کی مخالفت و حمایت کا سلسلہ جاری رہا ہے، بعض لوگ اسے عبادتِ خدا سمجھتے ہیں اور اکثریت اسے بغاوت کا نام دیتی ہے، عبادت قرار دینے والے نظریۂ ضرورت سے استفادہ کرتے ہیں اور بغاوت قرار دینے والے اسے معاشرہ کا ناسور سمجھتے ہیں جو پورے معاشرے کو گندگی اور غلاظت کا گڑھ بنا دیتا ہے، جو پورے معاشرے کو جسمانی آزادی کی گندگی سے متعفن کر دیتا ہے، اور جو کسی طور پر بھی اقوام مغرب کے طریقۂ زندگی سے مختلف نہیں ہوتا اس لیے کہ متعہ بھی عارضی نکاح کو کہتے ہیں اور مغرب میں بھی مرد وعورت کے تعلقات اکثر عارضی ہی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ان کے یہاں کسی کی شادی کو خیریت سے دو سال گزر جائیں تو لوگ دریافت کرنے کے لیے آتے ہیں کہ میاں بیوی کا دماغ تو صحیح ہے، تین چار سال گزر جانے پر حیرانگی کا اظہار کرتے ہیں اور آٹھ دس سال گزر جانے پر جشن مناتے ہیں جبکہ ہمارے یہاں عورت پوری زندگی اپنے شوہر پر نچھاور کر دیتی ہے اور آخر دم تک اس کی خدمت دل و جان سے کرتی رہتی ہے۔

ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو نکاح کے جو عظیم مقاصد شریعت اسلامیہ کے پیش نظر ہیں اور جن میں سے چند ایک کا ذکر پیچھے بھی گزرا، کیا متعہ کے ذریعے ان میں سے کسی ایک مقصد کو بھی حاصل کیا جا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں، اور اس سے بھی زیادہ واضح اور خدا لگتی بات یہ ہے کہ اگر آپ متعہ کی پرزور حمایت و تائید کرنے والوں میں سے کسی شخص سے یہ کہیں کہ بھائی! متعہ کرنا بہت ثواب کا کام ہے، میں آپ کی بہن یا بیٹی کے ذریعے اس ثواب عظیم کو حاصل کرنا چاہتا ہوں؟ میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ آپ سے لڑنے مرنے کو تیار ہو جائے گا، اس کے برعکس اگر آپ کسی سے یہ کہیں کہ میں آپ کی بہن یا بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں تو اگر وہ اس رشتہ کو پسند نہ بھی کرتا ہو، سہولت سے بات کو ٹال

دے گا' کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خود متعہ کرنے والوں کے دل میں چور ہوتا ہے؟

۲۔ شراح حدیث نے یہاں اس بحث کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ متعہ کی حرمت دو مرتبہ ہوئی ہے اور دو ہی مرتبہ اسے جائز قرار دیا گیا' اور بالآخر اسے قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا گیا' نیز یہ کہ ابتداًء حضرت عبداللہ بن عباسؓ جواز متعہ کے قائل تھے' بعد میں حضرت علیؓ کی فہمائش پر اپنی رائے سے رجوع کر لیا' میں اس موضوع کی روایات کا احاطہ تو نہیں کرنا چاہتا اور نہ اس موضوع کی جزئیات کو بیان کرنا پیش نظر ہے' اس لیے سب باتیں چھوڑ کر صرف دو نکتے عرض کرتا ہوں۔

(الف) کتب حدیث میں حرمت متعہ کی روایات جن صحابہ کرامؓ سے نقل کی گئی ہیں' ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام نامی بھی شامل ہے جو خود بھی اس کی حرمت کے قائل و ناقل ہیں اور حلت کا فتویٰ دینے والوں کو روکنے والے بھی ہیں' لیکن عجیب بات ہے کہ علیؓ کا دم بھرنے والے ہی علیؓ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے' ہر وقت یا علی کی مالا جپنے والے ہی ان کی روایت اور رائے کو پس پشت ڈال دیتے ہیں' اٹھتے بیٹھتے مولا علیؓ سے اپنی مشکلات کو حل کروانے والے ہی ان کی ہدایات کو نظر انداز کر دیتے ہیں؟ یقیناً ہم بھی سیدنا علی مرتضیٰؓ کے ماننے اور چاہنے والے ہیں' اسی لیے ہم ان کے حکم کی تعمیل میں اس گندگی کو اپنے معاشرے سے دور پھینک دیتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ انہیں ماننے اور چاہنے کا دعویٰ کرنے والے بھی ایسا ہی کریں گے کیونکہ ''مرداں چنیں کنند''

(ب) جن روایات میں ابتداًء متعہ کے حلال ہونے کا ذکر آتا ہے یا مخصوص ایام میں اجازت کا ذکر ملتا ہے اس کا مطلب صرف اور صرف اتنا ہے کہ اہل عرب کے معاشرے کے مطابق متعہ کا رواج لوگوں میں پہلے سے تھا اور ابتداًء اس کی ممانعت یا اجازت سے متعلق کوئی صریح حکم نہیں آیا تھا' اس رواج کے مطابق لوگ خواتین سے متعہ کرتے رہے اور اپنی ضرورت کی تکمیل اس طرح کرتے رہے' بعد میں جب اس کی حرمت کا فیصلہ ہوا تو نبی ﷺ نے مختلف مواقع پر اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تا کہ ہر ایک کو اس حکم کا پتہ چل جائے۔

یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل جن افراد سے ہوئی تھی' وہ معمولی لوگ نہ تھے' ان کا تعلق ایک ایسی مقدس جماعت سے تھا جس سے بڑھ کر مقدس جماعت انبیاء کرام ﷩ کے بعد کوئی اور نہ آ سکی' نبی ﷺ کی ہم نشینی و رفاقت کے بدلے انہیں جو ''احسانی کیفیت'' حاصل ہوتی تھی' اس کی موجودگی میں ''متعہ'' جیسی گندگی کو ان کی طرف منسوب کرنا مجھ حقیر کے لیے تو سچی بات ہے کہ بہت مشکل ہے اور مجھے تو اس کا بہترین حل یہی معلوم ہوتا ہے جس کی ''تاریخ'' بھی تردید نہیں کرتی کہ ایک رواج کے طور پر یہ چیز اہل عرب میں تھی اور اس کی اجازت یا حرمت سے متعلق کوئی واضح حکم نہیں آیا تھا اور جب حکم آ گیا تو اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

رہی یہ بات کہ حرمت متعہ کا اعلان کب کیا گیا؟ اور اس کے لیے کون سی جگہ کا انتخاب کیا گیا؟ تو روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ مختلف جگہوں میں سے کسی ایک جگہ پر یہ اعلان کیا گیا۔

۱۔غزوۂ خیبر کے موقع پر ۲۔عمرۃ القضاء کے موقع پر ۳۔فتح مکہ کے موقع پر

۴۔غزوۂ اوطاس کے موقع پر ۵۔غزوۂ تبوک کے موقع پر ۶۔ حجۃ الوداع کے موقع پر

جن روایات سے غزوۂ خیبر کے موقع پر حرمت متعہ کا اعلان ثابت ہوتا ہے' سنداً وہ صحیح بھی ہیں اور عدداً زیادہ بھی ہیں' جن روایات سے عمرۃ القضاء کے موقع پر اس اعلان کا ثبوت ملتا ہے' سنداً ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ غزوۂ خیبر اور عمرۃ القضاء دونوں واقعات ایک ہی سال میں ہوئے تھے اس لیے بعض راویوں نے اسے غزوۂ خیبر سے تعبیر کر دیا اور بعض نے عمرۃ القضاء سے' جن روایات میں فتح مکہ کا ذکر آتا ہے وہ سنداً صحیح ہیں' جن روایات میں غزوۂ اوطاس کا ذکر آتا ہے' ان سے غزوۂ اوطاس تحقیقی طور پر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان میں ''عام اوطاس'' کا لفظ آتا ہے اور ''عام اوطاس'' وہی سال ہے جس میں مکہ مکرمہ فتح ہوا' اس لیے ان روایات کو بھی ۸ھ پر ہی محمول کیا جائے گا۔

جن روایات میں غزوۂ تبوک کا ذکر آتا ہے' ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام﷢ میں سے کسی نے غزوۂ تبوک کے موقع پر متعہ کیا ہو اور جن روایات میں حجۃ الوداع کا ذکر آتا ہے' ان کا مرکزی راوی ربیع بن سبرہ ہے جس سے اس موضوع کی مختلف روایات اس کے شاگردوں نے نقل کی ہیں جس سے اس کی کوئی روایت بھی قابل اعتماد نہیں رہتی اور درایۃً بھی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن عباس﷠ کبھی بھی جواز متعہ کا فتویٰ نہ دیتے اس لیے کہ اس موقع پر وہ نبی ﷺ کے ہمراہ تھے' اب اگر نبی ﷺ نے اس موقع پر اعلان کیا ہوتا تو یقیناً انہیں معلوم ہوتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع والی روایات پر تو اعتماد نہیں کیا جا سکتا' غزوۂ خیبر اور عمرۃ القضاء والی روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح فتح مکہ اور عام اوطاس میں بھی کوئی فرق نہیں' گویا حرمت متعہ کا اعلان ۷ھ یا ۸ھ میں ہوا ہے' ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے بھی کسی ایک کو ترجیح دینا ہوگی تاکہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے' سو اس سلسلے میں علماء کرام کی دو رائیں ہیں۔

۱۔بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ حرمت متعہ کا اعلان ۷ھ میں کیا گیا تھا' بعد میں اس کی اہمیت مزید واضح کرنے کے لیے ۸ھ میں دوبارہ اعلان کیا گیا تاکہ اس کی حرمت اچھی طرح لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے۔

۲۔بعض علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ پہلے ۷ھ میں حرمت متعہ کا اعلان کیا گیا' پھر ۸ھ میں تین دن کے لیے اس کی حرمت ختم کر دی گئی اور اس کے بعد اسے ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام قرار دے دیا گیا' امام نووی﷫ اور حافظ ابن حجر عسقلانی﷫ کی رائے بھی یہی ہے لیکن اس کے لیے ان کا پیرایۂ بیان ہماری نظر میں کھٹکتا ہے' چنانچہ حافظ نے امام نووی﷫ کا قول نقل کیا ہے۔

"الصواب ان تحريمها و اباحتها وقعا مرتين" الخ (فتح: النكاح، باب: ۳۲)

یعنی اباحت متعہ بھی دو مرتبہ ہوئی اور تحریم متعہ بھی دو مرتبہ ہوئی' جبکہ ہماری رائے یہ ہے کہ اباحت متعہ دو دفعہ ہونے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے' بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ۷ھ سے پہلے حرمت متعہ کا اعلان نہیں کیا گیا تھا' یہ مطلب نہیں کہ ۷ھ سے پہلے اسے حلال قرار دیا گیا تھا اس لیے کہ گناہ کو حلال قرار دینا چہ معنی دارد؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے حرمت شراب کہ آیت تحریم نازل ہونے سے پہلے اس کے حرام ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا تھا' یہ مطلب نہیں کہ نزول آیت تحریم سے قبل اسے حلال قرار دیا گیا تھا' اگر یہ چیزیں حلال ہوتیں تو نبی علیہ السلام یا اولوالعزم صحابہؓ میں سے کسی ایک کے حوالے سے تو اس کا ثبوت ملتا' بالخصوص متعہ کے حوالے سے تو تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے یہ ثابت کیا ہی نہیں کیا سکتا کہ فلاں صحابی متعہ کرتے تھے' یا فلاں صحابی نے فلاں خاتون سے متعہ کر رکھا تھا۔

فائدہ: متعہ کے حوالے سے گفتگو ذرا تھوڑی سی لمبی ہوگئی' لیکن ضرورت کی بناء پر اسے گوارا کر لیا گیا ہے' اس کے باوجود اگر کوئی صاحب مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہیں تو قومی ڈائجسٹ کا مارچ ۱۹۹۳ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں جس میں اس موضوع سے متعلق ایسے ایسے انکشافات کیے گئے ہیں جنہیں پڑھ کر انسان ایک دم سناٹے میں آ جاتا ہے' اور ایسی تفصیلات مہیا کی گئی ہیں جن سے اس موضوع کی دوسری کتابیں خالی ہیں اور ایسے مشاہدات ہیں جنہیں کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَزْلِ

(۲۷۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ سُئِلَ عَنِ الْعَزْلِ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ شَيْئًا اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَهٗ اُسْتُوْدِعَ صَخْرَةً لَخَرَجَ۔

عزل کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی نے "عزل" کے بارے سوال کیا تو فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر وہ چیز جس سے اللہ نے وعدہ لیا ہے کسی پتھر میں بھی بند کر کے رکھ دی جائے تب بھی وہ باہر آ کر رہے گی۔

حل عبارت: "شیئا" ترکیب میں موصوف واقع ہو رہا ہے اور "اخذ الله ميثاقه" اس کی صفت سے مل کر "ان" حرف مشبہ بالفعل کا اسم ہوگا' "استودع صخرة" اس کی خبر ہوگی اور "لخرج" حرف شرط "لو" کا جواب ہوگا "استودع" باب استفعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی امانت رکھوانا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن حبان في آخر: ۴۱۹۴' وابن ماجه: ۸۹' واحمد' والبزار۔

مفہوم: "عزل" کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے حقوق کی تکمیل کرتے ہوئے آب حیات کا اخراج باہر کی طرف کر دے' اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرد کا پانی عورت کے پانی سے نہ ملے تاکہ ایک نیا وجود دنیا میں ظہور پذیر ہونے کا سبب

نہ بن جائے، اس مقصد کی خاطر لوگوں نے اپنی اپنی طبیعت اور سہولت کے پیش نظر بہت سے طریقے اختیار کر رکھے ہیں، گو کہ طریقے مختلف ہیں لیکن مقصد سب کا ایک ہی ہے۔

ایک طرح سے اگر دیکھا جائے تو اس میں خوبی کا ایک پہلو بھی دکھائی دیتا ہے اور وہ یہ کہ میاں بیوی اپنی پہلی اولاد کی مناسب تعلیم و تربیت پر توجہ دینے کی خاطر باہمی مشاورت سے یہ کام کر رہے ہیں تو یقیناً ان کی اس توجہ سے اولاد ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور معاشرے کے لیے باعث عزت بنے گی، پے در پے بچے ہو جانے کی صورت میں ہر ایک پر یکساں توجہ باقی نہیں رہتی، ظاہر ہے کہ اس مقصد کی خاطر ایسا کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔

لیکن جب ایک دوسرے پہلو سے اس پر غور کیا جائے تو یہ طریقہ قدرت خداوندی کے خلاف بغاوت محسوس ہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے والا گویا اس جان کے دنیا میں آنے میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے جسے اللہ دنیا میں بھیجنا چاہتا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا، اگر وہ پیدا کرنے پر آ جائے تو ایک بے جان پتھر سے جاندار کو پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، لیکن انسان کے احساسات کا عمدہ اظہار نہ ہو سکے گا۔

ان دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے نبی علیہ السلام نے ذاتی طور پر اس عمل کو تو اچھا نہیں سمجھا، لیکن تشریعی طور پر اس کی مکمل ممانعت بھی نہیں فرمائی تاکہ مجبوراً ایسا کرنے والے کے لیے دروازہ کھلا رہے اور قدرت خداوندی سے کھیلنے والے سے اپنی براءت کا اظہار ہو جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ حُرْمَةِ اِتْیَانِ النِّسَآءِ فِیْ اِدْبَارِهِنَّ

(۲۷۷) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الْهَیْثَمِ عَنْ یُوْسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ امْرَأَةً اَتَتْهَا فَقَالَتْ اِنَّ زَوْجِیْ یَأْتِیْنِیْ مُجْنِبَةً وَمُسْتَقْبِلَةً فَكَرِهْتُهُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَا بَأْسَ اِذَا كَانَ فِیْ صِمَامٍ وَاحِدٍ۔

عورتوں کے پاس پیچھے سے آنے کی حرمت کا بیان

ترجمہ: ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرا شوہر میرے پاس پہلو کی طرف سے اور سامنے کی طرف سے آتا ہے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں ہے، یہ بات نبی علیہ السلام تک بھی پہنچ گئی، فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ ایک ہی سوراخ میں ہو۔

فائدہ: اگلی روایات میں زیادہ واضح الفاظ ہیں۔

(۲۷۸) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ حُمَیْدِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِتْیَانُ النِّسَاءِ نَحْوَ الْمَحَاشِّ حَرَامٌ۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عورتوں کے پاس پچھلے سوراخ سے آنا حرام ہے۔

(۲۷۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَعْنٍ قَالَ وَجَدْتُ بِخَطِّ اَبِيْ اَعْرِفُهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نُهِيْنَا اَنْ نَاْتِيَ النِّسَاءَ فِيْ مَحَاشِهِنَّ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں عورتوں کے پاس پچھلے سوراخ سے آنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

(۲۸۰) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ اَبِي الْقَعْقَاعِ الْخُشَنِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ حَرَامٌ اَنْ تُؤْتَى النِّسَآءَ فِي الْمَحَاشِّ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے پاس پچھلے سوراخ سے آنا حرام ہے۔

حل عبارت: "مجنبة" جانب سے نکلا ہے بمعنی پہلو "فکرهته" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ناپسند سمجھنا' "صمام" بمعنی سوراخ "محاش" **محشة** کی جمع ہے بمعنی دبر۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ۳۵۳۷ (۱۴۳۵) وابوداؤد مثله: ۲۱٦٤' والترمذی: ۲۹۷۹' وابن ماجه: ۱۹۲۵۔

تخریج حدیث ثانی وثالث و رابع: اخرج الترمذی ما یؤیدها: ۱۱٦٤' واحمد: ۱/۸٦۔

مفہوم: لڑکا اور لڑکی جب نکاح کے بندھن میں بندکر ایک دوسرے کو اپنے لیے قبول کر لیتے ہیں تو ان کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا جائز ہو جاتا ہے اور شریعت ان دونوں کے اجسام کو ایک دوسرے کے لیے مکمل طور پر حلال قرار دیتی ہے' اس سلسلے میں شریعت نے جو تعبیر اختیار کی ہے میاں بیوی کے باہمی تعلق اور رشتہ کو ثابت کرنے کے لیے اس سے زیادہ خوبصورت تعبیر ہو ہی نہیں سکتی کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کا لباس ہیں' اور لباس اور جسم کا تعلق ظاہر ہے' نیز لباس کا مقصد بھی واضح ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر فرمایا گیا تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں اس لیے ان میں جس طرح چاہو آ سکتے ہو' ظاہر ہے کہ کھیت میں صحیح مقام پر بیج ڈالا جائے گا تو اس سے کھیت کا مقصد حاصل ہو گا' بصورت دیگر بیج ضائع بھی ہو گا اور کسان کا بھی نقصان ہو گا' اسی طرح اگر شوہر حرث کے مقام پر تخم ریزی کرے گا تو اس کا فائدہ دونوں کو ہو گا' فہث کے مقام پر تخم ریزی کرنے کی صورت میں تخم بھی ضائع ہو گا اور نقصان بھی اٹھائے گا' البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حرث کے مقام پر تخم ریزی کرنے کے لیے آگے' پیچھے' دائیں بائیں' اٹھے بیٹھے کی کوئی قید نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيُ اَنَّ الُوَلَدَ لِلُفِرَاشِ

(۲۸۱) اَبُوُ حَنِيُفَةَ عَنُ حَمَّادِ بُنِ اَبِيُ سُلَيُمَانَ عَنُ اِبُرَاهِيُمَ عَنِ الُاَسُوَدِ عَنُ عُمَرَ بُنِ الُخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الُوَلَدُ لِلُفِرَاشِ وَلِلُعَاهِرِ الُحَجَرُ۔

بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بچہ بستر والے کا ہوتا ہے اور بدکار کے لیے پتھر ہوتے ہیں۔

حل عبارت: "الفراش" بمعنی بستر، مراد "ذی فراش" ہے نسبتِ مجازی کے طور پر "العاھر" بمعنی زانی، بدکار۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٦٨١٨، ومسلم: ٣٦١٥ (١٤٥٨) والترمذی: ١١٥٧، وابوداؤد: ٢٢٧٤، والنسائی: ٣٥١٢، وابن ماجه: ٢٠٠٦۔

مفہوم: یہ حدیث ایک طویل قصہ کا آخری جزو ہے جو صحیحین میں منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی تھا جس کا نام عتبہ بن ابی وقاص تھا، اس نے مرتے وقت اپنے بھائی کو یہ وصیت کی کہ زمعہ کی جو باندی ہے، اس سے پیدا ہونے والا بچہ میرا ہے (گویا اس نے بدکاری کا اعتراف کیا) اس لیے اس کی ذمہ داری تم قبول کر لینا۔

فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ گئے تو انہوں نے اس بچے کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور میرے بھائی نے اس سلسلے میں مجھ سے وعدہ لیا تھا، ادھر سے عبد بن زمعہ کھڑا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی باندی کے یہاں پیدا ہوا ہے، جب یہ جھگڑا بڑھا تو دونوں نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، دونوں نے اپنا اپنا مدعی اور دلیل بیان کی، نبی علیہ السلام نے ساری تفصیل سننے کے بعد عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا بچہ بستر والے کا ہوتا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ بدکاری کرنے کے بعد جب اس کا ثبوت مل جائے اور وہ شادی شدہ بھی ہو تو اسلام میں اس کی سزا رجم ہے یعنی پتھر مار مار کر اسے ختم کر دینا تا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔

بعض علماء نے اس کا یہ معنی بھی بیان فرمایا ہے کہ بچہ تو بستر والے کا ہوگا اور بدکار محروم رہے گا، گویا انہوں نے "حجر" کا ترجمہ محرومی سے کیا ہے، بظاہر اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عام مفہوم ہے جو بہر حال بدکار پر صادق آتا ہی ہے اور کسی طور بھی وہ محرومیوں کے جنگل سے چنگل چھڑانے پر قادر نہیں ہو پاتا۔ اعاذنا اللہ من جمیع السیات والمعاصی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ وَطْءِ الْحَبَالٰی

(۲۸۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ تُوْطَأَ الْحَبَالٰی حَتّٰی یَضَعْنَ مَا فِیْ بُطُوْنِهِنَّ۔

امید کی عورتوں سے ہم بستری کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ عورتوں سے بے حجاب ہونے کو منع فرمایا ہے تاکہ آنکہ وضع حمل ہو جائے۔

حل عبارت: "توطا" باب سمع سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی مباشرت کرنا "الحبالی" حبلی کی جمع ہے بمعنی حاملہ عورت "یضعن" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی رکھنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ۲۱۵۷، واحمد: ۳/۲۸۔

مفہوم: حاملہ عورتوں سے مراد یہاں اپنی منکوحہ بیوی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو باندی کے طور پر کسی شخص کی ملکیت میں آ جائیں، یا کوئی شخص انہیں خرید کر اپنی ملکیت میں شامل کر لے اور اس کا قرینہ وہ روایات ہیں جن میں اس حکم کا پس منظر "غزوۂ اوطاس" سے حاصل ہونے والی باندیوں کو قرار دیا گیا ہے اور دوسرا قرینہ سنن ابی داؤد کی ایک روایت ہے جس سے یہ مقصد بھی حاصل ہوتا ہے اور اس حکم کی اصل حکمت پر بھی روشنی پڑتی ہے، اس روایت کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں

"لا یحل لا مرئ یومن بالله والیوم الآخر ان یسقی ماء ہ زرع غیرہ یعنی اتیان الحبالی"

ظاہر ہے کہ غیر کی کھیتی اس کی اپنی منکوحہ تو نہیں ہوسکتی اس لیے یہ بات تو طے ہوگئی کہ اس حدیث کا مصداق غیر منکوحہ باندی ہے، رہی یہ بات کہ اس حکم کی حکمت کیا ہے تو وہ بھی مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کیونکہ اس میں اس باندی کو "جو اس کی ملکیت میں بیع وشراء کے ذریعے یا تقسیم غنیمت کے ذریعے آ چکی ہے" غیر کی "کھیتی" قرار دیا گیا ہے اور یہ واضح ہے کہ اگر زمین میں ایک مرتبہ بیج بو دیا گیا ہو تو اس کی فصل کٹنے سے پہلے دوبارہ بیج نہیں بویا جاتا

بصورت دیگر پیداوار خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے بالکل اسی طرح ایک حاملہ عورت سے مباشرت کرنا گویا دنیا میں وجود کی دولت لے کر آنے والے بچے کے نسب کو مشتبہ اور خراب کرنا ہے اور دوسرے کے کھیت میں ''باوجودیکہ بیج بویا جا چکا'' دوبارہ بیج ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے مالک کو وضع حمل تک اپنی مملوکہ کے قریب جانے سے گریز کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

یہ حکم تو اس صورت میں ہے جبکہ مملوکہ باندی حاملہ ہو' اگر ایسی صورت نہ ہو تو اس پر ''ایام'' کا ایک پورا دور گزرنا ضروری ہے تاکہ اگر وہ بھی کسی نئے وجود کا ذریعہ بننے والی ہو تو معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم

کتاب الرضاع

دودھ پلانے کے احکام

بَابٌ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ

(۲۸۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ شُرَيْحٍ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ قَلِيْلُهٗ وَكَثِيْرُهٗ۔

دودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے رشتہ سے

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رضاعت سے بھی وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں خواہ اس کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ۔

(۲۸۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَآءَ اَفْلَحُ ابْنُ اَبِي الْقُعَيْسِ لِيَسْتَأْذِنَ عَلٰى عَائِشَةَ فَاحْتَجَبْتُ مِنْهُ فَقَالَ تَحْتَجِبِيْنَ مِنِّيْ وَاَنَا عَمُّكِ فَقَالَتْ فَكَيْفَ ذٰلِكَ قَالَ اَرْضَعَتْكِ اِمْرَاَةُ اَخِيْ بِلَبَنِ اَخِيْ قَالَتْ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَرِبَتْ يَدَاكِ اَمَا تَعْلَمِيْنَ اَنَّهٗ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ افلح بن ابی قعیس آئے' میں نے ان سے پردہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ تم مجھ سے پردہ کر رہی ہو حالانکہ میں تو تمہارا چچا ہوں' پوچھا وہ کیسے؟ تو کہا میری بھابی نے تمہیں دودھ پلایا ہے' جو میرے بھائی کی وجہ سے اس کی چھاتیوں میں آیا' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام سے یہ واقعہ ذکر کیا تو فرمایا تمہارے

ہاتھ خاک آلود ہوں' کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ رضاعت کی وجہ سے بھی وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

حل عبارت: "فاحتجبت" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پردہ کرنا "ارضعتك" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی دودھ پلانا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ٢٦٤٦' ومسلم: ٣٥٦٩ (١٤٤٤) وابوداؤد: ٢٠٥٥' والترمذی: ١١٤٧' والنسائی: ٣٣٠٤' وابن اجه: ١٩٣٧۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری، ٥٢٣٩' ومسلم: ٣٥٧١ (١٤٤٥) وابوداؤد: ٢٠٥٧' والترمذی: ١١٤٨' والنسائی: ٣٣٠٣' وابن ماجه: ١٩٤٩۔

مفہوم: شہری ماحول میں تو اس چیز کا رواج ختم ہو چکا ہے' تاہم ماضی میں شرفاء اپنے بچوں کو دیہات کے صاف ستھرے اور گردوغبار سے پاک ماحول میں دودھ پینے کے لیے بھیج دیتے تھے اور اس میں ایک حکمت یہ بھی ہوتی تھی کہ بچے کی زبان شستہ اور فصیح ہونے میں مدد ملے کیونکہ اس زمانے میں دیہات کی زبان دوسری زبانوں کے اختلاط سے محفوظ اور مستند سمجھی جاتی تھی' دور جدید میں اس کا قدیم طریقہ تو متروک ہو چکا البتہ بعض جگہوں اور خاندانوں میں اب بھی یہ رواج ہے کہ عورتیں اپنے شیر خوار بچوں کو کسی ہمسائے اور پڑوسی کے یہاں چھوڑ جاتی ہیں اور وہ بچے کو روتا ہوا دیکھ کر بعض اوقات اپنی چھاتی اس کے منہ میں دے دیتی ہیں' اس طرح بچہ ان کے دودھ سے بھی سیراب ہو جاتا ہے' عام طور پر اسے "رضاعت" نہیں سمجھا جاتا اور اس سلسلے میں کوئی خاص احتیاط بھی نہیں کی جاتی حالانکہ اس پر بھی رضاعت کے تمام احکام لاگو ہوتے ہیں اور نسبی اعتبار سے جو رشتے محرمات کے زمرے میں آتے ہیں' رضاعت کی مذکورہ دونوں صورتوں میں بھی وہ تمام رشتے محرمات کے دائرے میں آتے ہیں' مثلاً نسبی اعتبار سے چچا اور بھتیجی کا نکاح حرام ہے لہٰذا رضاعی چچا اور بھتیجی کا نکاح بھی آپس میں حرام ہوگا' حقیقی بہن بھائی کا نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائی کا نکاح بھی آپس میں حرام ہے۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ان تمام رضاعی رشتوں اور حرمتوں کا تعلق صرف دودھ پینے والے بچے کے ساتھ ہو گا' اس بچے کے دوسرے بہن بھائیوں پر ان رشتوں اور محرمات کے احکام لاگو نہیں ہوں گے مثلاً اگر زید نے فاطمہ کا دودھ پیا ہے تو زید کے بہن بھائی فاطمہ کی رضاعی اولاد نہیں ہوں گے اور اس اعتبار سے ان کی خاندانی قرابتوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی' ہاں! اگر زید فاطمہ کے خاندان سے اپنی نئی قرابت پیدا کرنا چاہے تو اس کے لیے رشتوں کے تقدس کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ واللہ اعلم

کتاب الطلاق
طلاق کے احکام

بَابُ الْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ

(۲۸۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ثَلٰثَةٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ الطَّلَاقُ وَالنِّكَاحُ وَالرَّجْعَةُ۔

مذاق میں طلاق دینا

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جن کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے۔ (۱) طلاق (۲) نکاح (۳) رجوع کرنا۔

حل عبارت: "جد" جیم کے کسرہ اور دال کی تشدید کے ساتھ بمعنی سنجیدگی "ہزل" بیہودہ گوئی، مذاق۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ۲۱۹۴، والترمذی: ۱۱۸۴، وابن ماجه: ۲۰۳۹۔

مفہوم: کتاب النکاح اور کتاب الطلاق میں باہمی ربط واضح ہے کہ نکاح دو خاندانوں کو جوڑنے کا نام ہے اور طلاق دو خاندانوں کو توڑنے کا نام ہے، میں نے دو افراد کا لفظ قصداً نہیں بولا کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نکاح کے ذریعے صرف لڑکا اور لڑکی نہیں جڑتے، ناچاقیوں اور خانہ جنگیوں کے مراکز جڑ جاتے ہیں اور طلاق کے ذریعے صرف لڑکے اور لڑکی کی زندگی نہیں تباہ ہوتی بلکہ دونوں خاندانوں میں توڑ اور پھوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

زیر بحث حدیث سے نکاح اور طلاق کے درمیان ایک اور مناسبت اور ربط کی وضاحت بھی ہوتی ہے اور یہ کہ جس طرح سنجیدگی کی حالت میں نکاح کرنے سے نکاح ہو جاتا ہے، طلاق بھی ہو جاتی ہے، نیز جس طرح مذاق ہی مذاق میں جو لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لیے گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کر لیں تو نکاح ہو جاتا ہے اسی طرح ہنی مون منانے کے لیے گئے ہوئے میاں بیوی میں اس وقت جدائی بھی ہو جاتی ہے جب میاں صاحب ترنگ میں آ کر اپنی بیوی کو ہنسی مذاق میں طلاق دے دیں اس لیے ان دونوں کو یکے بعد دیگرے ذکر کیا گیا۔

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں ایک یا دو مرتبہ طلاق دی ہو اور مدت گزرنے سے پہلے پہلے ہنسی مذاق میں ہی رجوع کر لیا ہو تو اس رجوع کو شرعاً صحیح تسلیم کر لیا جائے گا اور اس شخص

کے لیے اپنی بیوی کے قریب جانا جائز ہو جائے گا۔

ربط اور زیر بحث حدیث کی قدرے وضاحت کے بعد میں تصویر کا وہ رخ دکھانا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو ہمارے معاشرے میں اس قدر رائج ہو چکا ہے کہ ہر دوسرے گھر میں ہر دوسرا فرد اس کا شکار نظر آتا ہے' ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں ایک شخص ہنسی مذاق میں ایک عورت کو اپنی منکوحہ بنا لیتا ہے' ہنسی مذاق اس لیے کہ وہ تو محض اداکاری ہوتی ہے' حقیقت سے اس کا کیا تعلق؟ لیکن اس ڈرامے اور فلم کی شوٹنگ ختم ہونے کے بعد ان کے ذہن کے کسی کونے میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ ان کا ایک دوسرے سے کیا رشتہ بن چکا ہے؟ پھر وہی شخص دوسرے ڈرامے اور فلم میں یوں ہی دوسری عورت سے نکاح کر لیتا ہے اور وہ عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آ جاتی ہے' یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے اور نجانے گناہوں کی یہ گٹھڑی وہ اپنے کندھوں پر لادے کب تک پھرتے رہتے ہیں' ہماری نوجوان اور نئی نسل یہ سب کچھ دیکھتی اور اسی کی ریہرسل کرتی ہے' نتیجتاً اخلاقی بگاڑ کے ہوشربا واقعات سامنے آتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے معاشرے کو طلاق کے جس گھن نے چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے' نوے فیصد افراد اپنی زندگی تباہ و برباد کرنے کے بعد یہ سوچ اور کہہ کر گناہ کی زندگی گزارتے رہتے ہیں کہ ہم نے تو غصہ میں طلاق دی ہے' وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ کون بیوقوف ہوگا جو اپنی بیوی کی کسی اداء پر خوش ہو کر اسے پیار سے طلاق دے دے؟ پھر اس پر مستزاد یہ خام خیالی ہوتی ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ہیں کہ ہم کسی کو اس واقعے کی خبر نہیں ہونے دیں گے تاکہ ہمارا گھر بچ جائے اور سونے پر سہاگہ وہ فتاویٰ ہوتے ہیں جو اس قسم کے خیالات کو تقویت دیتے ہیں' خدا کے لیے شریعت اور احکام شریعت کا مذاق نہ اڑائیں' اپنی زندگی کو گناہوں کے منحوس سائے تلے نہ گزاریں اور اب تک اگر ایسا کرتے رہے ہیں تو اس سے توبہ کریں اور فوراً علیحدگی اختیار کر لیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِدَّةِ

(۲۸۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ لِسَوْدَةَ حِيْنَ طَلَّقَهَا اِعْتَدِّىْ۔

عدت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہؓ کو جب طلاق دی تو ان سے فرمایا کہ عدت گزارو۔

(۲۸۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِسَوْدَةَ حِيْنَ طَلَّقَهَا اِعْتَدِّىْ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہ گزشتہ حدیث والا ہے۔

حَلِّ عِبارت: "طلقها" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی طلاق دینا "اعتدی" باب افتعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی عدت گزارنا۔

تخریج حدیث: اخرجهما البيهقي: ٣٤٣/٧۔

مفہوم: اس حدیث کو پڑھ کر جیسے ایک دم آپ پر حیرانگی کی کیفیت طاری ہوئی ہے، پہلی مرتبہ میں بھی ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہوا تھا کیونکہ عام طور پر کتب حدیث و سیرت میں یہی بات ذکر کی گئی ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو نبی علیہ السلام نے طلاق دینے کا صرف ارادہ کیا تھا اور وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ختم فرما دیا جب انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دی، لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے صرف طلاق دینے کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ عملی طور پر طلاق بھی دے دی تھی اور انہیں ایام عدت پورے کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔

اس حیرانگی کو دور کرنے کے لیے فوری طور پر تو بعض علماء کی یہ توجیہ سامنے آئی کہ نبی علیہ السلام کے حوالے سے اس روایت میں "طلقها" کا جو لفظ آیا ہے اس سے ارادۂ طلاق مراد ہے، نفس طلاق مراد نہیں اور عدت گزارنے کا مطلب یہ ہے کہ جب میں تمہیں طلاق دے دوں تو اس کی عدت ضرور گزارنا۔

لیکن اس سطحی جواب پر شرح صدر نہ ہوا اور ذہن میں خیال آیا کہ شاید سنداً یہ روایت صحیح نہ ہو، ابھی سند حدیث پر بحث کا خیال ذہن میں گھوم ہی رہا تھا کہ بعض ایسی روایات سامنے آئیں جن سے زیر بحث حدیث کی تائید ہوگئی اور عام کتب سیرت و حدیث میں ذکر کردہ اجمال کی تفصیل معلوم ہوگئی، چنانچہ بیہقی اور طبقات ابن سعد میں حضرت عروہ سے مرسلاً مروی ہے (ظن غالب بلکہ اغلب یہی ہے کہ انہوں نے اگرچہ حضرت عائشہؓ کے نام کی تصریح نہیں کی، تاہم مراد وہی ہیں) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو طلاق دے دی، جب نبی علیہ السلام نماز کے لیے روانہ ہوئے تو یہ نبی علیہ السلام کے راستے میں بیٹھ گئیں، جب نبی علیہ السلام وہاں سے گزرے تو انہوں نے نبی علیہ السلام کو روک کر عرض کیا کہ میں عمر کے اس حصے میں پہنچ چکی ہوں کہ طبعی طور پر مردوں کی خواہش نہیں رہی لیکن میری یہ تمنا ہے کہ قیامت کے دن آپ کی ازواج میں میرا نام بھی شامل ہو، اس لیے آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے، میں اپنا دن اپنی خوشی سے عائشہ کو دیتی ہوں، اس پر نبی علیہ السلام نے ان سے رجوع کر لیا اور ان کی باری کے دن حضرت عائشہؓ کے یہاں شب باشی فرمانے لگے۔

روایۃً بھی یہ حدیث کسی قسم کے اعتراض سے محل بحث نہیں بنتی اور درایۃً بھی اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ یہ تفصیل اقرب الی الفہم بھی محسوس ہوتی ہے اس لیے عام کتب میں ذکر کی گئی روایات کو اجمال اور اس روایت کو ان کی تفصیل قرار دے کر تعارض سے بھی اجتناب ہو جائے گا اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ

(۲۸۸) أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ رَجُلٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَعِيبَ

ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَرَاجَعَهَا فَلَمَّا طَهُرَتْ مِنْ حَيْضِهَا طَلَّقَهَا وَاحْتُسِبَ بِالتَّطْلِيقَةِ الَّتِىْ كَانَ اَوْقَعَ عَلَيْهَا وَهِىَ حَائِضٌ۔

حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنی بیوی کو ناپاکی کی حالت میں طلاق دی تو اس پر عیب زنی ہوئی، اس پر انہوں نے رجوع کر لیا اور جب وہ ناپاکی سے پاک ہوگئی تو اسے دوبارہ طلاق دے دی، اس موقع پر وہ طلاق شمار کی گئی جو انہوں نے اپنی بیوی کو ناپاکی کی حالت میں دی تھی۔

فائدہ: اگلی روایت میں اس عمل پر تنبیہ کی گئی ہے۔

(۲۸۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَالُ قَوْمٍ يَلْعَبُوْنَ بِحُدُوْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُوْنَ قَدْ طَلَّقْتُكِ قَدْ رَاجَعْتُكِ۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اللہ کی مقررہ کردہ حدود سے کھیلتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ میں نے تجھے طلاق دی، کبھی کہتے ہیں کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا۔

حل عبارت: "فعیب" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عیب لگانا "طہرت" باب کرم سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پاک ہونا "احتسب" باب افتعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شمار کرنا "یلعبون" باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کھیلنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ٣٦٨٥ (١٤٧١) وابوداؤد: ٢١٨١، والترمذی: ١١٧٦، وابن ماجه: ٢٠٢٣، والنسائی: ٣٤٢٦۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن ماجه: ٢٠١٧۔

مفہوم: فقہاء کرام کے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا مرکز یہ بات ہے کہ آیا عورت کو اس کے ایام ناپاکی میں طلاق دینا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ اس کیفیت میں دی گئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ سو اس پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ اس کیفیت میں بیوی کو طلاق دے کر فارغ کرنا گناہ ہے اور صحیح نہیں ہے، خلاف سنت ہے، رہی بات وقوع طلاق کی، سو طلاق واقع ہو جائے گی خواہ اس کی تعداد ایک ہو یا دو یا تین، جبکہ بعض فقہاء کرام اس کیفیت میں دی گئی طلاق کا وقوع تسلیم نہیں کرتے، اول الذکر حضرات کی دلیل زیر بحث حدیث ہے اور ثانی الذکر حضرات دیگر احادیث سے اپنے دعویٰ کو مدلل کرتے ہیں۔

لیکن ہمارے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا راز یہ ہے کہ طلاق "جو اللہ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند ہے"، جیسی چیز میں بھی احکامات کی حد مقرر کی گئی ہے، انسانوں کو مکمل آزادی دینے کی بجائے ان کے لیے حدود کا تعین کیا گیا ہے اور انہیں ان حدود کا پابند بنایا گیا ہے، جب ایسی باریک بینی کے ساتھ طلاق کے احکام وضع کیے گئے ہیں تو

کیا زندگی کا کوئی دوسرا شعبہ اصلاحات سے محروم رہ گیا ہوگا؟ کیا زندگی کے دوسرے شعبوں میں کوئی احکام نہیں دیے گئے ہوں گے؟ اور کیا زندگی کے دوسرے شعبوں میں حد بندی نہیں کی گئی ہوگی؟

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمارے معاشرے میں واقعۃً بات بے بات پر طلاق تک نوبت آ جاتی ہے' معمولی معمولی باتوں پر طلاق دینا لوگوں کا معمول بن چکا ہے' ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ دنیا کی کوئی عورت اپنی عزت کی بحالی کے ساتھ اپنے سسرال میں نہیں رہ سکتی' عوام میں یہ شعور پیدا ہونے لگا ہے کہ طلاق کوئی گناہ نہیں' ہمارا حق مردانگی ہے اور اس حق مردانگی کو ادا کرنا ہر شادی شدہ شخص اپنے لیے ضروری سمجھتا ہے' غالباً حضرت ابوموسیٰ اشعری﷛ کی زیر بحث حدیث کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ لَا يَجُوْزُ طَلَاقُ الْمَعْتُوْهِ

(۲۹۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَجُوْزُ لِلْمَعْتُوْهِ طَلَاقٌ وَلَا بَيْعٌ وَلَا شِرَاءٌ۔

مجنون کی طلاق نہیں ہوتی

ترجمہ: حضرت جابر﷛ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مغلوب العقل کی طلاق اور بیع و شراء کچھ جائز نہیں ہے۔

حل عبارت: "لا یجوز ای لا ینفذ" "المعتوہ" بمعنی مغلوب العقل' مجنوں۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری تعليقاً فی الطلاق' باب: ۱۰۔ واما ما يؤيده فكثير جدا كما سياتی انشاء الله۔

مفہوم: اس حدیث میں "جواز" بمعنی "نفاذ" کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق اور بیع و شراء نافذ نہیں ہوگی' اس بات کی وضاحت کرنا اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ مغلوب العقل ہو یا غیر مغلوب العقل' کسی بھی انسان کی زبان پر پہرہ نہیں لگایا جا سکتا اور اسے اپنی مرضی کے الفاظ ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا' پھر جب اس کی عقل ہی اس کا ساتھ نہ دیتی ہو' اسے معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے؟ اسے اچھے برے' صحیح غلط اور دوست دشمن کی پہچان بھول جائے تو اس کی بات کا اعتبار عام سے عام آدمی کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا' شریعت اس کی کسی بات کا کیسے اعتبار کر لے' اس لیے شریعت نے اس کی طلاق یا کسی بھی معاملے کو نافذ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

ہاں! اگر کوئی شخص ایسا ہو جو کسی وقت مغلوب العقل ہو جاتا ہو اور کسی وقت اسے افاقہ ہو جاتا ہو اور اس کی عقل کام کرنا شروع کر دیتی ہو اور وہ افاقہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا کسی قسم کا معاملہ کر لے تو وہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ اس کے نفاذ میں جو رکاوٹ تھی وہ زائل ہو گئی۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس حدیث کی کتاب الطلاق سے مناسبت لفظ طلاق کی وجہ سے ہے لیکن اس کا حکم طلاق کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر معاملے کا حکم یہی ہے کہ مغلوب العقل کے کسی فیصلے اور کسی اقدام کی توثیق نہیں کی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَنْ خَيَّرَ اَزْوَاجَهٗ

(۲۹۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاخْتَرْنَاهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذٰلِكَ طَلَاقًا۔

اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کو اختیار دے دے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا' ہم نے آپ کو اختیار کر لیا اور آپ علیہ السلام نے اسے طلاق شمار نہیں کیا۔

حل عبارت: "خیرنا" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اختیار دینا' یہ جمع متکلم کا صیغہ نہیں ہے "فلم یعد" باب نصر سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شمار کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۵۲۶۲' ومسلم: ۳۶۸۷ (۱۴۷۷) وابوداؤد: ۲۲۰۳' والترمذی: ۱۱۷۹' والنسائی: ۳۴۷۵' وابن ماجه: ۲۰۵۲' واحمد: ۶/۲۳۹۔

مفہوم: حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات بھی اپنے محبوب شوہر و پیغمبر کے سانچے میں ڈھل کر سخاوت اور حوصلہ مندی سے خرچ کرنے میں ہمیشہ دوسروں سے آگے رہتیں' نبی علیہ السلام کا معمول مبارک تھا کہ پورے سال کا نفقہ سال کے شروع میں تمام ازواج مطہرات کو دے دیتے' لیکن وہ اپنی حوصلہ مند طبیعت سے اس نفقہ سے غرباء اور ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنا شروع کر دیتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ چند ہی دنوں میں وہ ختم ہو جاتا اور خود فاقے کرنے کی نوبت آ جاتی۔

جب مختلف غزوات اور سرایا سے مال غنیمت کا حصول شروع ہوا اور لوگوں میں اسے تقسیم کیا گیا تو ایک گونہ خوشحالی پیدا ہوگئی اور لوگ اپنی ضروریات کا خود تکفل کرنے لگے' انہی معروضی حالات میں ازواج مطہرات نے مل جل کر باہمی مشاورت سے نبی علیہ السلام کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ اس آسودگی کا کچھ حصہ اگر ہمیں بھی مل جائے اور ہمارے سالانہ خرچ میں اضافہ ہو جائے تو ہم بھی اس مال غنیمت سے مستفید ہو جائیں اور غرباء و مساکین کی ضروریات زیادہ کھلے انداز میں پوری کر سکیں۔

گوکہ یہ مطالبہ ناجائز نہ تھا اور معاذ اللہ گناہ بھی نہ تھا بلکہ ایک طرح سے اپنے نیک جذبات کا اظہار تھا لیکن

بظاہر چونکہ اس میں دنیا طلبی کا احساس پایا جاتا تھا اس لیے سرکار دو عالم ﷺ کی طبع مبارک پر یہ مطالبہ ناگوار گزرا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر میں دنیا کا کیا کام؟ اور آپ ﷺ نے قسم کھا لی کہ میں تمہارے پاس ایک مہینے تک نہ آؤں گا جسے فقہی اصلاح میں ''ایلاء'' کہا جاتا ہے۔

ایک مہینہ گزرنے کے بعد نبی علیہ السلام سب سے پہلے اپنی چہیتی بیوی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک معاملہ رکھ رہا ہوں' جلد بازی میں جواب نہ دینا' اپنے والدین سے مشورہ کر لینا' پھر آپ ﷺ نے آیت تخییر کی تلاوت فرمائی جس میں ازواجِ مطہرات کو دو میں سے ایک بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ یا تو دنیا کو اختیار کر لیں' اس صورت میں نبی علیہ السلام انہیں طلاق دے کر بھلے طریقے سے فارغ کر دیں گے' یا پھر اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب کر لیں' اس صورت میں انہیں موجودہ طرز زندگی پر ہی رہنا ہوگا' حضرت عائشہؓ نے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ کیا میں اس معاملے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ مجھے اللہ اور رسول درکار ہیں' مجھے دنیا نہیں چاہیے۔ باقی تمام ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ازواج مطہرات کو جو دو میں سے کسی ایک شق کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تھا' اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بھی اسی طرح اختیار دے دیتا ہے اور وہ اس کے پاس رہنے کو ترجیح دیتی ہے تو محض اس اختیار کے سونپ دینے سے طلاق واقع نہیں ہو جاتی جیسے ازواج مطہرات کے حق میں اسے طلاق شمار نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ خِيَارِ الْاَمَةِ تُعْتَقُ وَزَوْجُهَا حُرٌّ

(۲۹۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَعْتَقَتْ بَرِيْرَةَ وَلَهَا زَوْجٌ مَوْلًى لِاٰلِ اَبِىْ اَحْمَدَ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا۔

منکوحہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد اختیار کا بیان' جبکہ اس کا شوہر آزاد ہو

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ بریرہ آزاد ہوگئی' اس کا شوہر آل ابی احمد کا آزاد کردہ غلام تھا' نبی علیہ السلام نے بریرہ کو اختیار دے دیا اور اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا' چنانچہ نبی علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان جدائی کروا دی' اور اس کا شوہر آزاد تھا۔

حلِ عبارت: ''ففرق'' باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تفریق کرا دینا' اور اس کا فاعل نبی علیہ السلام ہیں۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائي: ۳۴۷۹' واما نفس الحديث فقد اخرجه جميع اصحاب الصحاح۔

مفہوم: اسلامی ضابطۂ حیات کی روشنی میں مرد و عورت کے لیے جو آئین اور قوانین وضع کیے گئے ہیں وہ تمام اس کی

ریلیف کے لیے ہیں' اسی طرح غلاموں اور باندیوں کے لیے بھی ایسے آئینی قوانین وضع کیے گئے ہیں جنہیں اختیار کر کے وہ اپنے آپ کو معاشرے کے آزاد افراد میں شامل کر سکتے ہیں۔

انہی میں سے ایک طریقہ غلاموں کے لیے ''کتابت'' کا ہے جس پر قدرے تفصیلی گفتگو انشاء اللہ اپنے مقام پر آ جائے گی اور باندیوں کے لیے ''خیار عتق'' کی صورت ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی کا نکاح کسی ایسے آدمی سے کر دیا جسے وہ پسند نہیں کرتی' لیکن اپنے آقا کی ملک میں ہونے کی وجہ سے انکار نہیں کر سکتی اور اگر انکار کرتی بھی ہے تو اس کی شنوائی نہیں ہوتی' مجبوراً اسے اسی شخص کے ساتھ گزارہ کرنا پڑتا ہے' پھر کسی وقت میں اس کے آقا پر رحم دلی کا جذبہ غالب آتا ہے اور وہ اپنی باندی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

اس موقع پر شریعت اس باندی کو یہ اختیار دیتی ہے کہ جیسے ہی اسے اپنے آقا کی جانب سے غلامی سے آزادی کا پروانہ ملے' وہ اسی وقت اپنے شوہر سے بھی آزادی کا پروانہ حاصل کر لے اور یہ اعلان کر دے کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی' اگر وہ ایسا کرتی ہے تو شریعت کا کوئی قانون اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا اور نہ ہی اسے سابقہ شوہر کے ساتھ گزارہ کرنے پر مجبور کرتا ہے' اسے ''خیار عتق'' کہا جاتا ہے جو ہر آزاد ہونے والی باندی کو حاصل ہوتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اسی اصول کی وضاحت حضرت بریرہؓ اور حضرت مغیثؓ کے اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب حضرت بریرہؓ نے اپنا اختیار استعمال کر لیا اور اپنے شوہر سے جدائی اختیار کر لی تو پھر نبی علیہ السلام نے بھی انہیں اپنے فیصلے پر مجبور نہیں کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ طَلَاقِ الْاَمَةِ

(۲۹۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم طَلَاقُ الْاَمَةِ اثْنَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ۔

باندی کی طلاق

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا باندی کی طلاق دو مرتبہ ہے اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۲۰۷۹' والترمذی: ۱۱۸۲' وابوداؤد: ۲۱۸۹' والدارقطنی: ۳۸/۴۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ سے فقہاء احناف نے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ طلاق کے عدد کا اعتبار عورت کی حیثیت سے کیا جائے گا یعنی اگر عورت آزاد ہے تو مرد کے پاس اسے تین طلاقیں دینے کا اختیار ہو گا اور عورت تین طلاقوں سے مغلظہ ہو گی اور اگر عورت باندی ہے تو مرد کے پاس اسے دو طلاقیں دینے کا اختیار ہو گا اور وہ صرف دو طلاقوں سے ہی

مغلظہ ہو جائے گی' اسی طرح اگر عورت آزاد ہے تو اس کی عدتِ طلاق تین مرتبہ ایام کا دور گزرنا ہے اور اگر باندی ہے تو ایام کے دو دور گزرنے پر اس کی عدت مکمل ہو جائے گی۔

جبکہ بعض فقہاء کرام جیسے امام شافعیؒ وغیرہ طلاق کے عدد کا اعتبار مرد کی حیثیت سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آزاد مرد کو تین طلاقوں کا اختیار حاصل ہے خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا مملوک' اور غلام کو دو طلاقوں کا حق حاصل ہے خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا مملوک۔

لیکن ہم اس بحث میں پڑے بغیر صرف اس سوال کا جواب دینا چاہیں گے کہ اسلام میں آزاد اور غلام کے درمیان اس موقع پر مساوات کا خیال کیوں نہیں رکھا گیا' آزاد عورت کی طلاقوں کا عدد تین اور باندی کے لیے دو کا عدد مقرر کر کے ان کے درمیان فرق کیوں کیا گیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم ''مساوات'' کا مطلب ہر چیز میں برابری سمجھتے ہیں تو یہ غلط ہے' اسلام اس کا قائل نہیں ہے اور اگر مساوات کا مطلب ''ہر مستحق کو اس کا حق مل جانا'' سمجھتے ہیں تو یہ صحیح ہے اور اس مفہوم کو سمجھنے کے بعد یہ اعتراض از خود ختم ہو جاتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اسلام کی ابدی اور عالمگیر دعوت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے جس جس چیز کا جو جو حق مقرر فرما دیا ہے' اسے اس کا حق پورا پورا دے دینا مساوات کہلاتا ہے مثلاً غلام کا حق یہ ہے کہ آقا اس کے کھانے پینے' پہننے' سونے اور دیگر ضروریات کا انتظام کرے' اسے طاقت سے زیادہ کام کرنے پر مجبور نہ کرے وغیرہ' ان حقوق کی ادائیگی تو مساوات کہلائے گی' لیکن اگر آقا اسے پر تکلف کھانے نہیں کھلاتا یا جیسا لباس خود پہنتا ہے اسے ویسا نہیں پہناتا تو یہ مساوات کے منافی نہیں ہوگا۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی اولاً تو مساوات کا ضروری ہونا ہی بعید از فہم ہے اور اگر مساوات ضروری ہی ہو تو باندی کے حالات کے مناسبت یہی ہے کہ اس کے لیے طلاق اور عدت کا عدد ''دو'' مقرر کیا جائے کیونکہ اسے کسی بھی وقت بیچا اور خریدا جا سکتا ہے اور خریدار کے لیے زیادہ لمبا انتظار کرنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے اس میں کمی کر دی گئی اور آزاد عورت کے لیے چونکہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے اس لیے اس کی طلاق اور عدت پوری رکھی گئی۔ واللہ اعلم۔

بَابُ النَّفقَةِ وَالسُّکْنٰی لِلْمَبْتُوتَةِ

(۲۹٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ بِقَوْلِ اِمْرَأَةٍ لَا نَدْرِیْ صَدَقَتْ اَمْ كَذَبَتْ اَلْمُطَلَّقَةُ ثَلٰثًا لَهَا السُّكْنٰی وَالنَّفَقَةُ۔

طلاق بائنہ دی ہوئی عورت کے لیے مکان اور نفقہ کا ثبوت

ترجمہ: اسود کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے پیغمبر ﷺ کی سنت کو صرف ایک

عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے' پتہ نہیں وہ سچ بول رہی ہے یا جھوٹ' اس لیے جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں' اسے رہائش اور نفقہ دونوں ملیں گے۔

حل عبارت: "لا ندع" باب فتح سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی چھوڑنا "کذب" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی جھوٹ بولنا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۳۷۱۰ (۱۴۸۰) وابوداؤد: ۲۲۹۱' والترمذی: ۱۱۸۰' والنسائی: ۳۵۷۹۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کے تحت علماء کرام نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ایام عدت وہ شوہر کے گھر گزارے گی یا جہاں اس کی مرضی ہو؟ اگر شوہر کے گھر گزارے تو شوہر اسے رہائش اور خرچ دینے کا ذمہ دار ہوگا یا نہیں؟ اسی نوعیت کا ایک مسئلہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں پیش آیا۔

اس موقع پر ایک خاتون صحابیہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے اپنا واقعہ ذکر کیا کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دی تھیں لیکن نبی علیہ السلام نے مجھے سکنی اور نفقہ کچھ نہیں دلوایا' گویا وہ یہ ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ اور سکنی کی شوہر پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے ان اکیلی کی شہادت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یا تو اس پر دو گواہ پیش کرو جنہوں نے نبی علیہ السلام سے اس نوعیت کا کوئی حکم سنا ہو' ورنہ ہم ایک عورت کی خاطر کتاب اللہ اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ذخیرے کو ترک نہیں کر سکتے' ہمیں کیا پتہ کہ وہ خاتون صحیح طرح اس بات کو یاد رکھ سکی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ واقعہ میں کوئی صداقت بھی ہے یا نہیں؟ چونکہ کتاب وسنت کے اشارات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایسی عورت کو سکنی اور نفقہ دونوں ملیں گے لہٰذا فاروق اعظمؓ نے اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا اور یہ پوری امت کے لیے لائحہ عمل بن گیا۔

لیکن راقم الحروف کو اس ساری تفصیل میں یہ بات بات کھٹکتی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو جو واقعہ بتایا' وہ کسی اور کا نہیں' خود ان کی آپ بیتی تھی' اور کم از کم انسان بالخصوص عورت اپنے ساتھ پیش آنے والے ایسے اہم واقعات کو فراموش نہیں کر سکتی اس لیے صرف اس بنیاد پر ان کی حدیث کو رد کر دینا کہ معلوم نہیں وہ اسے صحیح طرح یاد رکھ سکی ہیں یا نہیں' بعید از انصاف معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ پتہ نہیں وہ سچ بول رہی ہے یا جھوٹ' ایک صحابیہ عورت پر عدم اعتماد کی علامت ہے' جو کسی طرح بھی صحیح نہیں کیونکہ کسی صحابی مرد یا عورت کے متعلق تاریخ و سیرت کی کسی کتاب میں سے نبی علیہ السلام کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنے کا ایک واقعہ بھی ثبوت کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا اور یوں بھی ہم کسی صحابی مرد و عورت کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کر سکتے' اس لیے ان کی اس حدیث کو رد کرنے کی یہ وجہ بھی سمجھ سے بالاتر ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی شہادت کو صرف اس بنا

پر رد نہیں کیا تھا بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں دو گواہوں کو پیش نہیں کر سکی تھیں۔ معاملہ چونکہ اجتماعی نوعیت کا تھا اس لیے اصول شہادت کے مطابق دو گواہوں کا ہونا ضروری تھا' چونکہ وہ دو گواہوں کو پیش نہ کر سکیں اس لیے سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا' اس کی تائید سنن ابی داؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کا خلاصہ میں اوپر ذکر کر چکا اور اسی میں یہ بھی ہے کہ اس پر دو گواہ پیش کرو' ظاہر ہے کہ اس صورت میں کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

بَابُ عِدَّةِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا

(۲۹۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ اَنَّ سُبَيْعَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ الْاَسْلَمِيَّةِ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَهِيَ حَامِلٌ فَمَكَثَ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ وَضَعَتْ فَمَرَّبِهَا اَبُوْ السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكَ فَقَالَ تَشَوَّفْتِ تُرِيْدِيْنَ الْبَاءَةَ كَلَّا وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَاَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ فَاَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ كَذَبَ اِذَا حَضَرَ فَاٰذِنِيْنِيْ۔

اس عورت کی عدت کا بیان جس کا خاوند مر گیا ہو

ترجمہ: اسود کہتے ہیں کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ وہ حاملہ تھیں' ابھی پچیس دن ہی گزرنے پائے تھے کہ ان کے یہاں بچہ پیدا ہو گیا' اتفاقاً وہاں سے ابو السنابل بن بعکک کا گزر ہوا تو وہ کہنے لگے کہ تم زیب و زینت اختیار کر کے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہو؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ تمہاری عدت "ابعد الاجلین" ہے' وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ عرض کیا' نبی ﷺ نے فرمایا ان سے غلطی ہوئی' جب وہ آئیں تو مجھے بتانا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۲۹۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهٗ اَنَّ سُوْرَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرٰى نَزَلَتْ بَعْدَ الطُّوْلٰى۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَسَخَتْ سُوْرَةُ النِّسَآءِ الْقُصْرٰى كُلَّ عِدَّةٍ اُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے جو شخص چاہے میں اس سے اس بات پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ سورۂ طلاق' سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے' اور ایک روایت میں مرفوعاً منقول ہے کہ سورۂ طلاق نے عدت کے تمام احکام کو منسوخ کر دیا ہے' اب قاعدہ یہ ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

حل عبارت: "فمکثت" باب کرم یا باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ٹھہرنا

"**تشوفت**"، باب تفعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے، بمعنی زیب و زینت اختیار کرنا "**الباءۃ**" بمعنی نکاح، مباشرت "**فاذنینی**"، باب سمع سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی اجازت دینا، مراد اطلاع کرنا ہے "**باھلتہ**"، باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی مباہلہ کرنا "**عِدد**" عدت کی جمع ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ البخاری، ۵۳۱۸ ومسلم: ۳۷۲۲ (۱۴۸۴) وابوداؤد: ۲۳۲۰۶، والترمذی: ۱۱۹۳، والنسائی: ۳۵۴۸، وابن ماجہ: ۲۰۲۷، واحمد: ۴۲۷۳۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ ابن ماجہ: ۲۰۳۰، والنسائی: ۳۵۵۲، وابوداؤد: ۲۳۰۷۔

مفہوم: یہاں دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں۔

۱۔ حضرت سبیعہ بنت حارث ؓ کے شوہر ایک غزوہ میں شہید ہو گئے تھے جس پر یہ بیوہ ہو گئی تھیں، انہوں نے عدت گزارنا شروع کر دی، ظاہر ہے کہ عدت وفات چار مہینے دس دن ہے لیکن چونکہ یہ امید سے تھیں اس لیے وضع حمل کا بھی انتظار تھا، پندرہ، پچیس یا چالیس دن کے بعد ان کے یہاں بچہ پیدا ہو گیا، اس کے چند ہی دن بعد ان کے لیے دو رشتے آئے، ایک رشتہ جوان کا تھا اور دوسرا بوڑھے کا، انہوں نے جوان سے شادی کرنے کو ترجیح دی، اس پر بوڑھے نے کہا کہ تم ابھی شادی کر ہی نہیں سکتی، جب چار مہینے دس دن گزر جائیں تب ہی تمہارے لیے ایسا کرنا جائز ہو سکے گا، حضرت سبیعہ ؓ یہ سن کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ساری بات بیان کی، نبی علیہ السلام نے فرمایا تم نکاح کر سکتی ہو۔

۲۔ اگر ایک عورت امید سے ہو اور اس کی امید پوری ہونے سے قبل شوہر انتقال کر جائے تو قرآن کریم میں اس کا حکم دو مختلف جگہوں پر آیا ہے، سورۂ بقرہ "جسے سورۂ نساء طولی بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں خواتین کے احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں" میں مطلقاً یہ فرمایا گیا ہے کہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کی کوئی قید نہیں، ہر عورت کا یہی حکم ہے جبکہ سورۂ طلاق "جسے سورۂ نساء قصری کہا جاتا ہے" میں حاملہ عورتوں کی عدت "وضع حمل" قرار دی گئی ہے اور اس میں مطلقہ یا بیوہ کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی حکم پر عمل کیا جا سکتا ہے، بیک وقت دونوں آیتوں پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے بعض حضرات نے ان میں تطبیق کا راستہ تلاش کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت وہ عدت گزارے گی جس کا وقفہ زیادہ ہو مثلاً اگر وضع حمل پہلے ہو جائے تو وہ چار مہینے دس دن کی عدت گزارے گی اور اگر چار مہینے دس دن گزرنے کے بعد وضع حمل ہوا تو اس کی عدت وضع حمل قرار پائے گی، اسی کو پہلی حدیث میں "ابعد الاجلین" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، حضرت علی مرتضیٰ ؓ اور حضرت ابن عباس ؓ کی یہی رائے تھی اور زیر بحث حدیث کی روشنی میں حضرت ابو السنابل بن بعکک ؓ بھی یہی سمجھتے تھے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر عورت حاملہ ہو اور اس کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ عدت وفات نہیں گزارے

گی بلکہ اس کی عدت ''وضع حمل'' ہوگی' چنانچہ اگر خاوند کے انتقال کے صرف ایک گھنٹے بعد ہی اس کے یہاں بچہ کی پیدائش ہوگئی تو اس کی عدت پوری ہوگئی اور اگر بچے کی پیدائش مثلاً آٹھ مہینے تک نہ ہو سکی' تو وہ اس وقت تک عدت ہی میں رہے گی جب تک اس کے یہاں بچہ پیدا نہ ہو جائے' گویا ان حضرات کی رائے کے مطابق سورۂ بقرہ کی آیت پر عمل نہیں کیا جائے گا' بلکہ اس مسئلے میں سورۂ طلاق کی آیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور اس پر وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ سورۂ بقرہ پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ طلاق بعد میں' ظاہر ہے کہ بعد والے حکم کو ''ناسخ'' ہونے کی بناء پر ترجیح ہوگی اور پہلے والے حکم کو منسوخ ہونے کی بجائے پر مرجوح سمجھا جائے گا۔

اکثر ائمہ کی رائے یہی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام نامی سب سے زیادہ نمایاں ہے اور وہ علی الاعلان یہ بات کہتے تھے کہ سورۂ طلاق کا نزول مؤخر ہے اور سورۂ بقرہ کا نزول مقدم ہے' اگر کوئی میری اس بات کو نہیں مانتا تو میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں اور ''درایۃ'' بھی یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ عنقریب یہ روایت گزر چکی ہے کہ استبراء رحم سے پہلے کسی حاملہ سے مباشرت نہ کی جائے تاکہ کسی دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرنا لازم نہ آئے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک آدمی کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے قریب نہ جائے خاص طور پر ابتدائی راتوں میں' اس لیے حفاظت نسب کی خاطر اس کی عدت ہی کو وضع حمل قرار دے دیا تاکہ کسی قسم کا کوئی شبہ ہی نہ رہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْمَرْاَةِ الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَمْ یَفْرُضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ یَدْخُلْ بِهَا

(۲۹۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فِی الْمَرْاَةِ تُوُفِّیَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَمْ یَفْرُضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ یَکُنْ دَخَلَ بِهَا صَدَقَةُ نِسَائِهَا وَلَهَا الْمِیْرَاثُ وَعَلَیْهَا الْعِدَّةُ فَقَالَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانِ الْاَشْجَعِیُّ اَشْهَدُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَضٰی فِیْ بِرْوَعِ بِنْتِ وَاشِقٍ مِثْلَ مَا قَضَیْتَ۔

جس عورت کا شوہر مر گیا ہو لیکن نہ اس کا مہر مقرر کیا ہو' اور نہ اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ اس عورت کے متعلق جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو' اس نے اس کا مہر بھی مقرر نہ کیا ہو اور اس کے پاس بھی نہ گیا ہو' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے مہر مثل ملے گا' میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی' ان کا یہ فیصلہ سن کر حضرت معقل بن سنان اشجعیؓ نے فرمایا کہ میں اس بات کا عینی شاہد ہوں کہ نبی علیہ السلام نے بروع بنت واشق کے بارے بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا جو آپ نے کیا۔

حل عبارت: ''لم یفرض'' باب نصر سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مقرر کرنا' ''صداقا''

بمعنی مہر۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۲۱۱۵' والترمذی: ۱۱۴۵' وابن ماجه: ۱۸۹۱' والنسائی: ۳۵۵۴' والطیالسی: ۱۲۷۳، واحمد:۱۸۶۵۳۔

مفہوم: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ''فقیہہ الامت'' کا خطاب یوں ہی تو نہیں مل گیا تھا' اس میں نبی علیہ السلام کی دعاؤں اور آپ کی رفاقت و ہم نشینی کا عمل دخل واضح تھا اور کچھ آپ کی ذہانت و فقاہت اور منشا قرآن و سنت کو سمجھنے کی خداد صلاحیت و قابلیت تھی جس کے نتیجے میں آپ کے اکثر فیصلے جماعت صحابہ میں بھی مستند اور مضبوط خیال کیے جاتے تھے۔

اسی فیصلے کو دیکھ لیجیے کہ کچھ لوگ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ پوچھا کہ ہم نے اپنی ایک بچی کی شادی کی' ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور میاں بیوی کو اکٹھے ہونے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کہ اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا' آیا یہ عورت عدت گزارے گی یا نہیں؟ نیز اسے مہر ملے گا یا نہیں جبکہ شوہر نے مہر کی کوئی مقدار بھی مقرر نہیں کی تھی؟ نیز یہ کہ اسے اپنے شوہر کی وراثت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ سوال سن کر شش و پنج میں پڑ گئے اور فرمانے لگے کہ نبی علیہ السلام کے وصال سے لے کر آج تک ایسا مشکل مسئلہ میرے سامنے کبھی نہیں آیا' اس لیے میں سوچ کر جواب دوں گا۔

اس کے بعد وہ لوگ تقریباً ایک مہینے تک حضرت ابن مسعودؓ کے پاس چکر لگاتے رہے لیکن ان کا کسی جواب پر شرح صدر نہ ہوتا تھا' بالآخر انہوں نے ایک دن فرما دیا کہ کسی اور صحابی سے جا کر یہ مسئلہ دریافت کرلو' میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا' ان لوگوں نے کہا کہ ہم کس سے جا کر پوچھیں؟ ہم تو یہاں آپ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے' اس پر انہوں نے فرمایا اچھا! میں اپنی رائے سے فیصلہ کیے دیتا ہوں' اگر یہ فیصلہ صحیح ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہو گا اور اگر صحیح نہ ہو تو یہ میری جانب منسوب ہوگا' میرا فیصلہ یہ ہے کہ اس عورت کو مہر مثل (اس جیسی عورتوں کا جو مہر ہو سکتا ہو) ملے گا اور خاوند کی وراثت میں بھی وہ حصہ دار ہوگی اور اسے عدت وفات بھی گزارنا ہوگی۔

ان کا یہ فیصلہ سن کر حاضرین میں سے ایک صحابی حضرت معقل بن سنان اشجعیؓ اور بعض روایات کے مطابق دو صحابہ حضرت جراح اشجعیؓ اور ابوسنان اشجعیؓ نے کھڑے ہو کر ان کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے قبیلے کی ایک خاتون بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا اور ان کا خاوند ہلال بن مرہ اشجعی فوت ہوگیا تھا تو نبی علیہ السلام نے بعینہٖ یہی فیصلہ کیا تھا جو آپ نے کیا ہے' اس پر حضرت ابن مسعودؓ کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس سے پہلے انہیں اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا گیا تھا کیونکہ ان کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا تھا اور نبی علیہ السلام کی موافقت انہیں نصیب ہوگئی تھی۔

بَابٌ كَيْفَ يَكُوْنُ الْفَيْءُ فِي الْاِيْلَاءِ

(۲۹۸) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ فِي الْمُوْلِیْ فَيْئُهُ الْجِمَاعُ اِلَّا اَنْ

يَكُوْنَ لَهٗ عُذْرٌ فَفَيْئُهٗ بِاللِّسَانِ۔

ایلاء سے رجوع کس طرح ہوگا؟

تَرْجَمَۃ: علقمہ اس شخص کے بارے میں کہتے ہیں جس نے اپنی بیوی سے ایلاء کر لیا ہو کہ اس کا رجوع مباشرت کرنا ہے' ہاں! اگر کوئی عذر ہو تو اس کا رجوع زبان سے بھی ہو جائے گا۔

حَلِّ عِبَارَت: "المولی" باب انعال سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی ایلاء کرنا "فئی" بمعنی رجوع۔

تخريج: هو قول تابعي تدل عليه الآثار۔

مَفْهُوْم: ''ایلاء'' کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ ضمناً چند باتیں گزر چکی ہیں' یہاں صرف اتنی بات عرض کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی آدمی طبعی طور پر یا کسی مجبوری کی وجہ سے اپنی بیوی کے قریب نہیں جاتا تو شریعت اسے اس پر مجبور نہیں کرتی بشرطیکہ عورت مطالبہ نہ کرے' خواہ پورا سال ہی کیوں نہ گزر جائے لیکن اگر کوئی شخص قسم کھا لے کہ میں اپنی بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا اور اپنی قسم کو پورا کرتے ہوئے وہ واقعی اس کے قریب نہ جائے تو صرف چار مہینے کے بعد ہی اس کی بیوی اس کے نکاح سے خود بخود خارج ہو جائے گی' بظاہر یہ ایک معمولی سا فرق ہے لیکن دونوں کے نتائج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اس دوسری صورت کو ''ایلاء'' کہتے ہیں' اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غصہ میں آ کر ایسا قدم اٹھا لیتا ہے تو کیا اس کا انجام میاں بیوی کی جدائی ہی ہوگا یا اس کا کوئی حل بھی شریعت نے دیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں اس مسئلہ کا حل بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے اور حقوق زوجیت ادا کر دے' یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے اور اپنی اس قسم کو توڑ دیا ہے جس میں اس نے یہ کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا۔

البتہ قسم توڑنے پر اسے کفارۂ یمین ادا کرنا ہوگا' گو کہ بعض فقہاء کرام کی رائے میں یہ بھی واجب نہیں' بس صرف رجوع کر لینا ہی کافی ہے اور رجوع کا طریقہ وہی ہے' جو ابھی گزرا' لیکن اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک کو یہ طریقہ اختیار کرنے میں کوئی مجبوری یا رکاوٹ ہو تو شوہر کا زبان سے رجوع کر لینا کافی ہوگا اور اس کا صرف یہ کہنا بھی کہ ''میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا'' رجوع ہی شمار ہوگا۔

بَابٌ هَلْ تَخْتَلِعُ الْمَرْأَةُ بِشَيْءٍ مِنْ زَوْجِهَا

(۲۹۹) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ اَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتْ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ لَا اَنَا وَلَا ثَابِتٌ فَقَالَ اَتَخْتَلِعِيْنَ مِنْهُ بِحَدِيْقَتِهٖ فَقَالَتْ نَعَمْ وَاَزِيْدُ قَالَ اَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا۔

کیا عورت کسی چیز کے عوض اپنے شوہر سے خلع لے سکتی ہے؟

ترجمہ: ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور کہنے لگیں کہ میں اور ثابت اکٹھے نہیں رہ سکتے، نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا تم اس کا باغ واپس دے کر خلع لے سکتی ہو؟ انہوں نے کہا جی! میں اس سے زیادہ بھی دینے کے لیے تیار ہوں، فرمایا زائد کی کوئی ضرورت نہیں۔

حل عبارت: "لا انا ولا ثابت" "ای لا اجتمع مع ثابت" "اتختلعین" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی خلع کرنا "وازید" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی اضافہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۵۲۷۳، والنسائی: ۳۵۲۷، وابن ماجه: ۲۸۷۸، والترمذی: ۱۱۸۵م، وابوداؤد: ۲۲۲۸۔

مفہوم: دیگر کتب حدیث کو سامنے رکھ کر اس واقعے کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاریؓ کی بیوی ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، بعض روایات میں ان کا نام حبیبہ بنت سہل آتا ہے اور بعض روایات میں جمیلہ بنت ابی بن سلول آتا ہے، نیز اس کے علاوہ شراح حدیث نے کچھ اور اقوال بھی نقل کیے ہیں، بہرحال! ثابت نے اپنی بیوی کو کسی بات پر مارا پیٹا جس سے ان کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی، وہ نماز فجر سے پہلے نبی علیہ السلام کی گزرگاہ کے قریب پہنچ گئیں، جب نبی علیہ السلام وہاں سے گزرے تو محسوس ہوا کہ وہاں کوئی ہے؟ پوچھا کون ہو؟ عرض کیا حبیبہ بنت سہل! پوچھا کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ اگرچہ میں ثابت کی دینداری اور اخلاق پر کوئی اعتراض نہیں کرتی لیکن اب میں اور ثابت اکٹھے نہیں رہ سکتے اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ شوہر طلاق دینے کی خواہش نہیں رکھتے تھے، بیوی جدائیگی چاہتی تھیں، ظاہر ہے کہ طلاق دینا شوہر کا حق اور اس کی مرضی پر موقوف ہے، اسے حاصل کرنے کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کچھ دے دلا کر اپنے شوہر سے چھٹکارا حاصل کر لے، اسے ''خلع'' کہا جاتا ہے اور شرعاً ہر منکوحہ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔

نبی علیہ السلام نے اسی اصول کے پیش نظر یہ آئینی فیصلہ فرمایا کہ ثابت اپنا وہ باغ ''جو انہوں نے حق مہر کے طور پر اپنی بیوی کو دیا تھا'' واپس لے کر اپنی بیوی کو آزاد کر دیں تاکہ وہ اپنی مرضی اور آزادی سے زندگی گزار سکیں۔

اس تفصیل کو سامنے رکھ کر اب آپ خود فیصلہ کر لیجیے کہ عقل کے جو دشمن یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو قید کر دیا ہے، طلاق کا حق مرد کو دے کر عورت کو ہر ظالم اور شرابی کے ساتھ اپنی پوری زندگی گزارنے پر مجبور کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور یہ عورت کے ساتھ ناانصافی ہے، عقل کے ان دشمنوں سے کوئی یہ پوچھے کہ اگر طلاق دینے کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے تو کیا عورت سے طلاق لینے کا اختیار بھی چھین لیا ہے؟ کیا شریعت نے قانون طلاق کے

ساتھ ساتھ قانون خلع کی صورت میں عورت کی داد رسی نہیں کی ہے؟ کیا اب بھی بہت سی عورتیں قانونی اور آئینی طور پر خلع حاصل کر کے اپنے شوہروں سے آزاد ہو جاتی ہیں یا نہیں؟

پھر بعض لوگ یہ سطحی سا سوال کرتے ہیں کہ جی خلع کی صورت میں عورت کو کچھ نہ کچھ مال و دولت دینا پڑتا ہے' اگر عورت غریب ہو تو وہ کیا کرے؟ تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے اخلاقی طور پر مرد کے لیے کچھ لینے کو مردانگی کے خلاف سمجھا ہے اور اسے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ اپنی بیوی کا راستہ یوں ہی چھوڑ دے' اگر اس عورت نے بلا وجہ خلع لیا ہو گا تو وہ اللہ کی ناراضگی کے سائے تلے رہے گی۔

کتاب النفقات
نفقہ کے احکام

(۳۰۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا بَاتَ اَحَدُکُمْ مَغْمُوْمًا مَهْمُوْمًا مِنْ سَبَبِ الْعِیَالِ کَانَ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْ اَلْفِ ضَرْبَةٍ بِالسَّیْفِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص اپنے اہل وعیال کے لیے رزق حلال کی فکر میں پریشان ہو کر سوتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک تلوار کی ان ہزار ضربوں سے زیادہ افضل ہوتا ہے جو راہ خدا میں کسی کو لگتی ہیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۳۰۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تُرِیْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَیْهَا حَتّٰی اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا اِلٰی فِیْ اِمْرَأَتِكَ۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم جو چیز بھی رضا الٰہی کے لیے خرچ کرو گے' اس پر تمہیں ثواب ضرور ملے گا حتی کہ اس لقمے پر بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔

حل عبارت: "بات" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی رات گزارنا "ضربة" ضرب' نشان' چوٹ' "اجرت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ثواب ملنا "فی امراتك"

یہ "فی" حرف جار نہیں بلکہ "فم" کی بدلی ہوئی صورت ہے بمعنی منہ۔

تخریج حدیث: اما الاول فقد اخرجه الحارثی: ٤٢٣، واما الثانی فقد اخرجه البخاری: ٥٦، ومسلم فی ضمن حدیث طویل: ٤٢٠٩ (١٦٢٨) وابوداؤد: ٢٨٦٤، والترمذی: ١٩٦٥۔

مفہوم: دنیا میں ہر انسان اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے محنت مزدوری کرتا ہے، گو محنت و مزدوری کی ہزاروں شکلوں میں سے وہ اپنے مناسب کسی بھی شکل کو اختیار کر لے تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر شخص اس دوڑ میں شریک ہے اور بعض لوگ دوسروں سے اس دوڑ میں آگے نکلنے کے لیے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز بھی مٹا ڈالتے ہیں اور بعض لوگ صرف اپنے بطن اور فرج کی خاطر اپنے جسم و جان کو تھکا ڈالتے ہیں۔

اسی بھیڑ میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو اس محنت و مزدوری کو صرف ایک ذریعہ معاش ہی نہیں سمجھتے بلکہ اپنے اہل خانہ کے حقوق کی ادائیگی کو ایک عظیم عبادت بھی سمجھتے ہیں اور اس سلسلے میں ہر مشقت پر اپنے پروردگار سے اجر و ثواب کے امیدوار بھی ہوتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ واقعۃً یہ اجر و ثواب کا کام بھی ہے۔

کیونکہ شریعت کبھی یہ نہیں چاہتی کہ انسان آٹھ آٹھ، دس دس اور بارہ بارہ بچوں کی ایک ٹیم اپنے دائیں بائیں اکٹھی کر لے اور ان کی ضروریات کی تکمیل کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے اور اپنے آپ کو یہ تسلی دیتا رہے کہ اللہ ان سب کو اور مجھے خود ہی رزق پہنچائے گا، اور ان تمام آیات و روایات کو فراموش کر دے جن میں اپنے اہل خانہ کے لیے کمانے اور تجارت کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور اس کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، ان اہل خانہ میں اس کی اولاد بھی شامل ہے اور بیوی بھی شامل ہے بلکہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک میں تو ایک درجہ بڑھ کر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم پیار سے اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ توڑ کر ڈالو گے تو اس پر بھی پروردگار تمہیں صدقہ کا ثواب عطاء فرمائے گا۔

بَابٌ هَلْ يَجُوْزَ اَنْ يُبَاعَ الْمُدَبَّرُ

(۳۰۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ عَبْدًا كَانَ لِاِبْرَاهِيْمَ بْنِ نُعَيْمِ النَّحَّامِ فَدَبَّرَهٗ ثُمَّ احْتَاجَ اِلٰى ثَمَنِهٖ فَبَاعَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم بَاعَ الْمُدَبَّرَ۔

کیا مدبر کو فروخت کرنا جائز ہے؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ابراہیم بن نعیم النحام کا ایک غلام تھا' انہوں نے اسے مدبر بنا دیا' بعد میں انہیں اس کی قیمت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے نبی علیہ السلام کے ہاتھ اسے آٹھ سو درہم میں بیچ دیا' اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے خود بھی مدبر کو بیچا ہے۔

حل عبارت: "فدبرہ" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی مدبر بنانا' یعنی غلام سے یہ کہہ دینا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہو گا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۱٤۱' ومسلم: ٤۳۳۸ (۹۹۷) وابوداؤد: ۳۹۵۷' والترمذی: ۱۲۱۹' والنسائی: ٤٦٥٦' وابن ماجه: ۲۵۱۳۔

مفہوم: زمانۂ قدیم میں عورتوں اور مردوں کو جو غلام اور باندیاں بنا لینے کا رواج تھا' اسلام نے اسے کم اور ختم کرنے کے لیے بہت عمدہ اصول وضع کیے ہیں' جن میں سے ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کی کارکردگی یا امانت و دیانت سے خوش ہو کر یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو گے اور میرا کوئی وارث تمہیں اپنی غلامی میں نہ رکھ سکے گا' اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ آقا کے مرنے کے بعد غلام آزاد ہو جاتا تھا اور اپنے وطن لوٹ جانے کا مجاز ہوتا تھا' فقہی اصطلاح میں اس عمل کو "تدبیر" اور اس غلام کو "مدبر" کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب مالک نے اسے ایک مرتبہ آزادی کی امید دلا دی اور اس کے دل میں بھی حریت کی شمع روشن ہو گئی تو اب اسے مستقل طور پر اس کے مرتے دم تک غلامی میں رکھنا اس کے ساتھ ناانصافی ہو گی' اس لیے اگر کوئی شخص اپنے غلام سے یہ وعدہ کرنے کے بعد اسے بیچنے کا ارادہ کرتا ہے تو گویا وہ وعدہ خلافی اور دھوکہ کا مرتکب ہوتا ہے' اور آزادی کی اس امید کو پامال کرنے والا قرار پاتا ہے جو اس نے اپنے غلام کے ذہن میں پیدا کر دی تھی جو شریعت کسی صورت گوارا نہیں کرتی اس لیے شریعت نے ایسے غلام کو بیچنے سے منع کر دیا ہے۔

رہی یہ بات کہ زیر بحث حدیث میں تو "مدبر" کو بیچنے کا صراحۃً ذکر موجود ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے بیچنا منع ہے؟ تو اس کا حل یہ ہے کہ بعض اوقات انسان جوش میں آ کر کچھ ایسے فیصلے بھی کر بیٹھتا ہے جو ہوش آنے پر پچھتاوے کا سبب بنتے ہیں چنانچہ کتب تاریخ و سیر میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک شخص نے جوش میں آ کر اپنے غلام کو مدبر بنا ڈالا' بعد میں غربت نے ایسا آ گھیرا کہ اپنی ضروریات کی تکمیل مشکل ہو گئی' اب ایک طرف اپنی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں اور دوسری طرف غلام کو بھی نہیں بیچ سکتے کہ اس سے کچھ رقم مل جائے اور کچھ گزارہ ہو جائے۔

زیر بحث حدیث کا تعلق اسی مجبوری کی کیفیت کے ساتھ ہے' ظاہر ہے کہ اس صورت میں اپنے غلام کو بیچے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں تھا' اس لیے نبی علیہ السلام نے اس کی قیمت لگا کر اسے فروخت کر دیا تا کہ مجبوری کی صورت میں نبی علیہ السلام کا

یہ عمل دلیل بن جائے اور عام حالات میں "لا یباع المدبر ولا یوھب" پر عمل کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَلَاءِ لِمَنْ اَعْتَقَ

(۳۰۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيْرَةَ لِتُعْتِقَهَا فَقَالَتْ مَوَالِيْهَا لَا نَبِيْعُهَا اِلَّا اَنْ تَشْتَرِطَ الْوِلَاءَ لَنَا فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔

ولاء کا مستحق وہ ہے جس نے اسے آزاد کیا ہو

ترجمہ: حضرت عائشہ﷝ فرماتی ہیں کہ انہوں نے بریرہ کو آزاد کرنے کے لیے خریدنے کا ارادہ کیا، لیکن بریرہ کے آقا کہنے لگے کہ ہم اسے صرف اس صورت میں بیچیں گے کہ آپ ولاء ہمیں دیں گی، حضرت عائشہ﷝ نے یہ بات نبی ﷇ سے ذکر کی، تو فرمایا کہ ولاء اسی کو ملتی ہے جس نے غلام کو آزاد کیا ہو۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون اسی اصول کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۳۰۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهٖ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر﷜ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری مطولا: ٤٥٦، ومسلم: ٣٧٧٦ (١٥٠٤) وابوداؤد: ٢٩١٥، والترمذی: ٢١٢٤، والنسائی: ٢٦١٥، وابن ماجه: ٢٥٢١، واحمد: ٤٨٥٥، وعبدالرزاق: ١٦١٦٦، وابن ابی شیبة: ٢١٧/١٤۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری: ٢٥٣٥، ومسلم: ٣٧٨٨ (١٥٠٦) وابوداؤد: ٢٩١٩، والترمذی: ١٢٣٦، والنسائی: ٤٦٦١، وابن ماجه: ٢٧٤٧، واحمد: ٤٥٦٠، ومالك: ٤٨٩، والطیالسی: ١٨٨٥، وعبدالرزاق: ١٦١٣٨، والحمیدی: ٦٣٩، وابن ابی شیبة: ٤١٨/١١، والدارمی: ٢٥٧٥۔

مفہوم: "ولاء" کا لفظ عام طور پر کتاب العتق میں استعمال ہوتا ہے، جس کا عام فہم اور آسان ترجمہ "مملوک کی وراثت" ہے یعنی جس طرح آزاد آدمی کے ترکہ کو "وراثت" کہا جاتا ہے اسی طرح مملوک کے ترکہ کو "ولاء" کہا جاتا ہے، نیز جس طرح آزاد آدمی کا ترکہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے اسی طرح مملوک کا ترکہ اس کے آقا کو ملے گا، تاہم اس میں اتنی بات ضروری ہے کہ مملوک کی ولاء کا حقدار وہ آقا ہوگا جس کے پاس وہ سب سے آخر میں آیا ہو اور وہاں آ کر اسے غلامی سے آزادی مل گئی ہو یا دنیا ہی سے آزادی مل گئی ہو۔

اسی طرح ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو فروخت کرتے وقت مشتری سے یہ شرط لگا لے کہ میں یہ غلام آپ کے ہاتھ فروخت تو کر رہا ہوں لیکن آپ ایسا کریں کہ اس کی "ولاء" مجھے بیچ دیں اور یہ طے کر لیں کہ یہ جب بھی مرے گا اس کی ساری ولاء مجھے ملے گی، یا کوئی شخص اپنے غلام کی "ولاء" کسی کو ہبہ کر دے اور کہے کہ میں

اسے آزاد کر رہا ہوں، حق ولاء تو میرا ہے لیکن میں وہ حق آپ کو دیتا ہوں، اب یہ غلام جب فوت ہوگا تو اس کی ساری ''ولاء'' آپ کو مل جائے گی، نبی علیہ السلام نے ان دونوں صورتوں سے منع فرمایا ہے اور اسے آزاد کنندہ کا ہی حق قرار دیا ہے۔

اصل میں غلامی کی زندگی سے رہائی اور نجات پانے والے اکثر غلام اور باندیاں اپنے علاقے کو واپس جانے کی بجائے وہیں محنت مزدوری کر کے اپنی گزر اوقات کرتے رہتے تھے، اس دوران بعض غلام اور باندیاں اپنی محنت سے بہت سا مال و دولت اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے لیکن چونکہ ان کا کوئی نسبی رشتہ دار وہاں ہوتا نہیں تھا اس لیے ان کے ترکہ پر بہت جھگڑے ہوتے تھے، نبی علیہ السلام نے ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ فرما دیا کہ ایسے غلاموں اور باندیوں کا سارا ترکہ ان لوگوں کو ملے گا جنوں نے اسے آزاد کیا ہو تاکہ انہیں بھی اسے آزاد کرنے کا کچھ پھل مل جائے اور ان کا شرعی حق بھی تسلیم کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

(۳۰۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَاصِحِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَیُقَالُ ابْنُ عَجْلَانَ یَحْیَی بْنُ یَعْلٰی وَاِسْحٰقُ بْنُ السَّلُوْلِیُ وَاَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ نُفَیْلٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ اَبِیْ کَثِیْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلْمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَیْسَ مِمَّا یُعْصَی اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ شَیْءٌ هُوَ اَعْجَلُ عِقَابًا مِنَ الْبَغْیِ وَمَا مِنْ شَیْءٍ اُطِیْعَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ اَسْرَعَ ثَوَابًا مِنَ الصِّلَةِ وَالْیَمِیْنُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّیَارَ بَلَاقِعَ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ لَیْسَ شَیْءٌ اَعْجَلَ ثَوَابًا مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ وَلَیْسَ شَیْءٌ اَعْجَلَ عُقُوْبَةً مِنَ الْبَغْیِ وَقَطِیْعَةِ الرَّحِمِ وَالْیَمِیْنُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّیَارَ بَلَاقِعَ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ مَا مِنْ عَمَلٍ اُطِیْعَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْهِ بِاَعْجَلَ ثَوَابًا مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ وَمَا مِنْ عَمَلٍ عُصِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ بِاَعْجَلَ عُقُوْبَةً مِنَ الْبَغْیِ وَالْیَمِیْنُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّیَارَ بَلَاقِعَ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ مَا مِنْ عُقُوْبَةٍ مِمَّا یُعْصَی اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْهِ بِاَعْجَلَ مِنَ الْبَغْیِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے، ان میں بغاوت سے بڑھ کر کسی چیز پر جلدی عذاب نہیں آتا، اور جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی

اطاعت کی جاتی ہے ان میں ''صلہ رحمی'' سے بڑھ کر کسی چیز پر جلدی ثواب نہیں ملتا' اور جھوٹی قسم شہروں کو ویران کر دیتی ہے۔

حَلِّ عِبَارَت: "لیس" فعل ناقص "شیء" اس کا اسم اور "اعجل" اس کی خبر ہے "یعصی" باب ضرب سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نافرمانی کرنا "الدیار" "الممالك" "بلاقع" ویران۔

تَخْرِیجِ حَدِیث: اخرجه ابن الجوزی فی البر والصلة: ١٦٧' والحارثی: ٨٧٥۔

مَفْهُوم: اسلام قبول کرنے کے بعد خدانخواستہ اس سے انحراف کی راہ اختیار کرنے والا اور اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین و مذہب سے وابستہ ہو جانے والا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی ملک میں رہتے ہوئے اس کے قوانین کو ماننے اور ان پر عمل کرنے سے انکار کر دے' ظاہر ہے کہ ایسا شخص باغی ہوتا ہے اور کسی بھی مہذب معاشرے میں باغی کا وجود برداشت نہیں کیا جاتا اس لیے اللہ کے دین سے بغاوت کرنے والا (مرتد) بھی اس قابل نہیں کہ اس کے وجود کی گندگی اور تعفن کو برداشت کیا جائے' اسی لیے فرمایا گیا "من بدل دینه فاقتلوه"

اور اطاعت کی زندگی گزارنے والے کی طاعات میں سب سے زیادہ قابل قدر نیکی ''صلہ رحمی'' ہے' جس کا فی زمانہ مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو ہمارے ساتھ اچھائی کرے' ہم بھی اس کے ساتھ اچھائی کریں' حالانکہ یہ صلہ رحمی نہیں' یہ تو ادلے کا بدلہ ہے' صلہ رحمی اسے کہتے ہیں جو کسی بدلے کی خواہش کے بغیر ہو' اور اس سے اپنے قریبی رشتہ داروں کی ضروریات پوری کرنا مقصود ہو۔

رہی یہ بات کہ زیر بحث حدیث کا ترجمۃ الباب سے کیا ربط ہے؟ تو یاد رہے کہ اس حدیث کے آخری جملے کا تعلق ترجمۃ الباب سے ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جھوٹی قسم شہروں کو ویران کر دیتی ہے' اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کو جھوٹی قسم کھانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو ایک دو مرتبہ دھوکہ کھانے کے بعد لوگ اس کی قسم کا اعتبار کرنا چھوڑ دیتے ہیں' لوگوں کے دلوں سے اس کی محبت اور اعتماد ختم ہو جاتا ہے اور اس شخص کی کسی چھوٹے بڑے کی نگاہ میں کوئی عزت نہیں رہتی یعنی جھوٹی قسم کھانے والے کی زندگی آہستہ آہستہ ویران ہو جاتی ہے۔

یہی بیماری جب کسی خاص طبقے' کسی خاص گروہ' قوم' علاقے یا شہر میں پائی جاتی ہے تو وہ پورا معاشرہ ہی ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں رہنے کے باوجود ہمیں پاکستانی مصنوعات پر اطمینان نہیں ہوتا اور ہمارے ملک پر چائنہ' جاپان اور تائیوان کے لیبل چھائے ہوئے ہیں' ہمارے گھر کی سوئی سے لے کر بیڈ روم کے گدے تک ہر چیز امپورٹڈ ہوتی ہے اور پاکستانی مصنوعات کے ''معیاری پن'' سے ہم نالاں ہو چکے ہیں' نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ تباہی و بربادئ معیشت کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔

بَابٌ اِذَا نَذَرَ فِی الطَّاعَةِ اَوِ الْمَعْصِیَةِ

(۳۰۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰهَ فَلْیُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَّعْصِیَهُ فَلَا یَعْصِهٖ وَلَا نَذْرَ فِیْ غَضَبٍ۔

جو شخص اطاعت یا نافرمانی کی منت مانے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اطاعت الٰہی کی منت مانی ہو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے نافرمانی کی منت مانی ہو اسے نافرمانی نہیں کرنی چاہیے اور شدتِ غضب میں نذر نہیں ہوتی۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۳۰۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَیْرِ الْحَنْظَلِیِّ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا نَذْرَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ یَمِیْنٍ۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی منت نہیں ہوتی، اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

حل عبارت: "نذر" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی منت ماننا، کفارة یمین ای مثل کفارة یمین۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ٦٦٩٦، وابوداؤد: ٣٢٨٩، والترمذی: ١٥٢٦، وابن ماجه: ٢١٢٦، والنسائی: ٣٨٣٧، وابن حبان: ٤٣٨٧، والطحاوی: ٤٧٢٢، واحمد: ٢٤٥٧٦۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه مسلم فی آخر: ٤٢٤٥ (١٦٤١) و ٤٢٥٣ (١٦٤٥) وابوداؤد: ٣٢٩٠، وابن ماجه: ٢١٢٥، والنسائی: ٣٨٦٥، وابن حبان: ٤٣٩١۔

مفہوم: عام طور پر گھروں میں مائیں اپنے بچوں پر اس ترکیب کو استعمال کرتی ہیں کہ اگر بچہ سے کوئی کام کروانا ہو اور وہ کام کرنے سے انکار کرے تو اسے کسی گولی یا ٹافی کا لالچ دے کر کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے یہ کام کر دیا تو میں تمہیں یہ گولی دوں گی یا تمہیں سیر کروا کر لاؤں گی، جب بچہ وہ کام کر دیتا ہے تو بعض اوقات مائیں اپنے وعدے کو پورا کر دیتی ہیں اور بعض اوقات وہ "سیاست" کر جاتی ہیں۔

منت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جس میں بندہ اپنا کام کروانے کے لیے اللہ میاں سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں اتنے نوافل یا روزے رکھوں گا، اسی وجہ سے بعض روایات میں منت ماننے کی ممانعت آئی ہے اور اس کی

ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس سے انسان کے بخل و کنجوسی کا اظہار ہوتا ہے کہ اے اللہ! اگر میرا یہ کام ہوگیا تو اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا' گویا کام نہ ہونے کی صورت میں وہ مال اپنی جیب میں ہی رہنے دوں گا' حالانکہ اچھے آدمی کی نشانی تو یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے اللہ سے بندگی اور مخلوق سے خدمت کا ناطہ جوڑے رکھے۔

تاہم اگر کسی شخص نے منت مان ہی لی ہو تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے اپنا کوئی کام ہو جانے پر جس چیز کی منت مانی ہے اس میں اطاعت الٰہی کا پہلو پایا جاتا ہے یا معصیت کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے' اگر پہلی صورت ہو تو اس منت کو پورا کرنا واجب ہے جیسے نماز روزے اور حج کی منت ماننا' کسی یتیم اور بیوہ کے ساتھ حسن سلوک کی منت ماننا وغیرہ اور اگر دوسری صورت ہو تو اس منت کو پورا کرنا حرام ہے جیسے کسی سینما کو بنانے کی منت ماننا' شراب و شباب کی محفل جمانے کی منت ماننا وغیرہ' ظاہر ہے کہ ایسی منت کو پورا نہیں کیا جائے گا۔

چونکہ منت بھی قسم ہی کے حکم میں ہوتی ہے اور اسی مناسبت سے اس حدیث کو یہاں ذکر بھی کیا گیا ہے اس لیے منت پوری نہ کر سکنے کا مطلب قسم توڑ دینا ہے اور قسم توڑنے پر کفارۂ یمین واجب ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں بھی کفارۂ یمین واجب ہوگا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ حُکْمِ اللَّغْوِ مِنَ الْاَیْمَانِ

(۳۰۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ فِیْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰی وَاللّٰهِ۔

یمین لغو کا حکم

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو ارشاد باری تعالیٰ **"لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم"** کا مطلب بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے مراد کسی آدمی کا یہ کہنا ہے **"لا واللہ" یا "بلی واللہ"**

(۳۰۹) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ فِیْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ قَالَتْ هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰی وَاللّٰهِ مِمَّا یَصِلُ بِهٖ کَلَامَهٗ مِمَّا لَا یَعْقِدُ عَلَیْهِ قَلْبَهٗ حَدِیْثًا۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی یہی ہے' البتہ آخر میں یہ اضافہ ہے کہ اس سے کلام کو ملانا مقصود ہوتا ہے' دل اس پر جمتا نہیں ہے۔

حل عبارت: "یصل" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جوڑنا "لا یعقد" باب ضرب سے فعل مضارع منفی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی گروہ لگانا۔

تخریج حدیث: اخرجهما البخاري: ٤٦١٣، وابن حبان: ٤٣٣٣، وابو داؤد: ٣٢٠٤۔

مفہوم: قسم کھانے کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی زمانۂ ماضی کے متعلق کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے اور کرنے یا نہ کرنے سے متعلق جھوٹی قسم کھالے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان زمانۂ مستقبل کے متعلق کسی بھی نوعیت کی قسم کھالے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ زمانۂ حال میں یوں ہی زبان پر چڑھے ہوئے الفاظِ قسم کو ادا کرتا پھرے، پہلے درجے کو یمین غموس، دوسرے کو یمین منعقدہ اور تیسرے کو یمین لغو کہتے ہیں۔

اور یہ تیسری قسم تو عوام میں ہی نہیں خواص میں بھی بہت زیادہ پائی جاتی ہے چنانچہ بہت سے لوگوں کو بات بے بات اور خواہ مخواہ ہی میں قسمیں کھاتے دیکھا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس پر بھی ثواب اور عذاب کا فیصلہ ہونے لگے تو بہت مشکل پیش آجائے گی اس لیے کہ بہت سے لوگوں کی زبان پر قسم، گالی کی طرح چمٹی ہوئی ہوتی ہے یعنی جس طرح بعض لوگ گالی سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا پاتے اور بات بعد میں شروع کرتے ہیں، گالی پہلے دیتے ہیں اسی طرح بعض لوگ بات بے بات قسم کھانے سے احتیاط نہیں کر سکتے اور ہر موقع پر قسم کھانا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں اس لیے اس میں کوئی کفارہ نہیں رکھا گیا۔

ماضی کی جھوٹی قسم پر انسان کو دروغ گو اور گناہگار سمجھا جاتا ہے اور مستقبل کی قسم کو پورا نہ کرنے پر اسے جرمانہ کیا جاتا ہے جسے ''کفارۂ یمین'' کہتے ہیں اور جس کی تفصیل ساتویں پارے کے بالکل آغاز میں ہے یعنی دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا، یا انہیں کپڑے پہنانا، یا ایک غلام کو آزاد کرنا، یا تین روزے رکھنا۔ واللہ اعلم

بَابُ الْاِسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِيْنِ

(۳۱۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ وَاسْتَثْنٰى فَلَهٗ ثُنْيَاهُ۔

قسم میں استثناء کا لفظ لانے کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی چیز پر کوئی شخص قسم کھائے اور اس میں استثناء کر دے تو اس استثناء کا اسے فائدہ ہوگا۔

(۳۱۱) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ وَقَالَ اِنْشَاءَ اللّٰهُ فَقَدْ اِسْتَثْنٰى۔

ترجمہ: اس روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حل عبارت: ''حلف'' باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قسم کھانا ''واستثنی''

باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی استثناء کرنا مراد ''انشاء اللہ'' کہنا ہے' جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

تخریج حدیث: اخرجهما ابن ماجه: ٢١٠٤' والترمذی: ١٥٣٢' وابوداؤد: ٣٢٦١' والنسائی: ٣٨٥٩' وابن حبان: ٤٣٣٩۔

مفہوم: لفظ ''انشاء اللہ'' کہنے کو تو بہت مختصر ہے لیکن اس کے فوائد اتنے عظیم ہیں کہ بہت سے بگڑے ہوئے کام سنور جاتے ہیں اور بہت سے سنورے ہوئے کام بگڑ جاتے ہیں' اس کا لفظی معنی ہے ''اگر اللہ نے چاہا'' ظاہر ہے کہ اللہ کی مشیت تو کسی کو معلوم نہیں ہے اس لیے ہر شخص کو یہ جملہ کہنے کے بعد اپنے آپ کو ایک حفاظتی حصار مل جاتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں'' تو ظاہر ہے کہ اسے طلاق ہو جائے گی اور اگر وہ یہ کہے کہ ''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں انشاء اللہ'' تو اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوگی اور دلیل اس کی وہی ہے جو ابھی ذکر ہوئی کہ اس جملے میں طلاق کو اللہ کی مشیت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور اللہ کی مشیت کا کسی کو علم نہیں لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہی حکم تمام معاملات کا ہے۔

کتاب الحدود
شرعی سزاؤں کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ حُرْمَةِ الْخَمْرِ

(۳۱۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمُ الْخَمْرَ وَالْمَیْسِرَ وَالْمِزْمَارَ وَالْكُوْبَةَ۔

شراب کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تمہارے لیے شراب' جوا' آلات لہو ولعب اور شطرنج کو ناپسند کرتا ہے۔

حل عبارت: ''کرہ'' باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ناپسند کرنا ''المیسر'' جوا' ''المزمار'' گانے بجانے کا آلہ ''الکوبة'' شطرنج۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ٣٦٨٥' واحمد: ٢/١٨٥۔

مَفْهُوْمٌ: جرائم کی روک تھام کے لیے دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں کچھ آئینی اصول وضع کیے جاتے ہیں' کچھ سزائیں مقرر کی جاتی ہیں' اور معاشرے کی حفاظت کی خاطر مجرموں پر ان سزاؤں کو نافذ کیا جاتا ہے' بعض معاشروں میں انتہائی غیر انسانی اور بہیمانہ سزاؤں کے ذریعے انسانیت کی تذلیل کی جاتی ہے اور بعض معاشروں میں قانون اور سزا کا تصور موجود ہونے کے باوجود مجرم سرعام دندناتے پھرتے ہیں۔

اسلام نے اپنے ضابطہ حیات میں جن اصولوں سے بحث کی ہے ان میں شرعی سزاؤں کا باب نہایت اہمیت کا حامل ہے اور ان پر تفصیلی گفتگو کرنے کا خیال یوں بھی مزید پختہ ہو جاتا ہے کہ صرف مغرب ہی نہیں' ہمارے نام نہاد متجددین بھی شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں پر ہمیشہ طبع آزمائی فرماتے رہتے ہیں' کسی کو ہاتھ کاٹنا خلاف انسانیت محسوس ہوتا ہے گو کہ وہ خود دوسروں کے گلے کاٹنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہو' کسی کو شراب نوشی کی سزا پر اعتراض ہے گو کہ وہ خود اس حال میں ڈرائیونگ کرنے والوں کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیتا ہو' کسی کو کوڑوں اور رجم پر اعتراض ہے اور وہ اسے وحشیانہ اور غیر انسانی سمجھ کر گوانتا موبے کے ذلت آمیز تشدد سے نظریں چرا لیتا ہے اور اس کے لیے ''حقوق نسواں بل'' جیسے فحش اور گندے آئین پاس کرتا ہے اور پوری قوم کو گندگی' فحاشی' عریانی' مغربیت اور لامذہبیت کے ایک متعفن جوہڑ میں دھکیلنا چاہتا ہے اور اس پر صدائے احتجاج بلند کرنے والوں کی ''مسجد کو'' خون سے ''لال'' کر دیتا ہے اور عوام کو حدود اللہ اور حدود آرڈیننس کی بھول بھلیوں میں دھکا دے کر خود مزے کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔

بدقسمتی سے شریعت اسلامیہ کی ان مقرر کردہ سزاؤں میں ترمیم کرنے اور کروانے والے اور غیر نافع علم سے ان کی تائید کرنے والے یہودی اور عیسائی نہیں' کلمہ گو مسلمان ہیں' ان حدود کو ہدف تنقید بنانے والوں میں اپنے آپ کو ''سید زادہ'' کہلوانے والے بھی ہیں' ربع صدی سے علم کی مسند پر متمکن رہنے کا دعویٰ کرنے والے بھی ہیں اور نام نہاد آئینی ماہرین بھی۔ اگر یہ لوگ حدود اسلامیہ کی حفاظت کرنے والے مجاہد ہوتے تو ہمارے سر کا تاج ہوتے بصورت دیگر ہم انہیں اپنے پاؤں کی جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں اس لیے کہ شعائر دین کا کھلم کھلا مذاق اڑانے والا اور ان میں اقتدار واختیار کے نشے سے مغلوب ہو کر ترمیم کرنے والا کبھی عزت واحترام کے قابل نہیں ہو سکتا۔

رہی زیر بحث حدیث تو اس میں جتنی چیزوں کو اللہ کے نزدیک انسانیت کے لیے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے' سب کی سب شیطان کو راضی کرنے والی اور رحمان کو ناراض کرنے والی چیزیں ہیں' شراب آدمی کا خانہ خراب کرتی ہے' جوا انسان کو اپنی بیوی اور بیٹی تک داؤ پر لگا دینے کی ترکیبیں سجھاتا ہے' آلات لہو ولعب میں مست ہو کر انسان انسانیت کے دائرے سے ہی خارج ہو جاتا ہے اور شطرنج کھیلنے والا خنزیر کے خون میں اپنے ہاتھ ڈبونے والے کی مانند ہوتا ہے' اور پھر ویسے بھی اس میں سوائے وقتی لذت اور ضیاع وقت کے اچھائی کا کوئی پہلو بھی موجود نہیں اس لیے اس کا ناپسندیدہ ہونا واضح ہے کیونکہ ''کل ما یلھی عن ذکر اللہ فھو لغو' واجب الترک''۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ حَدِّ الشُّرْبِ

(۳۱۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ یَحْیٰی عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَتَاهُ رَجُلٌ بِابْنِ اَخٍ لَهٗ نَشْوَانَ قَدْ ذَهَبَ عَقْلُهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَحُبِسَ حَتّٰی اِذَا صَحَا وَاَفَاقَ عَنِ السُّکْرِ دَعَا بِالسَّوْطِ فَقَطَعَ ثَمَرَتَهٗ ثُمَّ رَقَّهٗ وَدَعَا جَلَّادًا فَقَالَ اِجْلِدْهُ عَلٰی جِلْدِهٖ وَارْفَعْ یَدَكَ فِیْ جَلْدِكَ وَلَا تَبْدَأْ ضَبْعَیْكَ۔

قَالَ وَاَنْشَأَ عَبْدُاللّٰهِ یَعُدُّ حَتّٰی اَکْمَلَ ثَمَانِیْنَ جَلْدَةً خَلّٰی سَبِیْلَهٗ فَقَالَ الشَّیْخُ یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَابْنُ اَخِیْ وَمَا لِیْ وَلَدٌ غَیْرُهٗ فَقَالَ شَرُّ الْعَمِّ وَالِی الْیَتِیْمِ اَنْتَ کُنْتَ وَاللّٰهِ مَا اَحْسَنْتَ اَدَبَهٗ صَغِیْرًا وَلَا سَتَرْتَهٗ کَبِیْرًا۔

قَالَ ثُمَّ اَنْشَأَ یُحَدِّثُنَا فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ حَدٍّ اُقِیْمَ فِی الْاِسْلَامِ لِسَارِقٍ اُتِیَ بِهٖ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا قَامَتْ عَلَیْهِ الْبَیِّنَةُ قَالَ اِنْطَلِقُوْا بِهٖ فَاقْطَعُوْهُ فَلَمَّا انْطُلِقَ بِهٖ نُظِرَ اِلٰی وَجْهِ النَّبِیِّ ﷺ کَاَنَّمَا سُفَّ عَلَیْهِ وَاللّٰهِ الرَّمَادُ فَقَالَ بَعْضُ جُلَسَائِهٖ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَکَاَنَّ هٰذَا قَدِ اشْتَدَّ عَلَیْكَ فَقَالَ وَمَا یَمْنَعُنِیْ اَنْ یَّشْتَدَّ عَلَیَّ اَنْ تَکُوْنُوْا اَعْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ عَلٰی اَخِیْکُمْ قَالُوْا فَلَوْ لَا خَلَّیْتَ سَبِیْلَهٗ قَالَ اَفَلَا کَانَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ تَأْتُوْنِیْ بِهٖ فَاِنَّ الْاِمَامَ اِذَا انْتَهٰی اِلَیْهِ حَدٌّ فَلَیْسَ یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یُّعَطِّلَهٗ قَالَ ثُمَّ تَلَا وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا اَتٰی بِابْنِ اَخٍ لَهٗ سَکْرَانَ فَقَالَ تَرْتِرُوْهُ وَمَزْمِزُوْهُ وَاسْتَنْکِهُوْهُ فَوَجَدُوْا مِنْهُ رِیْحَ شَرَابٍ فَاَمَرَ بِحَبْسِهٖ فَلَمَّا صَحَا دَعَابِهٖ وَدَعَا بِسَوْطٍ فَاَمَرَ بِهٖ فَقُطِعَتْ ثَمَرَتُهٗ وَذَکَرَ الْحَدِیْثَ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ اَوَّلَ حَدٍّ اُقِیْمَ فِی الْاِسْلَامِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُتِیَ بِسَارِقٍ فَاَمَرَ بِهٖ فَقُطِعَتْ یَدُهٗ فَلَمَّا انْطَلَقَ بِهٖ نُظِرَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ کَاَنَّمَا یُسَفُّ فِیْ وَجْهِهِ الرَّمَادُ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ کَاَنَّهٗ شُقَّ عَلَیْكَ فَقَالَ اَلَّا یَشُقَّ عَلَیَّ اَنْ تَکُوْنُوْا اَعْوَانًا لِلشَّیْطَانِ عَلٰی اَخِیْکُمْ قَالُوْا فَلَا نَدَعُهٗ قَالَ اَفَلَا کَانَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ تُؤْتٰی بِهٖ وَاَنَّ الْاِمَامَ اِذَا رُفِعَ اِلَیْهِ الْحَدُّ فَلَیْسَ یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یَّدَعَهٗ حَتّٰی یُمْضِیَهٗ ثُمَّ تَلَا وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا الایة۔

شراب نوشی کی سزا

ترجمہ: یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک آدمی اپنے ایک بھتیجے کو لے کر آیا جو نشے کی حالت میں تھا اور

اس کی عقل ماؤف ہو چکی تھی، حضرت ابن مسعودؓ کے حکم پر اسے قید کر دیا گیا، جب اسے نشے کی حالت سے افاقہ ہوا تو حضرت ابن مسعودؓ نے کوڑا منگوایا، اس کا پھل کاٹ کر اسے نرم کیا اور جلاد کو بلا کر فرمایا اس کے جسم پر کوڑے لگاؤ، کوڑا مارنے کے لیے ہاتھ تو بلند کرنا لیکن اپنے پہلوؤں کو ظاہر نہ کرنا، یہ کہہ کر وہ کوڑے گننا شروع ہو گئے، جب اس نے اسی کوڑے پورے کر لیے تو انہوں نے اس شخص کو رہا کر دیا۔

اس نوجوان کا چچا کہنے لگا اے ابوعبدالرحمٰن! بخدا یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے علاوہ میرا کوئی بچہ نہیں ہے، فرمایا پھر تو تو بہت برا چچا اور اس یتیم کا بہت برا سرپرست ہے، بخدا تو نے بچپن میں سے اچھے آداب نہیں سکھائے اور بڑا ہونے کے بعد اس کے عیوب پر پردہ نہیں ڈالا، پھر وہ ہمیں حدیث سنانے لگے کہ اسلام میں سب سے پہلی حد جو جاری کی گئی، وہ ایک چور کی تھی جسے نبی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں لایا گیا، جب اس کے خلاف گواہی قائم ہو گئی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے لے جا کر اس کا ہاتھ کاٹ دو، جب اسے لے جایا جانے لگا تو کسی کی نظر نبی علیہ السلام کے روئے انور پر پڑی، بخدا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا نبی علیہ السلام کے روئے انور پر راکھ بکھیر دی گئی ہو، یہ دیکھ کر ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! محسوس ایسا ہوتا ہے کہ یہ چیز آپ پر گراں گزر رہی ہے؟ فرمایا گراں کیوں نہیں گزرے گی؟ کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار ثابت ہوئے۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ پھر آپ نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا؟ فرمایا کیا میرے پاس لانے سے پہلے اسے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا، کیونکہ امام کے پاس جب حد کا کوئی معاملہ پہنچ جائے تو اس کے لیے اسے معطل کرنا مناسب نہیں ہوتا، پھر نبی علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''انہیں معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے۔''

حَلِّ عِبَارَت: ''نشوان'' بمعنی سکران ''فحبس'' باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قید کر دینا ''صحا'' باب نصر سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ہوش میں آنا ''رقه'' باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی نرم کرنا ''سترته'' باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پردہ ڈالنا ''سف'' باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بکھیر دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه السيوطی فی الجامع الصغير، وعبدالرزاق، والطبرانی، والحارثی: ۷۲۴، واحمد مختصرا: ۳۹۷۷، والحميدی: ۷۹، وابويعلی: ۵۱۵۵۔

مَفْهُوم: اس حدیث کے تحت محدثین نے بہت سے مسائل کو پرکھ کر ان کے لیے اصول وضع کیے ہیں لیکن یہاں ہم صرف دو باتوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ا۔ کوڑے مارنا عام طور پر پولیس کے اس وحشیانہ تشدد کے مترادف سمجھا جاتا ہے جس کا مظاہرہ آئے روز ہوتا رہتا ہے اور سمجھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر شریعت کے مطابق کوڑے مارنے کی سزا پورے ملک میں جاری ہو گئی تو مجرموں کی چمڑیاں ادھڑ جائیں گی، نیز یہ کہ کوڑوں سے مراد لوہے کے وہ ڈنڈے ہیں جن پر لکڑی چڑھا دی گئی ہو، ان لوگوں کی غلط فہمی دور

کرنے کے لیے میں عرض کرتا چلوں کہ اولاً تو ہر کس و ناکس کو کوڑے مارنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں' یہ اسی کے کمر پر برسیں گے جس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہو' پھر یہ کوڑے لوہے کے نہیں' چمڑے کے ہوں گے جو اتنی زور سے مارنے کی اجازت کسی صورت نہیں کہ انسان بلبلا اٹھے' اس کی صورت یہ ہے کہ کوڑے مارنے والا اپنے ہاتھ کو صرف سر تک بلند کر سکتا ہے' سر سے پیچھے لے جا کر اپنی پوری قوت صرف کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے' اور اس سے پہلے ثبوت جرم کا جو کڑا نظام شریعت نے قائم کیا ہے' اکثر اوقات تو سزا کی نوبت ہی نہیں آتی اور اگر نوبت آ بھی جائے تو پورے معاشرے کو محفوظ کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو سزا دینا کوئی ناانصافی نہیں۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے تو اس پر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ فوراً گورنر' حاکم یا قاضی کو جا کر اس سے مطلع کرے بلکہ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ پردہ پوشی کرے اور کسی کے سامنے بھی اس واقعہ کا ذکر نہ کرے' اور موقع ملنے پر اس شخص کو تنہائی میں پیار محبت سے سمجھائے' اس گناہ کی برائی اس کے ذہن نشین کرائے' اس پردہ پوشی میں اللہ کے یہاں بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے' اللہ قیامت کے دن اس کے عیوب اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

بَابٌ فِيمَا يُقْطَعُ فِيهِ الْيَدُ

(۳۱۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ يُقْطَعُ الْيَدُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِىْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَفِىْ رِوَايَةٍ اِنَّمَا كَانَ الْقَطْعُ فِىْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ ۔

کس قدر مال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ عہد نبوت میں دس دراہم کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔

حل عبارت: "یقطع" باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کاٹنا' دوسری روایات میں یہ لفظ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ضبط کیا گیا ہے اور وہی زیادہ اقرب ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۴۳۸۷' والنسائی: ۴۹۵۰، و ورد فی روایة عبدالله بن عمرو بن العاص: أن قيمة المجن كان على عهد رسول الله ﷺ عشرة دراهم، اخرجه احمد: ۶۶۸۷۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کی وضاحت سے قبل یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ جس طرح ہر زمانے میں خرید و فروخت کے لیے مختلف کرنسیوں اور سکوں کا رواج رہا ہے اسی طرح اس زمانے میں بھی دو بڑے سکے رائج تھے' ایک قسم کے سکے چاندی کے ہوتے تھے جنہیں درہم کہا جاتا تھا جیسا کہ اب بھی کویت میں ہے اور دوسری قسم کے سکے سونے کے ہوتے تھے جنہیں دینار کہا جاتا تھا۔

پھر سونے اور چاندی کی قیمت میں اب کی طرح جب بھی ایک اور دس کا فرق ہوتا تھا' یہی وجہ ہے کہ اگر کسی

آدمی کے پاس ایک دینار ہوتا تو سمجھا جاتا تھا کہ اس کے پاس دس درہم ہیں' گویا ایک دینار کو دس دراہم کے برابر سمجھنا ایک علاقائی اصول تھا جیسے ہمارے یہاں پانچ ہزار کا نوٹ دے کر ہزار ہزار کے پانچ نوٹ لینا علاقائی اصول ہے۔

شریعت نے چوری کی سزا ''جسے حد سرقہ بھی کہا جاتا ہے'' ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے اور یہ طے کیا ہے کہ شہادتوں اور گواہیوں سے اگر کسی شخص کے متعلق چوری کا الزام ثابت ہو جائے تو گٹوں تک اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تا کہ آئندہ وہ خود بھی چوری کرنے سے باز آ جائے اور دوسروں کو بھی عبرت ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ اس موقع پر ہر آدمی کے ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ چوری کی کم از کم مقدار کیا ہے جس پر اس سزا کو نافذ کیا جائے اور اس شخص پر ''سارق'' ہونے کا حکم لگایا جائے؟ تو مختلف احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام کی مختلف آراء اس سلسلے میں موجود ہیں' بعض فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک چوتھائی دینار کی قیمت کے برابر کوئی چیز چرائی جائے تو اس پر یہ سزا نافذ ہو گی جبکہ احناف اور دیگر فقہاء کرام دس درہم یعنی مکمل ایک دینار کی کوئی چیز چرانے پر اسے سرقہ قرار دیتے ہیں' پہلے قول میں احتیاط اور دوسرے میں سہولت ہے۔

بَابٌ الْحُدُوْدُ تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ

(۳۱۵) اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِدْرَءُ والْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ۔

شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شبہہ کی وجہ سے حد ساقط کر دیا کرو۔

حل عبارت: ''ادرء وا'' باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی دور کرنا' ساقط کرنا۔

تخریج حدیث: اخرج ابن ماجه مثله: ۲۵۴۵' والترمذی: ۱۴۲۴' والسیوطی فی الصغیر: ۱/۱۲۔

مفہوم: اسی حدیث کو مبارکہ کو سامنے رکھ کر جدید آئین میں یہ اصول وضع کیا گیا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم اور مجرم کو ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مقدمے میں کسی شخص کو ملزم نامزد کیا گیا ہو' اور اس کے لیے کچھ شواہد اور ثبوت بھی ملے گئے ہوں' لیکن بعض چیزوں اور شواہد کی وجہ سے مقدمہ کا تعلق اس شخص سے مشتبہ ہو جاتا ہو تو اس اشتباہ کا فائدہ ملزم کو ہو گا اور اسے اس مقدمہ سے بری ہونے کا موقع مل جائے گا۔

اور موجودہ دور میں مقدمات کو شکوک وشبہات سے لبریز کر کے اپنے موکل کی حمایت کرنا وکلاء کی آئینی مہارت کا منہ بولتا ثبوت بن گیا ہے جس سے ان کا مقصد کیس کو کمزور کرنا ہوتا ہے' اگر ان کا یہ حربہ کامیاب ہو جائے تو ان کا موکل متوقع بڑی سزا سے بچ جاتا ہے اور چھوٹے موٹے جرمانے پر اس کی سزا ٹل جاتی ہے۔

میں بطور فن تو شاید اس چیز کی تائید و حمایت نہ کر سکوں لیکن اگر واقعاتی اور اتفاقی طور پر کسی مقدمے میں ایسی

چیزیں پائی جاتی ہوں جو ملزم کے لیے شک کا فائدہ دی سکتی ہوں تو مجرم کو متعلقہ سزا معاف کر دینا ہی مناسب اور حدیث نبوی کا منشا ہے تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اسے سرزنش اور تنبیہ کرنے کا اختیار بھی جج سے چھین لیا جائے بلکہ اپنی صوابدید کے مطابق جج اسے جرمانہ یا کوئی اور سزا دے سکتا ہے گویا اس حدیث کا تعلق متعلقہ سزا سے ہے مثلاً چوری کی سزا ہاتھ کاٹنے کو قرار دیا گیا ہے' اب اگر کسی شخص پر یہ الزام لگایا گیا لیکن بعض پہلوؤں سے یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ شخص چوری میں ملوث نہیں ہو سکتا' اس صورت میں جج اس کا ہاتھ نہیں کاٹے گا البتہ اسے سرزنش اور تنبیہ کرنا یا کوئی دوسری ہلکی پھلکی سزا دینا' جج کی صوابدید پر موقوف ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الرَّجْمِ

(۳۱۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ مَاعِزَ ابْنِ مَالِكٍ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ الْاٰخِرَ قَدْ زَنٰی فَاَقِمْ عَلَیْهِ الْحَدَّ فَرَدَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ اَتَاهُ الثَّانِیَةَ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اِنَّ الْاٰخِرَ قَدْ زَنٰی فَاَقِمْ عَلَیْهِ الْحَدَّ فَسَاَلَهٗ عَنْهُ اَصْحَابَهٗ هَلْ تُنْكِرُوْنَ مِنْ عَقْلِهٖ قَالُوْا لَا قَالَ انْطَلِقُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ قَالَ فَانْطُلِقَ بِهٖ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا اَبْطَاَ عَلَیْهِ الْقَتْلُ اِنْصَرَفَ اِلٰی مَكَانٍ كَثِیْرِ الْحِجَارَةِ فَقَامَ فِیْهِ فَاَتَاهُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرَجَمُوْهُ بِالْحِجَارَةِ حَتّٰی قَتَلُوْهُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ هَلَّا خَلَّیْتُمْ سَبِیْلَهٗ فَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِیْهِ فَقَالَ قَائِلٌ هٰذَا مَاعِزٌ اَهْلَكَ نَفْسَهٗ وَقَائِلٌ اَنَا اَرْجُوْ اَنْ یَّكُوْنَ تَوْبَةً فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ فَلَمَّا بَلَغَ ذٰلِكَ قَوْمًا طَمَعُوْا فِیْهِ فَسَاَلُوْهُ مَا یُصْنَعُ بِجَسَدِهٖ؟ قَالَ اِصْنَعُوْا بِهٖ مَا تَصْنَعُوْنَ بِمَوْتَاكُمْ مِنَ الْكَفْنِ وَالصَّلٰوةِ عَلَیْهِ وَالدَّفْنِ قَالَ فَانْطَلَقَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَصَلُّوْا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اَتٰی مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاَقَرَّ بِالزِّنَا فَرَدَّهٗ ثُمَّ عَادَ فَاَقَرَّ بِالزِّنَا فَرَدَّهٗ ثُمَّ عَادَ فَاَقَرَّ بِالزِّنَا الرَّابِعَةَ فَسَاَلَ النَّبِیُّ ﷺ هَلْ تُنْكِرُوْنَ مِنْ عَقْلِهٖ شَیْئًا قَالُوْا لَا قَالَ فَاَمَرَ بِهٖ اَنْ یُّرْجَمَ فِیْ مَوْضِعٍ قَلِیْلِ الْحِجَارَةِ قَالَ فَاَبْطَاَ عَلَیْهِ الْمَوْتُ فَانْطَلَقَ یَسْعٰی اِلٰی مَوْضِعٍ كَثِیْرِ الْحِجَارَةِ وَاَتْبَعَهُ النَّاسُ فَرَجَمُوْهُ حَتّٰی قَتَلُوْهُ ثُمَّ ذَكَرُوْا شَانَهٗ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْ لَا خَلَّیْتُمْ سَبِیْلَهٗ قَالَ فَاسْتَاذَنَ قَوْمُهٗ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ دَفْنِهٖ وَالصَّلٰوةِ عَلَیْهِ فَاَذِنَ لَهُمْ فِیْ ذٰلِكَ قَالَ وَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ قُبِلَ مِنْهُمْ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ بِمَاعِزِبْنِ مَالِكٍ اَنْ یُّرْجَمَ قَامَ فِیْ مَوْضِعٍ قَلِیْلِ الْحِجَارَةِ فَاَبْطَاَ عَلَیْهِ الْقَتْلُ فَذَهَبَ بِهٖ مَكَانًا كَثِیْرَ الْحِجَارَةِ وَاَتْبَعَهُ النَّاسُ حَتّٰی رَجَمُوْهُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ

اَلَّا خَلَّیْتُمْ سَبِیْلَهٗ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ لَمَّا هَلَكَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ بِالرَّجْمِ اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِیْهِ فَقَالَ قَائِلٌ مَاعِزٌ اَهْلَكَ نَفْسَهٗ وَقَالَ قَائِلٌ تَابَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَقُبِلَ مِنْهُ اَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ زَنَیْتُ فَاَقِمِ الْحَدَّ عَلَیَّ فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ فَفَعَلَ ذٰلِكَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ یَرُدُّهُ النَّبِیُّ ﷺ وَیُعْرِضُ عَنْهُ فَقَالَ فِی الرَّابِعَةِ اَنْكَرْتُمْ مِنْ عَقْلِ هٰذَا شَیْئًا قَالُوْا مَا نَعْلَمُ اِلَّا عَاقِلًا وَمَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا قَالَ فَاذْهَبُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ قَالَ فَذَهَبُوْا بِهٖ فِیْ مَكَانٍ قَلِیْلِ الْحِجَارَةِ فَلَمَّا اَصَابَتْهُ الْحِجَارَةُ جَزَعَ قَالَ فَخَرَجَ یَشْتَدُّ حَتّٰی اَتَی الْحَرَّةَ فَثَبَتَ لَهُمْ قَالَ فَرَمَوْهُ بِجَلَامِیْدِهَا حَتّٰی سَكَتَ قَالَ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَاعِزٌ حِیْنَ اَصَابَتْهُ الْحِجَارَةُ جَزَعَ فَخَرَجَ یَشْتَدُّ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَوْ لَا خَلَّیْتُمْ سَبِیْلَهٗ قَالَ فَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِیْ اَمْرِهٖ فَقَالَتْ طَائِفَةٌ هَلَكَ مَاعِزٌ وَاَهْلَكَ نَفْسَهٗ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ بَلْ تَابَ اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا نَصْنَعُ بِهٖ قَالَ اِصْنَعُوْا بِهٖ كَمَا تَصْنَعُوْنَ بِمَوْتَاكُمْ مِنَ الْغُسْلِ وَالْكَفَنِ وَالْحُنُوْطِ وَالصَّلٰوةِ عَلَیْهِ وَالدَّفْنِ وَقَدْ رُوِیَ الْحَدِیْثُ بِرِوَایَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ نَحْوَمَا تَقَدَّمَ۔

شادی شدہ زانی کو رجم کرنا

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ ماعز بن مالکؓ نبی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ بھلائی سے پیچھے رہ جانے والے سے بدکاری کا گناہ سرزد ہوگیا ہے اس لیے اس پر حد جاری کر دیجئے' نبی علیہ السلام نے انہیں لوٹا دیا' چار مرتبہ اسی طرح ہوا' چوتھی مرتبہ نبی علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم اس کی عقل میں کچھ کمی محسوس کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا نہیں! فرمایا پھر اسے لے جا کر رجم کر دو۔

چنانچہ انہیں لے جایا گیا اور لوگوں نے انہیں پتھر مارنا شروع کیے' لیکن جب اس طرح ان کی روح نکلنے میں تاخیر ہونے لگی تو وہ ایسی جگہ بھاگ گئے' جہاں پتھر بہت زیادہ تھے اور وہاں جا کر کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں نے آ کر انہیں اتنے پتھر مارے کہ وہ شہید ہو گئے' نبی علیہ السلام تک یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ تم نے اس کا راستہ کیوں نہ چھوڑ دیا؟

اس پر لوگ آپس میں اختلاف کرنے لگے' کسی نے کہا کہ ماعز نے اپنے آپ کو خود ہلاک کر لیا' اور کسی نے کہا کہ مجھے امید ہے یہ اس کی توبہ ہی ہوگی' جب نبی علیہ السلام تک یہ باتیں پہنچیں تو فرمایا کہ اس اکیلے نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر

لوگوں کی بہت بڑی جماعتیں ایسی توبہ کرلیں تو وہ ان کی طرف سے بھی قبول ہو جائے' لوگوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہیں ماعز پر رشک آیا۔

چنانچہ لوگوں نے آ کر پوچھا کہ ان کی نعش کے ساتھ کیا کیا جائے؟ فرمایا جو عام مردوں کے ساتھ کرتے ہو' وہی اس کے ساتھ بھی کرو۔ یعنی کفن بھی دو' نماز جنازہ بھی پڑھو اور دفن بھی کرو' چنانچہ لوگوں نے انہیں لے جا کر ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

حلِ عبارت: "الآخر" خ کے کسرہ ساتھ "متاخر" کے معنی میں ہے اور مراد نیکی کے کاموں میں پیچھے رہ جانے والا ہے "فارجموہ" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی سنگسار کرنا "خلیتم" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی خالی کر دینا' چھوڑ دینا۔ "فئام" فئۃ کی جمع غیر قیاسی ہے بمعنی جماعت۔

تخریج حدیث: اما قصة ما عز بن مالك فقد اخرجه جميع اصحاب الحديث بالفاظ مختلفة مثلاً اخرجه البخاری: ٦٨٢٤' و٦٨٢٥' ومسلم: ٤٤٢٨ (١٦٩٤) و٤٤٣١' ٤٤٣٢ (١٦٩٥) وابوداؤد من: ٤٤١٩' الى: ٤٤٣٣' والترمذی: ١٤٢٨' ١٤٢٩' وابن ماجه: ٢٥٥٤' وابن حبان من: ٤٤٣٨' الى: ٤٤٤٠۔

مفہوم: اس حدیث سے فقہاء ومحدثین نے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے اور ان پر تفصیلی کلام کیا ہے تاہم یہاں چند باتوں پر اکتفاء کیا جائے گا۔

۱۔ کنوارے مرد وعورت کے لیے بدکاری کی سزا سو کوڑے مقرر کی گئی ہے اور شادی شدہ کے لیے رجم۔

۲۔ ابتداء اسلام میں جبکہ ان سزاؤں کا نفاذ شروع ہوا تو معاشرے سے ان گناہوں کی گندگی خود بخود دور ہونے لگی حتیٰ کہ شہادتوں اور گواہیوں کے ذریعے اس قسم کے الزامات کا سلسلہ تقریباً بند ہو گیا' اور خود اپنے اقرار واعتراف کے ذریعے بھی جن لوگوں نے اپنی طرف اس گناہ کی نسبت کی' ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے' ان ہی میں سے ایک واقعہ حضرت ماعز بن مالک اسلمیؓ کا بھی ہے' حضرت غامدیہؓ کا واقعہ بھی انہی میں سے ہے' لیکن جوں جوں عہد نبوت سے بعد ہوتا گیا اور ان سزاؤں کا نفاذ پس پشت ڈالا جاتا رہا توں توں معاشرے میں بے راہ روی کے واقعات روز افزوں ہونے لگے۔

۳۔ ان سزاؤں میں بھی اس قدر ہمدردی کا پہلو برقرار رکھا گیا ہے کہ اگر کسی شخص پر حد رجم جاری کی جارہی ہو اور وہ پتھروں کی بوچھاڑ سے تنگ آ کر وہاں سے بھاگ جائے تو شریعت اس بات کی ترغیب دیتی ہے کہ اس کا پیچھا چھوڑ دیا جائے' ہمدردی کے اس نوع کے بہت سے پہلو اور بھی گنوائے جاسکے ہیں جن سے دوسرے آئین اور قانون کی کتابیں خالی ہیں۔

۴۔ ثبوت زنا کے لیے چار عینی شاہدین کا ہونا ضروری ہے' اقرار جرم کی صورت میں ایک مرتبہ کا اقرار ایک گواہ کے مترادف قرار دے کر اس سے چار مرتبہ اعتراف کروایا جائے گا' اگر وہ چاروں مرتبہ اعتراف کر لے تو اس پر سزا جاری کر دی جائے

گی بصورت دیگر اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسا عجیب آدمی تھا کہ اپنے آپ کو خود مروا دیا بالخصوص جبکہ نبی علیہ السلام نے اسے بار بار واپس کیا؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں! وہ عجیب ہی تھا جب ہی اس کے باغیرت ضمیر نے قبر کے پیٹ میں گناہ کا بوجھ لے کر اترنا گوارا نہ کیا' قوموں کی زندگی ایسے ہی جواں حوصلہ افراد کی رہین منت ہوا کرتی ہے جو اپنے کسی عمل سے اپنے پیغمبر کا سر روز محشر شرمندگی سے جھکنے سے بچالیں۔

بَابٌ هَلْ يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ قِصَاصًا

(۳۱۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ رَبِيْعَةَ عَنِ ابْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ قَالَ قَتَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مُسْلِمًا بِمُعَاهِدٍ فَقَالَ اَنَا اَحَقُّ مَنْ اَوْفٰى بِذِمَّتِهٖ۔

کیا مسلمان کو ذمی کے بدلے قصاصاً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

ترجمۃ: ابن بیلمانی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاہد کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں۔

حل عبارت: "بمعاهد" بمعنی "الذی عاهد" "اوفی" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پورا کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الدارقطنی: ۲۸٦۵' والبیهقی فی الکبری: ۱٤٦۹٤' ویحیی بن آدم فی الخراج: ۲۰۱۔

مفہوم: کسی اسلامی سلطنت و ریاست میں اگر کوئی کافر ملتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں' یا تو وہ اس ملک کا نیشنلٹی ہولڈر ہوگا اور اسلامی سلطنت کے تابع رہ کر اپنی زندگی گزارتا ہوگا' یا ویزے پر آیا ہوگا' پہلی صورت میں اسے ذمی کہتے ہیں اور دوسری صورت میں اسے "مستامن" کہتے ہیں۔

ذمیوں کے احکام جدا ہیں اور مستامن یعنی ویزے پر آئے ہوئے لوگوں کے احکام جدا ہیں' ان ہی میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کر دیا خواہ وہ کافر ہو یا یہودی یا عیسائی' تو قانون قصاص کا تقاضا یہ ہے کہ اس ذمی کا بدلہ مسلمان سے لیتے ہوئے اسے بھی قتل کیا جائے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء دیت یا معافی پر راضی ہو جائیں۔

زیر بحث حدیث کے مطابق تو اس مسئلہ کا یہی حکم ہے لیکن صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث کے مطابق کسی بھی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا جا سکتا' جس سے ان دونوں باتوں میں ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے' احناف اس ٹکراؤ کو ختم کرنے کے لیے قیاس کے ذریعے اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو ابھی ذکر کی گئی اور دیگر فقہاء کرام صحیح بخاری وغیرہ

کی محولہ بالا حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔

اقرب الی الفہم بات یہ ہے کہ بخاری وغیرہ کی محولہ بالا حدیث میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ضابطہ اور اصول یہی ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جا سکتا' لیکن اگر کوئی کافر ذمی ہو یا مثلاً اس کا بدلہ نہ لینے سے ریاستی بغاوت یا خون خرابے کا اندیشہ ہو تو اس وسیع تر فساد سے بچنے کے لیے جزوی طور پر اس حدیث پر عمل کر لیا جائے جو یہاں ذکر ہوئی۔ واللہ اعلم۔

بَابٌ حُرْمَةُ نِسَآءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ

(۳۱۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى حُرْمَةَ نِسَآءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ اُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخُوْنُ اَحَدًا مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ اَهْلِهٖ اِلَّا قِيْلَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِقْتَصَّ فَمَا ظَنُّكُمْ۔

مجاہدین کی عورتوں کا تقدس

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی عورتوں کی حرمت جہاد کے انتظار میں بیٹھنے والے مردوں پر اس طرح رکھی ہے' جیسے ان کی ماؤں کی حرمت' اور ان بیٹھنے والوں میں سے جو شخص بھی کسی مجاہد کے اہل خانہ میں خیانت کا ارتکاب کرتا ہے' قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ اس کا قصاص دو' پس تمہارا کیا خیال ہے؟

حل عبارت: "یخون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خیانت کرنا' "اقتص" باب افتعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی قصاص لینا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۲۴۹۶' والنسائی: ۱۳۹۱' ومسلم: ۴۹۰۸ (۱۸۹۷) واحمد: ۲۳۳۶۵' وابن حبان: ۴۶۳۴۔

مفہوم: اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے جس دین کا انتخاب کیا ہے اسے "عالمگیر" بھی قرار دیا ہے اور اس

کے پیروکاروں پر اس کی دعوت دنیا کے ہر کونے تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی عائد کی ہے' اس سلسلے میں منشاء الٰہی یہ ہے کہ پوری دنیا کلمہ توحید پڑھ کر اسلام کے سایۂ رحمت تلے آ جائے' اگر کوئی قوم' ملک یا شخص ایسا نہ کرنا چاہے تو اسے دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے البتہ اسے اسلام کا باجگذار بن کر رہنا ہوگا اور وہ خراج دے کر مسلمانوں کی ماتحتی میں اپنا کاروبار حکومت چلاتے رہیں جس کے عوض مسلمان ان کی جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کریں گے' اگر وہ یہ صورت اختیار کرنے سے بھی انکار کر دیں اور اسے اپنی توہین سمجھیں تو پھر ان کے اور مسلمانوں کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

اس دوران اگر کوئی مسلمان اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ ''شہید'' قرار پاتا ہے اور اسے رضاء الٰہی اور انعامات جنت کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے اور اگر کوئی کافر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو وہ سیدھا جہنم میں پہنچتا ہے' گویا فتح کی صورت میں مسلمان اس ملک میں اللہ کا پرچم بلند کر دیتے ہیں اور وہ ملک اسلامی محروسہ علاقوں میں شمار ہونے لگتا ہے اور دوسری صورت میں مسلمان انعامات جنت سے سرفراز ہوتا ہے اور دنیوی اعتبار سے بھی اسے مختلف اعزازات سے نوازا جاتا ہے مثلاً یہ کہ اسے انہی خون آلود کپڑوں اور جسم میں اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ میں اپنی قربانی کا ثبوت حاضر کر سکے۔

مجاہدین میں ہمیشہ دو گروہ ہوتے ہیں' ایک وہ جو میدان کارزار میں داد شجاعت دے رہے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں گو کہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے لیکن دونوں کا درجہ برابر نہیں ہے' تاہم انتظار کرنے والے عام لوگوں سے پھر بھی افضل ہیں' اب اندازہ لگائیے کہ میدان کارزار میں داد شجاعت دینے والے مجاہدین کو منتظر مجاہدین پر جو فضیلت ہوگی' سو ہوگی' ان کی بیویوں کا تقدس منتظر مجاہدین کے لیے اپنی ماؤں جیسا قرار دے دیا گیا تاکہ ایک طرف ان کی فضیلت اور عظمت و اہمیت ظاہر ہو جائے اور دوسری طرف لوگوں کی دست درازی' بدنیتی اور غلط نظروں سے ان کی حفاظت بھی ہو جائے' اس لیے کہ اگر جہاد کا انتظار کرنے والوں میں سے کسی کے ذہن پر شیطان سوار ہو جائے اور وہ اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اس کے اہل خانہ پر دست درازی کرنا چاہے تو یہ کچھ بعید نہیں ہے' تاہم اگر اس کے سامنے یہ حدیث اور غیرت ہو تو اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ اس خاتون پر دست درازی نہیں کر رہا گویا اپنی ماں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہا ہے اور اس سے قیامت کے دن اس کا انتقام لیا جائے گا' جب انتظار کرنے والوں کا یہ حکم ہے تو عام لوگوں کا کیا حکم ہوگا' اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجیے۔

بَابُ وَصِيَّةِ الْإِمَامِ لِلْبَعْثِ

(۳۱۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا بَعَثَ جَيْشًا اَوْ سَرِيَّةً اَوْصٰى اَمِيْرَهُمْ فِيْ خَاصَّةِ نَفْسِهٖ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاَوْصٰى فِيْمَنْ مَعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اُغْزُوْا

بِسْمِ اللّٰهِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ لَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تَمْثُلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِیْدًا وَلَا شَیْخًا کَبِیْرًا فَاِذَا لَقِیْتُمْ عَدُوَّکُمْ فَادْعُوْهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَبَوْا فَادْعُوْهُمْ اِلٰی اِعْطَاءِ الْجِزْیَةِ فَاِنْ اَبَوْا فَقَاتِلُوْهُمْ فَاِذَا حَصَرْتُمْ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْکُمْ اَنْ تُنْزِلُوْا عَلٰی حُکْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَلَا تَفْعَلُوْا فَاِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ مَا حُکْمُ اللّٰهِ وَلٰکِنْ اَنْزِلُوْهُمْ عَلٰی حُکْمِکُمْ ثُمَّ احْکُمُوْا فِیْهِ بِمَا بَدَالَکُمْ فَاِنْ اَرَادُوْکُمْ اَنْ تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ فَاَعْطُوْهُمْ ذِمَمَکُمْ وَذِمَمَ اٰبَائِکُمْ فَاِنَّکُمْ اَنْ تُخْفِرُوْا بِذِمَمِکُمْ اَهْوَنُ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا بِذِمَّةِ اللّٰهِ فِیْ رَقَبَتِکُمْ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاِنْ اَرَادُوْکُمْ اَنْ تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ وَلٰکِنْ اُعْطُوْهُمْ ذِمَمَکُمْ وَذِمَمَ اٰبَائِکُمْ فَاِنَّکُمْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَکُمْ وَذِمَمَ اٰبَائِکُمْ اَیْسَرُ۔

لشکر کی روانگی کے وقت امیر لشکر کو وصیت کرنا

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا سریہ کو روانہ فرماتے تو اس کے امیر کو خاص طور پر اس کی اپنی ذات کے متعلق تقویٰ کی وصیت فرماتے اور اس کی معیت میں جو مسلمان ہوتے' ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تاکید کرتے اور فرماتے کہ اللہ کا نام لے کر اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے جہاد میں شرکت کرو' اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جہاد کرو' مال غنیمت میں خیانت نہ کرو' دھوکہ دہی نہ کرو' لاشوں کا مثلہ نہ کرو' کسی بچے اور عمر رسیدہ بوڑھے کو مت قتل کرو' جب دشمن سے آمنا سامنا ہو تو پہلے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ' اگر وہ انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کی دعوت دو' اگر وہ اس سے بھی انکار کر دیں تو ان سے لڑو۔

جب تم کسی قلعے کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے تمہیں ''حکم خداوندی'' پر اتارنا چاہیں تو ایسا مت کرنا کیونکہ تمہیں معلوم نہیں ہو گا کہ اس سلسلے میں ''حکم خداوندی'' کیا ہے؟ ہاں! انہیں اپنے فیصلے پر اتارنا' اس کے بعد جو مناسب سمجھو فیصلہ کر لینا' اگر وہ تم سے اللہ کا ذمہ دینے کا مطالبہ کریں تو تم انہیں اپنی اور اپنے آباؤ اجداد کی ذمہ داری دے دینا' کیونکہ تم اپنی ذمہ داری کو توڑ دو' یہ اس سے زیادہ آسان ہے کہ تم اللہ کی ذمہ داری کو توڑو۔

فائدہ: اگلی حدیث میں اسی کا ایک جزو مذکور ہے۔

(۳۲۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنِ الْمُثْلَةِ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مثلہ کی ممانعت فرمائی ہے۔

حل عبارت: ''اوصی'' باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے' بمعنی وصیت کرنا ''اغزوا'' باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی جہاد کرنا ''لا تغلوا'' باب نصر سے فعل نہی معروف کا مذکورہ صیغہ

ہے بمعنی مال غنیمت میں خیانت کرنا "لا تغدروا" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی وعدہ خلافی کرنا "لا تمثلوا" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ناک کان وغیرہ کاٹنا "تخفروا" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بے حرمتی کرنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الترمذي: ١٦١٧، ومسلم: ٤٥٢٢ (١٧٣١) وابن ماجه: ٢٥٥٨، واحمد: ٢٣٣٦٦، وعبدالرزاق: ٩٤٢٨، والدارمي: ٢٤٤٤، وابوداؤد: ٢٦١٢، وابويعلى: ١٤١٣۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاري: ٥٥١٦، والنسائي: ٤٤٤٧، وابن حبان: ٤٤٧٣، ٥٦١٧، وابن ماجه: ٣١٨٥، والدارمي: ٢/٨٣۔

مَفْهُوْم: دنیا میں بڑے بڑے فاتح اور کشور کشا گزرے ہوں گے لیکن اصول جنگ میں ان دفعات کو "جن کا ترجمہ ابھی گزرا" آئینی حیثیت دینے کا شرف فاتح عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے حصے میں نہ آسکا، تاریخ کے کسی جرنیل کی ایسی باریک بینی کا ہمیں علم نہیں جس کی ایک جھلک یہاں دکھائی گئی ہے، اور اس پر بھی لوگ "جہاد" کو منسوخ اور دور جاہلیت کی پیداوار قرار دینے پر العیاذ باللہ مصر ہیں، حکومتیں ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتی ہیں اور ایسے افراد اپنے پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔

ذرا ایک مرتبہ پھر ان وصیتوں کو پڑھئے، ان کی باریک بینی پر غور کیجیے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کیجیے کہ اسلام کے اس جہاد کو فاتحین عالم اور نامی گرامی سپہ سالاروں اور شاہان مملکت کی کشور کشائی اور جہاں گیری سے معمولی سی نسبت بھی ہے؟

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ حَدِّ الْبُلُوْغِ

(۳۲۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ حَمَّادٍ وَاَبِيْهِ وَالْقَاسِمِ بْنِ مَعْنٍ وَعَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ عُرِضْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ قُرَيْظَةَ قَامَ فَاَمَرَ بِقَتْلِ كِبَارِهِمْ وَسَبْيِ صِغَارِهِمْ فَمَنْ اَنْبَتَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ اُسْتُحْيِيَ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ عُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اُنْظُرُوْا فَاِنْ كَانَ اَنْبَتَ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ فَوَجَدَنِيْ لَمْ اُنْبِتْ فَخُلِّيَ سَبِيْلِيْ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ مِنْ سَبْيِ قُرَيْظَةَ فَعُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَظَرُوْا فِيْ عَانَتِيْ فَوَجَدُوْنِيْ لَمْ اُنْبِتْ فَاَلْحَقُوْنِيْ بِالسَّبْيِ۔

حد بلوغ کیا ہے؟

تَرْجَمَۃ: حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ بنو قریظہ کے دن ہمیں نبی علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا، نبی علیہ السلام کھڑے ہوئے

اور حکم دیا کہ ان کے بڑے قتل کر دیے جائیں اور بچے قید کر لیے جائیں' چنانچہ جس کے زیر ناف بال آ چکے تھے اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے بال نہیں اگے تھے اسے زندہ چھوڑ دیا گیا' اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تو فرمایا دیکھو! اگر اس کے بال اگ آئے ہوں تو اسکی گردن اڑا دو' انہوں نے جب دیکھا تو میرے جسم پر بال نہیں آئے تھے اس لیے میرا راستہ چھوڑ دیا گیا۔

حل عبارت: "عرضنا" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی پیش ہونا' "انبت" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اگنا' اسی سے نباتات کا لفظ ماخوذ ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی مختصراً: ١٥٨٤' وابوداؤد: ٤٤٠٤' وابن ماجه: ٢٥٤١' وابن حبان: ٤٧٨٠ والحمیدی:٨٨٨، والطیالسی: ١٢٨٤، والدارمی:٢٤٦٧، وابوداؤد: ٤٤٠٤، واحمد: ١٨٩٨٣۔

مفہوم: بنوقریظہ یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام تھا' مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد نبی علیہ السلام نے ان سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم دونوں مشکل وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور ایک دوسرے کے دشمن کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہیں کریں گے' کچھ عرصے تک یہودی اس معاہدے کی پابندی اور پاسداری کرتے رہے لیکن پھر انہوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی شروع کر دی جو ابتداء میں غیر محسوس طریقے سے ہوتی رہی' پھر کھلم کھلم اور علانیہ یہ کام ہونے لگا۔

اس کے علاوہ بھی ان کی طرف سے اسلام' اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت سی سازشیں کی گئیں جن میں سے اکثر پکڑی گئیں اور ناکام ہوئیں' جب یہ سلسلہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تو وحی الٰہی کے مطابق نبی علیہ السلام نے ان پر لشکر کشی کی اور ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا' کچھ عرصہ تک تو یہ لوگ مقابلہ کرتے رہے لیکن محاصرہ کی شدت دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے اور طے یہ ہوا کہ ان کے متعلق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو بھی فیصلہ کریں گے وہ فریقین کو قبول ہوگا۔

مذکورہ فیصلہ انہی کا تھا جس کی تائید نبی علیہ السلام نے اپنے قول وعمل سے خود بھی فرمائی تھی' چونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنانے میں یہودیوں کی مرضی بھی شامل تھی اس لیے وہ بھی ان کے اس فیصلے سے سرتابی نہیں کر سکتے تھے' یوں یہ فیصلہ متفقہ طور پر نافذ کر دیا گیا' ان کے جنگجو اور نوجوان افراد کو قتل کر کے ان عورتوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا گیا۔

بَابٌ لَا تُفَادٰی جِیفَةُ الْاَسِیرِ

(۳۲۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ وَابْنُ اَبِیْ لَیْلٰی عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ قُتِلَ فِی الْخَنْدَقِ فَاَعْطَی الْمُشْرِكُوْنَ بِجِیْفَتِهٖ مَالاً فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ ذٰلِكَ۔

قیدی کی لاش کا فدیہ نہ لیا جائے

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ غزوۂ خندق کے دن مشرکین میں سے ایک شخص خندق میں گر کر مارا گیا'

مشرکین نے اس کے مردار لاشے کے بدلے مال و دولت کی پیشکش کی' نبی علیہ السلام نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا (اور اس کا لاشہ یوں ہی ان کے حوالے کر دیا)

حَلِّ عِبارت: "جیفة" مردار بمعنی لاش۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ۱۷۱۵، واحمد: ۲۲۳۰۔

مفہوم: بین الاقوامی طور پر اب بھی اس بات کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اپنے فوجیوں کی لاشوں کو حاصل کر کے اپنے ملک میں دفن کیا جائے خواہ اس کے لیے مالی معاوضہ ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لاشوں پر سیاست نہیں کی' یقیناً اگر اس وقت ہمارے سیاستدان یا حکمران ہوتے یا اب کوئی ایسا موقع پیش آ جائے تو وہ اس میں اپنے مفادات کا حصول ضرور ممکن بنائیں گے' اور اسے اپنا تدبر' عالی دماغی اور معاملہ فہمی قرار دیں گے' اے کاش! ہم لاشوں پر سیاست کرنا چھوڑ دیں۔

کوئی لاشوں پر سیاست کر کے فوجی امداد حاصل کرنا چاہتا ہے اور کوئی ننھے منھے معصوم بچوں اور بچیوں کی لاشوں پر سیاست کا بازار گرم کر کے اقتدار کی راہ اپنے لیے ہموار کرنا چاہتا ہے لیکن کسی کو ان لاشوں کے ورثاء کا خیال نہیں آتا' کسی کو ان لاشوں سے روح نکلتے وقت ان کی بے کسی کا خیال نہیں آتا۔

اے کاش! ہمارے مردہ ضمیر کو حیات نو حاصل ہو' اور وہ زندگی کو زندگی سمجھ کر گزار سکے۔

بَابُ النَّهْیِ عَنْ اَنْ یُبَاعَ الْخُمُسُ حَتّٰی یُقْسَمَ

(۳۲۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ خَیْبَرَ اَنْ یُّبَاعَ الْخُمُسُ حَتّٰی یُقْسَمُ۔

مالِ غنیمت کے خمس کو تقسیم سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے دن تقسیم سے قبل مالِ غنیمت کو بیچنے سے منع فرما دیا۔

فائدہ: اگلی روایت بھی اسی کے قریب قریب ہے۔

(۳۲٤) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ یَقْسِمْ شَیْئًا مِنْ غَنَائِمِ بَدْرٍ اِلَّا بَعْدَ مَقْدَمِهٖ بِالْمَدِیْنَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کا مالِ غنیمت اس وقت تک تقسیم نہیں کیا' جب تک مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہو گئے۔

حلِّ عبارت: "یباع" بابِ ضرب سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیچنا "غنائم" جمع ہے غنیمت کی۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الترمذی: ۱۵٦۳، وابوداؤد بالفاظ مختلفة فی آخر: ۲۱۵۸، واحمد: ٤/۱۰۸، والنسائی: ٤٦۹٤۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن هشام فی سیرته: ۲/۳٤٦۔

مفہوم: اس حدیث میں یہ جو فرمایا گیا کہ تقسیم سے قبل مال غنیمت کو فروخت کرنا منع ہے، بظاہر اس کی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس لیے کہ جب تک کوئی چیز انسان کی ملک میں داخل نہیں ہوگی، وہ خود بھی اس کی خرید وفروخت نہیں کرے گا اور قانونی طور پر بھی اسے ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہوگا لیکن جب ذرا گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو اس کی حکمت واضح ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ہوسکتا ہے مجاہدین میں سے کسی کے ذہن میں کسی وقت یہ خیال آجائے کہ یہ مال غنیمت جو ہمیں جہاد سے حاصل ہوا ہے، چونکہ میں بھی اس میں شریک تھا اس لیے میرا حصہ بھی اس میں برابر کا ہے اور وہ اس خیال کے تحت اس میں سے کوئی چیز لے کر خود ہی فروخت کر دے تو اس کی نفی کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس مال غنیمت میں تمہارا بھی برابر کا حصہ ہے لیکن جب تک یہ تقسیم ہو کر تمہارے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس میں تصرف کو جائز نہ سمجھنا اس لیے کہ جس طرح تمہارے ذہن میں یہ خیال آسکتا ہے، کسی دوسرے کے ذہن میں بھی آسکتا ہے۔

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی علیہ السلام مال غنیمت کو اس وقت تک تقسیم نہیں فرماتے تھے جب تک مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہو جاتے، اس دوران اتنا وقفہ ہوتا تھا جس میں کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو جانا ناممکن نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

کتاب البیوع
خرید وفروخت کے احکام

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ

(۳۳۵) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذٰلِكَ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ۔

مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان

ترجمہ: امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان جو چیزیں ہیں وہ شبہ میں ڈالنے والی ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے سو جو شخص ایسی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت محفوظ کر لی۔

حل عبارت: ''اتقی'' باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بچنا ''استبرأ'' باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی براءت طلب کرنا' مراد محفوظ کر لینا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۰۵۱' ومسلم: ٤٠٩٤ (۱۵۹۹) وابوداؤد: ۳۳۲۹' والترمذی: ۱۲۰۵' والنسائی: ٤٤٥٨' وابن ماجه: ۳۹۸٤' وابن حبان: ۷۲۱' والدارمی: ۲/۲٤٥۔

مفہوم: یہاں سے معاملات کی ابحاث و احادیث کا بیان شروع ہو رہا ہے جو شریعت اسلامیہ میں ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں' یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بہت سے لوگ معیشت و اکنامکس اور اقتصادیات کو ایک ایسا موضوع خیال کرتے ہیں جس میں ان کے گمان کے مطابق اسلامی تعلیمات اولاً تو ہیں ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو نہ ہونے کے برابر' لیکن حقائق آشنا لوگ جانتے ہیں کہ معاشیات اور اقتصادیات کے سب سے زیادہ مضبوط اور واضح اصول سب سے پہلے اسلام ہی نے وضع کیے ہیں۔

اور اسلام ہی وہ واحد معاشی نظام پیش کرتا ہے جس میں حلال اور حرام کی تمیز سکھائی جاتی ہے' حلال ذرائع کو اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور حرام ذرائع سے بچایا جاتا ہے اور اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ اگر کسی چیز میں حلال و حرام کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے اور یقینی طور پر اسے حلال یا حرام قرار دینے میں دلائل کی رو سے اطمینان نہ ہوتا ہو تو بہتر یہ ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کیا جائے کیونکہ ہر حلال چیز کو اختیار کرنا ضروری نہیں ہے' لیکن ہر حرام سے بچنا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ دنیا کے جس معاشی نظام کو دیکھ لیجئے' وہ حلال و حرام کی پرواہ کیے بغیر زیادہ سے زیادہ مالدار بننے کے راستے ہموار کرتا ہے خواہ سود کے ذریعے ہو یا رشوت کے ذریعے' سٹے کے ذریعے ہو یا جوے کے ذریعے' شراب کے ذریعے ہو یا شباب کے ذریعے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیوی طور پر ایسے معاشی نظاموں سے تعلق رکھنے والے لوگ بظاہر آسودہ حال نظر آتے ہیں لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسے لوگوں کا دین محفوظ ہوتا ہے اور نہ عزت' جبکہ اسلامی نظام معیشت سے وابستہ افراد کی عزت بھی محفوظ ہوتی ہے اور دین بھی۔ واللہ اعلم

بَابُ اللَّعْنِ عَلَى الْخَمْرِ

(۳۲۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لُعِنَتِ الْخَمْرُ وَعَاصِرُهَا وَسَاقِيْهَا وَشَارِبُهَا وَبَائِعُهَا وَمُشْتَرِيْهَا۔

شراب پر لعنت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ شراب پر اس کے نچوڑنے والے پلانے والے بیچنے والے اور خریدنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

حل عبارت: "لعنت" باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی لعنت کرنا "عاصرھا" باب ضرب سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی نچوڑنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۳۶۷۴' وابن ماجه: ۳۳۸۰' والترمذی: ۱۲۹۵' واحمد: ۴۷۸۷ و ابن ابی شیبة: ۴۴۷/۶، وابویعلی: ۵۵۹۱۔

مفہوم: اگر ہم اس زمانے کا تصور کرسکیں جس میں شراب پانی کی جگہ استعمال ہوتی تھی' بچے کی پیدائش پر اسے گھٹی شراب کی دی جاتی تھی' محفل موسیقی و مشاعرہ میں باپ پینے والا ہوتا تھا اور بیٹا جام بھر بھر کر پلانے والا ہوتا تھا' ہر شخص شراب پی کر جوان ہوتا تھا اور شرابی ہی دنیا سے چلا جاتا تھا تو شاید ہم ان الفاظ کی شدت کا اندازہ لگا سکیں کہ شراب بذات خود ملعون ہے' اسے پینے اور پلانے والا بھی ملعون ہے' اسے بنانے اور بنوانے والا بھی ملعون ہے' اسے اٹھانے اور اٹھوانے والا بھی ملعون ہے اور اسے بیچنے اور خریدنے والا بھی ملعون ہے گویا اس عمل میں جتنے افراد بھی داخل ہوتے جائیں گے وہ سب اللہ کی رحمت سے دور اور اس کے غضب سے قریب ہو جائیں گے' اور اس سلسلۂ لعنت میں داخل ہونے والا کوئی ایک شخص بھی رحمت الٰہی سے فیض یار نہ ہو سکے گا تا آنکہ توبہ کر لے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر یہ بات بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ آخر یکدم حرمت خمر کا حکم نازل کیوں نہیں ہو گیا؟ آہستہ آہستہ اور تدریجاً و نجماً نجماً اس حکم کے نزول میں کیا حکمت تھی؟ اس لیے کہ بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ اگر لوگوں سے اول مرتبہ ہی یہ دیا جاتا کہ شراب مت پیا کرو تو لوگ کہتے کہ ہم تو ضرور پئیں گے' اس لیے پہلے ان کی ذہن سازی کی گئی اور اس کے بعد اعلان کر دیا گیا۔

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔"

لوگ چونکہ ذہن سازی کے مرحلے سے گزر چکے تھے اس لیے اس اعلان کے ہوتے ہی مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب کا سیلاب آ گیا' جام و سبو توڑ دیے گئے' ہونٹوں سے لگے ہوئے جام شیطان کی خواہشات کی تکمیل کرنے سے

پہلے ہی ہٹا لیے گئے اور گراں نرخوں پر خریدی گئی ہر نوع کی شراب بہا دی گئی اور اس کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا گیا کہ شراب کی رسیا قوم اس سے نفرت کرنے والی بن گئی' اس کے بغیر زندگی کو زندگی نہ سمجھنے والی قوم اسے ناسور زندگی قرار دینے لگی اور اس سے ایسی دشمنی کی کہ پورے مدینہ منورہ ہی میں نہیں' عالم اسلام میں شراب کو نشہ آور مشروب کی بجائے زہر سمجھا جانے لگا' اور چند استثنائی واقعات کو نکال کر ہر طرف سے یہ خبریں سننے کو ملنے لگیں کہ اب کوئی شرابی نہیں رہا۔

وائے افسوس! کہ ہمارے آباؤ اجداد نے جس خانہ خراب سے اپنے گھر کو بچایا تھا' ہم نے اسی سے اپنی زندگی اور اپنے خانماں کو خراب اور تباہ برباد کر لیا' ہمارے روز و شب اس سے آشنا ہو گئے' ہمارے گھر اور ہوٹل کھلے عام شراب خانے کا منظر پیش کرنے لگے' ہمارے حکمران سر عام پینے کا اعتراف کرنے لگے' اور عوام حکمرانوں کی نقالی میں ہوش وحواس سے عاری ہونے لگے۔ فالی اللہ المشتکی

بَابٌ هَلْ يَجُوْزُ بَيْعُ الْخَمْرِ؟

(۳۲۷) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ اَوْ سَاَلَهٗ اَبُوْ كَثِيْرٍ عَنْ بَيْعِ الْخَمْرِ فَقَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَحَرَّمُوْا اَكْلَهَا وَاسْتَحَلُّوْا بَيْعَهَا وَاَكَلُوْا اَثْمَانَهَا وَاَنَّ الَّذِيْ حَرَّمَ الْخَمْرَ حَرَّمَ بَيْعَهَا وَاَكْلَ ثَمَنِهَا۔

کیا پڑی ہوئی شراب بیچنا جائز ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے شراب کی خرید وفروخت کے بارے سوال کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت فرمائے' ان پر چربی کو حرام قرار دیا گیا' انہوں نے اپنے اوپر اس کا کھانا تو حرام کر لیا لیکن خرید وفروخت جائز سمجھی اور اس کی قیمت کھانے لگے' یاد رکھو! جس ذات نے شراب حرام قرار دی ہے' اسی نے اس کی خرید وفروخت اور اس کی قیمت کھانے سے بھی منع کیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے۔

حل عبارت: "حرمت" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی حرام قرار دینا "الشحوم" شحم کی جمع ہے بمعنی چربی۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۳۴۸۸' والبخاری مطولاً: ۲۲۳۶' مسلم: ۴۰۵۲ (۱۵۸۳) والترمذی: ۱۲۹۷' وابن ماجه: ۲۱۲۷۔

مفہوم: انسان فطری طور پر حیلہ ساز اور بہانہ جو واقع ہوا ہے اس لیے ہر اس حکم میں جو اس کی طبیعت پر گراں گزرتا ہو وہ کوئی نہ کوئی شارٹ کٹ راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے' اور اس کے لیے طرح طرح کے حیلوں' بہانوں سے کام لیتا

ہے جیسے یہودیوں کے لیے گائے اور بکری کی چربی استعمال کرنا حرام تھی' انہوں نے اپنی حیلہ ساز طبیعت سے مجبور ہو کر اس کا حل یہ نکالا کہ چربی کو کھانے پینے کی چیزوں میں استعمال کرنا تو چھوڑ دیا اور اسے خوب صاف ستھرا کر کے مہنگے داموں فروخت کر کے اس کے پیسے کھرے کرنے لگے۔

ان کی عقل نے انہیں یہ مت نہ دی کہ چربی کی قیمت کھانا بھی تو چربی ہی کا استعمال ہے اور وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے چکر میں اللہ کی رحمت سے محروم اور اس کی لعنت کا مورد و مرکز بن گئے' اسی طرح اس امت پر شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے' لیکن شراب کا کاروبار کرنے والے اور اس سے اپنی زندگیوں کو برباد کرنے والے یہ حیلہ گھڑ لیتے ہیں کہ شراب کا پینا حرام ہے' اسے فروخت کر اس کی قیمت استعمال کرنا تو حرام نہیں ہے اور نہ ہی قرآن میں کہیں ایسا آتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے حیلوں اور بہانوں کی خود حیلہ سازوں کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی اور وہ بھی یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں تو پروردگار عالم کی نگاہ میں اس کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

بَابُ اللَّعْنِ عَلٰی اٰکِلِ الرِّبٰوا

(۳۲۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُؤْکِلَهٗ۔

سود خور پر خدا کی لعنت

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

حلِ عبارت: "اکل" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کھانے والا "موکل" باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کھلانے والا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۳۳۳۳' والترمذی: ۱۲۰۶' وابن ماجه: ۲۲۷۷' والنسائی: ۵۱۰٦' واحمد: ۳۹۳/۱' والبخاری مطولاً: ۵۳٤۷' ومسلم: ٤۰۹۳ (۱۵۹۸)۔

مفہوم: پرانے زمانے میں امراء کی تعداد اسی طرح کم ہوتی تھی جیسے موجودہ زمانے میں ہے اور غرباء کی تعداد اسی طرح زیادہ ہوتی تھی جیسے آج کل ہے' فرق صرف اتنا ہے کہ اس زمانے کی نسبت آج کل امراء کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو گیا ہے اور دولت چند ہاتھوں سے نکل کر دوسروں تک بھی پہنچی ہے گو کہ اب بھی امراء اور غرباء کے درمیان کوئی عددی نسبت نہیں ہے۔

بہرحال! زمانۂ قدیم میں غرباء اپنی ضروریات کے لیے امراء سے قرض اور ادھار لینے پر مجبور ہوا کرتے تھے' ان

امراء کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ غریب لوگ ہمارے پیسے سے اپنی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جب ان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو یہ ہمیں ہماری امانت لوٹا جاتے ہیں گویا ہمارے مال سے یہ تو فائدہ اٹھا لیتے ہیں، پر ہمیں کیا فائدہ ہوا؟ یہ سوچ کر انہوں نے آئندہ سے یہ اصول بنا لیا کہ جو شخص ہم سے قرض لے گا' اسے واپس لوٹاتے وقت کچھ رقم زائد ادا کرنا ہوگی جو قرض دینے والے کا منافع ہوگی اور قرض دیتے وقت وہ اس زائد رقم کا تعین خود کرنے لگے۔

ہوتے ہوتے یہ چیز اتنی بڑھی کہ مالدار پہلے سے زیادہ مالدار ہو گئے اور غرباء پہلے سے زیادہ غریب ہو گئے اور نوبت بایں جا رسید کہ اگر کوئی غریب وقت مقررہ پر قرض ادا نہ کر پاتا تو اس پر جرمانہ عائد کر دیا جاتا' ظاہر ہے کہ اصل رقم ادا نہ کرنے والا جرمانہ کہاں سے ادا کرے؟ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ جرمانہ در جرمانہ اتنا زیادہ ہو جاتا کہ قرض خواہ اس کی جائیداد پر قبضہ کر لیتا یا اگر اس کی بیوی یا بیٹی خوبصورت ہوتی تو اس پر قبضہ کر لیتا' شریعت نے اس طریقۂ کار پر پابندی لگاتے ہوئے اسے سود کا نام دیا' اسے حرام قرار دیا اور سودی کاروبار کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ قرار دیا۔

شریعت نے یہ اصول بھی وضع کیا کہ قرض خواہ تو اپنے قرض کی رقم میں اضافہ کا مطالبہ کر کے ظلم کر ہی رہا ہے' مقروض بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا کر اور اس سے احتجاج نہ کر کے اس ظلم میں برابر کا شریک ہو رہا ہے اس لیے جس طرح قرضخواہ رحمت الٰہی سے دور اور لعنت کا مستحق ہے اس طرح مقروض بھی رحمت الٰہی سے دور اور لعنت کا مستحق ہے۔

دور حاضر کے متجددین بھی ''سود'' کو معیشت کے جسم کے لیے ''ریڑھ کی ہڈی'' کی حیثیت دینے کے لیے پالیساں اور اصول وضع کرنے کی ضرورت پر زور دیتے رہتے ہیں لیکن دور حاضر ہی میں ایسے اللہ والے بھی موجود ہیں جو سود کو حرام قرار دینے کے ''اعزاز'' میں سپریم کورٹ کے جج سے ہونے معزول کر دیے جاتے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ مطمئن نظر آتے ہیں۔

بَابُ الرِّبٰوا فِی النَّسِیْئَۃِ

(۳۲۹) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ اِنَّمَا الرِّبٰوا فِی النَّسِیْئَۃِ وَمَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ فَلَا بَأْسَ۔

سود ادھار میں ہوتا ہے

تَرْجَمَہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سود تو ادھار میں ہوتا ہے' جو معاملہ نقدا نقد ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: اگلی روایت کا موضوع بھی یہی ہے۔

(۳۳۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًوا وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ وَزْنًا بِوَزْنٍ وَالْفَضْلُ رِبًوا وَالتَّمْرَ بِالتَّمْرِ وَالْفَضْلُ رِبًوا وَالشَّعِيْرَ بِالشَّعِيْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًوا وَالْمِلْحَ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًوا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفَضْلُ رِبًوا وَالْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ كَيْلًا بِكَيْلٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفَضْلُ رِبًوا وَالتَّمْرَ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحَ بِالْمِلْحِ كَيْلًا بِكَيْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًوا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سونا سونے کے بدلے برابر بیچو' کمی بیشی سود ہو گی' چاندی کو چاندی کے بدلے برابر وزن کے ساتھ بیچو' کمی بیشی سود ہو گی' کھجور کو کھجور کے بدلے برابر بیچو' کمی بیشی سود ہو گی' جو کو جو کے بدلے برابر برابر بیچو' کمی بیشی سود ہو گی' نمک کو نمک کے بدلے برابر برابر بیچو' کمی بیشی سود ہو گی' ایک روایت میں گندم کا ذکر بھی آیا ہے۔

حلِ عبارت: "انما" کلمۂ حصر ہے "النسیئة" بمعنی ادھار "الذهب" فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ٤٠٨٩' ٤٠٩٠ (١٥٩٦) والنسائی: ٤٥٨٥' وابن ماجه: ٢٢٥٧' والبخاری مثله مطولا: ٢١٧٨' وابن حبان: ٥٠٢٢۔

تخریج حدیث ثانی: اما نفس الحديث فقد اخرجه جميع اصحاب الحديث' واما بهذا السياق فقد اخرجه مسلم مختصرا ٤٠٦٨ (١٥٨٨) والنسائی: ٤٥٧٣' واحمد: ٢/٢٦١۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کو سمجھنے سے پہلے یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ ہم جو چیزیں خریدتے اور بیچتے ہیں' ان میں بعض چیزیں وزن کر کے بیچی اور خریدی جاتی ہیں' بعض ماپ کر اور بعض گن کر' اول کو "موزونات" ثانی کو "مکیلات" اور ثالث کو "معدودات" کہا جاتا ہے' یہاں ایک چوتھی قسم بھی ہوتی ہے جسے "مذروعات" سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جو چیزیں گز کے اعتبار سے پیمائش کر کے بیچی اور خریدی جاتی ہیں۔

پھر اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ خریدار کرنسی کے بدلے اپنی ضروریات خریدتا ہے اور بعض اوقات ایک ہی جیسی چیزوں کا آپس میں تبادلہ کیا جاتا ہے مثلاً گندم کے بدلے گندم کا تبادلہ' یا سونے کے بدلے سونے کا تبادلہ' اسے آپ "ہم جنس کے ذریعے تبادلہ" کہہ سکتے ہیں' یہاں ایک تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خریدار ایک جنس کے بدلے دوسری جنس کا مالک بننا چاہے مثلاً سونا دے کر چاندی خریدنا چاہے یا گندم دے کر کھجور خریدنا چاہے۔

ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھ کر اب یہ سمجھئے کہ کسی معاملے کو سودی معاملہ قرار دینے کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے' ایک تو یہ وہ کہ وہ چیز مکیلات یا موزونات میں سے ہو اور دوسرے یہ کہ ان دونوں کی جنس ایک ہی ہو یعنی

وہ دونوں ہم جنس ہوں، ہم جنس پرستی تو ویسے بھی منع ہے لہٰذا یہاں بھی منع ہوگی۔

جہاں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں وہاں معاملہ صحیح اور شرعی شرائط کے مطابق کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں چیزوں کی مقدار بھی یکساں اور برابر ہو اور معاملہ ادھار پر نہ رکھا جائے مثلاً گاہک سونا اسی وقت دے دے اور دکاندار اگلے دن یا چند گھنٹوں بعد کا وعدہ کرلے، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

اگر وہ چیز مکیلات یا موزونات میں سے تو ہو، مگر اس کی ہم جنس نہ ہو، کوئی اور جنس ہو تو اس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے، البتہ ادھار پھر بھی جائز نہ ہوگا اور اگر خرید و فروخت کرنسی کے بدلے میں ہو تو اس میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے۔

زیر بحث حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں مذکور ساری چیزیں مکیلات یا موزونات میں سے ہی ہیں اور انہیں ہم جنس کے بدلے بیچنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِی اشْتِرَاءِ الْعَبْدَیْنِ بِعَبْدٍ

(۳۳۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِشْتَرٰی عَبْدَیْنِ بِعَبْدٍ۔

دو غلاموں کو ایک غلام کے عوض خریدنا

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کے بدلے دو غلام خریدے۔

تخریج حدیث: اخرجه النسائی مطولاً: ٤٦٢٥، والترمذی: ١٢٣٩، وابوداؤد: ٣٣٥٨، ومسلم: ٤١١٣ (١٦٠٢)

مفہوم: گزشتہ حدیث کے تحت ذکر کیے گئے اصول کو اگر یہاں منطبق کیا جائے تو غلام کو غلام کے بدلے بیچنا، ہم جنس کو ہم جنس کے بدلے بیچنے کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ دونوں کی جنس ایک ہی ہے لیکن دونوں کا تعلق مکیلات یا موزونات میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہے اس لیے اصولی طور پر اس میں کمی بیشی جائز ہوگی لیکن ادھار کرنا صحیح نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی یہ حدیث کتب حدیث میں موجود ہے۔

"ان النبی ﷺ نهی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئة"

اور اسی اصول کے پیش نظر نبی ﷺ نے ایک غلام کے بدلے دو غلام خرید لیے لیکن ان میں ادھار روا نہ رکھا بلکہ ہاتھوں ہاتھ معاملہ فرمایا، یہی حکم ان تمام صورتوں کا ہے جہاں مذکورہ دو شرطوں میں سے صرف ایک شرط پائی جائے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا یَجُوْزُ بَیْعُهٗ وَمَا لَا یَجُوْزُ

(۳۳۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ طَاوٗسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنِ اشْتَرٰی طَعَامًا

فَلَا یَبِعْهُ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَهٗ۔

جائز اور ناجائز بیوع کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص غلہ خریدے وہ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے آگے نہ بیچے۔

فائدہ: اگلی چند روایات کا موضوع بھی یہی ہے۔

(۳۳۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے دھوکے کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔

(۳۳۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ نَهٰی عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔

(۳۳۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنْ اَنْ یُّشْتَرٰی ثَمَرَةٌ حَتّٰی یُشْقِحَ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے پھل پکنے سے پہلے خریدنے سے منع فرمایا ہے۔

(۳۳۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ جَبَلَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ السَّلَمِ فِی النَّخْلِ حَتّٰی یَبْدُوَ صَلَاحُهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے کھجور کی بیع سلم سے منع فرمایا ہے تاآنکہ اس کا پکنا سامنے آ جائے۔

(۳۳۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِذَا طَلَعَ النَّجْمُ رُفِعَتِ الْعَاهَاتُ یَعْنِی الثُّرَیَّا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب ثریا ستارہ طلوع ہو جائے تو پھلوں کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

حل عبارت: "طعاما" بمعنی کھانا مراد غلہ ہے "یستوفیه" باب استفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پورا وصول کرنا "الغرر" دھوکہ "یشقح" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پک جانا "یبدو" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ظاہر ہونا "العاهات" عاهة کی جمع ہے بمعنی آفت۔

تخریج حدیث ۳۳۲: اخرجه البخاری: ۲۱۳۵، ومسلم: ۳۸۳٦ (۱۵۲۵) وابوداؤد: ۳٤۹۷، والنسائی: ٤۵۹۹، والترمذی: ۱۲۹۱، وابن ماجه: ۲۲۲۷، وابن حبان: ٤۹۷۸، واحمد: ۳۹۲/۳۔

تخریج حدیث ۳۳۳: اخرجه ابن حبان: ٤٩٧٢' واحمد: ١٤٤/٢' ومسلم: ٣٨٠٨ (١٥١٣) وابوداؤد: ٣٣٧٦' والترمذی: ١٢٣٠' وابن ماجه: ٢١٩٥۔

تخریج حدیث ۳۳٤: اخرجه البخاری: ٢١٨٧' ومسلم: ٣٩٠٨ (١٥٣٦) وابوداؤد: ٣٤٠٥' والترمذی: ١٢٩٠' والنسائی: ٤٦٣٧' وابن ماجه: ٢٢٦٦' وابن حبان: ٤٩٩٦۔

تخریج حدیث ۳۳٥: اخرجه البخاری: ٢١٩٦' وابن حبان: ٤٩٩٢' وابوداؤد: ٣٣٧٠۔

تخریج حدیث ۳۳٦: اخرجه البخاری: ١٤٨٦' ومسلم: ٣٨٦٢ (١٥٣٤) وابوداؤد: ٣٣٦٧' وابن ماجه: ٢٢١٤' والنسائی: ٤٥٢٤' واحمد: ٥٦/٢۔

تخریج حدیث ۳۳۷: اخرجه احمد: ٨٤٧٦' ومحمد فی الآثار: ٩٠٧ والطبرانی: ١٣٠٥۔

مَفْهُوم: ہر حدیث کی جزوی وضاحت سے قبل ہم ایک اصول ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور وہ یہ کہ شریعت نے ہر اس قسم کے تجارتی معاملے سے منع کر دیا ہے جہاں کسی بھی نوعیت میں دھوکہ کا پہلو آ سکتا ہو مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے چاول خریدتا ہے اور اس پر قبضہ کئے بغیر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے' بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مقدار کم نکلی یا معیار گھٹیا نکلا' ظاہر ہے کہ دوسرا شخص تو اسی سے رابطہ کرے گا جس سے اس نے وہ چاول خریدے ہوں گے کیونکہ اس کی نظر میں اسے دھوکہ دینے والا تو وہی ہوگا۔

اسی طرح شریعت نے ہر اس چیز کو فروخت کرنے اور خریدنے سے منع کیا ہے جو فروخت کنندہ کے اپنے قبضے میں نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے خریدار سے معاملہ طے ہو جانے کے بعد وہ متعلقہ چیز اسے فراہم نہ کر سکے اور وہ چیز خراب ہو جائے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اس کھیت میں جتنے بھی خربوزے لگے ہوئے ہیں میں اسے دس ہزار روپے میں خریدتا ہوں' فروخت کنندہ حامی بھر لیتا ہے' ہو سکتا ہے اس سال فصل ہی خراب ہو جائے' پھل آئے ہی نہ' یا اگر آئے تو وہ پکی نہ ہو' اس طرح ان دونوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے گا' بائع کہے گا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے اور مشتری کہے گا کہ میں تو اس حال میں اسے خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

اس جھگڑے سے بچنے کے لیے شریعت نے یہ اصول طے کر دیا کہ جب تک مبیع قبضہ میں نہ ہو' اسے بیچنا جائز نہیں' اس سے ایک تیسرا اصول بھی نکل آیا جو پہلے دو اصولوں سے زیادہ عام ہے اور وہ یہ کہ جس معاملے میں بھی جھگڑے کا اندیشہ ہو' شریعت اپنے پیروکاروں کو ہر اس معاملے سے روکتی ہے۔

اس تمہید کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب زیر بحث حدیثوں پر نظر دوڑائیے تو معلوم ہوگا کہ پہلی حدیث میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے' دوسری حدیث میں دھوکے کی تجارت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے' تیسری حدیث میں ''مزابنہ اور محاقلہ'' سے روکا گیا ہے' ''مزابنہ'' کا معنی ہے خشک کھجور کی تر کھجور کے بدلے خرید و فروخت اور ''محاقلہ''

کا معنی ہے کھیت میں لگے خوشوں کے اندر موجود گندم کی کٹی ہوئی گندم کے بدلے خرید وفروخت' ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں دھوکہ ہے کیونکہ تر کھجور خشک ہونے کے بعد وزن کے اعتبار سے کم ہو جائے گی اور دوسری صورت میں قبضہ نہیں ہے جبکہ چوتھی اور پانچویں حدیث میں بھی یہی صورت ہے' چھٹی حدیث میں پھل پکنے کی علامت ثریا ستارہ کا طلوع ہونا قرار دیا گیا ہے۔

یہاں اس سوال کو حل کرنا بھی ضروری ہے جو اوپر کی گفتگو سے ایک عام تاجر کے ذہن میں آ سکتا ہے کہ آجکل تو پوری دنیا میں اسی فیصد کاروبار ہی ''بیع قبل القبض'' کی بنیاد پر چل رہا ہے' اور اتنا زیادہ رائج ہو چکا ہے کہ اس طرز تجارت سے پیچھے ہٹنے والا تاجر کبھی بھی کامیاب ہو ہی نہیں سکتا مثلاً زید' عمرو سے کہتا ہے کہ مجھے فلاں سائز کے ایک ہزار جوتے درکار ہیں' کیا آپ فلاں تاریخ تک انتظام کر سکتے ہیں؟ عمرو کے پاس اس وقت وہ جوتے موجود نہیں ہوتے لیکن وہ حامی بھر لیتا ہے' اس کے اوپر اعتماد کرتے ہوئے زید ان جوتوں کی خرید وفروخت مکمل کر لیتا ہے' ظاہر ہے کہ یہاں تو مبیع ہی نہیں ہے اس پر قبضہ تو بڑی دور کی بات ہے۔

یا مثلاً عمر کے پاس وہ جوتے موجود ہوں' خریدار زید ہی ہے' لیکن وہ دوسری کمپنی سے معاہدہ کر کے عمرو سے کہتا ہے کہ آپ میرے پاس جوتے بھجوانے کی بجائے فلاں کمپنی کو بھجوا دیجیے' گویا زید نے اس پر قبضہ کیے بغیر ہی اسے آگے بیچ دیا' آیا شریعت اس قسم کے معاملات کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے؟ اگر مذکورہ اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ معاملہ ناجائز قرار پاتا ہے لیکن اس صورت میں تجارتی معاملات چلانا مشکل ہو جائے گا؟

اس کا حل شریعت نے یہ دیا ہے کہ اس کے قسم کے تجارتی معاملات جائز ہیں لیکن ایک شرط کے ساتھ اور وہ یہ کہ انہیں کسی خاص جگہ کے ساتھ مقید نہ کرے مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ مجھے باٹا کے ایک ہزار جوتے درکار ہیں اور عمرو حامی بھر لیتا ہے تو یہ صحیح ہے لیکن اگر زید یہ کہے کہ انارکلی میں باٹا کی جو دکان ہے مجھے اس دکان سے ایک ہزار جوتے درکار ہیں اور عمرو اس کی حامی بھر لیتا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ انارکلی والی دکان میں اتنا سٹاک ہی نہ ہو یا خدانخواستہ وہاں کوئی نقصان ہو جائے' جبکہ پہلی صورت میں وہ باٹا کے ہزار جوتے مہیا کرنے کا پابند ہے خواہ کہیں سے بھی کرے۔

اس صورت میں بائع کو مشتری کا وکیل سمجھ کر کسی دوسری کمپنی کے ہاتھ وہ چیز فروخت کرنا بھی صحیح ہو گا اور اس طرح ''بیع قبل القبض'' کی قباحت بھی ختم ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلاً مُؤَبَّرًا

(۳۳۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلاً مُؤَبَّرًا اَوْ عَبْدًا وَلَهٗ مَالٌ فَالثَّمَرَةُ وَالْمَالُ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ یَّشْتَرِطَ الْمُشْتَرِیُ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهٗ مَالٌ فَالْمَالُ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا فَثَمَرَتُهٗ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔

تَرْجَمَہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص تابیر شدہ درخت فروخت کرے یا کوئی ایسا غلام جس کے پاس کچھ مال بھی ہو تو پھل اور مال بائع کا ہوگا الا یہ کہ مشتری شرط لگا دے۔

حَلِّ عِبَارَت: ''موبرا'' باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی پیوندکاری کرنا ''المبتاع'' ای المشتری

تَخْرِیجِ حَدِیث: اخرجه البخاري: ٢٣٧٩، ومسلم: ٣٩٠٥ (١٥٤٣) وابوداؤد: ٣٤٣٣، والترمذي: ١٢٤٤، وابن ماجه: ٢٢١١، والنسائي: ٤٦٤٠، والطيالسي: ١٨٠٥، وعبدالرزاق: ١٤٦٢٠، والحميدي: ٦١٣، وابن ابي شيبة: ٧/١١٢ و عبد بن حميد: ٧٢٢، وأبو يعلى ٥٤٢٧۔

مَفْهُوم: اس حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے تابیر کا مفہوم اور پس منظر سمجھنا ضروری ہے تا کہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے چنانچہ مروی ہے کہ حضور نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اہل مدینہ کھجوروں کی فصل عمدہ اور بہترین بنانے کے لیے ایک خاص ترکیب اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ مادہ کھجوروں کے گابھے میں نر کھجور کے گابھے کے اجزاء ملا دیتے ہیں جس سے مادہ کھجور میں نر کھجور کے اجزاء خلط ملط ہو جاتے ہیں، اس عمل کو عربی میں ''تابیر'' اور اردو میں ''پیوندکاری'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبی علیہ السلام نے اہل مدینہ سے اس کی بابت دریافت فرمایا، انہوں نے یہی خیال ظاہر کیا کہ اس سے فصل بہت اچھی آتی ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا میرا نہیں خیال کہ اس طرح کرنے سے فصل اچھی ہوتی ہو، اگر تم ایسا نہ کرو تو کیا حرج ہے؟ صحابہ کرامؓ نے اس سال پیوندکاری نہیں کی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال واقعی کھجور کی فصل اچھی نہیں ہوئی، صحابہ کرامؓ نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا، نبی علیہ السلام نے فرمایا میں نے تو اس پر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا بہرحال! دنیاوی معاملات تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو اس لیے جو مناسب سمجھو، کرلیا کرو۔

اصل میں پیوندکاری کا یہ عمل بظاہر اس مشق سے ملتا جلتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان جاری رہتی ہے، نبی علیہ السلام نے اپنی فطری حیاء کی وجہ سے اسے اچھا نہیں سمجھا، گویا تابیر کے اس عمل میں شرعی طور پر کوئی قباحت موجود نہیں ہے۔

اس تمہید کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ اگر کسی شخص مثلاً خالد نے اپنے درخت شاہد کے ہاتھ فروخت کر دیئے لیکن ان درختوں پر ابھی کھجوریں لگی ہوئی ہیں اور کھجوریں بھی عمدہ نسل سے تعلق رکھتی ہیں یعنی تابیر شدہ ہیں، ہو سکتا ہے کہ درختوں کی خریداری کرنے والے شاہد کے ذہن میں یہ خیال آجائے کہ جب میں نے درخت خرید لیے تو ان پر لگا ہوا پھل بھی میری ملکیت میں آ گیا، اس کی وضاحت کے لیے فرمایا گیا کہ چونکہ خریداری درختوں کی ہوئی ہے اس لیے اس پر لگے ہوئے پھل بائع کی ملکیت میں ہی متصور ہوں گے، ہاں! اگر شاہد نے ان درختوں کو خریدتے وقت ہی کہہ دیا تھا کہ میں ان درختوں کو پھل سمیت خرید رہا ہوں تو وہ بائع کی ملکیت سے خارج ہو جائیں گے۔

یہی حکم اس غلام کا ہے جس کے پاس کچھ مال و دولت بھی ہو تو وہ بائع کو ملے گی، مشتری اس پر دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے صرف غلام خریدا ہے، ہاں! اگر وہ غلام کو خریدتے وقت یہ کہہ دے کہ میں اس غلام کو اور اس کی ملکیت میں جتنی چیزیں ہیں سب خریدتا ہوں تو پھر وہ اس کا حقدار ہوگا۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ السَّوْمِ عَلٰى سَوْمِ اَخِيْهِ

(۳۳۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَمَّنْ لَا اُتَّهِمُ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ وَاَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ لَا يَسْتَامُ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ اَخِيْهِ وَلَا يَنْكِحُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ وَلَا تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا خَالَتِهَا وَلَا تَسْاَلُ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَكْفِىءَ مَا فِىْ صَحْفَتِهَا فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَازِقُهَا وَلَا تُبَايِعُوْا بِالْقَاءِ الْحَجَرِ وَاِذَا اسْتَاْجَرْتَ اَجِيْرًا فَاَعْلِمْهُ اَجْرَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کے دام پر دام نہ لگائے، کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ بھیجے، کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کرے، اور کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے کہ اس کے پیالے کا حصہ خود لینا چاہے، کیونکہ اللہ ہی دینے والا ہے، پتھر ڈال کر خرید وفروخت نہ کرو اور جب کسی شخص کو مزدور بناؤ تو اسے اس کی مزدوری بتا دو۔

حلِ عبارت: "لا یستام" باب افتعال سے نہی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بھاؤ تاؤ کرنا۔ "خطبة" خاء کے کسرہ کے ساتھ بمعنی منگنی، پیغام نکاح، "لتکفی" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پا لینا، خالی کروا لینا، اور اس کے شروع میں جو لام ہے وہ لام امر نہیں بلکہ لام کی ہے "صحفتها"، پیالہ "فاعلمه" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بتا دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۱۴۰، ومسلم: ۳۸۱۱ و ۳۸۱۲ (۱۴۱۲ ۹) وابوداؤد: ۲۰۸۱، والترمذی: ۱۲۹۲۔ والنسائی: ۳۲۴۱، وابن ماجه: ۲۱۷۲۔

مفہوم: ا۔ شریعت اسلامیہ کا اپنے پیروکاروں سے یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو دائیں بائیں بھٹکنے سے محفوظ رکھیں، کسی کے مال و دولت کو دیکھ کر، کسی کی بیوی کو دیکھ کر، کسی کے مکان اور کوٹھی کو دیکھ کر یا کسی کی جائیداد اور تعیشات زندگی کو دیکھ کر اپنی رال نہ ٹپکانے لگیں، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کسی کے معاملے کو خراب کرنے کی کوشش نہ کریں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی شخص کو ایک چیز خریدتے ہوئے دیکھتے ہیں، ہم محض اسے نیچا دکھانے کے لیے اسی چیز کی قیمت زیادہ لگا دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دکاندار اپنے گاہک کو چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں شخص کے لیے فلاں لڑکی سے نکاح کی بات چیت دونوں خاندانوں میں چل رہی ہے، ہم محض

ضد اور بحث میں آ کر اپنے کسی عزیز کا رشتہ بھی وہاں بھجوا دیتے ہیں' لڑکی کے ماں باپ شش و پنج میں پڑ جاتے ہیں کہ کس سے اقرار کریں اور کسے انکار کریں؟

ظاہر ہے کہ اس طرح کرنے سے ایک بنتا ہوا معاملہ بگڑ جائے گا اس لیے شریعت نے اسے کسی صورت بھی پسند نہیں کیا' ہاں! اگر دکاندار اور گاہک کسی ایک قیمت پر متفق نہ ہو سکے یا لڑکا اور لڑکی کا رشتہ نہیں ہو سکا تو آپ بڑھ کر اپنی طرف سے پیشکش کر سکتے ہیں' جیسے خالہ یا پھوپھی سے نکاح برقرار نہ رہنے کی صورت میں ''خواہ وہ طلاق کی وجہ سے ہو یا وفات کی وجہ سے'' ان کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح جائز ہے۔

۲۔ اسی اصول کو سامنے رکھ کر کوئی عورت اپنی حقیقی یا دینی بہن کی طلاق کی خواہش نہ کرے کہ اس کا شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو میں اس سے نکاح کر لوں' اس کا ''پیالہ'' خالی ہو جائے اور میرا ''پیالہ'' بھر جائے' وہ سہولیات سے محروم ہو جائے اور میری پر تعیش زندگی کا آغاز ہو جائے' ہاں! اگر وہ شخص خود ہی کسی وجہ سے اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو شریعت اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی اور ان دونوں کے نکاح کو جائز سمجھتی ہے۔

۳۔ دکاندار نے اپنی دکان کو مختلف چیزوں سے سجا رکھا ہو اور ہر چیز کی الگ الگ قیمت مقرر کر رکھی ہو' ایک آدمی آ کر کہے کہ میں ایک پتھر پھینکتا ہوں' جس چیز کو وہ پتھر لگ جائے گا میں اسے دس درہم میں خرید لوں گا' دکاندار راضی ہو جائے' بعد میں پتہ چلے کہ مہنگی چیز پر پتھر پڑ گیا تو دکاندار جھگڑے اور اگر سستی چیز پر پتھر لگ گیا تو خریدار نظریں چرائے' اس قسم کی بیع و شراء کو ''القاءِ حجر والی بیع'' کہا جاتا ہے اور شریعت نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں جھگڑے کا اندیشہ ہے جیسے اس صورت میں بھی جھگڑے کا اندیشہ ہے جب کہ کوئی شخص ایک آدمی سے مزدوری کروائے اور اس کی اجرت طے نہ کرے' اسی لیے شریعت نے تلقین کی ہے کہ معاملہ سے قبل ہی اجرت طے کر لی جائے تا کہ جھگڑے کی نوبت ہی نہ آئے۔

بَابُ مَنِ اشْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ

(۳۴۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ اِشْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ قَالُوْا وَكَيْفَ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تَقُوْلُوْنَ بِعْنَا اِلٰی مَقَاسِمِنَا وَمَغَانِمِنَا۔

اللہ کے بھروسے پر خریداری کا بیان

تَرْجَمَۃ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ پر بھروسہ کر کے خرید لیا کرو' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس کا کیا مطلب؟ فرمایا تم یوں کہتے ہو کہ ہم نے تقسیم رزق و غنائم کی طرف اسے خرید لیا۔

حَلِّ عِبَارَت: ''مقاسمنا'' مقسم کی جمع ہے بمعنی تقسیم کا زمانہ یا جگہ ''مغانم'' مغنم کی جمع ہے بمعنی غنیمت کا زمانہ یا

جگہ۔

تخریج حدیث: لم اجده بعد التفحص والتتبع الكثير۔

مفہوم: اسلامی تعلیمات انسان میں خود اعتمادی، حوصلہ مندی اور ہمت و جرأت پیدا کر کے اسے قوت فیصلہ سے کام لینے کا سبق سکھاتی ہیں، مضبوط قوت ارادی اور بروقت صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت انسان کو دوسرے بہت سے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بیع وشراء میں بھی انسان کو اپنی اس صلاحیت سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اگر انسان کسی چیز کو خریدنا یا بیچنا چاہے تو دوسرا شخص جس کے ساتھ وہ معاملہ ہو رہا ہو، درمیان میں لٹکا نہ رہے اور اس کا ذہن یکسو ہو جائے، ارادہ ہو تب بھی اور نہ ہو تب بھی اپنا جواب واضح کر دینا چاہیے۔

مثلاً زید، عمرو کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ مجھے کپڑوں کے دو تھان درکار ہیں، اس کی قیمت میں آپ کو اس وقت ادا کر دوں گا جب مجھے مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا، ظاہر ہے کہ عمرو کو تو یہ معلوم نہیں کہ مال غنیمت کب تقسیم ہو گا اور اسے کتنا حصہ ملے گا؟ گویا یہ اسے لٹکانے والی بات ہوئی، اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الرُّخْصَةِ فِیْ ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ

(٣٤١) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ۔

شکاری کتے کی قیمت میں رخصت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت میں رخصت دی ہے۔

تخریج حدیث: اما النهى عن ثمن الكلب رغم ما رواه ابو حنيفة فشائع ذائع، الا ان الترمذى والنسائى قد اخرجا حديثا يستثنى كلاب الصيد، وهو المقصود، واليك الدليل اليه، اخرجه الترمذى: ١٢٨١، والنسائى: ٤٣٠٠۔

مفہوم: کتب حدیث میں اس مضمون کی روایات تو مشہور ہیں کہ نبی علیہ السلام نے کتے کی قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ کتا خود حرام جانور ہے اس لیے اس کی قیمت کو اپنے استعمال میں لانا ایسے ہی ہے جیسے خود کتے کا گوشت استعمال کرنا، اور کتا پالنے کی ممانعت پر مشتمل روایات بھی بکثرت موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شکاری کتے بڑی محنت سے پالے جاتے ہیں، ان پر روپیہ اور وقت دونوں ہی صرف ہوتے ہیں، نیز گھروں کی حفاظت اور کھیتوں کی حفاظت کے لیے بہت سے لوگ کتے پالنا اپنی مجبوری اور ضرورت سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں شریعت کا کوئی واضح حکم ملنا ضروری ہے تاکہ منشاء شریعت پر عمل کیا جا سکے۔

سو اس حدیث سے تو اول مسئلے کی وضاحت ہو گئی کہ شکاری کتے کی نوعیت عام کتوں سے مختلف ہے اس لیے ان

کی قیمت استعمال کرنے کی رخصت ہے اور دیگر احادیث سے دوسرے مسئلے کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مجبوری کے درجے میں جیسے کھیت وغیرہ کی حفاظت کے لیے کتا پالنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ النَّهْيِ عَنْ شَرْطَيْنِ فِيْ بَيْعٍ

(۳۴۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ يَعْفُوْرٍ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بَعَثَ عَتَّابَ بْنَ اُسَيْدٍ اِلٰى اَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ اِنْهَهُمْ عَنْ شَرْطَيْنِ فِيْ بَيْعٍ وَعَنْ بَيْعٍ وَسَلَفٍ وَعَنْ رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَعَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا اہل مکہ کو بیع میں دو شرطوں سے، بیع اور قرض سے، غیر ضمانت یافتہ کے فائدے اور نفع سے اور ایسی چیز کے بیچنے اور خریدنے سے منع کرنا جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔

حل عبارت: "انھھم" باب فتح سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی روکنا، منع کرنا۔ "لم یضمن" باب سمع سے فعل نفی حجد بلم مجہول کا صیغہ مذکورہ ہے بمعنی ضامن ہونا "لم یقبض" باب ضرب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی قبضہ کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۳۵۰۴، والترمذی: ۱۲۳۴، وابن ماجه: ۲۱۸۹، ۲۱۸۸، والنسائی من: ۴۶۳۳، الی: ۴۶۳۵۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں چار قسم کی خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے جن میں سے چوتھی قسم یعنی "بیع قبل القبض"، پر تفصیلی بحث گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے اس لیے اب یہاں تین قسموں کی وضاحت کی جائے گی۔

۱۔ بیع میں دو شرطیں لگانے سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ دکاندار کسی چیز کو بیچتے ہوئے یہ کہے کہ اگر نقد پیسے دے کر خریدو گے تو اس کی قیمت مثلاً ایک ہزار روپے ہوگی اور ادھار اور قرض پر خریدو گے تو اس کی قیمت دو ہزار روپے ہوگی، یہ ناجائز ہے، ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کاروبار کا یہ طریقہ تو آج کل ہر خاص و عام میں مقبول ہے اور بہت سی کمپنیاں اسی طریقے سے کاروبار کر رہی ہیں؟ تو کیا یہ سب کمپنیاں ناجائز کاروبار کر رہی ہیں؟

راقم الحروف کے ذہن میں اس کا جواب یہ آتا ہے کہ بیع میں دو شرطیں لگانا کچھ اور ہے اور قسطوں کا کاروبار کرنا کچھ اور ہے، اول ناجائز اور ثانی چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، زیر بحث حدیث میں قسطوں کا کاروبار ممنوع قرار نہیں دیا گیا، اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر دونوں کی صورت ایک جیسی ہی ہوتی ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ دو شرطوں کی صورت میں خریدار پوری رقم مثلاً دو ہزار روپے وقت مقررہ پر یکمشت ادا کرتا ہے اور قسطوں میں ایک مقررہ

حد بطور ایڈوانس جمع کروانے کے بعد ہر مہینے قسط وار ادائیگی کرنا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

۲۔ بیع اور قرض کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنا غلام بیچتے ہوئے کوئی آدمی یہ کہے کہ میں اپنا یہ غلام آپ کو دس ہزار روپے کے عوض بیچتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ مجھے پندرہ ہزار روپے قرض دیں' یہ بھی ناجائز ہے' ہاں معاملہ طے ہو چکنے کے بعد وہ اس سے اپنا مدعا بیان کر دے اور اس کی مراد پوری ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

۳۔ تیسری اور چوتھی قسم کا ایک ہی مفہوم ہے' صرف تعبیر کا فرق ہے' چوتھی قسم میں ''بیع قبل القبض'' سے منع فرمایا گیا ہے اور تیسری صورت میں اس کا منافع حاصل کرنے سے منع کیا گیا ہے' ظاہر ہے کہ بیع وشراء کا مقصد منافع ہی ہوتا ہے اس لیے مآل کے اعتبار سے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے البتہ تعبیر کا فرق ہے۔ واللہ اعلم

(۳۴۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَا يَبْتَاعُ اَحَدُكُمْ عَبْدًا وَلَا اَمَةً فِيْهِ شَرَطٌ فَاِنَّهٗ عَقَدٌ فِی الرِّقِ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا غلام یا باندی نہ خریدے جس میں کوئی علامت ہو' کیونکہ یہ غلامی کی موجودگی میں عقد کرنا ہوگا۔

حل عبارت: ''شرط'' ش اور راء کے فتحہ کے ساتھ علامت کے معنی میں ہے اور اگر راء کو ساکن پڑھا جائے تو وہ مشہور لفظ ہے ''الرق'' غلامی۔

تخریج حدیث: اخرجه الحارثی: ۱٦٦۔

مفہوم: اس حدیث کی وضاحت میں علماء کرام نے دو توجیہیں بیان کی ہیں۔

ا۔ ''شرط'' کا لفظ راء کے فتحہ کے ساتھ ہوگا' اس صورت میں اس کا معنی ''علامت'' ہے' اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غلامی کی علامت رکھنے والا کوئی غلام یا باندی خریدنا منع ہے' تفصیل اس اجمال کی اس روایت سے معلوم ہو سکتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک عورت سے اس کی باندی خریدنا چاہی' اس عورت نے کہا کہ میں اسے آپ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اسے میری خاطر اپنے ہی پاس روک کر رکھیں گے یعنی آگے فروخت نہیں کریں گے' حضرت ابن مسعودؓ نے اسے قیمت دے کر خرید لیا' بعد میں جب سیدنا فاروق اعظمؓ سے انہوں نے اس معاملے کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے قریب بھی نہ جانا۔

گویا بیع وشراء میں یہ شرط لگا دینا کہ مشتری اسے آگے کسی کو فروخت نہیں کرے گا یا کسی کو ہبہ نہیں کرے گا' ایک اعتبار سے پہلی غلامی کی علامت ہے لہٰذا ایسا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ ''شرط'' کا لفظ ''را'' کے سکون کے ساتھ ہو' اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی علیہ السلام نے بیع اور شرط کو ایک ہی معاملے میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے' اس کی مثال بھی وہی ہے جو ابھی گزری' یوں کہا جا سکتا ہے کہ دونوں معنی مآل

کے اعتبار سے ایک ہی ہیں لیکن لفظی اور تعبیری فرق بہرحال موجود ہے جس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ تَجَاوَزَ عَنِ الْمُعْسِرِ

(۳۴۴) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِیْ رِبْعِيُّ بْنُ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يُؤْتٰى بِعَبْدٍ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ اَیْ رَبِّیْ مَا عَمِلْتُ اِلَّا خَيْرًا مَا اَرَدْتُ بِهٖ اِلَّا لِقَائَكَ فَكُنْتُ اُوَسِّعُ عَلَى الْمُوْسِرِ وَاُنْظِرُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَحَقُّ بِذَالِكَ مِنْكَ فَتَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِیْ فَقَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیُّ وَاَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ سَمِعَهٗ مِنْهُ۔

تنگ دست کو مہلت دینا

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص کو بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا' وہ عرض کرے گا پروردگار! میں نے نیکی کا جو کام بھی کیا ہے صرف آپ کی رضا اور زیارت کے لیے کیا ہے چنانچہ میں مالدار پر آسانی کر دیتا تھا اور تنگدست کو مہلت دے دیتا تھا' یہ سن کر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تجھ سے زیادہ اس کا حقدار ہوں' فرشتو! میرے اس بندے سے درگزر کرو' حضرت حذیفہؓ سے یہ سن کر حضرت ابومسعودؓ انصاری فرمانے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے یہ حدیث سنی ہے۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۳۴۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ شَدَّدَ عَلٰى اُمَّتِیْ بِالتَّقَاضِیْ اِذَا كَانَ مُعْسِرًا شَدَّدَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ قَبْرِهٖ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قرض وصول کرنے میں ''جبکہ مقروض تنگدست ہو'' میرے کسی امتی پر سختی کرتا ہے' اللہ اس کی قبر میں اس پر سختی کرے گا۔

حل عبارت: ''اوسع'' باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کشادگی کرنا ''انظر'' باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مہلت دینا ''شدد'' باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سختی کرنا۔

تخریج حدیث: اما الاول فقد اخرج البخاری مثلہ: ۲۰۷۷' ومسلم: ۳۹۹۴ (۱۵۶۰) وابن ماجہ: ۲۴۲۰' وابن حبان: ۵۰۴۳' والترمذی: ۱۳۰۷' والنسائی: ۴۶۹۸' واما الثانی فقد اخرجہ الشوکانی فی الفوائد المجموعۃ: ۲۴۳۔

مفہوم: تجارتی اور نجی زندگی میں ہر انسان کو کبھی نہ کبھی قرض کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے اور عام طور پر ایسے معاملات لوگوں کے درمیان چلتے رہتے ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بھی سامنے آتے ہیں جنہیں اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہوتا ہے لیکن

جب کوئی ضرورت مند قرض کی درخوست کرتا ہے تو وہ فوراً اپنے پتیلے جیسے منہ کو کھول کر اپنی بتیسی کو دائیں بائیں گھماتے ہیں اور بڑی لجاجت سے عرض کرتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

لوگوں کے اس رویے کا جب تجزیہ کیا گیا کہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ قرض وصول کرنے والے بہت سے افراد ''جن میں اچھے خاصے دیندار اور وضعدار لوگ بھی شامل ہیں'' یہ بھول ہی جاتے ہیں کہ ہم نے کسی سے رقم ادھار لی تھی' اسے واپس بھی لوٹانا ہے' قرض خواہ کو دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں اور اس سے تمام تر تعلقات منقطع کر لیتے ہیں' لوگوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنی رقم ڈبونے سے بہتر یہ ہے کہ ایک مرتبہ انکار کر دیا جائے کیونکہ ایک مرتبہ انکار کر دینا مقروض کے پیچھے سو مرتبہ دھکے کھانا سے بہتر اور آسان ہے۔

انہی میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو قرض کی وصولی میں سختی نہیں کرتے' اگر مقروض غریب ہو اور قرض لوٹانے کی سکت نہ رکھتا ہو تو اسے معاف کر دیتے ہیں اور اگر ادا کر سکتا ہو لیکن وقت مقررہ پر ادا نہ کر سکے تو اسے مہلت دے دیتے ہیں' ایسے لوگوں سے قیامت کے دن اللہ بھی عفو و درگزر اور تجاوز کا معاملہ فرمائیں گے جیسا کہ اس حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا یہ واقعہ بیان کیا گیا۔

بَابُ التَّشْدِيْدِ فِي الْغَشِّ

(۳۴۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ۔

دھوکے کی مذمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا خرید و فروخت میں دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۲۸۳ (۱۰۱) وابوداؤد: ۳۴۵۲' والترمذی: ۱۳۱۵' وابن ماجه: ۲۲۲۴' وابن حبان: ۴۹۰۵۔

مفہوم: پانچ وقت صف اول میں امام کعبہ کے عین پیچھے کھڑے ہو کر حرم کعبہ میں روزانہ نماز پڑھنے والا' رو رو کر اپنی آنکھوں کو متورم کر لینے والا' تہجد میں بانس کی طرح سیدھا کھڑا رہنے والا' رمضان میں لائن لگا کر زکوۃ تقسیم کرنے والا' افطاری میں وسیع و عریض دسترخوان بچھانے والا' بیس بیس مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے والا جب تجارتی معاملات میں آتا ہے تو دو نمبر چیز پر جعلی لیبل لگا کر اسے ایک نمبر چیز کی قیمت پر فروخت کرتا ہے' نقلی چیز کو اصلی قرار دے کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے' ایک روپے کی چیز کو دس روپے میں فروخت کرتا ہے' اشیاء صرف و ضرورت میں ملاوٹ کرتا ہے

اور پھر یہ سمجھتا ہے کہ سب خیر ہے!

لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کی ان تمام نمازوں، روزوں، افطاریوں، زکوتوں اور حجوں کا کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں؟ اور وہ اس حدیث کونظر انداز کر جاتا ہے کہ دھوکہ دینے والے خاص طور پر تجارتی معاملات میں دھوکہ بازی کرنے والے کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

خلق اللہ کو دھوکہ دے کر اللہ کو راضی کرنے والے خام خیالی میں مبتلا رہتے ہیں، اے کاش! ہم فرائض کی بجا آوری اور واجبات کا خیال رکھنے کے بعد اپنے معاملات کی درستگی پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر سکیں اور ہمارے معاملات پوری دنیا میں دیانت دارانہ اور امانت دارانہ معاملات سمجھے جانے لگیں۔

بَابَ مَا جَاءَ فِیْ اَوَّلِ مَنْ ضَرَبَ الدِّیْنَارَ

(۳۴۷) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِیْ سُلَیْمَانَ قَالَ اَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدِّیْنَارَ تُبَّعٌ وَهُوَ اَسْعَدٌ اَبُوْ کَرْبٍ وَاَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدَّرَاهِمَ تُبَّعٌ الْاَصْغَرُ وَاَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الْفُلُوْسَ وَاَدَارَهَا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ نَمْرُوْدُ بْنُ کَنْعَانَ۔

سب سے پہلے دینار ڈھالنے والے کا بیان

ترجمہ: حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے دینار ڈھالے، وہ تبع ہے جس کا نام اسعد ابو کرب تھا، اور سب سے پہلا دراہم ڈھالنے والا تبع اصغر تھا، اور سب سے پہلا پیسہ ڈھالنے والا اور انہیں لوگوں میں رائج کرنے والا نمرود بن کنعان تھا۔

حل عبارت: "ضرب" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ڈھالنا "الفلوس" فلس کی جمع ہے بمعنی پیسہ۔ "ادارها" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی گھمانا، مراد رائج کرنا "نمرود" دال اور ذال دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اس طرح نون کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

تخریج حدیث: لم اجده

مفہوم: اس حدیث کا تعلق کتاب البیوع کے ساتھ مسئلے کے طور پر نہیں، اس معمولی مناسبت کے طور پر ہے کہ بیع میں جو دراہم و دنانیر ثمن کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں، ان کا نقطۂ آغاز کیا ہے؟ یہ کب سے چلے آ رہے ہیں؟ انہیں ایجاد کرنے والا اور لوگوں میں رائج کرنے والا کون ہے؟

کتاب الرھن

رہن کے احکام

(۳۴۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِشْتَرٰی مِنْ یَهُوْدِیٍّ طَعَامًا وَرَهَنَهٗ دِرْعًا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کچھ غلہ ایک یہودی سے خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھوا دی۔

حل عبارت: ''رھن'' باب فتح سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی گروی رکھنا ''درعا'' زرہ۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۰٦۸' ۲۹۱٦' ومسلم: ٤١١٥ (١٦٠٣) والنسائی: ٤٦٥٤' وابن ماجه: ٢٤٣٦' وابن حبان: ۵۹۳۸۔

مفہوم: فقہاء کرام نے اس حدیث سے رہن کا جواز ثابت کیا' دوسری حدیثوں کو ساتھ ملا کر گروی کا طریقہ کار اور اس کے احکام وضع کیے' جائز اور ناجائز صورتوں کا تعین کیا اور مختلف اصولوں کا استنباط کیا لیکن میں ان سب کو چھوڑ کر صرف ایک نکتے کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ کائنات رنگ و بو میں اللہ کی سب سے محبوب ترین ہستی کا یہ عالم ہے کہ آخر دم تک دنیا نے گھر میں ڈیرے نہیں جمائے' کسی قسم کے کروفر اور شان و شوکت کے مظاہر دیکھنے میں نہیں آئے' ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے قرض بھی لینا پڑا' اپنی چیزوں کو گروی بھی رکھنا پڑا اور فاقہ کشی کی نوبت بھی آئی لیکن ان کی جبینِ نیاز پر شکن نہیں آئی۔

اے کاش! محمد (ﷺ) کے نام لیوا ان حقائق سے سبق سیکھتے' اپنی زندگی کو فضولیات سے ''جنہیں ضروریات سمجھا جاتا ہے'' پاک کرتے' لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کرتے اور دنیا سے ہاتھ جھاڑ کر چلے جاتے' دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو برباد نہ کرتے' حلال و حرام کے فرق کو مٹا کر پیسہ اور دھن کمانے والی مشین بن کر زندگی نہ گزارتے' کبھی اس بوریہ نشینی کا ذائقہ بھی چکھ کر دیکھتے اور اپنی زندگی کو قناعت کی دولت سے مالا مال کرنے کی جدوجہد اور تگ و دو کرتے۔

یاد رکھیے! انسان کا پیٹ قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی' اس کا پیٹ نہ بھرنے والی دوزخ ہے جو ہمیشہ ہل من مزید کا نعرہ لگاتی ہے اور عمر کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حرص میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے' ہر وقت روتے

رہنے کی عادت انسان کو نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے اس لیے قناعت اختیار کیجیے اور سادہ طرز زندگی میں اپنے لیے نجات کا راستہ مضمر سمجھئے!

(۳۴۹) اَبُوْ مُحَمَّدٍ كَتَبَ اِلَى ابْنِ سَعِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفُعَتِهٖ۔

تَرْجَمَہ: سلیمان کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

فائدہ: اگلی روایت میں اسی کی وضاحت مذکور ہے۔

(۳۵۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْكَرِيْمِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ اَرَادَ سَعْدٌ بَيْعَ دَارِهٖ فَقَالَ لِجَارِهٖ خُذْهَا بِسَبْعِمِائَةٍ فَاِنِّىْ قَدْ اُعْطِيْتُ بِهَا ثَمَانَ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَلٰكِنْ اَعْطَيْتُكَهَا لِاَنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ الْجَارُ اَحَقُّ بِشُفُعَتِهٖ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنِ الْمِسْوَرِ عَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ قَالَ عَرَضَ عَلَىَّ سَعْدٌ بَيْتًا فَقَالَ لَهٗ خُذْهُ اَمَا اَنِّىْ قَدْ اُعْطِيْتُ بِهٖ اَكْثَرَ مِمَّا تُعْطِيْنِىْ وَلٰكِنَّكَ اَحَقُّ بِهٖ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ الْجَارُ اَحَقُّ بِشُفُعَتِهٖ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنِ الْمِسْوَرِ عَنْ رَافِعٍ مَوْلٰى سَعْدٍ اَنَّهٗ قَالَ لِرَجُلٍ يَعْنِىْ سَعْدًا خُذْ هٰذَا الْبَيْتَ بِاَرْ بَعِمِائَةٍ فَيَقُوْلُ اَمَّا اَنِّىْ اُعْطِيْتُ ثَمَانَ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَلٰكِنِّىْ اَعْطَيْتُكَهٗ لِحَدِيْثٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ الْجَارُ اَحَقُّ بِشُفُعَتِهٖ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ عَرَضَ بَيْتًا لَهٗ عَلٰى جَارِهٖ بِاَرْبَعِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَقَالَ قَدْ اُعْطِيْتُ ثَمَانَمِائَةٍ وَلٰكِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ الْجَارُ اَحَقُّ بِشُفُعَتِهٖ۔

تَرْجَمَہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر بیچنے کا ارادہ کیا' تو اپنے پڑوسی سے فرمایا کہ اسے سات سو درہم کے عوض خرید لو' اگرچہ مجھے اس کے آٹھ سو درہم مل رہے ہیں لیکن میں تمہیں صرف اس لیے دے رہا ہوں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حقدار

ہے۔ اور ایک روایت میں چار سو درہم پر بیچنے کا بھی ذکر ہے۔

حلِّ عبارت: "اعطیت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی دینا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه البخاری: ٦٩٧٧، وابوداؤد: ٣٥١٦، والترمذی: ١٣٦٩، والنسائی: ٤٧٠٦، وابن ماجه: ٢٤٩٤، وابن حبان: ٥١٨٠، واحمد: ٢٤٦٤٧۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری: ٢٢٥٨، وابن حبان: ٥١٨١، ٥١٨٣۔

مفہوم: کتاب البیوع اور کتاب الشفعہ کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ شفعہ کے ذریعے انسان اس بیع کو ختم کر سکتا ہے جو خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان ہوتی ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ بیع کا لفظ عام ہے اور منقولہ وغیر منقولہ ہر قسم کی اشیاء پر بیع کا لفظ بولا جا سکتا ہے جبکہ شفعہ کا تعلق صرف غیر منقولہ جائیداد سے ہوتا ہے۔

اس مناسبت اور ربط کی وضاحت کے بعد یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ انسانی اخلاق اور مروت کا تقاضا بھی یہی بنتا ہے کہ اگر ہم کسی علاقے میں رہائش پذیر ہوں، اور اہل محلّہ سے ہماری شناسائی بھی ہو، اور اس محلے کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقے میں منتقل ہونے کا ارادہ بن رہا ہو تو پہلے ان لوگوں سے پوچھ لیا جائے جو اسی مکان کے بالائی یا زیریں حصہ میں رہائش پذیر ہوں کہ ہم یہ مکان بیچ کر جانا چاہتے ہیں، اگر آپ خریدنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو بتا دیجیے تاکہ ہم کسی اور کے ہاتھ اسے فروخت نہ کریں، یا اس محلے میں رہنے والے اور دیوار کے ساتھ ملے ہوئے مکان والے بھائی سے اس بات کا ذکر کر دیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اسے خرید لے۔

اگر آپ نے اسے بتائے بغیر یہ سمجھ کر "یہ میری ملکیت ہے میں جسے چاہوں بیچوں" اس مکان یا جائیداد کو کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا تو شریعت آپ کے پڑوسی کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ عدالت کے ذریعے اس مکان کی ملکیت حاصل کر لے، اس حق کو "شفعہ" کہا جاتا ہے اور یہ "حق جوار" کا ایک اہم ترین منہ بولتا ثبوت ہے کہ اگر آپ نے پڑوسی ہونے کا حق ادا نہیں کیا تو آپ کا ہمسایہ اس حق کو عدالت کے ذریعے بھی حاصل کر سکتا ہے، اس سے پڑوسی کے حقوق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بَابُ مَنْ وَضَعَ خَشَبَتَهٗ فِیْ حَائِطِ جَارِهٖ

(۳۵۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّضَعَ خَشَبَتَهٗ فِیْ حَائِطِهٖ فَلَا یَمْنَعْهُ۔

اگر کوئی شخص اپنے پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کی

دیوار پر اپنی لکڑی رکھنا چاہے تو دوسرے کو منع نہیں کرنا چاہیے۔

حلِ عبارت: "خشبة"، بمعنی لکڑی "حائطه"، بمعنی دیوار۔

تخریج حدیث: اخرج البخاری مثله: ٢٤٦٣، ومسلم: ٤١٣٠ (١٦٠٩) وابوداؤد: ٣٦٣٤، والترمذی: ١٣٥٣، وابن ماجه: ٢٣٣٥، وابن حبان: ٥١٥۔

مفہوم: فقہاء کرام نے اس موقع پر اس بحث کو چھیڑا ہے کہ اس حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا صرف مستحب ہے؟ یعنی اگر کسی شخص نے اپنے ہمسائے کی دیوار پر کوئی شہتیر یا لکڑی رکھ دی اور پڑوسی نے اسے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تو وہ گناہگار ہوگا یا صرف اس کی حیثیت ترک مستحب کی ہوگی؟ بعض فقہاء کرام پہلی شق کو اختیار کرتے ہیں اور بعض فقہاء کرام دوسری شق کو ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن یہاں اس سے زیادہ اہم بحث یہ ہے کہ آخر اس حکم کی علت اور پس منظر کیا ہے؟ جس کی بناء پر یہ حکم دیا گیا ہے، اختصار کے ساتھ ہم اسے عرض کیے دیتے ہیں تاکہ "**ما لا یدرك كله لا یترك كله**" کے تحت کچھ نہ کچھ تو معلوم ہو ہی جائے۔

دراصل جائیداد اور زمین کے تنازعات آج سے نہیں، ماضی قدیم سے چلے آ رہے ہیں، جس طرح آج ہم اپنے گھر کی دیوار پر اپنے ہمسائے کو کپڑے پھیلانے کی اجازت نہیں دیتے، اسی طرح ماضی قدیم میں بھی لوگ اپنے ہمسایوں کو اس چیز کی اجازت نہیں دیتے تھے، اب بعض اوقات ہمارے پڑوس میں رہنے والا شخص سفید پوش اور تنگدست بھی ہو سکتا ہے، اس کا مکان کچا بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سہارے کے بغیر وہ مکان یا جھونپڑی قائم ہی نہ رہ سکتی ہو، بظاہر اس کا یہی حل نکالا جاتا ہے کہ پڑوسی کے پکے مکان پر اپنے کچے مکان کا شہتیر یا بانس رکھ دیا جائے تاکہ اس کی وجہ سے یہ بھی گرنے سے بچ جائے، اس زمانے میں بعض لوگوں نے ایسا کرنا چاہا تو ان کے پڑوسیوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا، جب نبی علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حکم فرمایا۔

اس حکم کے ذریعے درحقیقت دلوں میں جذبۂ ہمدردی کو پیدا اور بیدار کرنا مقصود ہے جو بدقسمتی سے ہمارے اندر مفقود ہے، ہماری ہر قسم کی ہمدردی اور خیر خواہی کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جس سے ہمارا کوئی ذاتی یا کسی بھی نوعیت کا مفاد وابستہ ہو، کسی لاچار اور غریب پڑوسی کے ساتھ ہمدردی اور مہربانی کر کے اپنا وقت اور مال و جائیداد برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اے کاش! ہم میں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُخَابَرَةِ

(۳۵۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُخَابَرَةِ۔

مخابرہ سے ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۳۹۱۰ (۱۵۳۶) وابوداؤد: ۳٤۰۷ والترمذی: ۱۲۹۰ والنسائی: ٤٥٢٨۔

مفہوم: ''مزارعت'' کا لفظ زراعت سے مشتق ہے بمعنی کھیتی باڑی' اسی طرح ''مخابرہ'' کا معنی بھی کھیتی باڑی ہے' اس اعتبار سے یہ دونوں مترادف الفاظ میں سے ہیں لیکن ان دونوں میں ایک معمولی سا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ مزارعت کھیتی باڑی کے اس طریقے کو کہتے ہیں جس میں زمین ایک شخص کی ہوتی ہے اور محنت دوسرے کی اور بیج مہیا کرنے کی ذمہ داری زمین کے مالک پر ہوتی ہے اور نفع دونوں کے درمیان مقررہ شرح پر تقسیم ہو جاتا ہے' جبکہ مخابرہ میں بھی یہی تفصیل ہے' فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں بیج مہیا کرنا کاشتکار کی ذمہ داری ہوتی ہے' زمیندار کی نہیں۔

ابتداء میں زمینداروں اور کاشتکاروں کے درمیان بہت جھگڑے ہوتے تھے' اور ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ ایک وقت میں آ کر تو نبی علیہ السلام نے کھیتی باڑی کے اس مروجہ طریقے کی ہی ممانعت کر دی اور یہ حکم جاری کر دیا کہ زمیندار اپنی زمین کو خود آباد کرے' خود اس میں زراعت اور کاشت کرے' اگر یہ نہیں کر سکتا تو کسی بھائی کو بلا معاوضہ وہ زمین ہبہ کر دے تا کہ وہ اسے اپنے کام میں لا کر اس پر کھیتی باڑی کر لے' اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو پھر اپنی زمین اپنے پاس رکھے' کسی کو بٹائی پر مت دے تا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

بعینہٖ یہی صورت گھروں کو کرائے پر دینے کی صورت میں بھی پیش آنے لگی تھی اور آئے دن مالک مکان اور کرایہ دار کے درمیان کسی نہ کسی بات پر جھگڑا ہوتا رہتا تھا جیسا کہ آج کل بھی کچھ زیادہ مختلف صورت حال نہیں ہے' اس موقع پر بھی نبی علیہ السلام نے یہی حکم دیا کہ آئندہ سے گھر اور زمین کرائے پر دینا منع ہے' یا تو بلا معاوضہ اپنے کسی بھائی کو رہنے کی اجازت دے دو' ورنہ اپنے پاس ہی رکھو' مگر کرائے پر دینے کی اجازت نہیں ہے' زیر بحث حکم بھی اسی زمانے

سے تعلق رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اس مسئلہ کا کلی حل نہیں تھا' بلکہ جزوی طور پر جھگڑوں کی روک تھام کے لیے یہ قدم اٹھایا گیا تھا اس لیے تب بھی اور اب بھی اس کے برعکس لوگوں کو زراعت اور کاشتکاری کی اجازت دے دی گئی تھی کیونکہ اس طریقۂ محنت سے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی روزی وابستہ ہے' ان سب کو بے روزگار کرنا کیسے درست ہوسکتا تھا' چنانچہ جہاں فریقین کے درمیان باہمی رضا مندی سے شرائط طے پا جاتیں اور فریقین ان کی پابندی خوش اسلوبی سے کرتے رہتے وہاں اس ممانعت کو برقرار نہیں رکھا جاتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنِ اسْتَأْجَرَ اَرْضًا بِشَیْءٍ

(۳۵۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ حُصَیْنٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ مَرَّ بِحَائِطٍ فَاَعْجَبَهٗ فَقَالَ لِمَنْ هٰذَا فَقُلْتُ لِیْ فَقَالَ مِنْ اَیْنَ هُوَ لَكَ قُلْتُ اِسْتَاْجَرْتُهٗ قَالَ فَلَا تَسْتَاْجِرْهُ بِشَیْءٍ مِنْهُ۔

زمین کو کرائے پر لینے کا بیان

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ کے پاس سے گزرے' آپ کو وہ باغ اچھا لگا' پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا ہے' فرمایا تمہارا کہاں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اسے کرائے پر لے رکھا ہے' فرمایا اسے کسی چیز کے بدلے اجرت پر نہ لو۔

حل عبارت: "فاعجبه" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اچھا لگنا۔

تخریج حدیث: اخرج ابو داؤد مثله: ۳۴۰۲۔

مفہوم: گزشتہ حدیث میں "کرائے" کے حوالے سے جو تفصیل ذکر کی گئی ہے' اسے ایک نظر دوبارہ ملاحظہ فرما لیجئے تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے اور ہمیں وہ پوری تقریر بھی نہ دہرانی پڑے۔

البتہ ایک بات ہم یہاں ذکر کرنا ضروری سمجھیں گے کہ زیر بحث حدیث کے مرکزی راوی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بڑی سختی سے لوگوں کو آخر وقت تک کرائے پر مکانات لینے اور دینے سے منع کرتے رہے' جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو انہوں نے اصل حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا اگر تم نے اسی طرح جھگڑے کرنے ہیں تو پھر کرایہ داری کا یہ معاملہ ختم کر دو' یا اپنے پاس رکھو یا کسی کو ہبہ کر دو' نبی علیہ السلام نے مطلقاً اس کی ممانعت نہیں فرمائی تھی۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی مزارعت کے جواز کے قائل نہ تھے لیکن ان کی سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کے آخری حصے میں اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور اس کے جواز کے قائل ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم

کتاب الفضائل
فضائل کا بیان

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ عُمُرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(۳۵٤) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْھَیْثَمِ وَرَبِیْعَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَھُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَسِتِّیْنَ وَقُبِضَ اَبُوْ بَکْرٍ وَھُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَسِتِّیْنَ وَقُبِضَ عُمَرُ وَھُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَسِتِّیْنَ۔

نبی علیہ السلام کی عمر مبارک کا بیان

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ہوا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ہوا' اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ۶۳ برس کی عمر میں ہوا۔

فائدہ: اگلی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔

(۳۵۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ یَحْیٰی بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَأْسِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَکَّةَ عَشْرًا وَبِالْمَدِیْنَةِ عَشْرًا وَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا فِیْ لِحْیَتِہٖ وَرَأْسِہٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَیْضَاءَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چالیس برس کی عمر میں نبی علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا' اس کے بعد دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں رہے اور دس سال مدینہ منورہ میں' اور' نبی علیہ السلام کا جب انتقال ہوا تو آپ کی داڑھی اور سر میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

حل عبارت: "قبض" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قبضہ کرنا' مراد فوت ہونا ہے "ما فی لحیتہ" میں ما نافیہ ہے۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ٦٠٩١ (٢٣٤٨) وابن حبان: ٦٣٨٩' واما نفس سنة الوفاة ففی البخاری: ٣٨٥١' والترمذی: ٣٦٥٢۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری مطولاً: ٣٥٤٨' ومسلم: ٦٠٨٩ (٢٣٤٧) والترمذی: ٣٦٢٣' وابن حبان: ٦٣٨٧۔

مَفْهُوْمٌ: یہاں دو باتیں قابل وضاحت ہیں۔

ا۔ کتب حدیث وسیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ کا خمیر جس مٹی سے تیار کیا تھا وہ اس حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تھی جواب روضۂ مقدسہ کی حیثیت رکھتا ہے اور بڑوں نے جو یہ بات کہی ہے کہ ''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا'' اس کے مطابق نبی علیہ السلام وہیں آرام فرما ہوئے، اور نبی علیہ السلام کے ساتھ ان کے دو وزیر ومحافظ بھی آرام فرما ہیں جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان کا خمیر بھی اسی مٹی سے تیار کیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں حضرات دنیا میں بھی نبی علیہ السلام کے ساتھ رہے، قبر میں بھی ہیں اور حشر میں بھی ہوں گے، عادات واخلاق میں بھی نبی علیہ السلام کے مشابہ رہے اور عبادات و معاملات میں بھی، اٹھنے بیٹھنے میں بھی مشابہ رہے اور خانگی وعائلی زندگی میں بھی، طرز حکومت میں بھی مشابہ رہے اور عدل و انصاف میں بھی، حد تو یہ ہے کہ سفر زندگی میں بھی مشابہ رہے اور مدت عمر میں بھی، پھر بھی اگر کوئی بدنصیب مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں پہنچ کر بھی روضۂ مقدسہ کے سامنے نہ آ سکے تو اس کی بدنصیبی میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟

۲۔ روایات کے تتبع سے نبی علیہ السلام کی عمر مبارک کے حوالے سے مشہور قول کے علاوہ دو قول مزید ملتے ہیں، ایک قول ساٹھ سال کا ہے جیسا کہ یہاں بھی دوسری حدیث میں ہے اور دوسرا پینسٹھ سال کا، جس سے بعض اوقات ذہن خلجان میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ بات پیش نظر رکھ لی جائے کہ آج بھی بہت سے معاملات میں ''کسر'' کا لحاظ نہیں کیا جاتا تو شاید یہ مسئلہ حل ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی آدمی کا ٹیلیفون کا بل مثلاً ایک سو بتیس روپے پچاس پیسے ہو تو کسر کو چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح جن روایات میں ساٹھ سال کا ذکر آتا ہے ان میں کسر کو ذکر نہیں کیا گیا اور جن روایات میں ۶۵ سال کا ذکر آتا ہے ان میں سن ولادت اور سن وفات کو بھی دو الگ سالوں کے طور پر شمار کیا گیا ہے جس سے اصل تعداد ۶۳ پر دو کا اضافہ ہو گیا اور وہ ۶۵ بن گئے۔ واللہ اعلم

بَابٌ كَيْفَ يُعْرَفُ النَّبِيُّ ﷺ

(۳۵٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْرَفُ بِرِيْحِ الطِّيْبِ اِذَا اَقْبَلَ مِنَ اللَّيْلِ۔

نبی علیہ السلام کو کیسے پہچانا جاتا تھا؟

تَرْجَمَۃٌ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اگر رات کے وقت بھی گزرتے تو اپنی خوشبو سے پہچان لیے جاتے تھے۔

فائدہ: اگلی روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

(۳۵۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُعْرَفُ بِاللَّيْلِ اِذَا اَقْبَلَ اِلَى الْمَسْجِدِ بِرِيْحِ الطِّيْبِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اگر رات کے وقت بھی مسجد جا رہے ہوتے تو اپنی خوشبو سے پہچان لیے جاتے تھے۔

حل عبارت: "یعرف" باب ضرب سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہچاننا "بریح الطیب" خوشبو کی مہک۔

تخریج حدیث: اخرجهما الدارمی بهذا السیاق، واما ما یلائم الحدیث فقد اخرجه البخاری: ۱۹۷۳، ۳۵٦۱، ومسلم: ٦۰۵۳ و ٦۰۵٤ (۲۳۳۰) والترمذی: ۲۱۰۵، وابن حبان: ٦۳۰۳، ٦۳۰٤۔

مفہوم: اکثر محدثین کرام نے اس حدیث کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ دراصل نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ خوشبو کا استعمال بہت کثرت کے ساتھ کرتے تھے، اس لیے جب آپ ﷺ کا کسی راستے سے گزرتا ہوتا، تو لوگ پہچان لیتے کہ یہاں سے نبی علیہ السلام گزر کر گئے ہیں، راقم کی نظر میں یہ بات اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ نبی علیہ السلام خوشبو کو پسند فرماتے تھے اور اس کا استعمال بہت کثرت سے فرماتے تھے، لیکن راستوں اور گلیوں کی مہک کو اس مصنوعی خوشبو کا رہین منت قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس میں نبی اور غیر نبی کی تخصیص ہی کیا ہے؟ آج بھی اگر کوئی آدمی خوشبو لگا کر کسی گلی سے گزر جائے تو پوری گلی مہک اٹھتی ہے، جس مجلس میں جاتا ہے وہ مجلس معطر ہو جاتی ہے اور سونگھنے والوں کا دماغ تر و تازہ ہو جاتا ہے۔

اس لیے راقم کی نظر میں یہ چیز معجزانہ شان کے مطابق اس وقت قرار پاتی ہے جب حضور نبی مکرم، سرور دو عالم ﷺ کی مہک سے گلیوں اور بازاروں کا معطر ہو جانا فطری خوشبو اور پیغمبرانہ مہک کا نتیجہ تسلیم کیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ اگر حضور ﷺ کسی قسم کی کوئی خوشبو بھی استعمال نہ فرماتے تب بھی آپ ﷺ کے جسد اطہر کی مہک سے گلیاں اور بازار مہک جاتے، بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا تو پسینہ بھی دنیا کی مشک و عنبر سے زیادہ خوشبو دار اور مہک رکھتا تھا، آخر کیا وجہ ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے نبی علیہ السلام کے جسم مبارک کے پسینے کو ایک شیشی میں جمع کر لیا تھا اور تقریبات میں شریک ہونے کے لیے اسے بطور خوشبو استعمال کرتی تھیں اور پوری مجلس و محفل اس کی مہک سے بے خود ہو جایا کرتی تھی۔

بہر حال! یہ ایک ذوق عقیدت ہے جسے میں دوسروں پر مسلط نہیں کرتا لیکن میری اپنی عقیدت مجھ سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ گلیوں، بازاروں، مسجد اور حجروں کی یہ مہک مصنوعی نہیں ہوتی تھی، پیغمبر اسلام ﷺ کی معجزانہ شان کا اظہار ہوتی تھی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ زَادَ عِنْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ

(۶۵۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ لِيْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ۔

جو شخص قرض ادا کرتے وقت کچھ زائد چیز بھی دے دے

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے ذمے میرا کچھ قرض تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ادا کر دیا اور مجھے کچھ اور بھی دیا۔

فائدہ: اگلی روایات میں بھی نبی علیہ السلام کے اخلاق وفضائل کو ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ خَصَائِلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳۵۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا مَسِسْتُ بِيَدِيْ خَزًّا وَلَا حَرِيْراً اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا رُئِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا دًّا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ جَلِيْسٍ لَهٗ قَطُّ۔

خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کے دست مبارک سے زیادہ نرم کسی خز اور ریشم کے لباس کو اپنے ہاتھوں سے کبھی نہیں چھوا' اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام کو اپنے ہم مجلسوں کے سامنے کبھی پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(۳۶۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ اَنَّهٗ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ اَمَا تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ۔

ترجمہ: مسروق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کے اخلاق کے بارے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

(۳۶۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ وَيَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی دعوت کو بھی قبول فرما لیتے' مریض کی عیادت کرتے اور گدھے پر سواری کر لیتے تھے۔

(۳۶۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِ قَدَمَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَيْثُ اَتَى الصَّلٰوةَ فِيْ مَرَضِهٖ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ گویا میں اب بھی نبی علیہ السلام کے قدموں کی سفیدی کو دیکھ رہی ہوں' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم

مرض الوفات میں نماز کے لیے گئے تھے۔

(۳۶۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا مَرِضَ الْمَرَضَ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ اِسْتَحَلَّ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ بَيْتِيْ فَاَحْلَلْنَ لَهٗ قَالَتْ فَلَمَّا سَمِعْتُ ذٰلِكَ قُمْتُ مُسْرِعَةً فَكَنَسْتُ بَيْتِيْ وَلَيْسَ لِيْ خَادِمٌ وَفَرَشْتُ لَهٗ فِرَاشًا حَشْوَ مِرْفَقَتِهِ الْاِذْخِرُ فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى وُضِعَ عَلٰى فِرَاشِيْ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو میرے گھر میں رہنے کی اجازت طلب فرمائی' ازواج مطہرات نے اجازت دے دی' جب میں نے یہ بات سنی تو جلدی سے کھڑی ہوئی اور گھر کی جھاڑو دی' اس وقت میرے پاس کوئی خادم نہیں تھا' اور نبی علیہ السلام کے لیے اذخر گھاس سے نرم کرکے ایک گدھا بچھا دیا' جس کے تکیے کہنی کے نیچے آتے نبی علیہ السلام دو آدمیوں کے درمیان اس طرح تشریف لائے کہ ان کا سہارا لیے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو میرے بستر پر لٹا دیا گیا۔

حلِ عبارت: "ما مسست" باب سمع سے فعل ماضی منفی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی چھونا "خز" ایسے کپڑے کو کہتے ہیں جس میں ریشم کے کچھ دھاگے شامل کرکے اسے بنایا گیا ہو "الین" اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی نرم ہونا "مادا" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کھینچنا "یعود" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی عیادت کرنا "استحل" باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طلب حلال کرنا "فکنست" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی جھاڑو دینا "فرشت" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بستر بچھانا "یھادی" باب مفاعلہ سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سہارا لگانا "مرفقة" کہنی۔

تخریج حدیث ۳۵۸: اخرجه البخاری: ۴۴۳' ومسلم: ۱۶۵۶ (۷۱۵) وابن حبان: ۲۴۹۶۔

تخریج حدیث ۳۵۹: راجع له: ۳۵۶۔

تخریج حدیث ۳۶۰: اخرجه ابن عدی: ۱/۸۹' واحمد' کما ذکره ابن کثیر فی تفسیره: ۴/۵۱۶۔

تخریج حدیث ۳۶۱: اخرجه ابن ماجه: ۴۱۷۸' والترمذی: ۲۰۱۷۔

تخریج حدیث ۳۶۲: ذکرهٗ جمیع اصحاب السیر والتاریخ' والبخاری فی ضمن حدیث طویل: ۱۹۸' ومسلم: ۹۳۸ (۴۱۸) وابن ماجه: ۱۶۱۸۔

تخریج حدیث ۳۶۳: اخرج البخاری مثله: ۱۹۸' ۶۶۴و ۴۴۴۲' ومسلم: ۹۳۷ (۴۱۸) وابن ماجه: ۱۶۱۸' واحمد: ۲۴۶۰۴۔

مفہوم: زیر بحث تمام احادیث مبارکہ میں نبی مکرم' سرور دو عالم ﷺ کے اخلاق و عادات اور کمالات کے بحر مواج اور

سمندر ناپیدا کنار میں سے چند چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے' کیونکہ اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے ہر خطے اور کونے میں ہر زبان اور رسم الخط میں' ہر مکتبہ اور لائبریری میں' ہر سال اور موسم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق' کمالات اور عادات پر لکھی جانے والی صرف کتابوں کی تعداد ہی اتنی ہے کہ انہیں شمار کرنا آسان نہیں' اخلاق و کمالات کا احاطہ کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

اس لیے اس موقع پر عربی زبان میں شاید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس جملے سے زیادہ وسیع جملہ نہ مل سکے جو انہوں نے نبی علیہ السلام کے اخلاق عالیہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا "کان خلقه القرآن" اور فارسی زبان میں شاید اس سے زیادہ وسیع جملہ نہ مل سکے جو نبی علیہ السلام کے متعلق کہا گیا ہے کہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

آپ غور کیجیے! کیا قرض کی ادائیگی کے وقت اس سے بہتر صورت ہوسکتی ہے کہ غیر رسمی اور غیر متوقع طور پر قرض خواہ کو اس کی اصل رقم بھی دے دی جائے اور اس کے احسان کا بدلہ بھی اتار دیا جائے؟ ''غیر رسمی'' کی قید سے میرا مقصود ''سود'' کو نکالنا ہے' یقیناً قرض کی ادائیگی اور وہ بھی برقت' انسان کے عمدہ اخلاق اور احسان شناسی کی دلیل ہے' اسی طرح کسی محفل میں ٹانگیں پسار کر پھیلانے سے اپنے آپ کو بچانا آداب مجلس سے شناسا ہونے کی علامت ہے کیونکہ جو شخص آداب مجلس سے ناواقف ہو' بظاہر اس کا اعزاز و احترام کرنے والے ہی اس کی پیٹھ پیچھے برائیاں کرتے اور ہنسی اڑاتے ہیں۔

غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ ایسا تعلق کہ ان کی معمولی سے معمولی بیماری پر ان کی بیمار پرسی کے لیے پہنچ جانا' غلاموں کے حقوق کا تحفظ ایسا کہ اگر کسی غلام نے کچھ بچا بچا کر خلوص کے ساتھ دال روٹی کی دعوت کر دی تو اس کی عزت نفس کو مجروح نہیں ہونے دیا اور اسے اپنے بابرکت قدموں کی برکت سے مالا مال کر دیا' عاجزی اور فروتنی ایسی کہ معمولی سواری پر بھی سوار ہو جاتے' نہ تو کسی عمدہ سواری کا انتظار فرماتے اور نہ کسی معمولی سواری پر سوار ہونے میں کسر شان سمجھتے۔

مخلوق خدا کے ساتھ ایسا عمدہ برتاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کا اپنے پروردگار سے تعلق بھی بہت مضبوط تھا' اتنا کہ مرض الوفات میں بھی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے کندھوں پر سہارا لے کر مسجد میں پہنچ سکتے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پہنچ کر ہی نماز ادا فرمائی' اور جب ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہونے کے کچھ دنوں کے بعد اتنی بھی ہمت نہ رہی تو گھر میں ہی نماز ادا فرماتے رہے' حد تو یہ ہے کہ وہ آخری وصیت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو فرمائی اور وہ آخری الفاظ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے امت کے لیے ادا ہوئے' ان میں بھی امت کو نماز کی ادائیگی اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی تھی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خلق اور خالق کے معاملے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے

لیے اپنے آپ کو تیار کریں، مخلوق کے پیچھے پڑ کر خالق سے غافل نہ ہو جائیں، اور خالق کی طرف متوجہ ہو کر مخلوق کے حقوق سے نظر نہ چرائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رِحْلَةِ النَّبِيِّ ﷺ اِلٰى رَبِّهٖ

(٣٦٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَزِيْدٍ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَاٰى عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ خِفَّةً فَاسْتَاْذَنَهٗ اِلٰى امْرَاَتِهٖ بِنْتِ خَارِجَةَ وَكَانَتْ فِيْ حَوَائِطِ الْاَنْصَارِ وَكَانَ ذٰلِكَ رَاحَةَ الْمَوْتِ وَلَا يَشْعُرُ فَاَذِنَ ثُمَّ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَاَصْبَحَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَرَامَوْنَ فَاَمَرَ اَبُوْ بَكْرٍ غُلَامًا يَسْتَمِعُ ثُمَّ يُخْبِرُهٗ فَقَالَ اَسْمَعُهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَاتَ مُحَمَّدٌ ﷺ فَاشْتَدَّ اَبُوْ بَكْرٍ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاقَطْعَ ظَهْرَاهُ فَمَا بَلَغَ اَبُوْ بَكْرٍ الْمَسْجِدَ حَتّٰى ظَنُّوْا اَنَّهٗ لَمْ يَبْلُغْ وَاَرْجَفَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالُوْا لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَمْ يَمُتْ فَقَالَ عُمَرُ لَا اَسْمَعُ رَجُلًا يَقُوْلُ مَاتَ مُحَمَّدٌ ﷺ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِالسَّيْفِ فَكَفُّوْا لِذٰلِكَ فَلَمَّا جَاءَ اَبُوْ بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ ﷺ مُسَجًّى كَشَفَ الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ جَعَلَ يَلْثِمُهٗ فَقَالَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُذِيْقَكَ الْمَوْتَ مَرَّتَيْنِ اَنْتَ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ خَرَجَ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَا يَمُوْتُ ثُمَّ قَرَاَ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ لَكَاَنَّا لَمْ نَقْرَاْهَا قَبْلَهَا قَطُّ فَقَالَ النَّاسُ مِثْلَ مَقَالَةِ اَبِيْ بَكْرٍ مِنْ كَلَامِهٖ وَقِرَاءَتِهٖ وَمَاتَ لَيْلَةَ الْاِثْنَيْنِ فَمَكَثَ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمَيْنِ وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَكَانَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَاَوْسُ بْنُ خَوْلِيٍّ يَصُبَّانِ وَعَلِيٌّ وَالْفَضْلُ يَغْسِلَانِهٖ ﷺ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کے مرض میں جب تخفیف محسوس کی تو اپنی زوجہ محترمہ اسماء بنت خارجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے کی اجازت لی جو کہ انصار کے باغات کے قریب رہتی تھیں، وصال کے وہ قریبی لمحات تھے لیکن وہ اسے محسوس نہیں کر پائے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے انہیں اجازت دے دی۔

ادھر اسی رات کو نبی علیہ السلام کا وصال ہو گیا، صبح جب ہوئی تو لوگ افراتفری میں پڑ گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو سن گن لے کر خبر لانے کا حکم دیا، وہ آ کر کہنے لگا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی علیہ السلام کا انتقال ہو گیا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ خبر بجلی بن کر گری اور وہ کہنے لگے ہائے! میری کمر ٹوٹ گئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ابھی پہنچے نہیں تھے، لوگ یہ سمجھنے لگے کہ وہ نہیں پہنچیں گے، منافقین شکوک پیدا کرنے لگے کہ اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو ان کا انتقال نہ ہوتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اگر میں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا

ہے تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا' اس پر منافقین باز آ گئے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے نبی علیہ السلام کے روئے مبارک سے کپڑا ہٹایا جسے ڈھانپ دیا گیا تھا' اور اسے چومنے لگے' پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا' آپ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ معزز ہیں' پھر باہر تشریف لا کر فرمایا اے لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا' وہ جان لے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا تھا تو وہ کبھی نہیں مرے گا' اس کے بعد انہوں نے یہ آیت تلاوت کی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی رسول ہی تو ہیں' ان سے پہلے اور رسول بھی تو گزر چکے' اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے' اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا' اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب بدلہ دے گا۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوا جیسے ہم نے اس سے پہلے یہ آیت کبھی پڑھی ہی نہ ہو' اور لوگ بھی وہی کہنے اور پڑھنے لگے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور تلاوت کیا تھا۔ پیر (کا دن شروع ہونے سے پہلے جو) رات (آتی ہے اس کے اختتام پر) نبی علیہ السلام کا انتقال ہوا' دو دن ٹھہر کر منگل کے دن آپ کو سپرد خاک کیا گیا' اور نبی علیہ السلام کو غسل دینے والے حضرات میں اسامہ بن زیدؓ اور اوس بن خولیؓ پانی بہا رہے تھے اور حضرت علیؓ اور فضلؓ نہلا رہے تھے۔

حلِّ عبارت: "حوائط" جمع حائط بمعنی باغ "یترامون" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی گرتے پڑتے آنا' افراتفری میں مبتلا ہونا "ارجف" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مضطرب ہونا "فکفوا" باب نصر سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی رک جانا "مسجی" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی پوشیدہ رکھنا' ڈھانپ دینا "کشف" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھولنا "یلثمه" باب مذکورہ سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بوسہ دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری من: ٤٤٥٢' الی ٤٤٥٤' والنسائی: ١٨٤٢' وابن ماجه: ١٦٢٧' وابن حبان: ٦٦٢٠' واحمد: ٢٥٣٧٥۔

مفہوم: یقیناً اس قیامت صغریٰ کے موقع پر کسی "اکبر" کا ہونا ضروری تھا جو اپنی صداقت سے اس قیامت میں ثابت قدمی کے جھنڈے گاڑتا' امت کو نیا حوصلہ اور ولولہ دیتا' اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھ کر مستقبل کا نقشہ سامنے رکھتا' آپس میں نفرتیں اور عداوتیں پھیلنے سے بچاؤ کے انتظامات کرتا' جانے والے محبوب کی نیابت کرتا اور آنے والے حکم کی تلاوت کرتا' اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس موقع پر یہ عظیم کام لیے اور انہیں خلافت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز عطاء فرمایا اور سیدنا علی مرتضیٰ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت پر ہر آدمی سناٹے میں آ گیا تھا' زمین پر حسرت برستی تھی اور

آسمان پر گرد اڑاتی تھی، فضاؤں کے پرندے تڑپتے تھے اور سمندروں کی مچھلیاں گھبراتی تھیں، جن کی جدائی کے غم پر درختوں کے تنے آٹھ آٹھ آنسو رویا کرتے تھے، ان کی جدائی کا غم ہر شخص کو بے حال کیے ہوئے تھا، فاطمہؓ الگ پریشان تھیں، عائشہؓ دوسری طرف پریشان تھیں، حسنین کے دل پر قیامت بیت رہی تھی اور عثمانؓ وعلیؓ کے سر رخصت ہو رہے تھے، شیخین کے داماد رخصت ہو رہے تھے، یتیموں اور بیواؤں کے والی رخصت ہو رہے تھے، پیغمبر اسلام اور پیام برانسانیت رخصت ہو رہے تھے۔ سچ ہے کہ اس دنیا سے ہر ایک نے رخصت ہونا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیُ فَضُلِ اَبِیُ بَكُرٍ وَعُمَرَ

(۳۶۵) اَبُوُ حَنِیُفَةَ عَنُ سَلَمَةَ عَنُ اَبِی الزَّعُرَاءِ عَنِ ابُنِ مَسُعُوُدٍ قَالَ قَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ ﷺ اِقُتَدُوُا بِالَّذَیُنِ مِنُ بَعُدِیُ اَبِیُ بَكُرٍ وَعُمَرَ۔

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے فضائل

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں شخصوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیُ فَضُلِ عَمَّارٍ

(۳۶۶) اَبُوُ حَنِیُفَةَ عَنُ عَبُدِالُمَلِكِ عَنُ رِبُعِیٍّ عَنُ حُذَیُفَةَ بُنِ الُیَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ ﷺ اِقُتَدُوُا بِالَّذَیُنِ مِنُ بَعُدِیُ اَبِیُ بَكُرٍ وَعُمَرَ وَاهُتَدُوُا بِهَدُیِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوُا بِعَهُدِ ابُنِ اُمِّ عَبُدٍ۔

حضرت عمارؓ کے فضائل

اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا طریقہ اختیار کرو اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وصیت کو مضبوطی سے تھامو۔

حل عبارت: "اقتدوا" باب افتعال سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی اقتداء کرنا، پیروی کرنا "واھتدوا" مذکو... باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی طریقہ اختیار کرنا، "بعھد" ای بوصیة۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الترمذی: ۳٦٦٢، وابن ماجه: ۹۷، واحمد: ۳۹۹/۵، وابن حبان: ٦۹۰۲۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن حبان: ٦۹۰۲، والترمذی فی المناقب، باب: ۳٤، واحمد: ۲۳٦٦۵۔

مفہوم: یہاں سے حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل کا بیان شروع ہو رہا ہے جس میں حدیث کی مختصر وضاحت "اگر اس کی ضرورت ہو" کے بعد متعلقہ صحابی کی مختصر سوانح حیات ذکر کی جائے گی تا کہ ان کا مختصر تعارف ذہن نشین ہو جائے چنانچہ یہاں حضرات شیخینؓ کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بھی ضمناً آ گیا ہے

اس لیے یہاں ان تینوں کا ذکر کیا جاتا ہے، حضرت ابن مسعود ﷜ کا ذکر الگ سے آ رہا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷜: آپ کا نام نامی اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابو بکر اور لقب صدیق ہے، آپ کے والد کا نام عثمان اور والدہ کا نام سلمی ام الخیر ہے، آپ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں نبی علیہ السلام سے ملتا ہے، آپ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف رکھتے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ کو شراب سے نفرت تھی، آپ کی کوششوں سے بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سے غلاموں کو آزادی ملی، غار ثور اور روضہ مبارکہ میں رفاقت مصطفیٰ ﷺ کا شرف حاصل ہوا، غزوات میں شرکت اور ۹ ھ میں امیر الحجاج کا اعزاز نصیب ہوا، خلافت نصیب ہوئی اور جمع قرآن، مرتدین کی سرکوبی، جیش اسامہ کی روانگی اور تحفظ مسئلہ ختم نبوت جیسے اہم کام آپ کی زندگی کا اہم حصہ ہیں۔ آپ کا انتقال ۶۳ برس کی عمر میں ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کو ہوا، پیر کے دن صبح کے وقت میں نبی علیہ السلام کا وصال ہوا تھا اور اس کے غروب آفتاب کے ساتھ ہی صدیق اکبر ﷜ بھی پردہ فرما گئے۔

حضرت عمر فاروق ﷜: آپ کا نام نامی اسم گرامی عمر، کنیت ابوحفص اور لقب فاروق ہے، آپ کے والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ ہے، آپ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں نبی علیہ السلام سے مل جاتا ہے، آپ کی پیدائش ہجرت سے چالیس سال پہلے ہوئی، ابتداء میں آپ اسلام کے خلافت بہت سرگرم رہے بالآخر مراد نبوی ﷺ بن کر دین اسلام کا شجر ثمر بار بنے، تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل ہے، مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ اور چار دانگ عالم میں اسلام کا نام روشن کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر بندھتا ہے، عراق، شام، فلسطین، بیت المقدس اور مصر جیسے بڑے ممالک آپ ہی کے عہد حکومت میں فتح ہوئے، یکم محرم ۲۴ھ بروز ہفتہ آپ جام شہادت نوش کر گئے۔

حضرت عمار بن یاسر ﷜: آپ کا نام نامی اسم گرامی عمار، اور کنیت ابوالیقظان ہے، آپ کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ ہے، تقریباً تیس صحابہ کرام ﷢ کے بعد آپ کو قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، آپ کو دین اسلام قبول کرنے پر مشرکین کی طرف سے انتہائی سخت تکالیف پہنچائی گئیں، تمام غزوات میں شریک ہوئے، ۲۰ھ میں کوفہ کے گورنر بنائے گئے، ۹۱ برس کی عمر میں جنگ صفین میں شہید ہوئے، حضرت علی ﷜ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ عُثْمَانَ

(۳۶۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ مُوْسَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ اَنَّ عُمَرَ مَرَّ بِعُثْمَانَ وَهُوَ حَزِيْنٌ قَالَ مَا يُحْزِنُكَ قَالَ اَلَا اَحْزَنُ وَقَدِ انْقَطَعَ الصِّهْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَذٰلِكَ حَدَثَانَ مَاتَتْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ تَحْتَهٗ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اُزَوِّجُكَ حَفْصَةَ ابْنَتِيْ فَقَالَ حَتّٰى اَسْتَاْمِرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَاهُ

فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلْ لَكَ اَنْ اَدُلَّكَ عَلٰى صِهْرٍ هُوَ خَيْرٌ لَكَ مِنْ عُثْمَانَ وَاَدُلَّ عُثْمَانَ عَلٰى صِهْرٍ هُوَ خَيْرٌ لَهُ مِنْكَ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ زَوِّجْنِيْ حَفْصَةَ وَاُزَوِّجُ عُثْمَانَ ابْنَتِيْ فَقَالَ نَعَمْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمہ: موسیٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے گزر ہوا تو وہ غمگین دکھائی دیئے پوچھا کیوں غمگین دکھائی دے رہے ہو؟ فرمایا غمگین کیوں نہ ہوں؟ جبکہ میرے اور نبی علیہ السلام کے درمیان سسرالی رشتہ منقطع ہوگیا ہے' یہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے ابتدائی ایام کی بات ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں' حضرت عثمانؓ نے کہا کہ پہلے میں نبی علیہ السلام سے مشورہ کرلوں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے' نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا کیا میں حفصہ کے لیے عثمان سے بہتر رشتہ اور عثمان کے لیے حفصہ سے بہتر رشتہ نہ بتاؤں؟ عرض کیا ضرور! فرمایا حفصہ کا نکاح مجھ سے کر دو اور عثمان کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیتا ہوں' وہ اس پر راضی ہو گئے اور نبی علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔

حل عبارت: "حزین" فعیل بمعنی مفعول کے ہے یعنی غمگین "الصهر" سسرالی رشتہ داری' "حدثان" بمعنی اوائل "ازوجك" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی نکاح کروانا۔

تخریج حدیث: اخرجه الهندی فی الکنز: ٦/٣٧٩' وابن ماجه مختصراً: ١١٠۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی عثمان' کنیت ابوعبداللہ اور لقب ذوالنورین ہے' آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی ہے' آپ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں جا کر نبی علیہ السلام سے مل جاتا ہے' آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنوامیہ سے ہے۔ آپ واقعہ اصحاب فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے' چونتیس سال کی عمر میں اس وقت اسلام قبول کیا جبکہ صرف ۳۵ لوگ مسلمان ہوئے تھے' قبول اسلام کے بعد نبی علیہ السلام نے اپنے صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کرکے آپ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا' آپ نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی' غزوۂ بدر میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے' ادھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی جانبر نہ ہوسکیں' اس کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ ۴ محرم ۲۴ھ کو آپ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے عہد خلافت میں طرابلس' افریقہ' سائپرس' طبرستان فتح ہوئے اور ۳۱ھ میں پہلی بحری کامیاب جنگ لڑی گئی' ۱۸ ذی الحجہ ۳۶ھ بروز جمعہ بوقت عصر آپ نے باغیوں کے ہاتھوں چالیس دن کی بھوک پیاس کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیُ فَضُلِ عَلِیٍّ

(۳۶۸) اَبُوُ حَنِیُفَةَ عَنُ سَلَمَةَ عَنُ حَیَّةَ الُعَرَبِیِّ وَهُوَ الُهَمُدَانِیُّ مِنُ اَصُحَابِ عَلِیٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجُهَهٗ قَالَ سَمِعُتُ عَلِیًّا یَقُوُلُ اَنَا اَوَّلُ مَنُ اَسُلَمَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمہ: حیہ عربی ہمدانی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں' کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میں سب سے پہلے اسلام لایا تھا۔

(۳۶۹) اَبُوُ حَنِیُفَةَ عَنُ اِسُمَاعِیُلَ عَنُ اَبِیُ صَالِحٍ عَنُ اُمِّ هَانِیءٍ اَنَّ رَسُوُلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَظَرَ اِلٰی عَلِیٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجُهَهٗ ذَاتَ یَوُمٍ فَرَاٰهُ جَائِعًا فَقَالَ یَاعَلِیُّ مَا اَجَاعَكَ قَالَ یَارَسُوُلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّیُ لَمُ اَشُبَعُ مُنُذُ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَبُشِرُ بِالُجَنَّةِ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ آپ کو بھوکے محسوس ہوئے' فرمایا علی! کیا بات ہے' بھوکے محسوس ہو رہے ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ! اتنے اتنے دن سے پیٹ نہیں بھرا' یہ سن کر نبی علیہ السلام نے فرمایا تمہیں جنت کی خوشخبری ہو۔

حلِ عبارت: "جائعا" بھوکا "ما اجاعك" اس میں "ما" استفہامیہ ہے اور آگے باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے بمعنی بھوکا بنانا "ابشر" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی خوشخبری دینا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الترمذی: ۳۷۳۵' ۳۷۳٤

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن عدی: ۱/۱۲٤' ۱٤/۸۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی' اسم گرامی علی' کنیت ابوالحسن اور ابوتراب اور لقب حیدر ہے' آپ کے والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ ہے' آپ رشتے کے اعتبار سے نبی علیہ السلام کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے' آپ بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف رکھتے ہیں' شب ہجرت نبی علیہ السلام کے بستر پر سونے کا اعزاز حاصل ہوا' نبی علیہ السلام کی سب سے چہیتی اور لاڈلی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اولاد ہوئی' تمام غزوات میں شرکت فرمائی' فقہ واجتہاد اور صحیح فیصلے کی سمجھ بوجھ میں مشہور ہیں' تصوف کے اکثر سلسلے ان ہی پر منتہی ہوتے ہیں' تفسیر و حدیث اور علم وراثت پر بھی مکمل عبور حاصل تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ سریرآرائے خلافت ہوئے' اور ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ھ جمعہ کی رات کو آپ نے جام شہادت نوش فرمایا' حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جنازہ پڑھایا اور کوفہ کے ایک قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِى فَضْلِ حَمْزَةَ

(۳۷۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سَيِّدُ الشُّهَدَآءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ثُمَّ رَجُلٌ دَخَلَ اِلٰى اِمَامٍ فَاَمَرَهٗ وَنَهَاهُ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ سَيِّدُ الشُّهَدَآءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَرَجُلٌ قَامَ اِلٰى اِمَامٍ جَائِرٍ فَاَمَرَهٗ وَنَهَاهُ۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہوں گے اور دوسرے نمبر پر وہ آدمی جو کسی حکمران کے پاس جا کر اسے اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔

تخریج حدیث: اخرجہ الحاکم: ۲/۱۱۹، والھندی فی الکنز: ۳۳۲۶۳۔

مفہوم: عام طور پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی لوگ سید الشہداء کہہ دیتے ہیں اور عشرۂ محرم میں ایسی چیزیں خصوصیت کے ساتھ کثرت سے سننے میں آتی ہیں، اس موقع پر ایک طرف تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تقدس و احترام ہوتا ہے اور دوسری طرف بعض حضرات کی یہ رائے ہوتی ہے کہ سید الشہداء کا لقب حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے، نبی علیہ السلام نے ان ہی کو یہ لقب عطاء فرمایا تھا اس لیے کسی اور کو یہ لقب دینا صحیح نہیں ہے، لیکن راقم الحروف ہمیشہ اس خلجان کا شکار رہا ہے کہ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہہ دیا جائے تو اس سے کیا خرابی لازم آتی ہے، لیکن جب راقم کی نظر اس حدیث پر پڑی تو ذہن کا خلجان خود بخود دور ہو گیا کہ جب خود نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ اپنے حکمران کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے دین کے ساتھ وابستہ رکھنے والا شخص بھی ''سید الشہداء'' کے اعزاز سے معزز ہو گا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی تو یہی فریضہ انجام دیا تھا، انہیں یہ لقب کیوں نہیں دیا جا سکتا؟ معلوم ہوا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی، اسم گرامی حمزہ، کنیت ابوعمارہ اور لقب اسد اللہ ہے، آپ کے والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام ہالہ بنت وہیب تھا، رشتے میں آپ نبی علیہ السلام کے حقیقی چچا اور رضاعی بھائی لگتے ہیں، آپ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے، غزوۂ بدر میں آپ کی شہامت و شجاعت نے غنیم کے پرے کے پرے صاف کر دیئے، غزوۂ احد میں آپ نے وحشی بن حرب نامی غلام کے ہاتھوں ''جس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا'' جام شہادت نوش فرمایا، اور دشمن نے آپ کی نعش مبارک رضی اللہ عنہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، بعد ازاں نبی علیہ السلام نے ان سب ٹکڑوں کو جمع کر کے دفن کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ الزُّبَیْرِ

(۳۷۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ یَاْتِیْنَا بِالْخَبَرِ لَیْلَةَ الْاَحْزَابِ فَیَنْطَلِقُ الزُّبَیْرُ فَیَأْتِیْهِ بِالْخَبَرِ كَانَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِكُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیٌّ وَحَوَارِیَّ الزُّبَیْرُ۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کی رات ارشاد فرمایا دشمن کے متعلق ہمیں کون خبر لا کر دے گا؟ تین مرتبہ ایسا ہوتا ہے اور تینوں مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے ہیں اور جا کر خبر لاتے ہیں' اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

حلِ عبارت: "فینطلق" باب انفعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جانا "حواری" مصاحبِ خاص کو کہتے ہیں۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۸٤٦' ومسلم: ٦٢٤٣ (٢٤١٥) والترمذی: ٣٧٤٥' وابن ماجه: ١٢٢' وابن حبان: ٦٩٨٥۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی زبیر' کنیت ابوعبداللہ اور لقب "حواریٔ رسول" ہے' آپ کے والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ ہے جو نبی علیہ السلام کی حقیقی پھوپھی تھیں' آپ کی پیدائش ہجرت سے اٹھائیس سال قبل ہوئی' آپ نے اپنی عمر کے سولہویں سال میں ہی پانچویں یا چھٹے نمبر پر اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا' بہادری میں ضرب المثل تھے' تمام غزوات میں شریک ہوئے' جنگ جمل کے موقع پر ابن جرموز نامی غدار اور جہنمی کے ہاتھوں آپ نے جام شہادت نوش کیا' آپ کی کل عمر مبارک چونسٹھ سال ہوئی اور ۳۶ھ میں شہید ہو کر وادیٔ سباع میں مدفون ہوئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ

(۳۷۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ اَسْمَرَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ لَیْلَةٍ قَالَ فَخَرَجَا وَخَرَجَ مَعَهُمَا فَمَرُّوْا بِابْنِ مَسْعُوْدٍ وَهُوَ یَقْرَأُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ كَمَا اُنْزِلَ فَلْیَقْرَأْهُ عَلٰی قِرَاءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ۔

وَجَعَلَ یَقُوْلُ لَهٗ سَلْ تُعْطَهْ فَاَتَاهُ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ یُبَشِّرَانِهٖ فَسَبَقَ اَبُوْ بَكْرٍ عُمَرَ اِلَیْهِ فَبَشَّرَهٗ وَاَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ اَمَرَهٗ بِالدُّعَاءِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِیْمَانًا دَائِمًا لَا یَزُوْلُ وَنَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ

نَبِيِّكَ فِي جَنَّةِ الْخُلْدِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ سَمَرَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَخَرَجَا وَخَرَجَ مَعَهُمَا فَمَرُّوْا بِابْنِ مَسْعُوْدٍ وَهُوَ يَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ غَضًّا كَمَا اُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ وَجَعَلَ يَقُوْلُ سَلْ تُعْطَهُ وَذَكَرَ تَمَامَ الْاَوَّلِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضرات شیخینؓ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے رات دیر گئے تک گفتگو کرتے رہے، جب وہ دونوں نکلے تو نبی علیہ السلام بھی ان کے ساتھ چلے گئے، ان تینوں کا گزر ابن مسعودؓ کے پاس سے ہوا جو قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، نبی علیہ السلام نے ان کی تلاوت سن کر فرمایا جو شخص یہ چاہے کہ قرآن کو اسی طرح پڑھے جیسے وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن مسعودؓ کی طرح پڑھے اور نبی علیہ السلام ان سے فرمانے لگے کہ مانگو تمہاری درخواست پوری ہو گی، حضرات شیخینؓ یہ خوشخبری سنانے کے لیے ابن مسعودؓ کے پاس آئے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ پر سبقت لے گئے، اور انہیں خوشخبری سنا کر فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے انہیں دعا کا حکم دیا ہے چنانچہ انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے ایسے دائمی ایمان کا سوال کرتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو، ایسی نعمتوں کا جو کبھی ختم نہ ہوں، اور جنت میں نبی علیہ السلام کی رفاقت کا۔

(۳۷۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْتَهٗ اَرْسَلَ وَالِدَتَهٗ اُمَّ عَبْدٍ تَنْظُرُ اِلٰى هَدْيِ النَّبِيِّ ﷺ وَدَلِّهٖ وَسَمْتِهٖ فَتُخْبِرُهٗ بِذٰلِكَ فَيَتَشَبَّهُ بِهٖ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی علیہ السلام اپنے گھر تشریف لے جاتے تو وہ اپنی والدہ ام عبد کو بھیج دیتے تھے تاکہ وہ نبی علیہ السلام کے طریقے، سیرت اور کیفیت کو غور سے دیکھیں اور انہیں آ کر بتائیں، پھر وہ اس کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۳۷۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهٗ كَانَ صَاحِبَ حَصِيْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ عَصَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ رِدَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ الرَّاحِلَةِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ سِوَاكِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَصَاحِبَ الْمِيْضَاةِ وَصَاحِبَ النَّعْلَيْنِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے منقول ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے سجادہ بردار تھے، ایک روایت میں لاٹھی بردار

ہونے کا ذکر آیا ہے' ایک روایت میں صاحب رداء ہونے کا' ایک روایت میں صاحب راحلہ ہونے کا' ایک روایت میں صاحب مسواک ہونے کا' ایک روایت میں وضو کے برتن والا ہونے کا اور ایک روایت میں صاحب النعلین ہونے کا تذکرہ آتا ہے۔

(۳۷۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَعْنٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا كَذَبْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا كِذْبَةً وَاحِدَةً كُنْتُ اُرَحِّلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَاَتٰى رَحَّالٌ مِنَ الطَّائِفِ فَسَأَلَنِىْ اَىُّ الرَّاحِلَةِ اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ الطَّائِفِيَّةُ الْمَكِّيَّةُ وَكَانَ يَكْرَهُهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا اُتِىَ بِهَا قَالَ مَنْ رَحَّلَ لَنَا هٰذِهٖ قَالُوْا رَحَّالُكَ قَالَ مُرُوْا ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ فَلْيُرَحِّلْ لَنَا فَاُعِيْدَتْ اِلَىَّ الرَّاحِلَةُ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ اِنَّ النَّبِىَّ ﷺ جِىْءَ بِرَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ فَجَاءَ نِى الطَّائِفِىُّ فَقَالَ اَىُّ الرَّاحِلَةِ اَحَبُّ اِلَيْهِ قُلْتُ الطَّائِفِيَّةُ الْمَكِّيَّةُ فَخَرَجَ فَقَالَ مَنْ صَاحِبُ هٰذِهِ الرَّاحِلَةِ قِيْلَ الطَّائِفِىُّ قَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا بِهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے' ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی جھوٹ نہیں بولا اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ میں نبی علیہ السلام کے لیے سواری تیار کرتا تھا' طائف سے ایک کجاوہ بنانے والا آیا اور مجھ سے پوچھا کہ نبی علیہ السلام کو کون سا کجاوہ پسند ہے؟ میں نے کہا جو طائف یا مکہ کا بنا ہوا ہو' حالانکہ وہ نبی علیہ السلام کو ناپسند تھا' جب وہ شخص کجاوہ لے کر آیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا ہماری سواری پر یہ کجاوہ کس نے کسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں رحال نے! فرمایا عبداللہ بن مسعود سے کہو کہ وہ ہمارے لیے سواری تیار کرے چنانچہ اسے میرے پاس تیاری کے لیے لایا گیا۔

(۳۷۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ مَا كَذَبْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا وَاحِدَةً كُنْتُ اُرَحِّلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَتٰى رَحَّالٌ مِنَ الطَّائِفِ فَقَالَ اَىُّ الرَّاحِلَةِ اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ الطَّائِفِيَّةُ الْمَكِّيَّةُ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُهَا فَلَمَّا دَخَلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَتىٰ بِهَا قَالَ مَنْ رَحَّلَ لَنَا هٰذِهِ الرَّاحِلَةَ قَالَ رَحَّالُكَ الَّتِىْ اُتِيْتَ بِهٖ مِنَ الطَّائِفِ فَقَالَ رَدِّ الرَّاحِلَةَ لِابْنِ مَسْعُوْدٍ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بعینہ ۳۵۷ والا ہے۔

حل عبارت: "سمرا" باب نصر یا ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی رات کو گفتگو کرنا "خرج معهما" اس کا فاعل نبی علیہ السلام ہیں' "سره" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی خوش ہونا "لا ينفد" باب سمع سے فعل مضارع منفی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ختم ہونا "دله" ای سیرته "سمته" ای هيئته فی الجلوس والقيام "فيتشبه" باب تفعل سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بہ تکلف مشابہت اختیار کرنا "ارحل" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی سواری تیار کرنا' کجاوہ لگانا "رحال" اسی سے ہے'

"فاعیدت"، باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی لوٹانا۔

تخریج حدیث: اما الاول من هذه الاحاديث المباركة۔

فقد اخرجه ابن حبان: ٧٠٦٧ و ٧٠٦٦' وابن ماجه: ١٣٨، واحمد: ١٧٥، والطيالسي: ٣٤٠، والنسائي في عمل اليوم والليلة: ٨٦٩۔

واما الثاني منها:

فقد اخرج البخاري مثله: ٣٧٦٢' والترمذي: ٣٨٠٧' وابن حبان: ٧٠٦٣' ومسلم: ٦٣٢٦ (٢٤٦٠)

واما الثالث منها:

فقد اخرجه الحاكم: ٣/٣١٦' وابن سعد: ٣/١٠٩۔

واما الرابع والخامس منها:

فقد اخرجهما ابو يعلى الموصلي: ٥٢١٢' وابن حجر في المطالب العالية: ٢٨٤٤۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم گرامی عبداللہ' اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے' آپ کے بہت سے القاب کا ذکر حدیث ۳۷۴ میں ہے' آپ کے والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد ہے' بچپن میں آپ بکریاں چراتے تھے' آپ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے' آپ نے تمام غزوات میں شرکت اور حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت فرمائی' ۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے' فقہی مسائل میں ان کی رائے خاصا وزن رکھتی ہے' بیان حدیث میں محتاط رہے قراءت قرآن میں ممتاز ہیں' حدیث وتفسیر میں ایک اہم مقام کے حامل ہیں' آپ نے ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۳۲ھ میں وفات پائی' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ خُزَيْمَةَ

(۳۷۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ اَنَّهٗ مَرَّ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَعْرَابِيٌّ يَجْحَدُ بَيْعَهٗ فَقَالَ خُزَيْمَةُ اَشْهَدُ لَقَدْ بِعْتَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَيْنَ عَلِمْتَهٗ قَالَ تَجِيْئُنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَآءِ فَنُصَدِّقُكَ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَهَادَتَهٗ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ مَرَّ بِاَعْرَابِيٍّ وَهُوَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَجْحَدُ بَيْعًا قَدْ عَقَدَهٗ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ خُزَيْمَةُ اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بِعْتَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَيْنَ عَلِمْتَ ذٰلِكَ فَقَالَ تَجِيْئُنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَآءِ فَنُصَدِّقُكَ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَهَادَتَهٗ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَجَازَ شَهَادَتَهٗ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ حَتّٰى مَاتَ۔

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کے پاس سے ان کا گزر ہوا' آپ کے ساتھ ایک دیہاتی بھی تھا جو بیع کا انکار کر رہا تھا' حضرت خزیمہؓ کہنے لگے کہ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تم نے یہ جانور نبی علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کیا ہے' نبی علیہ السلام نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا؟ عرض کیا کہ آپ ہمارے پاس آسمانی وحی لاتے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں (کیا اس میں آپ کی تکذیب کریں گے؟) نبی علیہ السلام نے یہ سن کر ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے دیا۔

حل عبارت: "یجحد" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی انکار کرنا "بعته" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بیچنا "فنصدقك" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی تصدیق کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ٣٦٠٧' واحمد

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ: آپ کا نام نامی اسم سامی خزیمہ' کنیت ابو عمارہ اور لقب ذوالشہادتین ہے' آپ کے والد کا نام ثابت اور والدہ کا نام کبشہ بنت اوس ہے' آپ ہجرت سے قبل دولت اسلام سے مالا مال ہوئے اور غزوۂ بدر سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے' آپ کی کل مرویات کی تعداد ۳۸ ہے' جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرف سے شریک ہو کر شامیوں کے خلاف داد شجاعت دی اور اسی معرکہ میں جام شہادت نوش کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیُ فَضُلِ خَدِیُجَةَ

(۳۷۸) اَبُوْ حَنِیُفَةَ عَنْ یَحُیَی بِنِ سَعِیُدٍ عَنُ اَنَسِ بُنِ مَالِكٍ قَالَ بُشِّرَتُ خَدِیُجَةُ بِبَیُتٍ فِی الُجَنَّةِ لَاصَخَبَ فِیُهَا وَلَا نَصَبَ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے جنت میں ایسے گھر کی بشارت دی گئی ہے جس میں کوئی شور اور کسی قسم کی تھکاوٹ نہ ہوگی۔

حل عبارت: "بشرت" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی خوشخبری دینا' "صخب" شور وشغب "نصب" تھکاوٹ۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ١٧٩٢' ومسلم: ٦٢٧٤ (٢٤٣٣) واحمد' ٣٥٥/٤' وابن حبان: ٧٠٠٤۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: آپ کا نام نامی اسم گرامی خدیجہ' کنیت ام ہند اور لقب طاہرہ ہے' آپ کے والد کا نام

خویلد اور والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے' آپ کا سلسلۂ نسب چوتھی پشت میں جا کر نبی علیہ السلام سے مل جاتا ہے' آپ کی پیدائش عام الفیل سے ۱۵ سال قبل ہوئی' آپ کا پہلا نکاح ابو ہالہ سے ہوا' دوسرا نکاح عتیق بن عابد مخزومی سے ہوا' اور تیسری مرتبہ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں' اس وقت آپ کی عمر چالیس سال اور نبی علیہ السلام کی عمر پچیس برس تھی' آپ کا مہر ۵۰۰ طلائی درہم مقرر رہا' خواتین میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا' آپ ۲۵ سال تک نبی علیہ السلام کے نکاح میں رہیں' اس دوران اپنے جسم و جان اور روح و قلب سے نبی علیہ السلام کی خدمت میں مصروف رہیں' حالانکہ اپنے وقت میں مکہ مکرمہ کی سب سے مالدار خاتون تھیں' آپ نے کل ۶۴ برس چھ ماہ کی عمر پائی' ۱۱ رمضان ۱۰ نبوت میں آپ کا انتقال ہوا' اور نبی علیہ السلام نے خود انہیں قبر میں اتارا' آپ کی قبر جحون میں ہے' نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ جتنی بھی اولاد عطاء فرمائی' وہ سب حضرت خدیجہؓ سے ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ عَائِشَةَ الصِّدِّیْقَةِ

(۳۷۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّهٗ لَیَهُوْنُ عَلَیَّ الْمَوْتُ اِنِّیْ رَاَیْتُكِ زَوْجَتِیْ فِی الْجَنَّةِ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اِنِّیْ رَاَیْتُكِ زَوْجَتِیْ فِی الْجَنَّةِ ثُمَّ الْتَفَتَ وَقَالَ هَوَّنَ عَلَیَّ الْمَوْتُ لِاَنِّیْ رَاَیْتُ عَائِشَةَ فِی الْجَنَّةِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا مجھ پر موت کی سختی اس لیے آسان ہو گئی ہے کہ میں نے تمہیں جنت میں بھی اپنی بیوی کے طور پر دیکھ لیا ہے۔

(۳۸۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كُنَّ لِیْ خِلَالٌ سَبْعٌ لَمْ یَكُنْ لِاَحَدٍ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم كُنْتُ اَحَبَّهُنَّ اِلَیْهِ اَبًا وَاَحَبَّهُنَّ اِلَیْهِ نَفْسًا وَتَزَوَّجَنِیْ بِكْرًا وَمَا تَزَوَّجَنِیْ حَتّٰی اَتَاهُ جِبْرَئِیْلُ بِصُوْرَتِیْ وَلَقَدْ رَاَیْتُ جِبْرَئِیْلَ وَمَا رَاٰهُ اَحَدٌ مِنَ النِّسَاءِ غَیْرِیْ وَكَانَ یَاْتِیْهِ جِبْرَئِیْلُ وَاَنَا مَعَهٗ فِیْ شِعَارِهٖ وَلَقَدْ نَزَلَ فِیَّ عُذْرٌ كَادَ اَنْ یَهْلِكَ فِئَامُ النَّاسِ وَلَقَدْ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ بَیْتِیْ وَلَیْلَتِیْ وَیَوْمِیْ وَبَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میری سات خوبیاں ایسی ہیں جو دیگر ازواج مطہرات میں سے کسی میں نہیں تھیں۔

۱۔ میں ان سب کی نسبت نبی علیہ السلام کو اپنے والد اور اپنی ذات کے حوالے سے سب سے زیادہ محبوب تھی۔

۲۔ نبی علیہ السلام نے مجھ سے باکرہ ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔
۳۔ میں نے جبرئیل کو دیکھا ہے اور میرے علاوہ کسی زوجہ محترمہ نے نہیں دیکھا۔
۴۔ نبی علیہ السلام نے مجھ سے نکاح نہیں کیا یہاں تک کہ جبریل میری تصویر لے کر آئے۔
۵۔ نبی علیہ السلام کے پاس جبریل اس وقت بھی آ جاتے تھے جب میں نبی علیہ السلام کے ساتھ بستر میں ہوتی۔
۶۔ میرے عذر کے بارے قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں جس میں لوگوں کی بہت سی جماعتیں ہلاکت کے قریب پہنچ گئی تھیں۔
۷۔ نبی علیہ السلام کا انتقال میرے گھر میں، میری باری کی رات میں، میرے دن میں اور میرے سینے اور گلے کے درمیان ہوا ہے۔

(۳۸۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِيَّ سَبْعُ خِصَالٍ لَيْسَتْ فِيْ وَاحِدَةٍ مِنْ اَزْوَاجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَزَوَّجَنِيْ وَاَنَا بِكْرٌ وَلَمْ يَتَزَوَّجْ اَحَدًا مِنْ نِسَائِهٖ بِكْرًا غَيْرِيْ وَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ بِصُوْرَتِيْ قَبْلَ اَنْ يَتَزَوَّجَنِيْ وَلَمْ يَنْزِلْ بِصُوْرَةِ وَاحِدَةٍ مِنْ نِسَائِهٖ غَيْرِيْ وَاَرَانِيْ جِبْرَئِيْلَ وَلَمْ يُرِهٖ اَحَدًا مِنْ اَزْوَاجِهٖ غَيْرِيْ وَكُنْتُ مِنْ اَحَبِّهِنَّ اِلَيْهِ نَفْسًا وَاَبًا وَنَزَلَتْ فِيَّ اٰيَاتٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَادَ اَنْ يَّهْلِكَ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ وَمَاتَ فِيْ لَيْلَتِيْ وَيَوْمِيْ وَتُوُفِّيَ بَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهَا قَالَتْ اِنَّ فِيَّ سَبْعُ خِصَالٍ مَاهُنَّ فِيْ وَاحِدَةٍ مِنْ اَزْوَاجِهٖ تَزَوَّجَنِيْ بِكْرًا وَلَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرِيْ وَاَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ بِصُوْرَتِيْ قَبْلَ اَنْ يَّتَزَوَّجَنِيْ وَلَمْ يَأْتِهٖ جِبْرَئِيْلُ بِصُوْرَةِ اَحَدٍ مِنْ اَزْوَاجِهٖ غَيْرِيْ وَكُنْتُ اَحَبَّهُنَّ اِلَيْهِ نَفْسًا وَاَبًا وَاُنْزِلَ فِيَّ عُذْرٌ كَادَ اَنْ يَّهْلِكَ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ وَمَاتَ فِيْ يَوْمِيْ وَلَيْلَتِيْ وَبَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ وَاَرَانِيْ جِبْرَئِيْلَ وَلَمْ يُرِهٖ اَحَدًا مِنْ اَزْوَاجِهٖ غَيْرِيْ۔

ترجمہ: بعینہٖ وہی ترجمہ ہے جو حدیث نمبر ۳۸۰ میں ہوا۔

(۳۸۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا حَدَّثَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَتْنِي الصِّدِّيْقَةُ بِنْتُ الصِّدِّيْقِ الْمُبَرَّأَةُ حَبِيْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: مسروق جب بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حوالے سے کوئی روایت بیان کرتے تو یوں کہتے: "حدثتنی الصدیقة بنت الصدیق المبرأة حبیبة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(۳۸۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ اِسْتَأْذَنَ عَلٰى عَائِشَةَ لِيَعُوْدَهَا فِيْ مَرَضِهَا فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ اِنِّيْ اَجِدُ غَمًّا وَكَرْبًا فَانْصَرِفْ فَقَالَ لِلرَّسُوْلِ مَا اَنَا بِالَّذِيْ يَنْصَرِفُ حَتّٰى اَدْخُلَ

فَرَجَعَ الرَّسُوْلُ فَاَخْبَرَهَا بِذٰلِكَ فَاَذِنَتْ لَهٗ فَقَالَتْ اِنِّیْ اَجِدُ غَمًّا وَ كَرْبًا وَاَنَا مُشْفِقَةٌ مِمَّا اَخَافُ اَنْ اَهْجُمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ اَبْشِرِیْ فَوَ اللّٰهِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَائِشَةُ فِی الْجَنَّةِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُزَوِّجَهٗ جَمْرَةً مِنْ جَمْرَةِ جَهَنَّمَ فَقَالَتْ فَرَّجْتَ فَرَّجَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْكَ۔

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے ان کی عیادت کے سلسلے میں گھر میں داخل کی اجازت مانگی' حضرت عائشہؓ نے پیغام بھجوادیا کہ میں بہت زیادہ پریشانی اور تکلیف محسوس کر رہی ہو اس لیے ابھی (نہیں مل سکتی) واپس تشریف لے جایئے' حضرت ابن عباسؓ نے قاصد سے کہا کہ میں تو ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا' قاصد نے جا کر حضرت عائشہؓ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے اجازت دے دی' (جب وہ آئے تو) فرمایا کہ میں بہت پریشانی اور تکلیف محسوس کر رہی ہوں اور مجھے اندازہ ہے کہ اب مجھ پر موت کا حملہ ہونے والا ہے' حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا آپ کو بشارت ہو کہ بخدا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ جنت میں ہوگی' اور نبی علیہ السلام اللہ کے نزدیک اس سے معزز تھے کہ جہنم کے کسی انگارے سے نکاح فرماتے' یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم نے مجھ پر خوشی کا دروازہ کھولا' اللہ تم پر کشادگی کرے۔

حل عبارت: "لیھون" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور لام ابتدائیہ ہے بمعنی آسان ہونا "خلال" خوبیاں "بکرا" کنواری' "شعارہ" بستر' لحاف "فی" میرے بارے میں "سحری ونحری" سینہ اور گلا' "المبرأۃ" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی بری ہونا۔ "غما و کربا" پریشانی اور تکلیف "فانصرف" باب انفعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی لوٹ جانا "اھجم" باب نصر یا کرم سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ہجوم کرنا "جمرۃ" چنگاری۔

تخریج حدیث ۳۷۹: اخرجه احمد: ۲۵۵۹۰' وابن حبان: ۷۰۹۵' والترمذی: ۳۸۸۹۔

تخریج حدیث ۳۸۰' ۳۸۱: هذان الحديثان مشتمل كلاهما على سبع خصال' اما الاول منها:

فقد اخرجه مسلم: ٦١٧٧ (٢٣٧٣) والترمذی: ٣٨٨٥' وابن ماجه: ١٠١' وابن حبان: ٤٥٤٠۔

واما الثانی منها:

فقد اخرجه ابن حبان: ٧٠٩٦' والبخاری: ٣٨٩٦' ومسلم: ٣٤٧٩ (١٤٢٢) وابوداؤد: ٤٩٣٣' والنسائی: ٣٢٥٧' وابن ماجه: ١٨٧٦۔

واما الثالث منها:

فقد اخرجه احمد: ٢٤٦٤٣' والبخاری: ٥١٢٥' ومسلم: ٦٢٨٣ (٢٤٣٨) وابن حبان: ٧٠٩٣' والترمذی:

-۳۸۸۰

واما الرابع منها:

فقد اخرجه احمد: ۲۵۰۰۸، والترمذی: ۳۸۸۲، وابن عدی: ۸/۴۴۔

واما الخامس منها:

فقد اخرجه البخاری مطولاً: ۲۵۸۱، والترمذی: ۳۸۷۹، وابن حبان: ۷۱۰۹۔

واما السادس منها:

فیشیر الی قصة الافك التی اخرجها جمیع اهل الحدیث والسیر والتفسیر، فقد اخرجه البخاری مثلاً: ۲۶۶۱، ومسلم: ۷۰۲۰ (۲۷۷۰) وابوداؤد: ۴۷۳۵، والترمذی، ۳۱۸۰، وابن حبان: ۴۲۱۲۔

واما السابع منها:

فقد اخرجه البخاری: ۴۴۵۱، ومسلم: ۶۲۹۲ (۲۴۴۳) وابن حبان: ۷۱۱۶، واحمد: ۶/۴۸۔

تخریج حدیث ۳۸۲: هو قول تابعی، یدل علیه قول الصحابی عمار بن یاسر، اخرجه الترمذی: ۳۸۸۸ و نفس الحدیث اخرجه احمد: ۲۶۵۷۲۔

تخریج حدیث ۳۸۳: اخرجه ابن حبان: ۷۱۰۸، والبخاری: ۴۷۵۳۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: آپ کا نام نامی اسم گرامی عائشہ کنیت ام عبداللہ اور لقب صدیقہ اور حمیرا ہے، آپ کے والد کا نام ابوبکر اور والدہ کا نام زینب ہے، آپ کی پیدائش ماہ شوال ۴ نبوت میں ہوئی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد نبی علیہ السلام سے منسوب ہوئیں اور ماہ شوال ہی میں نو سال کی عمر میں رخصتی ہوگئی، شجاعت و دلیری، جود وسخاوت اور خود داری میں بے مثل رہیں، علم وفضل میں کوئی عورت ان کی ہمسری نہیں کر سکی، قرآن و حدیث، فقہ اور علم الاسرار کے علاوہ شاعری کا بھی خاص ذوق تھا اور بڑے بڑے شعراء کے قصائد زبانی یاد تھے، واقعہ افک کی مناسبت سے ان کی شان میں قرآن کریم کی دس آیات نازل ہوئیں، نبی علیہ السلام کی سب سے چہیتی زوجۂ محترمہ تھیں، آپ نے ۶۷ سال کی عمر پائی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ماہ رمضان ۵۸ھ کو انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، آپ کی مرویات کی تعداد پر اسی کتاب کے مقدمے میں بحث کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ مَدْحِ الشَّعْبِیِّ

(۳۸۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِیِّ قَالَ کَانَ یُحَدِّثُ عَنِ الْمَغَازِیْ وَابْنُ عُمَرَ یَسْمَعُهٗ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ حَدِیْثَهٗ اَنَّهٗ یُحَدِّثُ کَاَنَّهٗ شَهِدَ الْقَوْمَ۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح

ترجمہ: ہیثم کہتے ہیں کہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ معازی کے متعلق احادیث سناتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب ان کی روایات کو سنتے تو

فرماتے کہ یہ بعینہٖ اسی طرح بیان کر رہے ہیں جیسے وہاں موجود چشم دید گواہ بیان کرے۔

(۳۸۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ اَبِیْ هِنْدٍ عَنْ عَامِرٍ اَنَّهٗ كَانَ يُحَدِّثُ عَنْ مَغَازِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ حَلْقَةٍ فِيْهَا ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ اِنَّهٗ لَيُحَدِّثُ حَدِيْثًا كَانَ يَّشْهَدَ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی بعینہٖ یہی ہے۔

حل عبارت: "شهد" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی موجود ہونا "القوم" مراد صحابہ کرامؓ ہیں "حلقة" ترکیب میں موصوف ہے اور "فيها ابن عمر" اس کی صفت۔

تخریج حدیث: انظر تهذیب التهذیب: ۵/۶۷، واخرجه الحارثی: ۶۵۶۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ: آپ کا نام نامی عامر اور کنیت ابوعمر ہے، شعبی آپ کا لقب نہیں بلکہ قبیلہ کی طرف نسبت ہے، آپ کے والد کا نام شراحیل ہے، آپ کی والدہ غزوۂ جلولاء کے قیدیوں میں آئی تھیں، آپ کی پیدائش ایک قول کے مطابق ۱۹ھ میں ہوئی، آپ کو پانچ سو صحابہ کرامؓ کی زیارت اور اڑتالیس سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہے، آپ کا شمار ممتاز تابعین میں ہوتا ہے، فن حدیث میں آپ کی اہمیت اور مقام ہر زمانے میں مسلم رہا ہے، قوت حافظہ بہت عطاء ہوئی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے، آپ نے ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔

(۳۸٦) زُفَرُ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ حَمَّادًا يَقُوْلُ كُنْتُ اِذَا نَظَرْتُ اِلَى اِبْرَاهِيْمَ فَكُلُّ مَنْ رَاٰیٰ هَدْيَهٗ يَقُوْلُ كَانَ هَدْيُهٗ هَدْیَ عَلْقَمَةَ وَكُلُّ مَنْ رَاٰیٰ عَلْقَمَةَ يَقُوْلُ كَانَ هَدْيُهٗ هَدْیَ عَبْدِاللّٰهِ وَيَقُوْلُ مَنْ رَاٰیٰ هَدْیَ عَبْدِاللّٰهِ كَانَ هَدْيُهٗ هَدْیَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں جب بھی ابراہیم نخعی کو دیکھتا ہوں تو ان کی سیرت کو دیکھنے والا ہر شخص یہی کہتا ہے کہ یہ علقمہ کے طریقے پر ہیں، اور علقمہ کو دیکھنے والا ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعودؓ کے طریقے پر ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ کو دیکھنے والا ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہیں۔

(۳۸۷) اَبُوْ حَمْزَةَ الْاَنْصَارِیُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ دَاوٗدَ يَقُوْلُ لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ مَنْ اَدْرَكْتَ مِنَ الْكُبَرَاءِ قَالَ الْقَاسِمَ وَسَالِمًا وَطَاوٗسًا وَعِكْرِمَةَ وَمَكْحُوْلًا وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ دِيْنَارٍ وَالْحَسَنَ الْبَصْرِیَّ وَعَمْرَو بْنَ دِيْنَارٍ وَاَبَا الزُّبَيْرِ وَعَطَاءً وَقَتَادَةَ وَاِبْرَاهِيْمَ وَالشَّعْبِیَّ وَنَافِعًا وَاَمْثَالَهُمْ۔

ترجمہ: ابوحمزہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ آپ نے کبار علماء میں سے کن کن کو پایا؟ انہوں نے فرمایا کہ قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابوالزبیر، عطاء، قتادہ، ابراہیم نخعی، شعبی اور نافع جیسے حضرات کو۔

حلِ عبارت: "من ادرکت" میں "من" استفہامیہ ہے اور آگے باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی پانا' ادراک کرنا "الکبراء" بروزن "فعلاء" بمعنی بڑے لوگ۔

تخریج حدیث: اما الاول فهو قول تابعي اخرجه الحارثي: ٣٨٤' واما الثاني فمتعلق بصاحب الكتاب ادرجه غيره۔

مفہوم: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ اسناد حماد بن ابی سلیمان سے شروع ہو کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ذریعے نبی مکرم' سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملتا ہے' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بارگاہ نبوت میں جو تقدم حاصل تھا اس کے پیش نظر نبی علیہ السلام کے کاشانۂ اقدس میں ان کی اور ان کی والدہ کی آمد و رفت بالکل اہل خانہ کی طرح رہتی تھی' حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد علقمہ ان کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے اور حضرت ابن مسعودؓ انہیں اپنا علمی جانشین قرار دیتے تھے۔

علقمہ کی نشست و برخاست اور انداز زندگی کا مکمل عکس ان کے شاگرد رشید ابراہیم نخعی پر پڑا اور وہ ایسے فقیہ بنے کہ ایک دنیا نے ان کی فقاہت کا اعتراف کیا' یہی رنگ جب حماد بن ابی سلیمان پر پڑا تو وہ چار دانگ عالم میں مشہور ہو گئے اور جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے رنگ میں رنگے اور اپنے دادا استاذ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نیابت کے فرائض انجام دینا شروع کیے تو قدرت نے ان سے ایسا عظیم الشان تاریخی کام لیا کہ آج تک کوئی وہ کام کر ہی نہ سکا' اور خدا کی شان ہے کہ خود ان کے فقہی مسلک سے تعلق رکھنے والے علماء نے بھی فقہی مسائل کے حل کے لیے کمیٹی کے اس طریقے کو اختیار کیا جو امام صاحبؒ نے اختیار کیا تھا تو یہ سلسلہ زیادہ دیر چل ہی نہیں سکا۔ **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔**

(٣٨٨) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَّسْجُدُوْا سَجَدَتْ اُمَّتِىْ مَرَّتَيْنِ قَبْلَ الْاُمَمِ طَوِيْلًا قَالَ فَيُقَالُ اِرْفَعُوْا رُؤُوْسَكُمْ فَقَدْ جَعَلْتُ عَدُوَّكُمُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فِدَائَكُمْ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو سب لوگوں کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا لیکن کفار سجدہ نہیں کر سکیں گے اور میری امت دوسری امتوں سے پہلے دو مرتبہ طویل سجدہ کر چکی ہوگی' ان سے کہا جائے گا اپنے سر اٹھاؤ' میں نے تمہارے دشمن یہود و نصاریٰ کو جہنم کی آگ سے تمہارا

فدیہ مقرر کر دیا ہے۔

(۳۸۹) اَبُو حَنِیفَةَ عَنْ اَبِی بُرْدَةَ عَنْ اَبِیهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ یُعْطیٰ كُلُّ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِینَ رَجُلاً مِنَ الْیَهُودِ وَالنَّصَارٰی فَیُقَالُ هٰذَا فِدَائُكَ مِنَ النَّارِ۔

وَفِی رِوَایَةٍ اِذَا كَانَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْطَی اللّٰهُ تَعَالٰی كُلَّ رَجُلٍ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ رَجُلاً مِنَ الْكُفَّارِ فَیُقَالُ هٰذَا فِدَائُكَ مِنَ النَّارِ۔

وَفِی رِوَایَةٍ اِذَا كَانَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ دُفِعَ اِلٰی كُلِّ رَجُلٍ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَقِیْلَ لَهٗ هٰذَا فِدَاؤُكَ مِنَ النَّارِ۔

وَفِی رِوَایَةٍ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ اُمَّةٌ مَرْحُومَةٌ عَذَابُهَا بِاَیْدِیْهَا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ہر مسلمان کو ایک یہودی یا عیسائی دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جہنم کی آگ سے بچاؤ کے لیے یہ تمہارا فدیہ ہے' ایک روایت میں کافر کا ذکر آیا ہے' ایک روایت میں اہل کتاب کا لفظ آیا ہے' اور ایک روایت میں ہے کہ یہ امت' امت مرحومہ ہے' اس کا عذاب اسی کے ہاتھوں ہو گا۔

حل عبارت: "یدعون" باب نصر سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی بلانا "عدو" دشمن' فداء کم" فدیہ' بدلہ۔

تخریج حدیث: اخرجهما مسلم: ۷۰۱۱ (۲۷٦۷) والسیوطی' والطبرانی۔

مفہوم: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ میدان حشر میں ہر طبقہ اور ہر قسم کے لوگ جمع ہوں گے' ان میں مؤمن بھی ہوں گے' کافر بھی اور منافق بھی' جن کی شناخت کے لیے پروردگار عالم ایسا طریقہ اختیار فرمائیں گے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا' چنانچہ جو لوگ واقعی دل سے مومن ہوں گے وہ سجدہ کا حکم ملتے ہی سجدہ ریز ہو جائیں گے اور جو اسلام و ایمان کا لبادہ اوڑھے ہوئے اہل دنیا کو دھوکہ دیتے رہے ہوں گے ان کی کمر تختہ کر دی جائے گی اور وہ سجدہ کر ہی نہیں سکیں گے' ایسے لوگوں میں گزشتہ اقوام مثلاً یہود و نصاریٰ کے افراد بھی ہوں گے بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک فرمایا گیا کہ اگر کوئی شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان پر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یا نبی علیہ السلام کے اعلان نبوت سے لے کر تا قیام قیامت ان پر ایمان نہیں لاتا' ان کی تعلیمات کا مذاق اڑاتا ہے اور کفر کی زندگی بسر کرتا ہے' اسے سزا کے طور پر جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ فلاں مسلمان کا فدیہ ہے یعنی جس طرح انسان فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتا ہے اسی طرح ہر کافر اور ہر وہ اہل کتاب جو ہمارے نبی علیہ السلام کو نہیں مانتا' کو بطور فدیہ کے پیش کیا جائے گا۔

۲۔ حضور نبی مکرم' سرور دو عالم ﷺ کی مبارک جوتیوں کی خاک کے صدقے پروردگار عالم نے امت مسلمہ کو مجموعی طور پر

کسی گناہ کی پاداش میں بالکلیہ ختم نہیں کیا' ورنہ گزشتہ اقوام کی تباہی کے تمام اسباب ہمارے اندر بھی بدرجۂ اتم واکمل پائے جاتے ہیں' اسی طرح آخرت میں بھی اس امت پر اللہ کی خاص کرم نوازی ہوگی۔

کرم بالائے کرم یہ ہوگا کہ ہر مسلمان کا فدیہ کسی یہودی اور عیسائی کو بنا کر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا اور وہاں کی جو سزا اس کے لیے مقرر کی گئی ہوگی' دنیا میں ایک دوسرے کے ہاتھوں انہیں وہ سزا دلوا دی جائے گی' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خانہ جنگیاں اور آپس کی لڑائیاں اپنے تمام تر مفاسد کے باوجود امت مسلمہ کو اخروی عذاب و سزا سے بچانے کا اہم ترین ذریعہ ہیں' ایک دوسرے کو جو ذہنی اور جسمانی اذیت دی جاتی ہے اسی کو ان کے لیے کافی سمجھ کر جنت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا جیسا کہ اگلی روایت میں بھی آتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اَنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةَ صَفٍّ

(۳۹۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمًا لِاَصْحَابِهٖ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا نِصْفَ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَبْشِرُوْا فَاِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةَ صَفٍّ اُمَّتِیْ مِنْ ذٰلِكَ ثَمَانُوْنَ صَفًّا۔

اہل جنت کی ایک سو بیس صفوں کے ہونے کا تذکرہ

ترجمۃ: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھائی حصہ بنو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! پھر پوچھا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ بنو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! پھر پوچھا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا نصف بن جاؤ؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا خوش ہو جاؤ کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی' جن میں سے اسی صفیں صرف میری امت کی ہوں گی۔

حلِ عبارت: "اترضون" ہمزہ برائے استفہام' باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی خوش ہونا "ربع" چوتھائی "ثلث" تہائی "نصف" آدھا۔

تخریج حدیث: الحدیث مشتمل علی جزئین' فالاول منهما الی قوله ابشروا۔

اخرجه البخاری: ٦٦٤٢' ومسلم: ٥٣٠ (٢١١) والترمذی: ٢٥٤٧' وابن ماجه: ٤٢٨٣' وابن حبان: ٧٤٥٨۔

واما الثانی منهما:

فقد اخرجه الترمذی: ٢٥٤٦' وابن ماجه: ٤٢٨٩' وابن حبان: ٧٤٥٩۔

مَفْهُوْم : اس حدیث کو پڑھ کر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہاں نبی علیہ السلام گویا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جنت میں مسلمانوں کی تعداد دوسری اقوام وملل سے دوگنی ہوگی' ان کی چالیس صفیں اور اکیلی امت مرحومہ کی اسی صفیں' تو سیدھا سیدھا یہ کیوں نہیں فرما دیا' اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی اور بار بار سوال و جواب کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شوق و رغبت دلانے اور امید کو متوجہ کرنے کے لیے یہ پیرایۂ بیان اختیار فرمایا گیا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ثلثین (دوتہائی) کی حیثیت واضح ہو جائے اس لیے کہ اگر ابتداءً ہی یہ فرما دیا ہوتا کہ اہل جنت میں مسلمان دوتہائی ہوں' تو اس کی وہ اہمیت برقرار نہ رہتی جو اس تعبیر میں ہے۔

نیز زیر بحث حدیث میں امت مرحومہ کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے' وہ دراصل نبی علیہ السلام ہی کی فضیلت اور خصوصیت ہے جسے متعدی کر کے اللہ نے ہم سب کو بھی اس میں شامل فرمالیا۔

بَابَ كَيْفَ يَكُوْنُ فَنَاءُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

(۳۹۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اُمَّتِىْ اُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ عَذَابُهَا بِاَيْدِيْهَا فِى الدُّنْيَا۔ وَزَادَ فِىْ رِوَايَةٍ بِالْقَتْلِ۔

یہ امت کس طرح فناء ہوگی؟

تَرْجَمَة : حضرت ابوبردہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت' امت مرحومہ ہے' اس کا عذاب اسی کے ہاتھوں دنیا میں ہو جائے گا' اور ایک روایت میں قتل کا لفظ زائد ہے۔

(۳۹۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ فَنَاءُ اُمَّتِىْ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الطَّعْنُ قَدْ عَلِمْنَاهُ فَمَا الطَّاعُوْنُ قَالَ وَخْزُ اَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَفِىْ كُلٍّ شَهَادَةٌ وَفِىْ رِوَايَةٍ: وَفِىْ كُلٍّ شُهَدَاءُ۔

تَرْجَمَة : حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت طعن اور طاعون کے ذریعے فنا ہوگی' کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! طعن تو ہماری سمجھ میں آ گیا' یہ طاعون کیا چیز ہے؟ فرمایا تمہارے دشمن جنات کے نیزے' لیکن دونوں صورتوں میں شہادت ہوگی۔

(۳۹۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ: فَنَاءُ اُمَّتِىْ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا الطَّعْنُ قَدْ عَلِمْنَاهُ فَمَا الطَّاعُوْنُ؟ قَالَ وَخْزُ اَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَفِىْ كُلٍّ شَهَادَةٌ۔

تَرْجَمَة : اس کا ترجمہ بھی بعینہ یہی ہے۔

حلِ عبارت: "بایدیھا" ید کی جمع ہے بمعنی ہاتھ "**الطعن**" نیزہ بازی "**وخز**" نیزے کا وار "**وفی کل**" خبر مقدم ہے اور "**شھادۃ**" مبتداء مؤخر ہے۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الاول فقد اخرجه ابوداؤد: ٤٢٧٨، واحمد: ١٩٨٩٢، واما الثانی والثالث فقد اخرجهما احمد: ٢٥٥٣٢، ٢٦٧١٢، ٢٥٦٣١۔

مفہوم: جیسا کہ عنقریب یہ بات گزری کہ امت مرحومہ کو کسی گناہ یا گناہوں کی پاداش میں بالکلیہ مٹانے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے نہیں کیا گیا، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اسے مکمل طور پر چھوٹ دے دی گئی ہو اور آسمانی و زمینی آفات سے اسے مکمل طور پر محفوظ کر دیا گیا ہو، کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو انسان اپنے پیدا کرنے والے کو ہی فراموش کر بیٹھے اور اپنے مقصد تخلیق کو ہی بھلا بیٹھے، یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات سمندری طوفان اور سیلاب آتے ہیں اور بعض اوقات زلزلوں کے جھٹکے لگتے ہیں۔

انفرادی طور پر بھی بعض اوقات میدان جنگ میں دشمنوں کے نیزے اور آلات حرب انسان کے لیے آزمائش بنتے ہیں جس سے انسان موت کے منہ میں بھی چلا جاتا ہے اور حدیث مبارکہ میں اسی کو ''طعن'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعض اوقات انسان کے دشمن جنات اسے کچوکے لگاتے ہیں اور اسے تکلیف پہنچاتے ہیں جس سے انسان موت کا پیالہ بھی منہ سے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اسی کو حدیث میں ''طاعون'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

گو کہ انسان نے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں انسان کی موت کو طبعی موت نہیں قرار دیا جا سکتا اس لیے زیر بحث حدیث میں ان دونوں صورتوں کی موت کو شہادت قرار دیا گیا ہے، پہلی صورت میں حقیقتاً اور دوسری صورت میں حکماً۔

یہ تقریر تو اس صورت میں ہے جب کہ ''طعن'' سے مراد نیزہ لیا جائے اور اسے میدان جنگ میں دشمنوں کے آلات حرب وضرب پر محمول کیا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ لفظ ''طعن'' سے مراد ''طاعون'' ہو جو کہ ایک وبائی بیماری ہے اور جس سے بہت سی انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ لفظ ''طاعون'' جو حدیث میں آیا ہے اس کا وہی معنی ہو جو نبی علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے تو یہ بھی صحیح ہے، اور ان دونوں توجیہوں میں فرق یہ ہو گا کہ پہلی توجیہ کے مطابق طعن کی صورت میں حاصل ہونے والی شہادت حقیقی ہو گی اور دوسری توجیہ کے مطابق حکمی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُنْهٰى عَنْ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ

(۳۹۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى عَنْ كُلِّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ۔

کچلی والے درندے سے ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلی سے شکار کرنے والے ہر درندے سے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَا يُنْهٰى عَنْ ذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ

(۳۹۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ اَكْلِ كُلِّ ذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ۔

پنجہ سے شکار کرنے والے پرندہ کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنجوں سے شکار کرنے والے ہر پرندے کو کھانے سے منع فرما دیا۔

حلِ عبارت: "ناب" رباعی کے متصل جو دانت ہوتے ہیں انہیں انیاب اور ناب کہتے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ کچلی والی دانت کیا جاتا ہے "**مخلب**" پنجہ۔

تخریج حدیث اول: اخرجه احمد: ۲۱۹۲' ومسلم: ۴۹۹۴ (۱۹۳۴) وابوداؤد: ۳۸۰۵' والترمذی: ۱۴۷۸' والبخاری: ۵۵۳۰' والنسائی: ۴۳۳۰' وابن ماجه: ۳۲۳۴' وابن حبان: ۵۲۷۹۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابن حبان: ۵۲۸۰' والدارمی: ۸۵/۲' وهو جزء الحديث السابق۔

مفہوم: چونکہ کھانا پینا انسان کی ضروریات میں سے ہے' قربانی کا ضروری ہونا اس کے مذہبی احکام میں سے ہے جس کے لیے ذبیحہ بھی ضروری ہے اور شکار انسان کی جستجو اور طبیعت کا حصہ ہے اس لیے اب جو احادیث آئیں گی ان میں یہی احکام و مسائل زیر بحث آئیں گے۔

زیرِ بحث حدیثوں کی وضاحت سے قبل یہ سمجھئے کہ حیوانات میں سے بعض تو ایسے ہیں جو فضاؤں میں اڑتے ہیں مثلاً پرندے، بعض ایسے ہیں جو زمین پر چلتے ہیں مثلاً درندے، بعض ایسے ہیں جو زمین پر رینگتے ہیں مثلاً کیڑے مکوڑے اور بعض ایسے ہیں جو سمندر میں رہتے ہیں، شریعت نے ان چاروں اقسام کے حیوانات میں سے بعض کو انسان کے لیے حلال قرار دیا ہے اور بعض کو حرام، پھر اس حرام و حلال کے لیے اس نے اصول بھی وضع کیے ہیں تا کہ اس اصول پر منطبق ہونے والی اشیاء کے متعلق انسان بآسانی فیصلہ کر سکے۔

چنانچہ یہاں پہلی دو قسم کے حیوانات کا حکم ذکر کیا گیا ہے، حدیث نمبر ۳۹۷ میں تیسری قسم کے حیوان کا حکم بیان کیا گیا ہے اور حدیث نمبر ۴۰۱ میں چوتھی قسم کے حیوانات کا حکم بیان کیا گیا ہے، حلال و حرام کی اس تعیین سے قبل یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسانوں کے فائدے کے لیے ان گنت چیزیں پیدا فرما رکھی ہیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا بھی ہے، ان میں سے اکثریت ان چیزوں کی ہے جن کے استعمال سے شریعت نہیں روکتی اور صرف چند چیزیں ایسی ہیں جنہیں استعمال کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن اس کا کیا کیجیے کہ غیر ممنوعہ چیزوں کے استعمال پر اکتفاء کرنے کی بجائے انسان شجر ممنوعہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے بغیر نہیں رہتا حالانکہ اس کے استعمال میں انسان کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے، اس کی واضح مثال سؤر اور شراب ہے، شریعت انسان کو روکتی ہے اور انسان شریعت کو پس پشت ڈالتا ہے، اگر انسان صرف اسی بات پر غور کر لے کہ ان چند چیزوں کو چھوڑ کر جن چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے کیا ان کی مقدار اتنی کم ہے کہ انسان محرمات کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو جائے؟

بہر حال! زمین پر چلنے والا ہر وہ جانور جو کچلی والے دانت رکھتا ہو (ظاہر ہے کہ وہ اپنے شکار کو انہی سے قابو کرے گا) اسے کھانا حرام ہے، البتہ اس سے دوسرے طریقے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے مثلاً اس کی کھال سے ملبوسات تیار کر لیے جائیں وغیرہ، اسی طرح فضاء میں اڑنے والا ہر وہ پرندہ جو پنجوں سے شکار کرتا ہو، اسے کھانا حرام ہے البتہ اس سے بھی دوسرے طریقوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ النَّهْيِ عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ

(۳۹۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ۔

گھریلو گدھوں کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پالتوں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حل عبارت: "الحمر الاهلية" پالتو گدھے "الاهلية" کی قید لگانے کی وجہ "الوحشية" سے احتراز کرنا ہے کیونکہ

جنگلی گدھے بھی مل جاتے ہیں، انہیں عام طور پر فارسی میں گورخر کہا جاتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ٤٢١٩، ومسلم: ٥٠٢٢ (١٩٤١) وابوداؤد: ٣٧٨٨، والنسائي: ٤٣٤١، وابن ماجه: ٣١٩١، وابن حبان: ٥٢٧٣، واحمد: ١٤٩٥١۔

مفہوم: کہنے کو یوں تو گدھا، گدھا ہی ہوتا ہے لیکن اہل عرب کے ماحول میں اس کی دو قسمیں مشہور تھیں، ایک کو "حمر اھلیہ" یعنی پالتو گدھے کہتے تھے اور دوسری قسم کو "حمر وحشیہ" یعنی جنگلی گدھے کہتے تھے، ابتداءً ان دونوں کا گوشت حلال تھا، بعد میں جنگلی گدھے کی حلت تو برقرار رہی لیکن پالتو گدھے کا گوشت کھانا غزوۂ خیبر کے موقع پر حرام قرار دے دیا گیا، یہ وہی موقع ہے جب حرمت متعہ کا بھی اعلان کیا گیا تھا۔

اور پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت کا یہ حکم صرف حضرت براء بن عازبؓ ہی کے ذریعے امت تک نہیں پہنچا بلکہ تقریباً ۱۴ صحابہ کرامؓ سے اس مضمون کی روایت مختلف کتابوں میں مختلف اسناد سے نقل کی گئی ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت علی مرتضیٰؓ

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

۳۔ حضرت براء بن عازبؓ

۴۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ

۵۔ حضرت ابوثعلبہ الخشنیؓ

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

۷۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

۸۔ حضرت ابوسلیط انصاریؓ

۹۔ حضرت انسؓ

۱۰۔ حضرت ابوہریرہؓ

۱۱۔ حضرت مقدام بن معدیکربؓ

۱۲۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ

۱۳۔ حضرت جابرؓ

۱۴۔ حضرت خالد بن ولیدؓ

بَابُ النَّهْيِ عَنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ

(۳۹۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نُهِيْنَا عَنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ۔

حشرات الارض کی حرمت کا بیان

ترجمۃ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہمیں حشرات الارض کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

حل عبارت: ''خشاش'' خاء کے ضمہ' فتحہ اور کسرہ تینوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے بمعنی کیڑے مکوڑے۔

تخریج حدیث: یدل علیہ حدیث ابی ھریرۃ' الذی اخرجہ ابو داؤد: ۳۷۹۹۔

مفھوم: حیوانات کی اقسام میں درجہ بندی کے اعتبار سے یہ تیسری قسم ہے جس کے متعلق اس حدیث میں صراحۃً حکم دیا گیا ہے کہ کسی بھی قسم کے کیڑے مکوڑے کھانا جائز نہیں ہے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین پر چلنے والے جانوروں میں اکثر حلال اور چند ایک حرام ہیں' اسی طرح فضاء میں اڑنے والے پرندوں میں بھی حلال وحرام کی تقسیم ہے لیکن حشرات الارض میں حلال وحرام کی تقسیم ہے ہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو حشرات الارض کے زمرے میں آتی ہو مثلاً چوہا' سانپ' بچھو وغیرہ' ان میں سے ہر چیز حرام ہے۔

رہی یہ بات کہ مغربی ممالک میں تو حشرات الارض لوگوں کی مرغوب غذا بن چکی ہے اور وہاں ان تمام چیزوں کو جنہیں ہم یہاں جوتیوں اور اینٹوں پتھروں سے مارتے ہیں' وہاں وہ لوگ انہی چیزوں کو بڑی رغبت وشوق و ذوق سے کھاتے ہیں اور اب یہ چیزیں باقاعدہ سامان تجارت بن چکی ہیں' بقرعید کے موقع پر بکروں کے ''رودوں'' کا کاروبار بھی اسی لیے چمکتا ہے تو اس سلسلے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

یاد رکھئے! کسی معاشرے میں کسی حرام چیز کا رواج ہو جانے سے اس کا حلال ہونا لازم نہیں آتا' اور جب وہ معاشرہ ہی حلال وحرام کیا' مذہب کی قید سے بھی آزاد ہو تو اس کے رواج کا تو بالکل ہی اعتبار نہیں کیا جا سکتا' رہی یہ بات کہ وہ لوگ انہیں بڑی رغبت سے کھاتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ زہریلی چیزوں کو کھا کر زہر اگلتے بھی تو ہیں' غلیظ اور گندے جانوروں کو کھا کر گندگی اور غلاظت ہی نہیں' حیوانیت کا مظاہرہ بھی تو کرتے ہیں اور جہاں تک تجارت کا تعلق ہے تو شریعت ان چیزوں کو مال تجارت سمجھتی ہی نہیں ہے اس لیے ان کی تجارت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

واللہ اعلم

بَابُ مَنْ قَتَلَ ضِفْدَعًا

(۳۹۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَتَلَ ضِفْدَعًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ مُحْرِمًا كَانَ اَوْ حَلَالًا۔

مینڈک کو مارنے والے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مینڈک کو مارے اس پر ایک بکری واجب ہے، خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم۔

حل عبارت: "ضفدع" مینڈک "محرما" ترکیب میں "کان" کی خبر مقدم ہے۔

تخریج حدیث: اخرج ابن ماجه مثله: ۳۲۲۳۔

مفہوم: اس حدیث میں دو باتیں سمجھنے والی ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمایا ہے اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکیم نے کسی دواء میں اس کے اجزاء استعمال کرنے کے لیے نبی علیہ السلام سے اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اسے بھی منع فرما دیا، گو کہ ہمیں اس کی حکمت کے پیچھے تو نہیں پڑنا چاہیے لیکن ایک روایت سے اس پر تھوڑی سی روشنی پڑتی ہے جو حضرت عباسؓ سے موقوفاً منقول ہے (یاد رہے کہ راقم الحروف کو اس کی سند پر اعتماد نہیں ہے لیکن فائدہ کی مناسبت سے اسے ذکر کیا جا رہا ہے)

اور وہ یہ کہ مینڈک کو جب پیدا کیا گیا تو اس پر باری تعالیٰ کا اتنا خوف طاری ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو جہنم میں گرا لیا، اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آیا اور اسے آگ کی گرمی سے نکال کر پانی کی ٹھنڈک میں رکھ دیا، اور اس کے ٹرانے کی آواز کو تسبیح بنا دیا۔

۲۔ اس حدیث مبارکہ کے مطابق مینڈک کو مارنے والے پر بطور سزا کے ایک بکری واجب ہے خواہ مینڈک کو مارنے والے نے احرام باندھ رکھا ہو یا عام حالات میں ہو، لیکن ظاہر بات ہے کہ اگر یہ حکم وجوب کے درجے میں ہے تو مینڈک کو مار کر کھانے پینے سے لے کر سائنسی اشیاء تک میں استعمال کرنے والے شخص پر ہر مینڈک کے بدلے ایک بکری قربان کرنا ضروری ہوگی جو نہ کبھی دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔

اس لیے علماء کرام نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اصل میں اس حکم کے ذریعے مینڈک کو مارنے سے روکنا مقصود ہے اور اس کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے یہ فرما دیا گیا کہ اگر کسی نے اسے مارا تو اسے ایک بکری دینا پڑے گی، گویا اس کی حیثیت ایک دھمکی کی ہے اور اصل چیز اسے مارنے سے روکنا ہے۔

اس کی ایک توجیہ ابھی ابھی اللہ نے راقم کے ذہن میں یہ ڈالی ہے کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ اس حکم کے مخاطب وہ افراد ہیں جو حرم مکہ یا حرم نبوی میں موجود ہوں اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ احکام بیان کرتے ہوئے اس قسم کی قید کا اضافہ کرنا نبی علیہ السلام کی عادت نہیں ہے، اب جو اس موقع پر یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تو یقیناً اس کا تعلق خاص لوگوں کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے اور چونکہ حرم شریف میں کبوتر تک کو چھیڑنے کی اجازت نہیں ہے اس لیے اسے بھی اس ممانعت

میں داخل کر دیا گیا' اور اس کا دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ وہ حکیم جو اسے کسی دوا میں استعمال کرنے کی اجازت حاصل کرنے آیا تھا وہ بھی حرم نبوی کا رہائشی تھا اس لیے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اہل حرمین شریفین کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّقَذُّرِ عَنِ الضَّبِّ

(۳۹۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهٗ اُهْدِیَ لَهَا ضَبٌّ فَسَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَنَهَاهَا عَنْ اَكْلِهٖ فَجَاءَ سَائِلٌ فَاَمَرَتْ لَهٗ بِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتُطْعِمِيْنَ مَالَا تَأْكُلِيْنَ۔

گوہ کی ناپسندیدگی کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہیں کہیں سے گوہ ہدیہ میں آئی' انہوں نے نبی علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے انہیں وہ کھانے سے منع فرما دیا' اتنے میں ایک سائل آیا تو حضرت عائشہؓ نے خادم سے کہا کہ یہ اس سائل کو دے آؤ' نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو تم خود نہیں کھاتیں' وہ دوسروں کو کھلا رہی ہو؟

حل عبارت: "اھدی" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہدیہ دینا "ضب" گوہ' کہتے ہیں کہ یہ سات سو سال تک زندہ رہ سکتا ہے پانی بالکل نہیں پیتا' اور چالیس دن میں صرف ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الطحاوی: ٦٢٢٢' ويؤيده ما اخرجه ابو داؤد: ٣٧٩٢۔

مفہوم: اس حدیث کا تعلق بھی جانوروں کی اس قسم کے احکام سے ہے جنہیں "حشرات الارض" کہا جاتا ہے کیونکہ گوہ کو "جو چھپکلی کی طرح کا ایک جانور ہوتا ہے اور چھپکلی سے لمبا ہوتا ہے" بھی بعض علماء نے حشرات الارض میں ہی شمار کیا ہے' اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر اس کے حرام ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا اور نہ ہی اس میں کوئی دو رائیں رہتی ہیں لیکن جب اس مضمون کی مختلف روایات کا احاطہ کیا جاتا ہے تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اسے کھانے سے منع فرمایا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے سامنے آپ ہی کے دسترخوان پر بعض صحابہ کرامؓ نے اسے کھایا ہے' گو کہ نبی علیہ السلام نے اسے خود تناول نہیں فرمایا لیکن گر اسے کھانا حرام ہوتا تو نبی علیہ السلام صحابہ کرامؓ کو بھی اسے کھانے کی اجازت نہ دیتے۔

اس تمام تفصیل کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ گوہ کا گوشت کھانا جائز مع الکراھۃ ہے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے' اپنے آپ کو اس کے استعمال سے بچائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ اَرْسَلَ كَلْبَهُ الْمُعَلَّمَ اِلَى الصَّيْدِ

(۴۰۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَبْعَثُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ فَنَاْكُلُ مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْنَا فَقَالَ اِذَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ غَيْرُهَا قُلْتُ وَاِنْ قَتَلَ قَالَ وَاِنْ قَتَلَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدُنَا يَرْمِيْ بِالْمِعْرَاضِ قَالَ اِذَا رَمَيْتَ فَسَمَّيْتَ فَخَرَقَ فَكُلْ وَاِنْ اَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَلَا تَاْكُلْ۔

سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑنے کا بیان

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ! ہم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں تو کیا ہم وہ شکار کھا سکتے ہیں جو انہوں نے ہمارے لیے کیا ہو' فرمایا ہاں! جبکہ تم نے اسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو اور کوئی دوسرا کتا اس میں شریک نہ ہوا ہو' میں نے عرض کیا اگرچہ وہ اسے مار دے تب بھی؟ فرمایا تب بھی! پھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی آدمی تیرے کے چوڑے حصے سے بھی شکار کر لیتا ہے؟ فرمایا اگر تم نے تیر پھینکتے وقت اللہ کا نام لیا ہو اور وہ جانور کو پھاڑ دے تو تم اسے کھا لو اور اگر تیر چوڑائی میں لگا ہو تو اسے نہ کھاؤ۔

حل عبارت: "الكلاب المعلمة" سدھائے ہوئے کتے "امسكن" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مؤنث غائب ہے بمعنی روکنا "لم يشركها" باب سمع سے نفی حجد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شریک ہونا' "يرمی" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پھینکنا "المعراض" چوڑائی' "فخرق" باب ضرب سے فعل ماضی کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پھاڑ دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٥٤٧٦' ٥٤٧٧' ومسلم: ٤٩٧٢ (١٩٢٩) وابوداؤد: ٢٨٤٧' والترمذی: ١٤٦٥' والنسائی: ٤٢٧٠' وابن ماجه مختصراً: ٣٢١٤۔

مفہوم: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ "جو حاتم طائی جیسے نامور اور مشہور عالم سخی انسان کے صاحبزادے تھے" نبی علیہ السلام سے اکثر شکار کے مسائل دریافت فرمایا کرتے تھے' اسی لیے صید و شکار کے اکثر مسائل و احکام ان ہی کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

تیر اور بندوق سے کسی جانور یا پرندہ کا شکار کرنے کے علاوہ شکاری لوگ کتوں اور باز سے بھی شکار کرتے ہیں' ایسے کتے اور باز جو شکار کے لیے استعمال کیے جائیں انہیں "شکاری جانور یا پرندے" کہا جاتا ہے اور اس صورت میں شریعت نے یہ پابندی عائد کی ہے کہ انہیں اچھی طرح سدھا لیا جائے تاکہ یہ معلّم بن جائیں۔

شکاری کتوں کے کیے ہوئے شکار کو اپنے استعمال میں لانے کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ وہ شکار کرنے کے بعد اس میں سے خود کچھ نہ کھائے بلکہ مالک کے پاس پہنچا دے' اگر اس نے شکار میں سے خود بھی کچھ لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی' اسی طرح باز کی تعلیم یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی سیٹی کی آواز کو اتنا پہچاننے لگے کہ جب مالک اسے بلائے' وہ فوراً واپس آ جائے خواہ وہ شکار کے قریب ہی پہنچ چکا ہو' اگر ایسا نہ ہوا تو سمجھا جائے گا کہ ابھی اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی ہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد دوسرا مرحلہ شکار کا طریقہ ہے جس کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑتے وقت شکاری بسم اللہ اللہ اکبر کہے اور اس شکار میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شکاری جانور شریک نہ ہوا ہو' اس لیے کہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس دوسرے کتے کے مالک نے اسے بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ ان دونوں میں سے کس نے اس جانور کو دبوچا اور شکار کیا؟ یہ بھی معلوم نہیں۔

اسی طرح اگر تیرے سے شکار کیا جائے تو اس میں مذکورہ امور کے ساتھ ساتھ اس چیز کا بھی خیال رکھا جائے کہ تیر کے پھل والے حصے سے جانور یا زپرندہ زخمی ہو جائے یا مر جائے۔

اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہوا بلکہ تیر کا چوڑائی والا حصہ اسے لگا اور وہ مارا گیا تو وہ حلال نہیں ہے' البتہ ان تمام صورتوں میں ایک استثنائی پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے شکاری کتے یا باز یا تیر کے ذریعے کسی جانور کا نشانہ بنایا' اس میں دوسرا جانور شریک ہو گیا یا وہ بسم اللہ پڑھنا بھول گیا یا جانور چوڑائی والے حصے سے زخمی ہو گیا اور شکاری کے وہاں پہنچنے تک تڑپتا رہا اور شکاری نے وہاں پہنچ کر اسے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر لیا تو اسے کھانا جائز اور حلال ہے۔

بَابُ مَا جَزَرَ عَنْهُ الْمَاءُ

(٤٠١) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا جَزَرَ عَنْهُ الْمَآءُ فَكُلْ۔

پانی جس چیز سے ہٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سمندر جس چیز سے ہٹ جائے' اسے کھا لو۔

حل عبارت: "ما" نافیہ نہیں ہے بلکہ شرط کے معنی میں ہے' "جزر" یہ مدو جزر سے ہے' باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ڈال دینا' منکشف ہو جانا' ہٹ جانا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ۳۸۱۵' و ابن ماجه: ۳۲۴۲۔

مفہوم: اقسامِ حیوانات میں سمندری حیوانات چوتھی قسم کے طور پر ذکر کیے گئے تھے' یہاں ان ہی کا حکم بیان کیا جا رہا

ہے اور وہ یہ کہ سمندری جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے' اس کے علاوہ کوئی سمندری جانور حلال نہیں' پھر اس مچھلی کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ انسان سمندر میں جال پھینک کر مچھلیاں حاصل کرے اور انہیں اپنے استعمال میں لے آئے' یہ جائز' حلال اور عام مروجہ طریقہ ہے۔

۲۔ سمندر کا پانی خشک ہونا شروع ہو جائے یا سمندر راستہ بدلنا شروع کر دے جس کے نتیجے میں مچھلیاں صاف نظر آنے لگیں اور ہر شخص انہیں بآسانی پکڑ سکے۔

زیر بحث حدیث میں اسی کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ یہ بھی حلال ہے۔

۳۔ سمندر ہی میں کوئی مچھلی مر جائے اور الٹی ہو کر سطح آب پر تیرنے لگے' شرعی طور پر اس کا حکم یہ ہے کہ اسے کھانا جائز نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَرَادِ

(۴۰۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ عُجْرَدٍ تَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثَرُ جُنْدِ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ الْجَرَادُ لَا اٰكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ۔

ٹڈی دَل کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کا سب سے بڑا لشکر زمین میں "ٹڈی دل" ہے' میں اسے کھاتا ہوں اور نہ حرام قرار دیتا ہوں۔

حل عبارت: "جند" لشکر' فوج "لا اکله" باب نصر سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کھانا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۳۲۱۹' وابوداؤد: ۳۸۱۳۔ وهو من الوحدانيات ان كانت عائشة بنت عجرد صحابية وهي كذلك كما في التنسيق۔

مفہوم: اس سے مراد وہ عام ٹڈیاں نہیں ہیں جو گھروں میں پائی جاتی ہیں اور کپڑوں میں سوراخ کر دیتی ہیں' بلکہ اس سے مراد ٹڈی دل ہے جو فصلوں کو تباہ کر دیتا ہے' غول کی شکل میں آتا ہے اور جس فصل سے گزر جاتا ہے اسے خراب کر دیتا ہے' اس کا گوشت بھی بہت لذیذ ہوتا ہے' اسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کا سر اور پچھلا حصہ توڑ کر آگ پر سینک کر اسے کھا لیا جاتا ہے جو ایک بوٹی کا نوالہ بنتا ہے' بعض روایات کے مطابق اس کا زمین سے ختم ہو جانا قیامت کی علامات میں سے ہے' نیز اس روایت میں یہ جو آیا ہے "لا اکله ولا احرمه" بعض دوسری روایات سے نبی علیہ السلام کا اسے تناول فرمانا بھی ثابت ہے اس لیے تردد والی روایات کو ابتداء پر محمول کیا جائے گا اور تناول والی روایت کو انتہاء پر جس کے

لیے بہت سے قرائن مطولات میں ذکر کیے گئے ہیں۔ من شاء فلیراجع

بَابٌ اِذَا نَدَّ بَعِيرٌ اَوْ بَهِيمَةٌ

(۴۰۳) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ عَبَايَةَ ابْنِ رِفَاعَةَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ اَنَّ بَعِيرًا مِنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ نَدَّ فَطَلَبُوْهُ فَلَمَّا اَعْيَاهُمْ اَنْ يَّأْخُذُوْهُ رَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَاَصَابَ فَقَتَلَهٗ فَسَأَلُوا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَمَرَ بِاَكْلِهٖ وَقَالَ اِنَّ لَهَا اَوَابِدَ كَاَوَابِدِ الْوُحُوشِ فَاِذَا خَشِيتُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوْا مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ بِهٰذَا الْبَعِيرِ ثُمَّ كُلُوْهُ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ بَعِيرًا مِنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ نَدَّ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهٗ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ اَكْلِهٖ فَقَالَ كُلُوْهُ فَاِنَّ لَهَا اَوَابِدَ كَاَوَابِدِ الْوَحْشِ۔

اگر کوئی اونٹ یا جانور بدک جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا' لوگ اسے پکڑنے میں لگے' لیکن جب اس نے انہیں تھکا کر چور کر دیا تو ایک آدمی نے اسے تیر مارا' وہ اسے جا لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا' لوگوں نے نبی علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانے کی اجازت دی اور فرمایا کہ بعض اوقات یہ اونٹ بھی وحشی جانوروں کی طرح بدک جاتے ہیں' اس لیے جب ان سے خوف محسوس ہو تو تم اس کے ساتھ وہی کیا کرو جو اس اونٹ کے ساتھ کیا ہے' پھر اسے کھا لیا کرو۔

حل عبارت: "نَدَّ" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بپھر جانا' بدک جانا "اعیاھم" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تھکا دینا' "سھم" تیر "اوابد" وحشی پن "خشیتم" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ڈرنا' خوفزدہ ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مطولاً: ۵۴۹۸' ومسلم: ۵۰۹۲ (۱۹۶۸) والترمذی: ۱۴۹۲' والنسائی: ۴۳۰۲' وابن ماجه: ۳۱۸۳' وابن حبان: ۵۸۸۶۔

مفہوم: شریعت نے کسی بھی جانور کو ذبح کرنے کے دو طریقے مقرر کیے ہیں' ایک طریقہ تو وہی ہے جو عام طور پر معروف و مشہور اور مروج ہے یعنی جانور کو زمین پر لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیر کر اس کی چار میں سے کم از کم تین رگوں کو کاٹا جائے' اسے "ذکاۃ اختیاری" کہتے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جانور کے جسم کے جس حصے کو بھی زخمی کرنا ممکن ہو اور جس طرح بھی اسے ذبح کرنا ممکن ہو' اسے ذبح کر دیا جائے' اسے "ذکاۃ اضطراری" کہا جاتا ہے' اس طریقے کو اختیار کرنے کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب جانور اس طرح بدک جائے کہ کسی کے قابو میں نہ آئے' اور قصاب بھی اسے گرانے میں ناکام ہو جائیں تو اپنی جگہ کھڑے کھڑے ہی کوئی تیز دھاری دار چیز نیزہ یا تیر وغیرہ اسے دے مارے' پھر

جب وہ زخمی ہو کر گر پڑے تو اسے قابو میں کر لیا جائے اور ذبح کر لیا جائے' اور اسے اپنے استعمال میں لے آیا جائے' یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ وہ جانور تیر یا نیزہ لگتے ہی مر جائے کہ اسے کھانا جائز ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا يُنْهٰى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ

(٤.٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ۔

مجثمہ کی حرمت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ سے منع فرمایا ہے۔

حل عبارت: "المجثمہ" ثاء کے ساتھ' وہ جانور جسے باندھ کر اپنا نشانہ اس پر درست کیا جائے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ١٤٧٣' والنسائی: ٤٤٤٣' والبخاری' ومسلم وابوداؤد' وابن ماجه ما يدل عليه۔

مفہوم: "مجسمہ" کا لفظ اگر سین کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مورتی یا بت ہوتا ہے اور اگر ثاء کے ساتھ ہو جیسا کہ یہاں ہے تو اس کا اطلاق اس جانور پر ہوتا ہے جسے کسی دیوار یا درخت پر باندھ کر اپنا نشانہ اس پر درست کیا جائے' زمانۂ جاہلیت میں اس چیز کا بڑا رواج تھا اور اب بھی بعض جگہوں میں اس کا رواج ہے۔ تحفظ حقوق حیوانات کے سب سے بڑے علمبردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس ظالمانہ طریقے کی روک تھام فرمائی' اور دوسری طرف اس جانور کو کھانا حرام قرار دے دیا تاکہ اس پر نشانہ درست کرنے والوں کو اس چیز کا احساس ہو کہ جانور اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لیے ہوتا ہے نشانہ صحیح کرنے کے لیے نہیں' اگر نشانہ ہی صحیح کرنا ہو تو اس کے لیے بے شمار بے جان چیزیں موجود ہیں' ان پر نشانہ صحیح کیا جائے تاکہ نقصان بھی نہ ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ واللہ اعلم

بَابٌ اِذَا ذَبَحَتِ الْمَرْاَةُ بِالْمِرْوَةِ

(٤.٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ اَتَى النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ غُنَيْمَةً كَانَتْ لَهَا رَاعِيَةٌ فَخَافَتْ عَلٰى شَاةٍ مِنْهَا الْمَوْتَ فَذَبَحَتْهَا بِمَرْوَةٍ فَاَمَرَهَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِاَكْلِهَا۔

اگر کوئی عورت پتھر سے کسی جانور کو ذبح کر لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! ایک باندی بکریوں کا ریوڑ چرا رہی تھی کہ اسے ایک بکری کے مر جانے کا اندیشہ ہوا' چنانچہ اس نے اسے پتھر سے ذبح کر لیا' نبی علیہ السلام نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

(٤.٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ خَرَجَ غُلَامٌ مِنَ الْاَنْصَارِ قِبَلَ اُحُدٍ فَمَرَّ

فِیْ طَرِیْقِهٖ فَاصْطَادَ اَرْنَبًا فَلَمْ یَجِدْ مَا یَذْبَحُهَا فَذَبَحَهَا بِحَجَرٍ فَجَآءَ بِهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ عَلَّقَهَا بِیَدِهٖ فَاَمَرَهٗ بِاَكْلِهَا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ رَجُلًا اَصَابَ اَرْنَبَیْنِ فَذَبَحَهُمَا بِمَرْوَةٍ یَعْنِی الْحَجَرَ فَاَمَرَهُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِاَكْلِهَا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَصَابَ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ سَلَمَةَ اَرْنَبًا بِاُحُدٍ فَلَمْ یَجِدْ سِكِّیْنًا فَذَبَحَهَا بِحَجَرٍ فَاَمَرَهُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِاَكْلِهَا۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ انصار کا ایک لڑکا احد پہاڑ کی طرف نکلا' راستے میں گزرتے ہوئے اس نے ایک خرگوش پکڑ لیا' اسے خرگوش کو ذبح کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو اس نے پتھر سے اسے ذبح کر لیا' اس کے بعد وہ اسے اپنے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

(۴۰۷) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَكَلَ مِنْ ذَبِیْحَةِ امْرَأَةٍ وَنَهٰی عَنْ قَتْلِ الْمَرْأَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ کھایا ہے اور عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حلِ عبارت: "فخافت" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ڈرنا "فذبحتها" باب فتح سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ذبح کرنا' "بمروۃ" پتھر "فاصطاد" باب افتعال سے مذکورہ فعل کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکار کرنا' "ارنبا" خرگوش۔

تخریجِ حدیث اول: اخرجه البخاری: ۲۳۰۴' وابن ماجه: ۳۱۸۲' وابن حبان: ۵۸۹۳۔

تخریجِ حدیث ثانی: اخرجه ابن ماجه مختصراً: ۳۱۷۵' وابوداؤد: ۲۸۲۲' والترمذی: ۱۴۷۲' والنسائی: ۴۴۰۴' وابن حبان: ۵۸۸۵۔

تخریجِ حدیث ثالث: الحدیث مشتمل علی امرین' اما الاول فقد سبق تخریجه علی الرقم: ۴۰۶' واما الثانی منهما فقد اخرجه احمد: ۴۷۳۹' والبخاری: ۳۰۱۵' ومسلم: ۴۵۴۷ (۱۷۴۴)' ابوداؤد: ۲۶۶۸' والترمذی: ۱۵۶۹' وابن ماجه: ۲۸۴۱۔

مفہوم: ان تینوں حدیثوں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ذبیحہ کے لیے حلال ہونا مرد کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ اگر کوئی سمجھدار لڑکا یا عورت بھی جانور کو ذبح کر لے تو اس کے حلال ہونے میں شک نہیں کرنا چاہیے' خواہ وہ عورت آزاد ہو یا باندی' اسی سے اسلام کی نگاہ میں عورت کا مقام بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے کسی مرد کے ذبح کیے ہوئے جانور اور کسی عورت کے ذبح کیے ہوئے جانور میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جانور کو ذبح کرنے کے لیے چھری کا ہونا شرط اور ضروری نہیں بلکہ کسی ایسی چیز سے بھی جانور کو ذبح کیا جا سکتا ہے جو تیز دھاری دار ہو اور ایک دم جانور اس سے ذبح ہو جائے اور اس کا خون بہنا شروع ہو جائے خواہ وہ دھاری دار پتھر ہی کیوں نہ ہو؟

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی جانور اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کے مرنے کا اندیشہ ہونے لگے تو اسے ذبح کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے لیکن مرے ہوئے جانور کا استعمال میں لانا حرام ہے اور ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات جانوروں کی منڈیوں میں مرے ہوئے جانور کو بھی چھیل چھال کر بازاروں میں بیچنے کے لیے بھیج دیا جاتا ہے' لوگوں کو تو کچھ معلوم نہیں ہوتا اس لیے وہ اسے آنکھیں بند کر کے خرید لیتے ہیں' ظاہر ہے کہ یہ طریقہ اخلاقاً' دیانتاً اور شرعاً ہر طرح قابل مذمت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اَيَّامِ الْعَشْرِ

(٤٠٨) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مِخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُسْلِمِ الْبَطِيْنِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ اَيَّامِ عَشْرِ الْاَضْحٰى فَاَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباس﷛ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک عیدالاضحیٰ کے پہلے عشرے سے زیادہ افضل کوئی دن نہیں' اس لیے ان میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو۔

حل عبارت: ''فاکثروا'' باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی کثرت کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه احمد: ٥٤٤٦' و ٦٦٥٤۔

مفہوم: ''ذی الحجہ'' اسلامی کیلنڈر کا بارہواں اور سال کا آخری مہینہ ہے جس کا پہلا عشرہ بارگاہ خداوندی میں انتہائی عظمت و تقدس کا حامل ہے جس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک اہم ترین وجہ یہ بھی ہے کہ ایام حج اسی میں آتے ہیں' اسی عشرہ میں حجاج کرام کے تلبیہ سے منیٰ کی وادی گونجتی ہے' عرفات کا میدان حجاج کی آہوں اور سسکیوں کو اپنے دامن میں سمیٹتا ہے' مزدلفہ کا میدان ان کی دعاؤں کی مقبولیت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے' عرفات اور مزدلفہ کے بعد دوبارہ منیٰ کی طرف واپسی اور شیطان کے مجسمے کو کنکریاں مار کر اس سے اپنی نفرت کا اظہار اور رحمان سے اپنی محبت کا اقرار اسی عشرے میں ہوتا ہے' اسی عشرے میں انسان سنت ابراہیمی کی تکمیل کرتے ہوئے قربانی کا نذرانہ گزرانتا ہے' ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز اس کے عظمت و تقدس کو ثابت کرنے کے لیے کافی سے زیادہ ہے اسی لیے اس عشرے میں خصوصیت کے ساتھ

ہر شخص کو ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بَابُ اُضۡحِيَّةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنۡ اُمَّتِهٖ

(۴۰۹) اَبُوۡ حَنِيۡفَةَ عَنِ الۡهَيۡثَمِ عَنۡ عَبۡدِالرَّحۡمٰنِ بۡنِ سَابِطٍ عَنۡ جَابِرِ بۡنِ عَبۡدِاللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم ضَحّٰى بِكَبۡشَيۡنِ اَشۡعَرَيۡنِ اَمۡلَحَيۡنِ اَحَدُهُمَا عَنۡ نَفۡسِهٖ وَالۡاٰخَرُ عَمَّنۡ شَهِدَ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنۡ اُمَّتِهٖ۔

وَفِيۡ رِوَايَةٍ نَحۡوَهٗ وَلَمۡ يَذۡكُرۡ جَابِرَ بۡنَ عَبۡدِاللّٰهِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں والے کالے سفید رنگ کے دو مینڈھے قربانی میں پیش کیے' ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے ہر کلمہ گو کی طرف سے۔

حل عبارت: "ضحی" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قربانی کرنا "اشعرین" کثیر الشعر "املحین" کالے سفید رنگ کی آمیزش جسے "چتکبرا" کہا جاتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۵۵۶۵' ومسلم: ۵۰۸۸ (۱۹۶۶) وابوداؤد: ۲۷۹۴' والترمذی: ۱۴۹۴' وابن ماجه: ۳۱۲۰' والنسائی: ۴۳۹۲' وابن حبان: ۵۹۰۰' والدارمی: ۲/۷۵۔

مفہوم: راقم الحروف یہ تو نہیں کہتا کہ اس حدیث کی موجودگی میں "جبکہ نبی علیہ السلام اپنی امت کے ہر کلمہ گو کی طرف سے قربانی فرما چکے" کسی شخص پر قربانی واجب نہیں رہی البتہ یہ کہنے کی جرأت ضرور کرتا ہے کہ ہم سب کے آقا و مولیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ہر موقع پر اپنی امت کو یاد رکھا' امت نے اس طرح ہر موقع پر انہیں بھلایا' سوال یہ نہیں کہ انہوں نے ہماری طرف سے قربانی کر لی تو کیا اب ہمیں قربانی کرنی چاہیے یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ انہوں نے ہماری طرف سے بارگاہ الٰہی میں ایک جانور پیش فرمایا تھا کیا ہم نے ان کی طرف سے سات حصوں والے جانور کا ایک حصہ بھی بارگاہ الٰہی میں پیش کیا؟

اگر ایسا ہے تو آپ کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ ان کے نام کی طرف نسبت ہونے سے اور یہ کہنے سے "کہ پروردگار! اس جانور کو ہمارے آقا علیہ السلام کی طرف سے قبول فرما' یا اس کا ثواب انہیں عطاء فرما" ہماری قربانی بھی قبول ہو جائے گی اور اگر اب تک ہم اس پہلو سے غافل رہے تو اب اس کی طرف متوجہ ہونے کا عزم کر لیجیے۔

بَابُ مَنۡ ضَحّٰى قَبۡلَ الصَّلٰوةِ

(۴۱۰) اَبُوۡ حَنِيۡفَةَ عَنۡ حَمَّادٍ عَنۡ اِبۡرَاهِيۡمَ وَالشَّعۡبِيِّ عَنۡ اَبِيۡ بُرۡدَةَ بۡنِ نِيَارٍ اَنَّهٗ ذَبَحَ شَاةً قَبۡلَ الصَّلٰوةِ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ تَجۡزِئُ عَنۡكَ وَلَا تَجۡزِئُ عَنۡ اَحَدٍ بَعۡدَكَ۔

اگر کوئی شخص نمازِ عید سے پہلے قربانی کر لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو بردہ بن نیارؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نماز عید سے پہلے اپنی بکری ذبح کر لی' نبی علیہ السلام کے سامنے جب اس کا ذکر ہوا تو فرمایا تمہاری طرف سے کافی ہو جائے گی لیکن تمہارے بعد کسی کی طرف سے کفایت نہیں کرے گی۔

حلِ عبارت: "تجزی" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی کفایت کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مطولاً: ۹۸۳' ومسلم: ۵۰۷۰ (۱۹۶۱) وابوداؤد: ۲۸۰۰' والنسائی: ۴۴۰۰' وابن حبان: ۵۹۱۰۔

مفہوم: دیگر کتب حدیث میں اس کی تفصیل اس طرح وارد ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ بقرعید کے موقع پر نبی علیہ السلام نے نماز عید کے بعد خطبہ دیتے ہوئے قربانی کے احکام اور اس دن کی فضیلت سے متعلق ارشاد فرمایا کہ آج کے دن ہمارا سب سے پہلا کام نماز عید کی ادائیگی ہوگا' پھر خطبہ اور دعا کے بعد ہم قربانی کریں گے' خطبہ سے فراغت کے بعد حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ! مجھے تو یہ بات معلوم نہ تھی کہ آج کے دن کی یہ ترتیب ہے اس لیے میں نے نماز سے پہلے ہی اپنے جانور کو ذبح کر لیا تھا اور اب میرے پاس کوئی جانور بھی نہیں ہے' البتہ چھ مہینے کا ایک بکری کا بچہ ہے جو سال بھر کا معلوم ہوتا ہے؟ فرمایا نماز سے پہلے جو تم نے بکری ذبح کی اس کی تو قربانی نہیں ہوئی' البتہ چھ مہینے کا بکری کا بچہ تمہاری اس مجبوری کی وجہ سے تمہاری طرف سے کفایت کر جائے گا لیکن اس کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ قربانی میں کفایت نہیں کرتا اس لیے آئندہ تم یا کوئی اور شخص چھ ماہ کے بچے کو قربانی کے لیے نہیں پیش کر سکتے۔

بَابُ تَوْجِيهِ النَّهْيِ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

(۴۱۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَحَمَّادٍ اَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهُ قَالَ اِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ لِيُوَسِّعَ مُوْسِعُكُمْ عَلٰى فَقِيْرِكُمْ۔

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کی وجہ

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کیا تھا' اس کی وجہ یہ تھی کہ تم میں سے جو مالدار ہیں وہ تنگدستوں پر کشادگی کر سکیں۔

حلِ عبارت: "لیوسع" یہ لام امر نہیں ہے بلکہ لام کی ہے اور باب تفعیل سے مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کشادگی کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ۱۵۱۰' ومسلم وغیرهما کما سیاتی مفصلاً

مفہوم: موجودہ زمانے میں فریج اور فریزر کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل علم اور عوام دونوں طبقوں نے اس

حدیث پر بھرپور عمل کیا ہے اور اس اجازت کا خوب فائدہ اٹھایا ہے جو ابتداء میں نہ تھی بلکہ ہر شخص کو یہ حکم تھا کہ قربانی کا گوشت صرف تین دن تک استعمال کیا جا سکتا ہے' اس کے بعد نہیں' اور اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ جب تین دن سے زیادہ گوشت کھانے کی ممانعت ہو گی تو لوگ اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے خود ہی کسی ضرورت مند کو دے دیں گے اس طرح قحط اور غذائی ضروریات کی کمی کسی حد تک پوری ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ حالات معمول پر آنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور لوگوں نے اس کے نسخ سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا جس میں دور حاضر کے لوگ سب سے زیادہ آگے محسوس ہوتے ہیں کیونکہ جدید آلات کی ایجاد نے اس راہ کی ساری مشکلات حل اور سارے پتھر ہٹا دیے ہیں اور الحمد للہ! اب پورے پورے بکرے فریز کر لیے جاتے ہیں اور الحمد للہ! سارا سال بازار سے گوشت خریدنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِي الْخَلِّ

(٤١٢) اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ مُحَارِبِ ابْنِ دِثَارٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلَيْهِ وَقَرَّبَ اِلَيْهِ خُبْزًا وَ خَلًّا ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَانَا عَنِ التَّكَلُّفِ وَلَوْ لَا ذٰلِكَ لَتَكَلَّفْتُ لَكُمْ وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْاِدَامُ اَلْخَلُّ۔

سرکہ کی فضیلت کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ کے پاس محارب بن دثار آئے' انہوں نے ان کے سامنے روٹی اور سرکہ رکھا' پھر فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تکلف سے منع فرمایا ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے تکلف کرتا' اور میں نے نبی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔

(٤١٣) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نِعْمَ الْاِدَامُ اَلْخَلُّ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سرکہ بہترین سالن ہے۔

حل عبارت: "دخل" کا فاعل محارب ہیں "قرب" باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قریب کرنا' اس کا فاعل حضرت جابرؓ ہیں "خل" سرکہ "الادام" سالن۔

تخریج حدیث: اخرجهما مسلم: ٥٣٥٠ (٢٠٥١) وابوداؤد: ٣٨٢١' والترمذی: ١٨٣٩' وابن ماجه: ٣٣١٧' وعبدالرزاق: ١٩٥٦٩' والدارمی: ١٠١/٢' والحاكم: ٥٤/٤ والحديث الاول اخرجه بلفظه احمد: ٢٤١٣٤۔

مفہوم: جس طرح ذاتی' نجی اور خانگی زندگی میں انسان بے تکلف ہوتا ہے اور کسی قسم کی بناوٹ اور تصنع کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اسی طرح اگر وہ زندگی کے ہر شعبے میں بے ساختگی' بے تکلفی اور تصنع سے دوری اختیار کر لے تو پھر اسے اپنی

تزئین و آرائش میں سر کھپانے کی ضرورت نہ رہے اور وہ خوشدلی سے جو مل جائے اسی کو کھا پی اور پہن کر اپنی ضرورت پوری کر لے کیونکہ جہاں تکلفات آتے ہیں وہاں تعیشات اپنا راستہ ہموار کر لیتے ہیں اور جہاں سے تعیشات کو راہ ملتی ہے وہاں تفکرات کی اندھیر نگری کا آغاز ہوتا ہے جو بالآخر انسان کو وادیٔ ظلمات میں پہنچا کر ہی دم لیتی ہیں۔

بَابُ التَّمْيِيْزِ بَيْنَ الْكَافِرِ وَالْمُؤْمِنِ فِي الْأَكْلِ

(۴۱۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْكَافِرُ يَاْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَاْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ۔

کھانے کے معاملے میں کافر اور مؤمن کا امتیاز

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے۔

حل عبارت: "امعاء" "معی" کی جمع ہے بمعنی آنت۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۵۳۹۶' ومسلم: ۵۳۷۲ (۲۰۶۰) والترمذي: ۱۸۱۸' وابن ماجه: ۳۲۵۷۔

مفہوم: اس حدیث کی وضاحت میں علماء کرام نے مختلف مطالب و معانی فرمائے ہیں لیکن سب سے زیادہ واضح اور دل کو لگنے والی بات یہ ہے کہ مسلمان کی روزی میں وہ برکت ہے جس سے کافر محروم رہتا ہے اور کافر کے دسترخوان میں وہ وسعت اور کشادگی دکھائی دیتی ہے جو مسلمان کے دسترخوان پر ڈھونڈے سے نہیں ملتی' ظاہر ہے کہ اس وسعت اور کشادگی کا کیا کرنا جو برکت سے خالی ہو' جبکہ وہ برکت جو وسعت اور کشادگی سے اگرچہ خالی ہو' کھانے والے پر اپنے اثرات ضرور مرتب کرتی ہے۔ وللتفصیل موضع آخر

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْاَكْلِ مُتَّكِئًا

(۴۱۵) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا اَنَا فَلَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا اٰكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الْعَبْدُ وَاَشْرَبُ كَمَا يَشْرَبُ الْعَبْدُ وَاَعْبُدُ رَبِّيْ حَتّٰى يَأْتِيَنِيَ الْيَقِيْنُ۔

ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تو ٹیک لگا کر نہیں کھاتا بلکہ ایک غلام کی طرح کھاتا ہوں اور ایک غلام ہی کی طرح پیتا ہوں' اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں گا تا آنکہ موت آجائے۔

حل عبارت: "متکئا" تکیہ لگا کر' ٹیک لگا کر' "الیقین" موت۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مختصراً: ۵۳۹۹، والترمذی: ۱۸۳۰۔

مفہوم: یہ شریعت ہی کا امتیاز ہے کہ اس نے انسان کو اس کی طبعی ضروریات کی تکمیل کے آداب بھی بتائے ہیں اور اس شعبے میں بھی اسے بے یارومددگار نہیں چھوڑا' ان آداب کا خیال رکھنے والا باادب کہلاتا ہے بصورت دیگر دنیا سے ہی اسے بے آدب کا لقب اور خطاب مل جاتا ہے' انہی آداب میں سے ایک ادب یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے اجتناب کرے اس لیے کہ یہ طریقہ متکبروں کا ہے اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشُّرْبِ فِي اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

(۴۱۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ نَشْرَبَ فِي اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ نَّاْكُلَ فِيْهَا وَاَنْ نَلْبَسَ الْحَرِيْرَ وَالدِّيْبَاجَ قَالَ وَهِيَ لِلْمُشْرِكِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔

سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی علیہ السلام نے سونے چاندی کے برتن میں کچھ بھی کھانے پینے سے منع فرمایا ہے' نیز ہمیں ریشم و دیباج پہننے سے بھی منع فرمایا ہے' اور فرمایا ہے کہ یہ چیزیں دنیا میں مشرکین کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہیں۔

(۴۱۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ نَزَلْنَا مَعَ حُذَيْفَةَ عَلٰى دِهْقَانٍ بِالْمَدَائِنِ فَاَتٰى بِطَعَامٍ فَطَعِمْنَا ثُمَّ دَعَا حُذَيْفَةُ بِشَرَابٍ فَاَتٰى بِشَرَابٍ فِيْ اِنَاءِ فِضَّةٍ فَضَرَبَ بِهٖ وَجْهَهٗ فَسَاءَ نَا مَا صَنَعَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ لِمَا صَنَعْتُ بِهٖ هٰذَا فَقُلْنَا لَا فَقَالَ اِنِّيْ نَزَلْتُ عَلَيْهِ فِي الْعَامِ الْمَاضِيْ فَدَعَوْتُ بِشَرَابٍ فَاَتَانِيْ بِشَرَابٍ فِيْهِ فَاَخْبَرْتُهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَانَا اَنْ نَّاْكُلَ فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ نَشْرَبَ فِيْهَا وَاَنْ نَلْبَسَ الْحَرِيْرَ وَالدِّيْبَاجَ فَاِنَّهَا لِلْمُشْرِكِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَنَا فِي الْاٰخِرَةِ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدائن میں ایک کسان کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرے' وہ کھانا لے کر آیا جو ہم نے کھا لیا' پھر حضرت حذیفہؓ نے پانی منگوایا' وہ چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا' انہوں نے وہ برتن اس کے منہ پر دے مارا' ہمیں ان کا یہ عمل برا لگا' حضرت حذیفہؓ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا میں پچھلے سال بھی اس کے یہاں ٹھہرا تھا اور میں نے اس سے پانی منگوایا تھا تو یہ میرے پاس چاندی کے برتن میں ہی پانی لے کر آیا تھا' اور میں نے اسے بتایا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے اور ریشم و دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں مشرکین کے لیے

ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے۔

(۴۱۸) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ فَرْوَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ اِسْتَسْقٰی حُذَیْفَةُ بْنُ الْیَمَانِ مِنْ دِهْقَانَ فَاَتٰی بِشَرَابٍ فِیْ اِنَاءِ فِضَّةٍ فَاَخَذَ الْاِنَاءَ فَضَرَبَ بِهٖ وَجْهَهٗ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی اَنْ نَشْرَبَ فِیْ اٰنِیَةِ الْفِضَّةِ۔

(۴۱۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْحَکَمِ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ کُنَّا مَعَ حُذَیْفَةَ بِالْمَدَائِنِ فَاسْتَسْقٰی دِهْقَانًا فَاَتَاهُ بِهٖ فِیْ جَامِ فِضَّةٍ فَرَمٰی بِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنْ اٰنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَقَالَ هِیَ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا وَلَکُمْ فِی الْاٰخِرَةِ۔

ترجمہ: ان دونوں کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حل عبارت: "آنیة" برتن اس کی جمع "اوانی" آتی ہے "دهقان" دال کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ کسان "فساء نا" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی برا لگنا' ناگوار گزرنا "استسقی" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پانی طلب کرنا۔

تخریج حدیث: اما الاول: فقد اخرجه البخاری: ۵۶۳۳' ومسلم: ۵۴۰۰ (۲۰۶۷) وابن ماجه: ۳۵۹۰' واحمد: ۲۳۶۵۸' واما الثلثة الأخر فقد اخرجها مسلم: ۵۳۹۴ (۲۰۶۷) والنسائی: ۵۳۰۳' وابوداؤد: ۳۷۲۳' والترمذی: ۱۸۷۸۔

مفہوم: ان احادیث مبارکہ میں سونا' چاندی' ریشم اور دیبا کے استعمال سے جو ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق صرف مردوں سے ہے' عورتوں سے نہیں' اور مردوں کے لیے ضرورت کے درجے میں "سونا تو نہیں کہ اس سلسلے میں کوئی روایت نظر سے نہیں گزری" البتہ چاندی کی ایک مخصوص مقدار اور ریشمی کپڑے کے استعمال کا استثناء بھی موجود ہے تاہم اصل حرمت ہی ہے اور اس سے بچنا ہی مردانگی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا یُنْهٰی عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ

(۴۲۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ۔

دباء اور حنتم کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دباء اور حنتم کو استعمال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

حلِ عبارت: ''الدباء'' کدو کی تونبی ''الحنتم'' سبز مٹکا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ٥١٧٦ (١٩٩٥) وابوداؤد: ٣٦٩٠' والنسائی: ٥٦٤٠' والبخاری: ٥٥٩٤۔

مفہوم: زمانۂ جاہلیت میں شراب رکھنے کے لیے مخصوص برتن استعمال ہوتے تھے' ان میں شراب رکھی بھی جاتی تھی اور پی بھی جاتی تھی' جب حرمتِ شراب کا حکم نازل ہوا تو اس کی مکمل نفرت لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لیے ان برتنوں کو استعمال کرنے سے بھی منع کر دیا گیا جن کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا' یہ برتن بعض اوقات کسی مٹکے کی شکل میں ہوتے تھے جس پر سبز رنگ پھیر لیا جاتا تھا اور بعض اوقات کدو کو اندر سے کھوکھلا کر کے اسے برتن کے طور پر استعمال کر لیا جاتا تھا' پہلی قسم کے برتن کو ''حنتم'' اور دوسری قسم کے برتن کو ''دباء'' کہتے ہیں' اسی طرح اگلی حدیث میں دو لفظ اور آ رہے ہیں' مزفت اور نقیر' جن میں سے اول الذکر سے مراد وہ برتن ہے جس پر سڑک میں استعمال ہونے والی ''لک'' مل کر اسے مضبوط بنایا گیا ہو اور مؤخر الذکر سے مراد لکڑی کا وہ برتن ہوتا ہے جسے چھید کر اندر سے کھوکھلا کر لیا گیا ہو' ابتداءً اس کے استعمال سے منع کر دیا گیا تھا بعد میں اجازت دے دی گئی جیسا کہ اگلی حدیث میں آتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ وَلُحُوْمِ الْاَضَاحِیِّ وَالظُّرُوْفِ

(٤٣١) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ سُلَیْمَانَ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نَهَیْنَاكُمْ عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ فَقَدْ اُذِنَ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ زِیَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا وَعَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِیِّ اَنْ تُمْسِكُوْا فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ وَاِنَّا نَهَیْنَاكُمْ لِیُوَسِّعَ مُوْسِرُكُمْ عَلٰی فَقِیْرِكُمْ وَالْاٰنَ قَدْ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَكُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا وَعَنِ الشُّرْبِ فِی الْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنِ النَّقِیْرِ وَالدُّبَّاءِ فَاشْرَبُوْا فِیْ كُلِّ ظَرْفٍ شِئْتُمْ فَاِنَّ الظَّرْفَ لَا یُحِلُّ شَیْئًا وَلَا یُحَرِّمُهٗ وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اِنَّا نَهَیْنَاكُمْ عَنْ ثَلٰثٍ عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَنَهَیْنَاكُمْ اَنْ تُمْسِكُوْا لُحُوْمَ الْاَضَاحِیِّ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فَاَمْسِكُوْهَا وَتَزَوَّدُوْهَا فَاِنَّمَا نَهَیْنَاكُمْ لِیُوَسِّعَ غَنِیُّكُمْ عَلٰی فَقِیْرِكُمْ وَنَهَیْنَاكُمْ اَنْ تَشْرَبُوْا فِی الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ فَاشْرَبُوْا فِیْمَا بَدَا لَكُمْ فَاِنَّ الظَّرْفَ لَا یُحِلُّ شَیْئًا وَلَا یُحَرِّمُهٗ وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ نَحْوَهٗ وَفِیْهِ عَنِ النَّبِیْذِ فِی الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ فَاشْرَبُوْا فِیْ كُلِّ ظَرْفٍ وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔

قبرستان جانے' قربانی کے گوشت اور برتنوں سے متعلق احکام کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم نے تمہیں قبرستان جانے سے منع کیا

تھا' اب چونکہ محمد ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مل گئی ہے اس لیے تم بھی قبرستان چلے جایا کرو لیکن کوئی بیہودہ بات مت کہنا' اسی طرح تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کی تھی' اس کی وجہ یہ تھی کہ تم میں سے جو مالدار ہیں' وہ تنگدستوں پر کشادگی کر سکیں' اب چونکہ اللہ نے وسعت کر دی ہے اس لیے اب تم کھاؤ اور ذخیرہ کرو' اسی طرح حنتم' نقیر اور دباء میں کچھ پینے سے منع کیا تھا اب تم جس برتن میں چاہو پی سکتے ہو کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے البتہ نشہ آور چیز مت پیو۔

(۴۲۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَحَمَّادٍ حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ اشْرَبُوْا فِيْ كُلِّ ظَرْفٍ فَاِنَّ الظَّرْفَ لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهٗ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر برتن میں پی لیا کرو کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے۔

حل عبارت: "فزوروھا" باب نصر سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی زیارت کرنا "ھجرا" بضم الھاء بیہودہ گوئی "تزودوا" باب تفعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ذخیرہ کرنا "المزفت" لک سے بنا ہوا برتن "النقیر" کھدی ہوئی لکڑی۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ۵۱۱۴ (۹۷۷) والنسائی: ۵۶۵۶' وابوداؤد: ۳۶۹۸۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه مسلم: ۵۲۰۸ (۹۷۷)' والترمذی: ۱۸۶۹' وابن ماجه: ۳۴۰۶۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں سابقہ تین حکموں کی منسوخی کا اعلان کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ موقع کی نزاکت کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ احکام کیوں دیے گئے تھے؟ چنانچہ قبرستان جانے کی ممانعت کو بیہودگی اور لغویات سے مقید کیا گیا ہے' قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنے کی ممانعت کو فقراء کے خیال سے مشروط کیا گیا ہے اور مذکورہ برتنوں میں مشروبات کو استعمال کرنے کی ممانعت کو شراب کی انتہائی نفرت پر محمول کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کی اپنی ذات میں حرمت کی کوئی خاص وجہ اور سبب نہیں تھا بلکہ معروضی حالات کی وجہ سے مذکورہ احکام آئے تھے' یہی وجہ ہے کہ جب وہ حالات ختم ہو گئے تو ان احکام کو بھی منسوخ کر دیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّبِيْذِ

(۴۲۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ رَاَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَهُوَ يَاْكُلُ طَعَامًا ثُمَّ دَعَا بِنَبِيْذٍ فَشَرِبَ فَقُلْتُ رَحِمَكَ اللّٰهُ تَشْرَبُ النَّبِيْذَ وَالْاُمَّةُ تَقْتَدِيْ بِكَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَشْرَبُ النَّبِيْذَ وَلَوْ لَا اَنِّيْ رَاَيْتُهٗ يَشْرَبُ مَا شَرِبْتُهٗ۔

نبیذ کا بیان

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کھانا کھا رہے تھے' پھر انہوں نے نبیذ منگوا کر پی' میں نے عرض کیا اللہ رحم فرمائے' آپ بھی نبیذ پی رہے ہیں؟ حالانکہ امت آپ کی اقتداء کرتی ہے' فرمایا میں نے نبی علیہ السلام کو بھی نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے' اگر میں نے نبی علیہ السلام کو یہ پیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں اسے کبھی نہ پیتا۔

حل عبارت: "النبیذ" رات کو پانی میں چھوہارے بھگو کر صبح کو وہ پانی پی لینا' اس پانی کو نبیذ کہتے ہیں۔

تخریج حدیث: اما شربه صلی اللہ علیہ وسلم النبیذ فقد اخرجه الترمذی: ۱۸۷۱' وابوداؤد: ۳۷۱۱' ومسلم: ۵۲۳۲ (۲۰۰۵) واما بهذا السیاق فقد اخرجه الحارثی۔

مفہوم: دماغی قوت اور معدہ کی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے اہل عرب ایک خاص قسم کا مشروب تیار کرتے تھے جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ چند کھجوریں یا چھوہارے لے کر انہیں پانی میں بھگو دیتے' پانچ چھ گھنٹے کے بعد یا زیادہ سے زیادہ دس بارہ گھنٹوں کے بعد جب کھجوروں کی مٹھاس پانی میں اثر دکھا چکی ہوتی' اسے پی لیتے تھے' اس مشروب کو نبیذ کہا جاتا ہے اور اسے استعمال کرنا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پانی کا بہاؤ ختم ہو کر اس میں گاڑھا پن نہ آ گیا ہو اور وہ پانی جھاگ چھوڑنے نہ لگا ہو اور اس میں نشہ نہ آ گیا ہو' اس لیے کہ اگر ایسا ہوا تو وہ نبیذ نہیں رہے گی بلکہ شراب بن جائے گی جسے اپنے حلق سے اتارنا حرام ہوگا۔

(۴۲۴) اَبُوْ حَنِیْفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ نَبِیْذِ الزَّبِیْبِ وَالتَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَالثَّمَرِ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشمش اور کھجور' اور کچی اور پکی کھجور کی نبیذ سے منع فرمایا ہے۔

(۴۲۵) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَحَمَّادِ بْنِ اَبِیْ سُلَیْمَانَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نشہ آور چیز مت پیو۔

حل عبارت: "الزبیب" کشمش "البسر" کچی کھجور۔

تخریج حدیث اول: اخرج البخاری مثله: ۵۶۰۱' ومسلم: ۵۱۴۵ (۱۹۸۶) وابوداؤد: ۳۷۰۳' وابن ماجه: ۳۳۹۵۔

تخریج حدیث ثانی: راجع: ۴۲۱۔ فان فی آخره: لا تشربوا مسکرا۔

مفہوم: جیسا کہ ابھی اوپر گزرا کہ نبیذ کا استعمال جائز ہے لیکن ایسے مشروب کا استعمال جائز نہیں ہے جس میں گاڑھا

پن آ گیا ہو وہ جھاگ چھوڑنے لگا ہو اور نشہ آور بن گیا ہو بظاہر یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ اکیلی کھجور کو پانی میں بھگویا گیا ہو اور اس صورت میں بھی جبکہ اس کے ساتھ کشمش وغیرہ بھی شامل کی گئی ہو لیکن زیر بحث حدیث میں اس دوسری صورت کو اختیار کرنے اور ایسا مشروب استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ دو چیزوں کے مخلوط ہو جانے سے اس میں نشہ جلد پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہوتا ہے اور چونکہ شریعت کی نگاہ میں ہر نشہ آور چیز حرام ہے اس لیے اس کی ممانعت معنی خیز معلوم ہوتی ہے۔

بَابٌ كَمْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ؟

(۴۲۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ عَوْنٍ مُحَمَّدٍ الثَّقَفِيِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ شَدَّادٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ قَلِيْلُهَا وَكَثِيْرُهَا وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ۔

شراب کی کتنی مقدار حرام ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں شراب کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ، حرام کر دی گئی ہے اسی طرح ہر نشہ آور چیز بھی حرام کر دی گئی ہے۔

بَابٌ هَلْ يَجُوْزُ اَنْ يَاْكُلَ ثَمَنَ الْخَمْرِ

(۴۲۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ اَبِىْ عَامِرٍ الثَّقَفِيِّ اَنَّهٗ كَانَ يُهْدِىْ لِلنَّبِيِّ ﷺ فِىْ كُلِّ عَامٍ رَاوِيَةً مِنْ خَمْرٍ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ ثَقِيْفٍ يُكَنّٰى اَبَا عَامِرٍ كَانَ يُهْدِىْ لِلنَّبِيِّ ﷺ كُلَّ عَامٍ رَاوِيَةً مِنْ خَمْرٍ فَاَهْدٰى فِى الْعَامِ الَّذِىْ حُرِّمَتْ فِيْهِ الْخَمْرُ رَاوِيَةً كَمَا كَانَ يُهْدِىْ لَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَا عَامِرٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِىْ خَمْرِكَ قَالَ خُذْهَا فَبِعْهَا فَاسْتَعِنْ بِثَمَنِهَا عَلٰى حَاجَتِكَ فَقَالَ يَا اَبَا عَامِرٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ حَرَّمَ شُرْبَهَا وَبَيْعَهَا وَاَكْلَ ثَمَنِهَا۔

کیا شراب بیچ کر اس کی قیمت کھانا جائز ہے؟

ترجمہ: محمد بن قیس ہمدانی کہتے ہیں کہ ابو عامر ثقفی ہر سال نبی علیہ السلام کے پاس شراب کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا کرتے تھے ایک روایت میں یوں ہے کہ بنو ثقیف کا ایک آدمی جس کی کنیت ابو عامر تھی ہر سال نبی علیہ السلام کے پاس ایک مشک شراب بھیجا کرتا تھا، جس سال شراب حرام ہوئی، اس نے اس سال بھی نبی علیہ السلام کو حسب عادت ہدیہ میں ''مشک'' بھیجی، نبی علیہ السلام نے فرمایا اے ابو عامر! بیشک اللہ نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے اس لیے ہمیں تمہاری شراب کی کوئی ضرورت نہیں، اس نے

کہا کہ اسے لے کر بیچ دیجیے اور اس کی قیمت اپنی ضروریات میں استعمال کر لیجیے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے اس کا پینا، بیچنا اور اس کی قیمت کھانا سب حرام کر دیا ہے۔

حل عبارت: "راویہ" ایک خاص قسم کی شراب "فاستعن" باب استفعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مانگنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه النسائی من: ٥٦٨٦ الی: ٥٦٨٩۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الحمیدی فی مسنده: ١٠٣٤، ومسلم: ٤٠٤٤ (١٥٧٩) واحمد، ٢٠٤١، ومالك: ٥٢٨، والدارمی: ٢١٠٩، ٢٥٧٤، وابویعلی: ٢٤٦٨۔

مفہوم: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

ا۔ ہر وہ چیز جس کی زیادہ مقدار پینے سے انسان پر نشہ طاری ہو جاتا ہو شریعت نے اس کے لیے یہ اصول مقررہ کیا ہے کہ جس طرح اس کی زیادہ مقدار کو استعمال کرنا حرام ہے اسی طرح اس کا ایک چمچہ اور ایک گھونٹ بھی حرام ہے اس لیے کہ حرام تو حرام ہی ہے جیسے سانپ تو سانپ ہی ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اور ویسے بھی اگر تھوڑی مقدار کی اجازت دے دی جائے تو شیطان اسے ایک نہ ایک دن زیادہ مقدار پر بھی لگا ہی دے گا اس لیے "گربہ کشتن روز اول" کے تحت اس کی قلیل مقدار کو بھی حرام قرار دے دیا گیا خواہ اس سے نشہ نہ بھی آئے۔

۲۔ دوسری حدیث میں ابو عامر کا شراب کی مشک ہر سال خدمت نبوی میں پیش کرنا مذکور ہے جسے پڑھ کر راقم الحروف تو ایک دم چکر میں آ گیا۔ کہ آخر نبی علیہ السلام تو شراب کے کبھی قریب بھی نہیں گئے پھر ابو عامر کا شراب ہی کو بطور ہدیہ کے پیش کرنا چہ معنی دارد؟ نیز یہ کہ اگر نبی علیہ السلام اسے خود استعمال نہیں فرماتے تھے تو کس کو دیتے تھے؟ جسے بھی دیتے اس میں "تعاون علی الاثم" لازم آتا ہے جو شان رسالت سے بعید ہے؟

اس کا جواب صراحۃً تو کہیں نظروں سے نہیں گزرا، البتہ اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ جہاں تک شراب ہی کو بطور ہدیہ پیش کرنے والی بات ہے تو شراب اہل عرب میں ایک قیمتی چیز تصور کی جاتی تھی اور بڑے مہنگے داموں خریدی اور بیچی جاتی تھی، اس شخص نے اپنی عقیدت اور محبت ظاہر کرنے کے لیے اپنے خیال کے مطابق مہنگی ترین چیز پیش کی اگرچہ یہ الگ بات ہے کہ اس کا انتخاب صحیح نہ رہا۔

رہی یہ بات کہ نبی علیہ السلام اس کا کیا کرتے تھے، تو اس میں ایک صورت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کسی طریقے سے اسے ضائع کر دیتے تھے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ پڑے پڑے خود بخود سرکہ بن جاتی تھی اور جو شراب پڑے پڑے خود بخود سرکہ بن جائے اس کے حلال ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ اسے کسی کیمیکل وغیرہ کے ذریعے سرکہ بنایا جائے۔

بہرحال! یہ دونوں صورتیں قرین قیاس ہوسکتی ہیں لیکن ان کی حقیقت صرف قیاس آرائی کی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو

اللہ کی طرف سے ہے ورنہ اسے شیطانی وہم سمجھ کر رد کر دیا جائے۔

فائدہ: مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی علیہ السلام نے اسے حرمت شراب کا حکم سنایا تو اس نے اپنے غلام سے سرگوشی میں کچھ کہا' نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے اسے یہ حکم دیا ہے کہ شراب کی اس مشک کو فروخت کر دے اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس ذات نے اس کا پینا حرام قرار دیا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کر دی ہے چنانچہ اس نے وہ مٹکا وہیں بہا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خرید و فروخت کی یہ درخواست اس نے نبی علیہ السلام سے نہیں کی تھی بلکہ یہ حکم اس نے اپنے غلام کو دیا تھا اور یہی زیادہ قرین قیاس بھی ہے' اس اعتبار سے مسند اعظم کی روایت مجمل قرار پائے گی جس کی تفصیل صحیح مسلم کی روایت میں وارد ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَلَانِسِ

(۴۲۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَلَنْسُوَةٌ شَامِيَّةٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَلَنْسُوَةٌ بَيْضَاءُ شَامِيَّةٌ۔

ٹوپیوں سے متعلق روایات کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ شام کی بنی ہوئی سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

حل عبارت: "قلنسوۃ" ٹوپی' اس کی جمع "قلانس" آتی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن حجر فی المطالب العالیة: ۲۱۹۷' والطبرانی' وابن عساکر۔

مفہوم: بعض حضرات سر کو ڈھانپنا خلاف سنت سمجھتے ہیں اور بعض حضرات سر کو نہ ڈھانپنا خلاف سنت اور گناہ عظیم سمجھتے ہیں' ظاہر ہے کہ یہ دونوں نظریئے افراط و تفریط پر مبنی ہیں اسی لیے محققین علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام سے عمامہ باندھنا اور ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے اور سر کو خالی رکھنا بھی ثابت ہے اس لیے عام معمولات میں مثلاً بازار آتے جاتے ہوئے ٹوپی نہ پہننا خلاف مروت ہے جبکہ نماز کے دوران بھی تشدد کی راہ اختیار کرتے ہوئے دوسروں کی ضد میں آ کر ٹوپی

نہ پہننا خلاف ادب ہے۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ سر اور داڑھی کے بکھرے ہوئے بالوں سے پریشان حال لوگ نہ تو بال ہی سنوارتے ہیں، اور نہ ہی ٹوپی پہنتے ہیں کہ اس سے کچھ فرق پڑ جائے، اس سے ان کا چہرہ اور بھی ''قابل زیارت'' ہو جاتا ہے، اس لیے اہل علم کو تو اس کی پابندی اور التزام کرنا چاہیے اور عوام کو اس پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّدْلِ

(۴۲۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ مَرَّ بِرَجُلٍ سَادِلٍ ثَوْبَهٗ فَاَعْطَفَهٗ عَلَيْهِ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُنْقَطِعًا۔

بغیر پہنے کپڑا بدن پر لٹکانے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک آدمی کے پاس سے گزر ہوا جس نے ''سدل'' کر رکھا تھا، نبی علیہ السلام نے اس کے کپڑے کو اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

حل عبارت: ''سادل'' باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کپڑا لٹکانا ''فاعطفہ'' باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی جھکا دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه البيهقى: ۲/۲۴۳، وعبدالرزاق: ۱/۳۶۳۔

مفہوم: ''سدل'' فقہی اصطلاح کے مطابق اس طرح کندھوں پر کپڑا لٹکا لینے کو کہتے ہیں کہ دونوں جانب اس کے پلو لٹک رہے ہوں، اور ان میں گرہ نہ لگائی گئی ہو جیسا کہ بہت سے حضرات کو اس طرح رومال اوڑھے ہوئے دیکھا جاتا ہے، نماز کی حالت میں بہتر یہ ہے کہ اس کے دونوں پلو گرہ لگا کر باندھ لیے جائیں تاکہ وہ دوران نماز دائیں بائیں نہ ہو سکیں اور نمازی ان کی طرف متوجہ ہو کر اپنی نماز کو خراب نہ کر بیٹھے۔

لیکن یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے اسی طرح رومال لٹکائے ہوئے نماز پڑھ لی تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا اور اسے قضاء کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی البتہ ایسا کرنا پسندیدہ نہیں ہے جب ہی تو نبی علیہ السلام نے اس شخص کے لٹکتے ہوئے کپڑوں کو اس کے کندھے پر الٹ دیا تاکہ وہ ان ہی میں مشغول ہو کر نہ رہ جائے اور یہ ایک عام تجربہ کی بات ہے، عرب ممالک میں یہ طریقہ بہت کثرت کے ساتھ رائج ہے۔

بَابُ مَنْ يَلْبَسُ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا

(۴۳۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ اَبِىْ لَيْلٰى عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ

وَالدِّيْبَاجِ وَقَالَ اِنَّمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ۔

دنیا میں ریشم پہننے والے کا بیان

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ٥٤١٧ (٢٠٦٩) وابوداؤد: ٤٠٤٢، والترمذی: ١٧٢١، وابن ماجه: ٣٥٩٣، وابن حبان: ٥٤٤١ وراجع له ایضاً: ٤١٦۔

مفہوم: ریشمی کپڑوں کا پہننا مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ کپڑا خالص ریشمی ہو اور اگر کپڑے میں ریشم کے کچھ تار اور ذرات استعمال کر لیے گئے ہوں تو مردوں کے لیے بھی اسے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور آج کل عام طور پر جو کپڑے ریشمی سمجھے جاتے ہیں، وہ خالص ریشمی نہیں ہوتے خواہ مردانہ ہوں یا زنانہ، اس لیے کہ خالص ریشمی کپڑے کی قوت خرید کسی غریب یا متوسط درجے کے آدمی میں نہیں ہوتی کیونکہ وہ بہت مہنگا ہوتا ہے۔

اس تمام تفصیل کو ذکر کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بعض لوگوں کے سامنے یہ حدیث ذکر کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ آج کل تو بہت سے مرد بھی ریشمی کپڑے پہن رہے ہیں، کیا وہ سب گنہگار ہوں گے؟ لیکن جب یہ تمہید واضح ہو جائے تو اس مسئلہ میں کوئی ابہام اور پیچیدگی برقرار نہیں رہے گی۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّصَاوِيرِ

(٤٣١) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ حَمْزَةَ عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ اَنَّهٗ كَانَ عُلِّقَ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سِتْراً فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَاَبْطَأَ جِبْرَئِيْلُ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ لَهٗ مَا اَبْطَأَكَ عَنِّيْ قَالَ اِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تَمَاثِيْلُ فَابْسِطِ السِّتْرَ وَلَا تُعَلِّقْهُ وَاقْطَعْ رُءُوْسَ التَّمَاثِيْلِ وَاَخْرِجْ هٰذَا الْجِرْوَ۔

تصاویر کے احکام

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے در دولت پر ایک مرتبہ ایسا پردہ لٹکایا گیا جس میں کچھ تصاویر تھیں، انہیں دیکھ کر حضرت جبریل نے حاضر ہونے میں تاخیر کر دی، جب وہ آئے تو نبی علیہ السلام نے ان سے تاخیر کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا کہ ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں، اس لیے اس پردہ کا بستر بنا لیجئے، اسے مت لٹکایئے، ان تصویروں کے سر اتار دیجیے اور اس پلے (کتے کے فرزند) کو نکال دیجیے۔

حل عبارت: "علق" باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لٹکانا "تماثیل" تمثال کی جمع

ہے بمعنی مجسمہ، تصویر "فابطأ" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تاخیر کرنا "فابسط" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بچھانا 'الجرو" پلہ۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم مفصلاً: ۵۵۱۳ (۲۱۰۵) وابوداؤد: ۴۱۵۷، وابن حبان: ۵۸۵۶، واما نفس قوله ﷺ: لا تدخل الملئكة بيتا الخ فقد اخرجه جميع الائمة۔

مفہوم: گزشتہ صفحات میں "کتے" کے متعلق تفصیلات گزر چکی ہیں اس لیے یہاں انہیں دہرائے بغیر تصویر سے متعلق مختصر طور پر عرض کرنا ہے کہ اسلام میں جاندار اشیاء کی تصویر کشی اور مجسمہ سازی قطعاً حرام ہے جبکہ بے جان اشیاء کی تصویر اور مجسمہ سازی مکمل حلال ہے اور اسے بطور آرٹ اور پیشہ کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ جاندار اشیاء کی تصاویر خواہ پردوں پر ہو یا کپڑوں پر ناجائز ہیں، کیونکہ ایک تو اس صورت میں بظاہر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ بازی کا احساس ہوتا ہے جو شانِ بندگی کے منافی ہے اور دوسرے یہی چیز جو ابتداء میں تصویر کشی اور مجسمہ سازی کی حد تک محدود ہوتی ہے، بعد میں بڑھتے بڑھتے تصویر و مجسمہ پرستی تک پہنچا دیتی ہے گویا یہ چیز بالواسطہ شرک کا ذریعہ بنتی ہے اور شریعت کی نگاہ میں شرک ناقابل معافی جرم ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر غیر واضح اور انتہائی چھوٹی تصویر جو بدقت تمام نظر آئے، اس میں حرمت کا پہلو زیادہ شدید نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی ذی روح کی تصویر کشی کرتے ہوئے اس کا سر کاٹ دیا جائے یعنی گردن کے ساتھ نہ جوڑا جائے تو اس کی حرمت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ آج کل بعض دکاندار کپڑے لٹکانے اور سجانے کے لیے سر کٹے مجسمے استعمال کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِضَابِ بِالْحِنَّاءِ

(۴۳۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِخْضِبُوْا شَعْرَكُمْ بِالْحِنَّاءِ وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ۔

مہندی سے بالوں کو خضاب کرنا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے بالوں کو مہندی سے رنگ لیا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کیا کرو۔

(۴۳۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْكِنْدِيِّ عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ اَلْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اَحْسَنُ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّعْرَ اَلْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِنْ اَحْسَنِ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ اَلْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اپنے بالوں کی سفیدی جس چیز سے تبدیل کرتے ہو اس میں سب سے بہتر چیز مہندی اور کتم ہے۔

(۴۳۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ اَنَّ اَبَا قُحَافَةَ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَلِحْيَتُهُ قَدِ انْتَشَرَتْ قَالَ فَقَالَ لَوْ اَخَذْتُمْ وَاَشَارَ اِلٰى نَوَاحِيْ لِحْيَتِهٖ۔

ترجمہ: ہیثم ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوقحافہؓ (سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد محترم) کو نبی علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا' ان کی داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے' نبی علیہ السلام نے داڑھی کے کناروں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا اگر تم اسے کتر لیتے تو اچھا ہوتا۔

حل عبارت: ''اخضبوا'' باب ضرب سے امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی رنگنا' خضاب لگانا ''الشیب'' بالوں کی سفیدی ''انتشرت'' باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی منتشر ہونا' پھیل جانا' بکھر جانا ''نواحی'' ناحیۃ کی جمع ہے بمعنی کنارہ ''الحناء'' مہندی ''الکتم'' وسمہ' اس سے بال ہلکے براؤن ہو جاتے ہیں۔

تخریج حدیث اول: اخرج البخاری مثلہ: ۳۴۶۲' ومسلم: ۵۵۱۰ (۲۱۰۳) وابوداؤد: ۴۲۰۳' والترمذی: ۱۷۵۲' والنسائی: ۵۰۷۵' وابن ماجہ: ۳۶۲۱' وابن حبان: ۵۴۷۰۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ ابوداؤد: ۴۲۰۵' والترمذی: ۱۷۵۳' والنسائی من: ۵۰۸۰ الی: ۵۰۸۵' وابن ماجہ: ۳۶۲۲' وابن حبان: ۵۴۷۴۔

تخریج حدیث ثالث: اما نفس الحدیث فقد اخرجہ مسلم: ۵۵۰۹ (۲۱۰۲) وابوداؤد: ۴۲۰۴' والنسائی: ۵۰۷۹' وابن ماجہ: ۳۶۲۴' وابن حبان: ۵۴۷۱' واما بھذا السیاق فقد اخرجہ الحارثی: ۶۶۶۔

مفہوم: ''بڑھاپا'' انسان کے تدریجی عمل اور ارتقائی زندگی کا آخری سٹیج ہوتا ہے جہاں سے انسان کی واپسی ناممکن ہوتی ہے' یہ انسانی زندگی کا زوال ہوتا ہے جس کے بعد عروج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' یہ ایسا تنزل ہوتا ہے جو ترقی کی امید سے محرومی لے کر آتا ہے اور اس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے' چنانچہ کبھی دانت ٹوٹ جاتے ہیں' کبھی جسم کی مشینری کام کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور کبھی جسم پر اگی ہوئی گھاس سفید ہونا شروع ہو جاتی ہے' اور ان میں سے ہر ایک چیز چیخ چیخ کر اعلان کر رہی ہوتی ہے کہ بس! اب تیرا کھیل ختم ہونے والا ہے' تیری بساط لپیٹی جانے والی ہے اور تیرا نامہ اعمال بند ہونے والا ہے لیکن حضرت انسان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور وہ اصلی دانت کی جگہ مصنوعی دانت لگوا لیتا ہے' جسم کی مشینری سے کام لینے کے لیے مقویات اور ادویات استعمال کرتا ہے اور بالوں کی سفیدی کو چھپانے کے لیے کالا خضاب استعمال کرتا ہے۔

یاد رکھئے! بالوں کی سفیدی اللہ کی طرف سے ملنے والا وقار ہے' اسے ضائع مت کیجیے اور اگر آپ ابھی جوان ہیں

یا جوان نظر آنا چاہتے ہیں تو اس سلسلے میں شرعی ہدایات کی پیروی کیجئے' کالا خضاب استعمال کرنے سے بچئے' تاہم نوجوانی میں جس شخص کے بال سفید ہو جائیں اسے فقہاء نے کالا خضاب لگانے کی اجازت دی ہے جس کے دلائل احادیث میں موجود ہیں' مہندی لگا کر بھی بالوں کی سفیدی کو چھپایا جا سکتا ہے۔

تاہم یہ اجازت درجۂ استحباب میں ہے' اس اجازت کو فرض و واجب کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے اور مہندی لگا کر مکمل براؤن یا وسمہ کے ذریعے ہلکے براؤن کرنے کا حکم بھی اہل کتاب سے اپنی مشابہت ختم کرنے کے لیے دیا گیا ہے' سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد محترم حضرت ابو قحافہؓ کے بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرنے کا حکم بھی اسی بناء پر دیا گیا تھا۔

فائدہ: آخری حدیث کا ترجمۃ الباب سے تعلق روایت کے ان الفاظ سے ہے جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا اور اس کی تخریج بھی کی گئی ہے' امام صاحبؒ کی اس مختصر روایت کو محولہ بالا مفصل روایت پر محمول کیا جائے گا۔

بَابُ الْمَوْصُوْلَةِ

(٤٣٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ اُمِّ ثَوْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا بَأْسَ اَنْ تَصِلَ الْمَرْأَةُ شَعْرَهَا بِالصُّوْفِ اِنَّمَا نَهٰى بِالشَّعْرِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَا بَاسَ بِالْوَصْلِ اِذَا لَمْ يَكُنْ شَعْرٌ بِالرَّأْسِ۔

بالوں کے ساتھ بال ملانے والی عورت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عورت کو اپنے بالوں کے ساتھ اون ملانے میں کوئی حرج نہیں' اصل میں جو ممانعت کی گئی ہے اس کا تعلق بالوں کے ساتھ ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق اگر عورت کے سر پر بال نہ ہوں تو بال ملانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

حل عبارت: "تصل" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی ملانا "الصوف" اون۔

تخریج حدیث: موقوف علی ابن عباس اخرجه الحارثی: ٦٥٧۔

مفہوم: اس حدیث کا مکمل پس منظر سمجھنے کے لیے اس مضمون کی دیگر روایات کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے جن کے مطابق حضور نبی مکرم' سرور دو عالم ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنا جسم گدواتی ہیں یعنی اس میں سوراخ کر کے نیل یا کوئی اور رنگ بھرتی ہیں یا اس طرح اس پر کسی کا نام کندہ کروا لیتی ہیں کہ جسم کی کھال چھل جائے اور وہ نام نہ مٹ سکے' اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو جسم گودنے کا کام کرتی ہیں۔

نیز نبی علیہ السلام نے ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو اپنے بالوں میں "کسی دوسرے انسان کے بال" ملا لیتی ہیں تاکہ بال لمبے نظر آئیں' ایسی عورتوں کو "موصولہ" کہتے ہیں اور جو عورتیں یہ کام کرتی ہیں انہیں "واصلہ" کہا جاتا ہے اور

نبی علیہ السلام نے ان پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

''کسی دوسرے انسان کے بال'' کا لفظ ہم نے ایک خاص مقصد کے تحت اختیار کیا ہے گو کہ حدیث کا مفہوم یہی ہے' اور وہ مقصد یہ ہے کہ فقہاء کرام نے اس حدیث کے مختلف طرق اور پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر وہ بال اس عورت کے اپنے ہی ہوں اور انہیں دوبارہ اس کے سر کا حصہ بنا دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ کسی دوسرے کے بال نہیں' اس کے اپنے ہی ہیں۔

نیز بال کے لفظ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فائدہ اٹھایا اور فرمایا کہ یہ حکم بال ہی کے ساتھ خاص ہے' اگر کوئی عورت کسی جانور کی اون قابل استعمال ہونے کے بعد اپنے بالوں کے ساتھ ملا لے تو وہ اس لعنت اور ممانعت میں داخل نہیں ہوگی اور اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

کتاب الطب

طب کے احکام

بَابٌ اِذَا مَرِضَ الرَّجُلُ يُكْتَبُ لَهٗ اَجْرُهٗ

(۴۳۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَيَكْتُبُ لِلْاِنْسَانِ الدَّرَجَةَ الْعُلْيَا فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَكُوْنُ لَهٗ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَبْلُغُهَا فَلَا يَزَالُ يَبْتَلِيْهِ اللّٰهُ حَتّٰى يَبْلُغَهَا۔

اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کے لیے نیک اعمال کا اجر لکھا جاتا ہے

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ انسان کے لیے جنت میں ایسے بلند درجات کا فیصلہ کرتا ہے جہاں تک اس کے اعمال نہیں پہنچتے اس لیے اللہ تعالیٰ اسے مسلسل مصائب میں مبتلا کرتا ہے تا آنکہ اس کے اعمال وہاں تک پہنچ جائیں۔

(۴۳۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ وَهُوَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى لِمَلَائِكَتِهٖ اُكْتُبُوْا لِعَبْدِيْ مِثْلَ اَجْرِ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ۔

زَادَ فِیْ رِوَایَۃٍ مَعَ اَجْرِ الْبَلَاءِ

وَفِیْ رِوَایَۃٍ اُکْتُبُوْا لِعَبْدِیْ مَا کَانَ یَعْمَلُ وَھُوَ صَحِیْحٌ۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ وَھُوَ عَلٰی عَمَلٍ مِنَ الطَّاعَۃِ فَاِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لِحَفَظَتِہٖ اُکْتُبُوْا لِعَبْدِیْ اَجْرَ مَا کَانَ یَعْمَلُ وَھُوَ صَحِیْحٌ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے اور وہ نیکی کے کچھ کام پہلے سے کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لیے اتنا ہی اجر لکھ دو جس کے برابر وہ تندرستی میں عمل کرتا تھا' جو اس مصیبت پر صبر کے علاوہ ہو۔

حل عبارت: "یبتلیه" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مبتلا کرنا' آزمائش کرنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه ابن سعد' والحاكم' والبيهقى' والحارثى: ۳۵۷۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه ابو داؤد مثله: ۳۰۹۱' وابن ابى شيبه: ۱۰۸۱۲۔

مفہوم: دنیا کی اس مختصر اور ناپائیدار زندگی میں ہر انسان پر کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آتی ہے اور ہر آدمی کسی نہ کسی پریشانی کا شکار ضرور ہوتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ بعض لوگ مصیبت اور پریشانی کو اپنی ذات میں چھپا لیتے ہیں اور بعض لوگ پورے خاندان اور محلے میں ڈھنڈورا پیٹ دیتے ہیں' بعض لوگ ان مصائب و مشکلات کو حل کرنے کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں اور بزعم خود توکل کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس مصیبت اور تکلیف کے لیے اللہ میاں کو میں ہی نظر آیا تھا' میرے علاوہ کوئی اور نہیں ملا تھا' اگر مجھ پر ہی مصیبت آنی تھی تو مثلاً ایکسیڈنٹ نہ ہوتا' بخار ہو جاتا۔

ظاہر ہے کہ اس آخری صورت میں اللہ کے ساتھ سودے بازی کا عنصر نمایاں ہے اور اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ بندہ دوسری مصیبت اور بیماری کو برداشت کر سکتا تھا جبکہ اس سے پہلے والی صورت میں تقدیر خداوندی پر اعتراض ہے اس لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان ایسے مواقع پر اللہ سے سودے بازی کرے اور نہ ہی تقدیر پر اعتراض کرے' بلکہ یہ سوچے کہ اس بیماری میں بھی کچھ کیے بغیر ہی مجھے ان اعمال صالحہ کا اجر و ثواب برابر مل رہا ہے جو میں صحت کی حالت میں کرتا تھا اور یہ کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ میرا امتحان لینا چاہتے ہیں' اگر میں اس امتحان میں کامیاب ہو گیا تو انعام کے طور پر مجھے ایسے بلند و بالا مقامات عطا فرمائے جائیں گے جہاں تک اپنے اعمال کے سہارے اور بل بوتے پر میری رسائی کبھی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ سوچ انسان کو جزع فزع سے بھی محفوظ رکھے گی' ہر ایک کے سامنے اپنے دکھڑے رونے سے بھی بچائے گی'

تقدیر خداوندی پر اعتراض کی راہ میں بھی رکاوٹ بنے گی اور سودے بازی کے درمیان بھی حائل ہو جائے گی' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسی سوچ کو مثبت سوچ کہا جائے گا جو اس کے لیے بہرحال مفید ہی ہو گی جبکہ منفی سوچ انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔

بَابٌ الدَّوَاءُ لِكُلِّ دَاءٍ

(۴۳۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَمُقَاتِلُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ لِكُلِّ دَآءٍ جَعَلَ اللّٰهُ دَوَاءً فَاِذَا اَصَابَ الدَّاءَ دَوَاؤُهُ بَرِئَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

ہر بیماری کی دوا ہے

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا رکھی ہے' جب دوا بیماری کو پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے تندرستی مل جاتی ہے۔

(۴۳۹) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ دَوَاءً اِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ نے کوئی بیماری ایسی نہیں رکھی جس کا علاج نہ رکھا ہو' سوائے موت اور بڑھاپے کے' اس لیے تم پر گائے کا دودھ استعمال کرنا لازم ہے کیونکہ گائے کا دودھ ہر درخت سے مل کر حاصل ہوتا ہے اور اس میں تمام نباتاتی اجزاء شامل ہوتے ہیں۔

(۴۴۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يُنْزِلِ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا وَاَنْزَلَ مَعَهُ الدَّوَاءَ اِلَّا الْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَرُمُّ مِنَ الشَّجَرِ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَجْعَلْ فِى الْاَرْضِ دَاءً اِلَّا جَعَلَ لَهٗ دَوَاءً اِلَّا الْهَرَمِ وَالسَّامَ فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ۔ وَفِىْ رِوَايَةٍ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ دَاءٍ اِلَّا اَنْزَلَ مَعَهٗ دَوَاءً اِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاَنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَضَعْ فِى الْاَرْضِ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً اَوْ دَوَاءً فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاَنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ' عَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَرُمُّ مِنْ كُلِّ شَجَرَةٍ وَفِيْهَا شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ۔

ترجمہ: اس کا بھی بعینہٖ یہی ترجمہ ہے۔

حلِّ عبارت: "داء" بیماری "دواء" علاج "برئ" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی

تندرست ہو جانا "السام" موت "الھرم" بڑھاپا "ترم" باب نصر اور ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی چارہ بنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجه مسلم: ٥٧٤١ (٢٢٠٤) واحمد: ١٤٦٥١، وابن حبان: ٦٠٦٣، والحاكم: ١٩٩/٤۔

تخریج حدیث ثانی و ثالث: اخرج البخاری مثلهما: ٥٦٧٨، وابوداؤد: ٣٨٥٥، والترمذی: ٢٠٣٨، وابن ماجه: ٣٤٣٦، ٣٤٣٩، والحاکم بزیادة: فعلیکم بالبان البقر واحمد: ١٩٠٣٦۔

مفہوم: یہاں دو باتیں قابل وضاحت ہیں۔

۱۔ ہر زمانے میں لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی رہا ہے جو دوادارو کرنا اور اپنی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کرنا اچھا نہیں سمجھتا، اس گروہ میں بعض لوگ تو ایسے ہیں جو اپنی غربت کی وجہ سے اپنی بیماری کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے ہیں، بعض اپنی کنجوسی کے ہاتھوں اپنے علاج پر کچھ خرچ کرنے کو فضول خرچی سے تعبیر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور بعض لوگ اسے توکل کے خلاف سمجھ کر اس کے قریب پھٹکنے کو بھی گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔

ان میں پہلا طبقہ تو مجبور ہے جس کے متعلق شریعت دوسرے انسانوں کو اس کی امداد کے لیے متوجہ کرتی ہے، دوسرا طبقہ ''بیوقوف'' ہے کہ اپنی کمائی اپنے اوپر ہی خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے اور تیسرا طبقہ ''نادان'' ہے کہ علاج معالجہ کو خلاف توکل سمجھتا ہے حالانکہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں، توکل ترکِ نتیجہ کا نام ہے۔

۲۔ نومولود بچے کے لیے جس طرح ماں کا دودھ انتہائی مفید ہونے میں دو رائیں نہیں ہیں اسی طرح زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے گائے کے دودھ کی افادیت بھی مسلّم ہے، اس کے نباتاتی اجزاء جو مختلف درختوں اور سرسبز و شاداب گھاس کی وجہ سے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں، انسان کو بڑھاپے میں بھی تقویت فراہم کرتے ہیں ''گو کہ اس سے بڑھاپا ختم نہیں ہو سکتا'' اور مکمل غذائیت سے بھی بھرپور ہوتے ہیں۔

لیکن اس کا کیا کیجیے کہ ہم دودھ کے ایک ڈرم میں کم از کم آدھے ڈرم پانی کی ملاوٹ کیے بغیر اپنی ضروریات اس کے ذریعے کما ہی نہیں سکتے، راتوں رات امیر ہونے کے چکر میں گجروں نے اس طریقے کو خوب آزمایا اور بہت مفید پایا اس لیے اب ان کی گائیں دودھ کی بجائے روپیہ اگلتی ہیں اور ان کے تھنوں میں دودھ کی دھاروں کی بجائے سکوں کی کھنک محسوس ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اب لوگ نباتاتی اجزاء اور غذائیت سے بھرپور اس دودھ کو چھوڑ کر ڈبے کے دودھ کو ترجیح دینے لگے ہیں اور بزبان حال و قال یہ نغمہ گنگنانے لگے ہیں کہ اب تو پاکستان میں ہر چیز حتی کہ بندوں میں بھی ملاوٹ ہونے لگی ہے۔

بَابٌ الشِّفَاءُ فِی اَرْبَعَةٍ

(٤٤١) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جُعِلَ الشِّفَاءُ فِی الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ

وَالْحِجَامَةِ وَالْعَسَلِ وَمَاءِ السَّمَآءِ۔

چار چیزوں میں شفاء کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کلونجی، سینگی، شہد اور آسمان کے پانی میں شفا رکھی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمَنِّ

(۴۴۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ عَمْرٍو الْحُرَشِی عَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ مِنَ الْمَنِّ اَلْکَمْاۃُ وَمَاؤُھَا شِفَآءٌ لِلْعَیْنِ۔

''من'' کا بیان

ترجمہ: حضرت سعید بن زیدؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کھنبی بھی ''من'' میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفاء ہے۔

حل عبارت: ''الحبة السوداء'' کالا دانہ مراد کلونجی ہے ''المن'' بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی سویٹ ڈش ''الکماۃ'' کھنبی۔

تخریج حدیث اول: اما نفس مضمون الحدیث فثابت من الاحادیث الکثیرة، کما فی الحبة السوداء ما اخرجه مسلم: ۵۷۶۶ (۲۲۱۵) والبخاری: ۵۶۸۸، وغیرھما، وھکذا فی الحجامة ما اخرجه البخاری: ۵۶۹۷، واما بھذا السیاق فلم اجدہ۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری، ۵۷۰۸، ومسلم: ۵۳۴۲ (۲۰۴۹) والترمذی: ۲۰۶۷، وابن ماجه: ۳۴۵۳۔

مفہوم: ۱۔ ''طب نبوی'' ایک مستقل موضوع ہے جس پر علماء و اطباء نے اپنے اپنے انداز میں مختلف ادوار میں قلم اٹھایا ہے اور احادیث میں ذکر کردہ خواص اشیاء کو جدید سائنس سے ہم آہنگ کر کے دکھایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے جس چیز کی جو خاصیت بیان فرمائی تھی، جدید سائنس اور میڈیکل اس کی تغلیط آج تک نہیں کر سکی چنانچہ کلونجی اور شہد کی افادیت تو آج بھی مسلم ہے اور ہر طبقہ زندگی کے افراد اسے استعمال کرتے ہیں۔

گو کہ اب سینگی لگانے کے ماہرین ''جس کا طریقہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا'' نہیں رہے لیکن اس کے مفید ہونے میں اب بھی کوئی شک نہیں ہے، اور سرنج کے ذریعے خون نکلوانا اسی کی جدید شکل ہے بلکہ ''سرنج اور سینگی'' کی لفظی مناسبت و مشابہت بھی انتہائی قریب اور زیادہ ہے۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اپنی بیوی سے حق مہر کی رقم میں سے کچھ پیسے لے کر شہد منگوائے اور اسے بارش کے پانی میں ملا کر پی لے تو اللہ تعالیٰ ہر بیماری سے شفاء عطا فرما دیتے ہیں' معلوم ہوا کہ بارش کے پانی میں اللہ نے شفاء رکھی ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کی خصوصی بارش برسائی' ان پر بے شمار عنایات اور کرم نوازیاں اور عدل گستریاں فرمائیں' ان میں بے شمار انبیاء کرام کو بھیجا' نبوت اور حکومت سے سرفراز فرمایا' لیکن ان کی شورش پسند طبیعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گئے' ایک وقت وہ بھی تھا کہ جب یہودیوں کو رزق کی فکر اور فکر معاش سے مکمل طور پر آزاد کر دیا گیا تھا' پینے کے لیے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیئے گئے' کھانے کے لیے بٹیروں کی فوج بھیج دی گئی جو آج بھی ایک طاقتور اور گرم غذا شمار ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ میٹھے کے طور پر ''من'' کی بھی ارزانی کر دی گئی اور پہننے کے لیے لباس کی ضرورت سے آزاد کر دیا گیا' ان کے کپڑے نہ تو گندے ہوتے اور نہ پھٹتے اور جسم کے ساتھ ساتھ کپڑے بھی بڑھتے جاتے لیکن ان ساری مہربانیوں کے جواب میں ان کی طرف سے ہمیشہ ناشکری ہی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے نبوت و رسالت اور امامت وحکومت ان سے چھین کر بنی اسماعیل کو دیدی۔

بہرحال! ''من'' کا لفظی معنی کھنبی ہے اور اردو میں اس کا مفہوم ''سانپ کی چھتری'' سے ادا کیا جاتا ہے' یہ ایک خود رو میٹھی چیز ہوتی ہے جو بوسیدہ لکڑی اور کوڑے کرکٹ پر بھی اگ جاتی ہے اور بارش کے موسم میں اکثر مل جاتی ہے' زیر بحث حدیث میں اسے بنی اسرائیل کے ''من'' سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ بآسانی دستیاب ہو جاتا تھا اسی طرح ہمیں یہ بآسانی دستیاب ہو جاتی ہے' اگر ہم نے بھی بنی اسرائیل کی طرح اسے حقیر سمجھا تو ہم سے اسے چھین لیا جائے گا۔ بھلا غور کیجیے کہ ایک ایسی چیز جو ہر شخص کی دسترس میں ہو اور ہر شخص اسے بآسانی حاصل کر سکتا ہو' اس کا کتنا عظیم فائدہ کہ آنکھ کے لیے انتہائی مفید اور بصارت کی تیزی میں ممد و معاون' سچ ہے **فتبارك الله احسن الخالقين۔**

بَابُ التَّعَوُّذِ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ

(۴۴۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَمْ يَضُرَّهٗ عَقْرَبٌ حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَالَ حِيْنَ يُمْسِيْ لَمْ يَضُرَّهٗ عَقْرَبٌ حَتّٰى يُصْبِحَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ **''اعوذ بكلمات الله التامة''** کہہ لے تو اسے شام تک کوئی بچھو نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور جو شخص شام کے وقت یہ کلمات کہہ لے اسے صبح تک کوئی بچھو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

حلِ عبارت: "لم یضرہ" باب نصر سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی نقصان دینا "عقرب" بچھو اس کی جمع "عقارب" آتی ہے "یمسی" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شام کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ۳۵۱۸' وابوداؤد: ۳۸۹۸' ۳۸۹۹۔

مفہوم: زیر بحث حدیث میں ان کلمات کا فائدہ بچھو کے کاٹے میں مفید ہونا ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسری احادیث میں یہی کلمات عمومی طور پر صبح شام پڑھنے کی تاکید آتی ہے اور اس میں ہر پریشانی و تکلیف سے نجات کا ذکر آتا ہے' اس ظاہری تضاد کو دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا پس منظر ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے جس کے مطابق ایک شخص کو بچھو نے کاٹ لیا تھا' وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا' اس پر نبی علیہ السلام نے اسے یہ وظیفہ بتایا جبکہ دوسری حدیث کسی ایسے خاص واقعے پر موقوف نہیں ہے اس لیے اس کی عام ترغیب پر بھی عمل کیا جائے گا۔

بَابُ كَيْفَ يَدْعُوْ لِلْمَرِيْضِ

(۴۴۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اُتِيَ بِمَرِيْضٍ يَدْعُوْ لَهٗ يَقُوْلُ اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

مریض کے لیے کیسے دعاء کرے؟

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی مریض لایا جاتا تو آپ ﷺ اس کے لیے یہ دعا کرتے تھے کہ اے لوگوں کے رب! اس کی تکلیف دور فرما' اسے شفاء عطا فرما کیونکہ تو ہی شفا دینے والا ہے' تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفاء نہیں' ایسی شفاء جو مرض کا نام ونشان بھی نہ چھوڑے۔ (مکمل ختم کردے)

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ۵۷۱۰ (۲۱۹۱)' والبخاری: ۵۶۷۵' وابوداؤد: ۳۸۹۰' والترمذی: ۳۵۶۵' وابن ماجه: ۳۵۲۰' وابن حبان: ۲۹۷۲۔

مفہوم: مریض کے پاس جا کر اسے اور اس کے لواحقین کو اس کی بیماری سے ڈرا دھمکا کر پریشان کرنا اور ان کی پریشانی میں اضافہ کرنا گو کہ اس وقت ہمارا شعار' خاندانی ذمہ داری اور قومی فریضہ بن چکا ہے لیکن اسلام کی نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں' وہ کسی بھی بیماری میں مبتلا شخص کو مایوس اور ناامید نہیں کرتا اور نہ کسی کو اس کی اجازت دیتا ہے۔

بلکہ اس کی تعلیم تو یہ ہے کہ جب بھی کسی مریض کی عیادت کے لیے جاؤ تو اس سے ایسی باتیں کرو جس سے وہ خاموشی کی مہر توڑنے پر مجبور ہو جائے اور مسکراہٹوں کا فوارہ اس کے منہ سے چھوٹنے لگے' اس کی ضروریات کی تکمیل

میں اس کے ساتھ تعاون کرو اور اگر کچھ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی صحت کے لیے دعاء ہی کر دو تا کہ اسے کچھ تو آس ہو اور اس کی ڈھارس بندھے۔

بَابُ مَا يَتعَرَّضُ بِالْبَلَاءِ مَالاَ يُطِيقُ

(٤٤٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُذِلَّ نَفْسَهٗ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ مَالاَ يُطِيْقُ۔

جو شخص ان چیزوں کے پیچھے پڑے جن کی وہ طاقت نہیں رکھتا

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرتا پھرے، کسی نے پوچھا یارسول اللہ! مسلمان اپنے آپ کو ذلیل کر سکتا ہے؟ فرمایا ان چیزوں کے پیچھے پڑے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

حل عبارت: "یذل" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ذلیل کرنا "یتعرض" باب تفعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی چھیڑ چھاڑ کرنا "لا یطیق" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے، بمعنی طاقت رکھنا۔

تخریج حدیث: اخرجه عبدالرزاق: ٢٠٧٢١، ويويده ما اخرجه البخارى: ٥٨٦١، ومسلم: ١٨٢٧ (٧٨٢) وابوداؤد: ١٣٦٨، وابن ماجه ٩٤٢، وابن حبان: ٢٥٧١۔

مفہوم: اس حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

۱۔ نبی علیہ السلام کا مقصد خاص طور پر "عبادات" کے شعبے کو نمایاں کرنا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان اتنی عبادت کرے جتنی اس میں طاقت ہو، کیونکہ اپنی طاقت اور ہمت سے آگے بڑھ کر عبادت کرنا بعض اوقات انسان کے لیے مشقت اور پریشانی کا سبب بن جاتا ہے بلکہ بعض لوگ اس کا مذاق بھی اڑاتے ہیں، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کے اوپر پانچ من وزن لاد دیا جائے حالانکہ وہ ایک من وزن بمشکل اٹھا سکتا ہو، تو لوگ اس کی توہین و تذلیل کرتے ہیں اور اس پر آوازے کستے ہیں، ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ نبی علیہ السلام کا مقصد "عمومی" ہے اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انسان اپنی طاقت و صلاحیت سے بڑھ کر کسی عہدے کو طلب کر کے لوگوں کی نگاہوں میں اپنے آپ کو ذلیل نہ کرتا پھرے، اس لیے کہ اگر وہ اس عہدہ و منصب کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکا تو لوگوں کی نگاہوں میں گر جائے گا اور اس کی عزت، ذلت سے بدل جائے گی۔

دونوں صورتوں میں اکثر اوقات انسان بیمار پڑ جاتے ہیں اس لیے اس سے منع کیا گیا اور کتاب الطب والمرضی

میں اس حدیث کو لانے کی وجہ بھی یہی مناسبت ہے۔

بَابُ مَا لَمْ يُوْلَدْ لَهُ وَلَدٌ

(٤٤٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رُزِقْتُ وَلَدًا قَطُّ وَلَا وُلِدَلِيْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَاَيْنَ اَنْتَ مِنْ كَثْرَةِ الْاِسْتِغْفَارِ وَكَثْرَةِ الصَّدَقَةِ تُرْزَقُ بِهِمَا فَكَانَ الرَّجُلُ يُكْثِرُ الصَّدَقَةَ وَيُكْثِرُ الْاِسْتِغْفَارَ قَالَ جَابِرٌ فَوُلِدَ لَهُ تِسْعَةُ ذُكُوْرٍ۔

اگر کسی شخص کے یہاں اولاد نہ ہوتی ہو تو کیا کرے؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری آدمی نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ یارسول اللہ! میرے یہاں ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، نبی علیہ السلام نے فرمایا تو تم کثرت استغفار اور کثرت صدقہ سے کہاں غفلت میں رہے؟ اس کی برکت سے تمہیں اولاد نصیب ہوگی، اس آدمی نے کثرت سے صدقہ دینا اور استغفار کرنا شروع کر دیا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس کی برکت سے اس کے یہاں نو لڑکے پیدا ہوئے۔

حل عبارت: "ما رزقت" باب نصر سے فعل ماضی منفی مجہول کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی رزق دینا "یکثر" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کثرت کرنا "فولد" باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اولاد پیدا ہونا۔

تخریج حدیث: يدل عليه الآيات والآثار، واما بهذا السياق فلم اجده، وهو من الوحدانيات لابی حنيفة الامام۔

مفہوم: یہ روایت سند کے اعتبار سے بھی بہت اہم ہے اور متن کے لحاظ سے بھی، سنداً تو اس طرح کہ یہ امام صاحبؒ کی وحدانیات میں سے ہے یعنی اس حدیث کو امام صاحبؒ نے براہ راست صحابی رسول حضرت جابرؓ سے سماعت فرمایا ہے گویا امام صاحبؒ اور نبی علیہ السلام کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے جو کتب حدیث میں سب سے عالی سند ہے۔

اور متناً اس طرح کہ اس میں اولاد آدم کے ایک بہت بڑے مسئلے کو حل کر دیا گیا ہے کیونکہ اولاد کی ہر شادی شدہ کو خواہش ہوتی ہے جس کی تکمیل کے لیے کبھی وہ درگاہوں اور درباروں پر دیگیں چڑھاتا ہے اور کبھی گھوڑوں کے نیچے سے گزرنا باعث سعادت سمجھتا ہے، کبھی منتیں مرادیں مانتا ہے اور کبھی قبروں کے طواف اور سجدہ کرتا ہے، کسی نے سچ کہا ہے اولاد ایک ایسی چیز ہے کہ اگر ہو تو سر میں درد اور نہ ہو تو دل میں درد رہتا ہے۔

نبی علیہ السلام نے حصول اولاد کا نسخہ دو کام بتائے ہیں، ایک تو بکثرت استغفار کرنا کیونکہ خود قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے میں فرمایا گیا ہے

استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین الخ

اور دوسرے کثرت سے صدقہ و خیرات کرنا کیونکہ جب ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جائے اور وہ متعلقہ آدمی کے حق میں دعا کر دے تو اللہ اس کی دعاء رد نہیں فرماتے۔

(۴۴۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِىءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لَهٗ فَهُوَ مَغْفُوْرٌ لَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ اسے بخش دے گا تو واقعۃً اسے بخش دے گا۔

تخریج حدیث: راجع له: ۱۸۷۔

مفہوم: خالق اور مخلوق، حامد اور محمود، عابد اور معبود، ساجد اور مسجود، قاصد اور مقصود، طالب اور مطلوب کا تعلق اگر اتنا مضبوط ہو جائے کہ انسان اپنے پروردگار سے وابستہ توقعات کو یقین کا درجہ دے لے تو میں اتنی بات جانتا ہوں کہ اگر کسی شخص کو دوسرے کے متعلق اپنی خوش گمانی کا علم ہو جائے تو وہ اس کی خوش گمانی کی لاج رکھ لیتا ہے، کیا انسان کو وجود عطاء فرمانے والا اپنے متعلق انسان کی خوش گمانی کی لاج نہیں رکھے گا؟ یقیناً اس سے بڑا الجپال تو کوئی نہیں ہے اس لیے وہ اس کی لاج ضرور رکھے گا۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انسان اپنی توقعات کو یقین کا درجہ دے کر اور اپنی بخشش کے بارے حق تعالیٰ کی شان مغفرت پر اعتماد کر کے گناہوں کے شہر میں داخل ہو جائے اور اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگے، اس حدیث کا مقصد تو یہ ہے کہ جو اللہ اپنے متعلق اچھے گمان اور عمدہ یقین پر اتنا کرم فرماتا ہے، وہ اپنی بندگی پر کیا کچھ نہ کرم فرمائے گا، وہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری پر کیوں نہ مغفرت کے دریا بہائے گا؟ وہ بندے کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر کیوں نہ اپنی رحمت کے سمندر بہائے گا؟ وہ اپنے بندے کے متورم قدموں کو کیوں نہ پل صراط سے صحیح سالم عبور کروائے گا۔

یقیناً یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اور ہو گا، انسان کچھ کر کے تو دکھائے۔

(۴۴۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک اللہ ہی سلام ہے اور اسی سے سلامتی ملتی ہے۔

تخریج حدیث: هو اول جزء من حديث طويل، قدمر تخريجه على الرقم: ۱۱۹۔

مفہوم: اللہ تعالیٰ کے وہ ننانوے اسماء حسنیٰ جو ترمذی شریف کی روایت میں آئے ہیں ان کا ''احصاء'' کرنے پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے، ان میں سے ایک نام ''السلام'' بھی ہے جس کا اطلاق ایسی ذات پر ہوتا ہے جو ذات کے اعتبار سے بھی

صحیح سالم ہو اور صفات کے اعتبار سے بھی' یعنی وہ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو' ہر قسم کے تغیرات سے محفوظ ہو اور ہر قسم کے زوال سے مبرا ہو' کائنات میں ایسی کوئی ہستی نہیں جس پر بلا تکلف یہ نام صادق آسکے اور سوائے خالق کائنات کے کسی پر اس کا مفہوم مکمل طور پر منطبق نہیں ہوتا۔

گویا یوں کہہ لیجیے کہ ''السلام'' کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جو سراپا سلامتی ہو' اس سے سلامتی کا فیضان ہوتا ہو اور اسی سے پوری کائنات کو سلامتی کی نعمت ملتی ہو' اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے میٹھے پانی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا اور ابلتا ہوا چشمہ کہ وہ خود بھی میٹھا پانی ہے اسی سے سب کو میٹھا پانی ملتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بھی سراپا سلامتی ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو اسی کی طرف سے سلامتی ملتی ہے۔

اگر وہ کسی چیز کو اپنی سلامتی سے محروم کر دے تو پوری کائنات مل کر بھی اسے سلامتی نہیں دے سکتی اور اگر کسی چیز کو وہ اپنی سلامتی کے سائبان تلے جگہ دے دے تو پوری کائنات مل کر بھی اس سے سلامتی کا وہ سائبان نہیں چھین سکتی اس لیے ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی سلامتی کے سائبان تلے جگہ عطاء فرما کر جن و انس اور پوری کائنات کے شر سے محفوظ فرماوے۔

کتاب الادب

آداب کا بیان

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ حُقُوْقِ الْوَالِدَیْنِ

(۳۴۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْتَ وَمَا لُکَ لِاَبِیْکَ۔

والدین کے حقوق کا بیان

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

(۳۵۰) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ رَجُلٌ یُرِیْدُ الْجِهَادَ فَقَالَ اَحَیٌّ وَالِدَاکَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِیْهِمَا فَجَاهِدْ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا جو جہاد میں شرکت کا ارادہ رکھتا تھا' نبی علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا پھر ان کے معاملات میں ہی

جہاد کرو۔

حل عبارت: ''احی'' ہمزہ برائے استفہام ہے یعنی کیا زندہ ہیں؟ ''فجاھد'' باب مفاعلہ سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی جہاد کرنا۔

تخریج حدیث اول: اخرجہ ابن حبان: ۴۱۰، ۴۲۶۲، وابن ماجہ: ۲۲۹۱، وابوداؤد: ۳۵۳۰۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجہ البخاری، ۳۰۰۴، ومسلم: ۶۵۰۴ (۲۵۴۹) والترمذی: ۱۶۷۱، وابوداؤد: ۲۵۲۹، والنسائی: ۳۱۰۵، وابن حبان: ۳۱۸۔

مفہوم: دنیا میں انسان کا وجود مادی طور پر اپنے والدین کا رہین منت ہے، اس کا نمو و ارتقاء بھی ان ہی کی محبت و شفقت کا زیر بار ہے، اور اس کی تمام علمی و عملی سرگرمیوں میں کامیابی کا سہرا ان ہی کے سر سجتا ہے، قرآن و حدیث میں ان کا مقام و مرتبہ بہت اونچا بتایا گیا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم متعدد مقامات پر انتہائی اہمیت کے ساتھ دیا گیا ہے۔

''حقوق والدین'' میں جہاں اور بہت سی چیزیں شامل ہیں، وہاں ایک چیز یہ بھی ہے کہ انسان اپنی کمائی میں ان کا حصہ بھی رکھے، جتنا کمائے سب اپنے پاس ہی نہ رکھ لے کیونکہ جب وہ کماتے تھے تو اسے اس کا حصہ دے دیتے تھے، اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اولاد جو بھی کمائے وہ سب باپ ہی لے جائے اور یہ مطلب بھی نہیں کہ اولاد اپنی کمائی میں سے ماں باپ کو کچھ بھی نہ دے۔

دراصل ہمارے معاشرے میں افراط و تفریط کے نمونے بڑی کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں چنانچہ کہیں اولاد کی ساری کمائی پر باپ ہی قابض ہوتا ہے، اولاد اپنی ضروریات کی تکمیل میں تنگ ہوتی ہے اور کہیں اولاد والدین کو پھوٹی کوڑی تک دینے کی روادار نہیں ہوتی حالانکہ اگر درمیانہ راستہ اختیار کر لیا جائے تو ہر ایک کو اس کا حق بھی مل جائے اور کسی کو کسی سے شکایت بھی نہ رہے۔

بَابُ الْاَمْرِ بِالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ

(۴۵۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ زِیَادٍ یَرْفَعُهٗ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ اَمَرَ بِالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ۔

ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کے حکم کا بیان

ترجمہ: حضرت زیاد بن علاقہ ؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا حکم دیا۔

تخریج حدیث: اخرجہ البخاری: ۵۷، ومسلم: ۲۰۰ (۵۶) والترمذی: ۱۹۲۵۔

مفہوم: ہمدردی اور خیر خواہی کے الفاظ یوں تو ڈکشنری میں اب بھی مل جاتے ہیں لیکن ہمدردی اور خیر خواہی کرنے والے افراد یا اس کا حقیقی نمونہ ہمارے معاشرے سے رخصت ہو چکا ہے، اولاً تو ہمیں کسی سے ہمدردی رہی ہی نہیں لہٰذا خیر

خواہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر کہیں اس کے کچھ اثرات نظر آتے ہیں تو وہ ذاتی مفادات اور مقاصد کے غلاف میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس میں بھی اپنا فائدہ سامنے رکھ کر ہی کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے۔

زندگی کے اس مختصر سے دورانیے میں میں نے ایسے بہت سے افراد کو دیکھا ہے جو بظاہر ہمارے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کر رہے ہوتے ہیں' ہم ان پر اعتماد کر لیتے ہیں لیکن درحقیقت وہی لوگ ہمیں نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں' وہی ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپ رہے ہوتے ہیں اور وہی موقع پرستی کا مظہر اتم ثابت ہوتے ہیں' زیر بحث حدیث میں تو صرف خیر خواہی کا حکم دینا مذکور ہے جبکہ بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق نبی علیہ السلام لوگوں سے اسلام قبول کرتے وقت ہر مسلمان کی خیر خواہی کا حلف لیتے تھے اور ان سے اس پر بیعت لیتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ

(۴۵۲) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْ مُسْلِمِ الْاَغَرِّ صَاحِبِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اَلْقَيْتُهٗ فِيْ جَهَنَّمَ۔

کبریائی اور عظمت سے متعلق روایت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری رداء اور عظمت میرا ازار ہے' جو شخص ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی مجھ سے جھگڑا کرے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا۔

(۴۵۳) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ الْمُتَكَبِّرَ رَأْسُهٗ بَيْنَ رِجْلَيْهِ حَيْثُ كَانَ يَرْتَفِعُ بِرَأْسِهٖ فِيْ تَابُوْتٍ مِنْ نَارٍ مُقَفَّلٍ عَلَيْهِ وَلَا يَخْرُجُ اَبَدًا مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ متکبر کا سر اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہوگا' کیونکہ وہ سر اٹھا کر ہی اکڑتا تھا' اور وہ آگ کے ایک تابوت میں ہوگا جس میں اسے بند کر دیا جائے گا اور وہ کبھی بھی جہنم سے نہ نکل سکے گا۔

حل عبارت: "ردائی" اوپر والی چادر کو کہتے ہیں "ازاری" نیچے والے تہبند کو کہتے ہیں "نازعنی" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جھگڑا کرنا "القیتہ" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی ڈال دینا "مقفل" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی تالا لگانا۔

تخریج حدیث: اما الحدیث الثانی فلم اجدہ واما الاول فقد اخرجہ مسلم: ٦٦٨٠ (٢٦٢٠) وابوداؤد: ٤٠٩٠' وابن

ماجه: ٤١٧٤، وابن حبان: ٥٦٧١ـ

مَفْهُوْمُ: یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

ا۔ پہلی حدیث میں کبریائی کو اللہ کی چادر اور دوسری میں عظمت کو اللہ کا تہبند جو قرار دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی چادر اور تہبند استعمال کرتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح قمیص اور شلوار ہر انسان اپنے ناپ کے مطابق سلواتا ہے اور وہ انسان کے پورے وجود کو ڈھانپ لیتے ہیں اسی طرح کبریائی اور عظمت اللہ کے ناپ کے مطابق ہیں اور وہ اللہ کی مخصوص صفات ہیں، چونکہ کسی دوسرے کا یہ ناپ نہیں اس لیے کسی دوسرے کو اسے زیب بدن کرنے کا بھی اختیار نہیں، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو خدائی صفات میں دخل اندازی کا مرتکب ہوتا ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

۲۔ چونکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو کچھ سمجھنے کا سودا انسان کے دماغ میں سماتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اس کا خناس اس کے پورے وجود پر طاری ہو جاتا ہے اس لیے تکبر کا اصل مرکز دماغ اور سر ہوا، قیامت کے دن تکبر سے لبریز اسی سر کو کسی دوسرے انسان کے نہیں، خود اپنے ہی قدموں تلے روندنے کی نوبت آجائے گی اور انسان خود اپنی ذلت کا اقرار کرے گا، پوری انسانیت کے سامنے اس ذلت آمیز عذاب سے بچنے کے لیے کیا سب سے بہتر طریقہ یہ نہیں ہے کہ انسان اپنی حقیقت پر غور کرے کہ تو ہے کیا؟ اگر سب چیزوں کو چھوڑ کر انسان صرف اس نکتے کو اپنے سامنے رکھ لے تو اس کے دماغ سے یہ خناس یوں غائب ہو جائے گا جیسے گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّفْقِ

(٤٥٤) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ شَهِدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالْاَعْرَابُ يَسْأَلُوْنَهُ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا خَيْرُ مَا اُعْطِيَ الْعَبْدُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ۔

نرمی کا بیان

تَرْجَمَةُ: حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں ایک مرتبہ حاضر تھا، کچھ دیہاتی لوگ سوال کرنے لگے کہ یارسول اللہ! انسان کو سب سے بہتر چیز کیا دی گئی ہے؟ فرمایا اخلاق حسنہ۔

(٤٥٥) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ اَنَّ الرِّفْقَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ يُرٰى لَمَا رُئِيَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى خَلْقٌ اَحْسَنَ مِنْهُ وَلَوْ اَنَّ الْخُرْقَ خَلْقٌ يُرٰى لَمَا رُئِيَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَقْبَحَ مِنْهُ۔

تَرْجَمَةُ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر نرمی اور حسن خلق جسمانی قالب میں دکھائی دینے لگے تو اللہ کی مخلوق میں اس سے بہتر کوئی مخلوق ہی نظر نہ آئے، اور اگر بدخلقی دکھائی دے تو اللہ کی مخلوق میں اس

سے زیادہ بدتر کوئی مخلوق نظر نہ آئے۔

حلِ عبارت: "یری" باب فتح سے فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی دیکھنا "لما" لام ابتدائیہ اور ما نافیہ ہے "الخرق" زیادتی، مراد بدخلقی۔

تخریج حدیث اول: اخرجه ابوداؤد مطولاً: ٣٨٥٥، والترمذی: ٢٠٣٨، وابن ماجه: ٣٤٣٦، وابن حبان: ٦٠٦١، واحمد: ١٨٦٤٥، والحاكم: ١٢١/١۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه الخرائطی فی مکارم الاخلاق ومساویها، کذا قاله القاری، والحارثی فی مسنده: ٥٢٤۔

مفہوم: عام طور پر ہم یہ پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں اور یہ صحیح بھی ہے کہ حسن خلق دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے اور اچھے اخلاق رکھنے والا ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے لیکن یہاں ہم سے ایک غلطی ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ ہم حسن خلق یا اخلاق حسنہ کا مفہوم صرف ہنسنے اور مسکرانے کی حد تک محدود سمجھتے ہیں، ہمارا ذہن یہ کہتا ہے کہ جو شخص ہمارے ساتھ پوری بتیسی ہی نہیں جبڑا بھی کھول کر بات کرے، بات بے بات دانت نکالتا رہے اور جی حضوری کرتا رہے اس سے بڑھ کر خوش اخلاق پوری دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا گویا ہمارے نزدیک خوش اخلاقی خوشامد اور چاپلوسی کا دوسرا نام بن چکا ہے جس میں مسکراہٹ کی آمیزش اس شراب کو مزید دو آتشہ بنا دیتی ہے لیکن معاف کیجیے گا کہ یہ خوش اخلاقی نہیں ہے۔

اخلاق حسنہ کی فہرست اور تفصیل پر غور کریں تو ہمیں اخلاق حسنہ کے بڑے بڑے علمبردار اس سے کوسوں میل دور دکھائی دیں گے مثلاً شکر، صبر، قناعت، توکل، شجاعت، سخاوت، بردباری اور اپنے فرائض کی بجا آوری وغیرہ، یقیناً جن میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں انہیں اخلاق حسنہ کا مالک کہا جا سکتا ہے۔

آسان لفظوں میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کائنات میں اگر کسی قالب کو اخلاق حسنہ کا نام دیا جاتا، جیسے حیوان ناطق کو انسان کا نام دیا گیا، اور اس کا جسم معروف شکل پر تخلیق کیا گیا، حیوان مفترس کو شیر کا نام دے کر ایک مخصوص شکل وصورت دی گئی، یوں ہی اگر اخلاق حسنہ کو کوئی جسم عطاء کیا جاتا تو پوری کائنات میں اس سے زیادہ بہتر اور خوبصورت مخلوق کوئی نہ ہوتی، اسی طرح اگر بدخلقی کو کسی قالب میں ڈھال دیا جاتا تو اس سے زیادہ بدترین صورت کوئی نہ ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ اخلاق حسنہ کا مالک ہر جگہ احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی خیر مجسم چلا آ رہا ہے، جبکہ بداخلاق شخص سے لوگ اسی طرح دور بھاگتے ہیں جیسے کسی بدصورت سے نفرت کھاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شَمَائِلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(٤٥٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَخْرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيْسٍ لَهٗ قَطُّ

بَلْ يَقْعُدُ مُسَاوِيًا لَهُمْ وَلَا تَنَاوَلَ اَحَدٌ يَدَهٗ فَيَتْرُكَهَا قَطُّ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ يَدَعُهَا وَمَا جَلَسَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَحَدٌ قَطُّ فَقَامَ حَتّٰى يَقُوْمُ قَبْلَهٗ وَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا قَطُّ اَطْيَبَ مِنْ رِيْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ مَا قَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلٌ فِیْ حَاجَةٍ فَانْصَرَفَ عَنْهُ قَبْلَهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَافَحَ اَحَدًا لَا يَتْرُكُ يَدَهٗ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ هُوَ الَّذِیْ يَتْرُكُ۔

شمائل نبوی کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے ہم مجلسوں کے سامنے ٹانگیں نہیں پھیلائیں' بلکہ ہمیشہ ان کے برابر بیٹھتے تھے' اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے آپ کا ہاتھ پکڑا ہو اور آپ ﷺ نے اسے چھڑا لیا ہو تا آنکہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص مجلس میں آ کر بیٹھے اور نبی علیہ السلام اس سے پہلے کھڑے ہو جائیں اور میں نے نبی علیہ السلام کے جسد اطہر کی مہک سے زیادہ کوئی خوشبو دار چیز نہیں پائی۔

حل عبارت: "یقعد" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی بیٹھنا "لا تناول" باب تفاعل سے فعل ماضی منفی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی پانا' مراد پکڑنا "صافح" باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مصافحہ کرنا۔

تخریج حدیث: الحدیث مشتمل علی ثلاثۃ اجزاء' اما الاول: فقد اخرجہ الترمذی فی الشمائل۔

واما الثانی: فقد اخرجہ ابو داؤد: ٤٧٩٤' والترمذی: ٢٤٩٠' وابن ماجہ: ٣٧١٦' وراجع لہ ایضاً: ٣٥٩۔

واما الثالث: فقد سبق تخریجہ علی الرقم: ٣٥٩۔ والمجموع اخرجہ الترمذی: ٢٤٩٠۔

مفہوم: ماہ ربیع الاول میں حلوے کے جلوے دیکھ کر ہر شخص سیرت نبوی ﷺ کی اتباع و پیروی میں کامیابی اور نجات کو مضمر قرار دیتا ہے اور اسی مجلس کے اختتام پر جب کھانے کی میز لگتی ہے تو اسے وی آئی پی پروٹوکول درکار ہوتا ہے' اسے مائیک سے دور ہوتے ہی سامعین اور عوام کی نگاہیں ناگوار گزرتی ہیں' ان کے ساتھ چند لمحے بیٹھنے سے پہلے فوٹوگرافر کا ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ اگلے دن اخبارات میں تصور چھپ سکے' مجلس میں قدم رنجہ ہوتے ہی پوری قوم کا احترام میں کھڑے ہونا فرض خیال کیا جاتا ہے' کیسی عجیب بات ہے کہ جس پیغمبر کی نسبت سے ہمارے گھروں کے چولہے جل رہے ہیں وہ ہمیشہ کمزوروں اور غریبوں کے ساتھ بیٹھے' کسی امتیاز اور پروٹوکول کے بغیر بیٹھے' بجائے اس کے کہ لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہوں وہ لوگوں کے احترام میں خود کھڑے ہو جاتے تھے' ان کا تو یہ عمل اور ہمارے یہ طور طریقے؟ کہیں تو عمل کی

جھلک دکھائی دے جاتی۔

(۴۵۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلاً نَادٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَنْزِلِهٖ فَقَالَ لَبَّيْكَ قَدْ اَجَبْتُكَ فَخَرَجَ اِلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی علیہ السلام کو آپ کے گھر میں سے آواز دے کر بلایا، آپ ﷺ نے فرمایا میں حاضر ہوں، آ رہا ہوں، پھر باہر تشریف لے آئے۔

حلِ عبارت: "اجبتك" باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی جواب دینا، ایجاب کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری فی ضمن حديث طويل: ٦٣، وابوداؤد: ٤٨٦، وابن ماجه: ١٤٠٢، وابن حبان: ١٥٤، والهيثمی: ٢٠/٩۔

مفہوم: دربانوں، گن مینوں، محافظوں اور سکیورٹی اہلکاروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے والے ذرا اس نکتے پر غور فرمائیں کہ اگر نبی علیہ السلام اپنے ساتھ اپنے گھر کے دروازے پر دربان بٹھانا چاہتے تو کیا دربانی کرنے والا اپنی قسمت پر نازاں نہ ہوتا؟ یقیناً ایسا ہی ہوتا لیکن امت اس عدل و انصاف سے محروم ہو جاتی جس کی راہ میں دربان سب سے بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں، امت اس مصلح کی رفاقت سے محروم ہو جاتی جس میں گن مین اور محافظ دستے حائل ہو جاتے ہیں، امت اس مساوات سے محروم ہو جاتی جو اسے نبی علیہ السلام کے برابر بیٹھ کر حاصل ہوئی تھی، امت زندگی کے ان بکھیڑوں میں الجھ کر رہ جاتی جنہیں سلجھانے کے لیے آپ ﷺ کو بھیجا گیا تھا۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ موجودہ حالات میں حکمران طبقہ سکیورٹی کی پرواہ نہ کرے لیکن اتنی بات ضرور کہتا ہوں کہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے دستیاب رہیں۔

بَابُ مَنْ لَمْ يُصَافِحِ النِّسَاءَ

(۴۵۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ اَتَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ لِاُبَايِعَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ لَسْتُ اُصَافِحُ النِّسَآءِ۔

عورتوں سے مصافحہ نہ کرنے کا بیان

ترجمہ: حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ آپ سے بیعت کر سکوں، نبی علیہ السلام نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٢٧١٣، ومسلم: ٤٨٣٤ (١٨٦٦)، وابوداؤد: ٢٩٤١، والترمذی: ٣٣٠٦، وابن ماجه: ٢٨٧٥، وابن حبان: ٥٥٨٠، واحمد: ٢٥٣٣٤٠، والحميدی: ٣٤١، وابن سعد: ٩٥٥٤۔

مَفْهُوْم : ہمارے یہاں کے نام نہاد اور جعلی پیر تو عورتوں سے مصافحہ پر اکتفاء نہیں کرتے' وہ تو اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں جنہیں پڑھ اور سن کر گھن آتی ہے' دین کے تقدس کو پامال کرنے والے ان نقلی پیروں نے دین کا تقدس بحال کرنے والوں کو بھی بدنام کر رکھا ہے اور ہمارے عوام بھی ماشاء اللہ ایسے عقلمند ہیں کہ چرس کے سوٹے لگانے والے بھنگیوں اور چرسیوں کو پہنچی ہوئی سرکار سمجھتے ہیں' قابل غور بات یہ ہے کہ حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ سے بڑھ کر کون پیر ہو سکتا ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے کبھی کسی اجنبی عورت کو چھوا تک نہیں' یہ احتیاط اس صورت میں ہے جبکہ آپ ﷺ معصوم بھی تھے' غیر معصوم کے لیے کس قدر احتیاط ضروری ہوگی اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجیے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَقْبَلِ الْعُذْرَ

(٤٥٩) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَقْبَلْ عُذْرَ مُسْلِمٍ يَعْتَذِرُ اِلَيْهِ فَوِزْرُهٗ كَوِزْرِ صَاحِبِ مُكْسٍ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا صَاحِبُ مُكْسٍ قَالَ عَشَّارٌ۔

تَرْجَمَہ : حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان کا عذر قبول نہ کرے جو اس سے معذرت کر رہا ہو تو اس کا گناہ ایسے ہی ہے جیسے صاحب مکس کا گناہ' کسی نے پوچھا یارسول اللہ! صاحب مکس کیا چیز ہے؟ فرمایا عشر وصول کرنے میں ظلم کرنے والا۔

(٤٦٠) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اعْتَذَرَ اِلَيْهِ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ فَلَمْ يَقْبَلْ عُذْرَهٗ فَوِزْرُهٗ كَوِزْرِ صَاحِبِ مُكْسٍ يَعْنِىْ عَشَّارًا۔

تَرْجَمَہ : اس کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حَلِّ عِبَارَت : "لم یقبل" باب سمع سے نفی جحد بلم معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قبول کرنا "یعتذر" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی معذرت کرنا "وزر" بوجھ' گناہ' "مکس" ظلم و زیادتی "عشار" عشر سے ہے بمعنی وصولی عشر میں ظلم کرنے والا۔

تَخْرِیجِ حَدِیث : اخرجهما ابن ماجه: ٣٧١٨۔

مَفْهُوْم : بعض اوقات ہم اپنے ماتحت سے کوئی کام کرنے کے لیے کہتے ہیں اور اسے کوئی ذمہ داری سونپتے ہیں اور وہ کسی وجہ سے اس ذمہ داری کو پورا نہ کر سکا ہو تو ہم اس سے ناراض ہوتے ہیں اور اس پر غصہ کا اظہار کرتے ہیں بالخصوص جبکہ وہ ہمارا ملازم یا تنخواہ دار بھی ہو' اور اس سلسلے میں ہم اس کا کوئی عذر سننے کو تیار نہیں ہوتے' اور یہ نہیں سوچتے کہ ہر انسان کو مجبوری پیش آ سکتی ہے اس لیے اگر اسے بھی کوئی مجبوری پیش آ گئی ہے تو ہم درگزر سے کام لے لیں اور یہ تصور کر لیں کہ نبی علیہ السلام نے اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تم سے یہ کام کرنے کے لیے کہا تھا' تم نے

کیوں نہیں کیا؟ یا تم نے یہ کیوں کیا؟ میں نے تو تمہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور اس کا عذر قبول کر لیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اندر سے حوصلہ بردباری اور دوسرے کی بات سننے کا جذبہ رخصت ہو چکا ہے' نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ہر ایک سے شکایت ہوتی ہے' ہر ایک پر زبان طعن دراز ہوتی ہے اور کسی کی بات سن کر اس پر اعتماد کرنے کی بات قصہ پارینہ بن چکی ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَرُدَّ الطِّيبَ

(٤٦١) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ اِذَا اُتِىَ اَحَدُكُمْ بِطِيْبٍ فَلْيُصِبْ مِنْهُ۔

خوشبو نہ لوٹانے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے پاس خوشبو لائی جائے تو اسے چاہیے کہ اس میں سے لگا لے۔

حل عبارت: "فلیصب" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پہنچانا۔

تخریج حدیث: اخرج مسلم مثلہ: ٥٨٨٣ (٢٢٥٣) وابوداؤد: ٤١٧٢' وابن حبان: ٥١٠٩' والنسائی: ٥٢٦١' وابن عدی: ٢١٩/٤٦۔

مفہوم: "خوشبو" فارسی زبان کا مرکب لفظ ہے جس کا معنی ہے اچھی مہک' فطری اور طبعی طور پر اچھی مہک اور خوشبو کی طرف ہر انسان کو میلان ہوتا ہے' نہ صرف یہ کہ انسان کو بلکہ فرشتوں کو بھی اس سے رغبت اور بدبو سے نفرت ہے یہی وجہ ہے کہ مسجد اور دینی مجالس میں خوشبو لگا کر جانے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے اور چونکہ نبی علیہ السلام فرشتوں سے بھی اونچا درجہ رکھتے ہیں اس لیے خوشبو کی طرف آپ کا میلانِ طبعی بھی واضح ہے' یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ خود بھی خوشبو کا ہدیہ رد نہیں فرماتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی اس بات کی تلقین فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خوشبو بطور ہدیہ کے پیش کرے تو اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔

یوں تو خوشبو کی بہت سی اقسام اب بھی رائج ہیں جن میں سے بعض سونے سے بھی زیادہ مہنگی ہوتی ہیں تاہم "مشک" ایک ایسی خوشبو ہے جس کا قرآن و حدیث میں بھی تذکرہ آتا ہے اور ہر عام و خاص میں اس کی شہرت بھی ہے' اس اعتبار سے وہ خوشبویات میں دوسروں سے منفرد اور ممتاز ہے۔

بَابُ النَّظَرِ فِى النُّجُوْمِ

(٤٦٢) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ النَّظَرِ فِى النُّجُوْمِ۔

ستاروں میں دیکھنے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستاروں میں دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الهندی: ۲۹٤۳٦' وابن عدی: ۱۹۱٦/٥' والسیوطی فی الدر: ۳/۳٥۔

مفہوم: اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان کی چھت پر ستاروں کی شکل میں جو ان گنت اور لاتعداد روشن فانوس لٹکا رکھے ہیں، وہ صرف روشنی ہی کا کام نہیں دیتے بلکہ شیاطین کے لیے کوڑوں کا کام بھی دیتے ہیں اور راہبر و منزل کو راستہ دکھانے اور راستہ بتانے کے دونوں کام بھی کرتے ہیں چنانچہ ان کی روشنی میں مسافر اپنی منزل تک پہنچانے والے راستے کو دیکھتا ہے اور انہی کے ذریعے وہ اپنی منزل کا اندازہ لگاتا ہے۔

گویا بعض ستارے ایسے بھی ہیں جن سے منزلِ مقصود کا اندازہ ہو جاتا ہے اور شریعت کے کسی حکم کی نفی بھی نہیں ہوتی، لیکن جہاں حکمِ شریعت کی نفی ہوتی ہے وہاں شریعت خود ہی اس کے آگے بند باندھ دیتی ہے چنانچہ زیر بحث حدیث میں ستاروں میں دیکھنے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس کا تعلق علم نجوم کے ساتھ ہے جسے آج کل ایک بہت بڑا فن سمجھا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنے مسائل و مشکلات کے حل کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو طوطا نجومی کے پاس آنے والوں کی قسمت کا حال جانتا ہے، وہ طوطا زیادہ بڑا عالم ہوا یا نجومی؟ پھر وہ طوطا دوسروں کو ان کی قسمت کا حال بتا سکتا ہے، اپنے مالک کی قسمت کا حال کیوں نہیں بتا سکتا؟ اسی طرح وہ نجومی جو ستاروں کی چال دیکھ کر حالات کا اندازہ لگا لیتا ہے خود کیوں مصائب سے دوچار ہوتا ہے اور کسمپرسی کی زندگی گزارتا ہے؟

یہ سب واہیات اور لغویات ہیں جن میں گھسنے سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَدْخُلِ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِئْزَرٍ

(٤٦٣) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّدْخُلَ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِيْزَرٍ وَلَمْ يَسْتُرْ عَوْرَتَهٗ مِنَ النَّاسِ كَانَ فِىْ لَعْنَةِ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ۔

تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہونے کا بیان

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، حلال نہیں کہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل ہو، اور اس نے اپنی شرمگاہ کو لوگوں سے چھپا نہ رکھا ہو، کیونکہ ایسا کرنے والا اللہ کی، فرشتوں اور تمام مخلوق کی لعنت میں ہوتا ہے۔

حلِ عبارت: "بميزر" اسم آلہ کا صیغہ ہے بمعنی تہبند "عورته" شرمگاہ "لم يستر" باب نصر سے نفی جحد بلم معروف

کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھپانا۔

تخریج حدیث: اخرج الترمذی مثله: ٢٨٠١' واحمد: ٨٢٥٨' وابوداؤد: ٤٠١١' وابن ماجه: ٣٧٤٨۔

مفہوم: ماضی بعید میں لوگوں کے نہانے کے لیے جو حمام بنے ہوتے تھے' ان میں سب سے بڑا خرابی یہ ہوتی تھی کہ مرد مردوں کے سامنے برہنہ ہو کر نہانے میں کوئی عار اور شرم محسوس نہ کرتے اور عورتیں عورتوں کے سامنے برہنہ ہونے میں شرم محسوس نہ کرتیں' پھر مردوں اور عورتوں کے حمام ساتھ ساتھ بنے ہوتے تھے' درمیان میں صرف ایک دیوار کا فاصلہ ہوتا تھا' ظاہر ہے کہ کوئی بھی غیرت مند انسان اس طریقے کو اچھا نہیں سمجھتا اس لیے نبی علیہ السلام نے سب سے پہلے تو خواتین کے حمام میں جانے پر پابندی لگائی' پھر حمام میں مردوں کو ایک دوسرے کے سامنے مکمل طور پر برہنہ ہونے کی قباحت کو واضح کرتے ہوئے اس کی بھرپور مذمت فرمائی۔

موجودہ دور میں جو حمام بنے ہوئے ہیں' ان میں بھی اگر یہ قباحت ہو تو وہاں جانا حرام ہے اور اگر یہ قباحت نہ ہو جیسا کہ عام طور پر شہروں میں حجام کی دکان میں غسل خانے ہوتے ہیں کہ ہر مرد کے غسل کے لیے الگ کیبن بنے ہوتے ہیں اور کسی کے ستر پر دوسرے کی نظر نہیں پڑتی اور وہ صرف مردوں کے لیے ہی مخصوص ہوتے ہیں' ان میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے البتہ طبعی طور پر آدمی وہاں غسل کرنے میں حجاب محسوس کرے تو اور بات ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ اَحَبِّ الْاَسْمَاءِ

(٤٦٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ اَحَبَّ الْاَسْمَاءِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَبْدَاللّٰهِ وَعَبْدَالرَّحْمٰنِ۔

سب سے زیادہ پسندیدہ ناموں کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن معلوم ہوتے تھے۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ٥٥٨٧ (٢١٣٢) وابوداؤد: ٤٩٤٩' والترمذی: ٢٨٣٣' وابن ماجه: ٣٨٢٨' والهندی: ٤٥١٩٤' والحاكم: ٢٧٤/٤' والبيهقی: ٣٠٦/٩' واحمد: ٦١٢٢۔

مفہوم: نام نہاد ترقی کے اس دور میں یہ فیشن بن چکا ہے کہ بچے کا نام ایسا ہونا چاہیے جسے ادا کرنے کے لیے زبان کو پانچ مرتبہ موڑنا اور توڑنا پڑے' اور جو اس سے پہلے کسی نے سنا نہ ہو' فیشن کی اس دوڑ میں حصہ لینے والے یہ تک بھول جاتے ہیں کہ آیا اس نام کا کوئی معنی بھی ہے یا یہ مہمل لفظ ہے؟ نیز یہ کہ اگر اس کا کوئی معنی ہے تو وہ صحیح بھی ہے یا غلط؟ مثلاً ایک آدمی اپنی بچی کا نام ''عاصیہ'' رکھ دے کہ عاصمہ اور آسیہ تو سب ہی نام رکھتے ہیں' ہم ذرا تھوڑی سے جدت پیدا کر لیں' اب جدت تو ہو گئی لیکن معنی کہاں سے کہاں پہنچ گیا کہ عاصمہ کا معنی بچانے والی اور آسیہ کا معنی امید رکھنے والی' جبکہ عاصیہ کا

معنی نافرمانی کرنے والی۔

فیشن کے انا جدید کارناموں سے واقفیت حاصل ہونے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آخر نبی ﷺ نے عبداللہ اور عبدالرحمٰن جیسے ناموں کو کیوں پسند فرمایا؟ اور بے بمعنی ناموں کو غلط معنی رکھنے والے کو یا اپنی بڑائی پاکیزگی اور برتری ثابت کرنے والے ناموں کو کیوں دوسرے ناموں سے تبدیل کیا؟

اور اسی سے اندازہ ہوا کہ ایسی جدت جس کے غلط اثرات جدید نسل پر پڑیں اس سے وہ قدامت ہی بہتر ہے جس سے جدید نسل اچھے اثرات اخذ کر سکے اس لیے کہ ناموں کا بھی شخصیت پر اثر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ''پرویز'' جن لوگوں کا نام ہو انہیں نبی ﷺ سے کوئی عقیدت و محبت نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ خواہ پوری دنیا کے مسلمان گستاخانہ خاکوں اور فلم پر سراپا احتجاج بن جائیں لیکن اس نام کے لوگ اپنے جد امجد کسریٰ پرویز شاہ ایران کے نقش قدم پر چلنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبِرِّ وَالْاِثْمِ

(٤٦٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْبِرُّ لَا يُبْلٰى وَالْاِثْمُ لَا يُنْسٰى۔

نیکی اور گناہ کے حکم کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا۔

حل عبارت: '' لا یبلی'' باب سمع سے فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی پرانا ہونا ''لا ینسی'' مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بھول جانا۔

تخریج حدیث: اخرجه عبدالرزاق : ٢٠٢٦٢، والهندى: ٤٣٦٧٢۔

مفہوم: حضور نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والا یہ ارشاد ''جوامع الکلم'' میں سے ہے جو مسلم شریف کی روایت کے مطابق نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ الفاظ مختصر ہوں اور ان کے معانی و مفاہیم لامحدود وسعتوں کے حامل ہوں چنانچہ آپ خود غور کر لیجیے کہ نیکی پرانی نہیں ہوتی کتنا پیارا اور مختصر جملہ ہے اور اپنے اندر کتنی گہرائی رکھتا ہے کہ نیکی ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتی ہے پرانی ہو کر مرجھا نہیں جاتی نیکی ہمیشہ یاد رکھی جاتی ہے اور لوگوں میں اس کا اچھا تذکرہ ہمیشہ رہتا ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ نیکی ایک لازوال دولت ہے جو اپنے ساتھ ساتھ نیکی کرنے والے کو بھی لازوال بنا دیتی ہے۔

اسی طرح لوگوں کے حافظے سے کسی گناہ کو بھی نہیں بھلایا جا سکتا اور اس کی ''برکت'' سے گناہگار بھی لوگوں کو یاد رہتا ہے' لوگ ہمیشہ اس سے نفرت کرتے ہیں اور اچھے الفاظ میں اس کا تذکرہ نہیں کرتے' یہی وجہ ہے کہ کسی یتیم کے مال پر غاصبانہ قبضہ کرنے والا' کسی بیوہ کے حق پر ڈاکہ ڈالنے والا' اپنی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرنے والا' سود' رشوت اور جوے کے ذریعے دولت کے انبار اکٹھے کرنے والا' شراب و شباب کی رنگین محفلوں میں اپنوں سے چھپ کر جانے والا کبھی بھی اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا جاتا' لوگ اسے اور اس کی کرتوتوں کو بھلا نہیں پاتے۔

اور دوسری تقریر اس حدیث کی یہ ہے کہ انسان کو اس کی نیکی کا صلہ بہرحال مل کر رہے گا اور گناہگار کو اس کی سزا مل کر رہے گی' نیکی کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ اس کی نیکی تو بہت پرانی ہوگئی' اتنے عرصے کے بعد اس کا بدلہ کیونکر مل سکے گا اور گناہگار یہ نہ سمجھے کہ میں اب تک جو آزاد پھر رہا ہوں' محسوس ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا گناہ بھول گئے ہیں اور اب مجھے سزا نہیں ملے گی' اس لیے کہ بارگاہ خداوندی کا ضابطہ یہ ہے کہ کوئی نیکی پرانی نہیں ہوتی اور کوئی گناہ بھلایا نہیں جاتا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الرَّجُلُ اَيْنَ يَقْعُدُ اِذَا اَتَى الْمَجْلِسَ

(٤٦٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِىَّ ﷺ قَعَدْنَا حَيْثُ اِنْتَهَى الْمَجْلِسُ۔

جب آدمی مجلس میں آئے تو کہاں بیٹھے؟

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ ہم جب نبی علیہ السلام کی مجلس میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔

حل عبارت: ''انتھی'' باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ختم ہونا' انتہا کو پہنچنا۔

تخریج حدیث: اخرجہ ابوداؤد: ٤٨٢٥' والترمذی: ٢٧٢٥' وابن حبان: ٦٤٣٣' واحمد: ٢١١٤٥۔

مفہوم: صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ طرز عمل نبی علیہ السلام کے اس طرز عمل کی مکمل تقلید اور اتباع ہے جو شمائل ترمذی میں منقول ہے کہ خود نبی علیہ السلام اگر کسی مجلس میں شرکت فرماتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اور جگہ ملتی وہیں تشریف فرما ہو جاتے' صدر نشین بننے اور سٹیج تک پہنچنے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا نبی علیہ السلام کی سنت تھی اور نہ ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ

(٤٦٧) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا

يَشْكُرُ النَّاسَ۔

جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے

تَرْجَمَہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ شخص اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔

حَلِّ عِبَارَت: "لا یشکر" باب نصر سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکر کرنا اور لفظ اللہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

تَخْرِیجِ حَدِیث: اخرجه ابوداؤد: ٤٨١١، والترمذی: ٢٠٣٨، وابن حبان: ٢٠٧٠، والطيالسی: ٣٤٩١، واحمد: ٧٩٢٦

مَفْهُوم: زیر توضیح روایات میں زندگی کے ایسے آداب اور زریں اصول سامنے آرہے ہیں کہ اگر کوئی شخص یا معاشرہ ان کی پاسداری کرنا شروع کر دے تو اس کے مثالی ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں رہے گا، اسی بات کو دیکھئے کہ جس میں لوگوں کا شکریہ اور ان کے احسانات کا اعتراف کرنے کا جذبہ اور ہمت نہیں ہے وہ اللہ کا شکر کہاں ادا کرے گا اور اس کے احسانات کا اعتراف کیونکر کرے گا؟

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں احسان فراموشی کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ ایک قابل مذمت چیز ہے، نیز شریعت یہ چاہتی ہے کہ انسان دوسروں کے احسانات کا اعتراف کرے، طوطا چشمی کا مظاہرہ نہ کرے تاکہ اس کے دل میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

جبکہ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم لوگ کسی کا احسان ماننا اور اس کا اعتراف کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، اس مہربانی اور احسان کو بھی کسی سازش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور ذاتی مفادات کا حصہ گردانتے ہیں حالانکہ یہ تو قرآن کا اصول ہے۔

لئن شکرتم لا زیدنکم

بَابُ التَّوَقِّی عَنِ الظُّلْمِ

(٤٦٨) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِيَّاكَ وَالظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

ظلم سے بچنے کا بیان

تَرْجَمَہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن

اندھیروں کی شکل میں ہوگا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۲۴۴۷، ومسلم: ٦٥٧٦ (۲۵۷۸) والترمذی: ۲۰۳۰۔

مفہوم: یہاں ظلم کی صورتیں بیان کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کی جامع اور مانع تعریف ذکر کر دی جائے تاکہ اس کی مختلف صورتیں اور مثالیں خود بخود ہر شخص کی سمجھ میں آ جائیں، چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ ظلم کا معنی ہے

"وضع الشیء فی غیر محله"

یعنی جس چیز کا جو مقام بنتا ہے، اسے وہاں سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دینا ظلم کہلاتا ہے مثلاً ٹوپی کا مقام سر اور جوتی کا مقام پاؤں ہے، اگر کوئی شخص ٹوپی کو پاؤں اور جوتی کو سر پر رکھ دے تو اسے ظالم کہا جائے گا؟

اس سے معلوم ہوا کہ ظلم کا تعلق زندگی کے کسی خاص شعبے سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبے اور ہر لمحے سے ہوسکتا ہے اور اسی مناسبت سے قرآن کریم میں شرک کو بھی ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ الوہیت کا مقام صرف پروردگار عالم کو حاصل ہے، کسی اور کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا گویا الوہیت کو اس کے غیر محل میں رکھنا ہے اور یہی ظلم ہے۔

اس اعتبار سے یہ حدیث بھی ''جوامع الکلم'' میں سے ہے جس کے تحت بہت سی مثالیں ذکر کی جاسکتی ہیں۔

بَابُ مَنْ اَخَذَ الشَّیْءَ لِاَخِیْهِ بِغَیْرِ اِذْنِهٖ

(۴۶۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ زَارَ قَوْمًا مِنَ الْاَنْصَارِ فِیْ دِیَارِهِمْ فَذَبَحُوْا لَهٗ شَاةً وَصَنَعُوْا لَهٗ مِنْهَا طَعَامًا فَاَخَذَ مِنَ اللَّحْمِ شَیْئًا فَلَاکَهٗ فَمَضَغَهٗ سَاعَةً لَا یُسِیْغُهٗ فَقَالَ مَا شَانُ هٰذَا اللَّحْمِ فَقَالُوْا شَاةٌ لِفُلَانٍ ذَبَحْنَاهَا حَتّٰی یَجِیْءَ فَنُرْضِیَهٗ مِنْ ثَمَنِهَا قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَطْعِمُوْهَا الْاُسَرَآءَ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ صَنَعَ طَعَامًا فَدَعَاهُ فَقَامَ اِلَیْهِ النَّبِیُّ ﷺ وَقُمْنَا مَعَهٗ فَلَمَّا وُضِعَ الطَّعَامُ تَنَاوَلَ النَّبِیُّ ﷺ بِضْعَةً مِنْ ذٰلِكَ اللَّحْمِ فَلَاکَهَا فِیْ فِیْهِ طَوِیْلًا فَجَعَلَ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّاْکُلَهَا فَاَلْقَاهُ مِنْ فِیْهِ وَاَمْسَكَ عَنِ الطَّعَامِ فَقَالَ اَخْبِرْنِیْ عَنْ لَحْمِكَ هٰذَا مِنْ اَیْنَ هُوَ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ شَاةٌ کَانَتْ لِصَاحِبٍ لَنَا فَلَمْ یَکُنْ عِنْدَنَا فَنَشْتَرِیَهَا مِنْهُ وَعَجَّلْنَا بِهَا وَذَبَحْنَاهَا وَوَضَعْنَاهَا لَكَ حَتّٰی یَجِیْءَ فَنُعْطِیَ ثَمَنَهَا فَاَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ بِرَفْعِ هٰذَا الطَّعَامِ وَاَمَرَ اَنْ یُّطْعِمَهُ الْاُسَرَاءَ قَالَ عَبْدُالْوَاحِدِ قُلْتُ لِاَبِیْ حَنِیْفَةَ مِنْ اَیْنَ اَخَذْتَ هٰذَا الرَّجُلَ یَعْمَلُ فِیْ مَالِ الرَّجُلِ بِغَیْرِ اِذْنِهٖ یَتَصَدَّقُ بِالرِّبْحِ قَالَ اَخَذْتُهٗ مِنْ حَدِیْثِ عَاصِمٍ۔

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابو بردہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ انصار کے ایک علاقے میں ان کی ایک جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے' انہوں نے نبی علیہ السلام کی مہمان نوازی کے لیے بکری ذبح کی اور اس کا کھانا تیار کیا' نبی علیہ السلام نے اس کی ایک بوٹی اٹھائی اور اسے منہ میں ڈالا' کچھ دیر تک آپ ﷺ اسے چباتے رہے لیکن وہ حلق سے نیچے نہ اتر سکی' پوچھا کہ اس بکری کا کیا قصہ ہے؟ اہل خانہ نے بتایا کہ یہ فلاں شخص کی بکری ہے' جو ہم نے ذبح کر لی ہے' وہ آئے گا تو اسے قیمت دے کر منا لیں گے' نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ قیدیوں کو کھلا دو۔

حل عبارت: "فلاکہ" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی لقمہ چبانا' منہ میں گھمانا' "لا یسیغہ" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی موافق نہ آنا "فنرضیہ" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی راضی کرنا "الاسراء" اسیر کی جمع ہے بمعنی قیدی۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ۳۳۳۲' والدارقطنی: ۴/۲۸۵۔

مفہوم: فقہاء کرام نے اس حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی توانائیاں امت کی بھلائی کی خاطر اسی نیک کام میں خرچ کرنے کا عزم کر رکھا ہے جس پر ہم ان کے شکر گزار اور ان کے لیے دعاء گو ہیں' ان فقہی مسائل کو فقہی کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے ہمارے لیے اس حدیث میں دلچسپی کا نقطہ نبی علیہ السلام کی وہ فضیلت ہے جو اس حدیث کا مدار ہے اور وہ یہ کہ پروردگار عالم نے نبی علیہ السلام کی یہاں تک حفاظت فرمائی کہ ایک مشتبہ غذاء کو آپ کے جسم کا حصہ نہیں بننے دیا' خیال کیا جا سکتا ہے کہ محرمات سے حفاظت کس درجے ہوگی؟

پھر جس ذات کو مشتبہ اور حرام غذاؤں سے بچایا گیا ہو' کیا یہ ممکن ہے کہ اسے مشتبہ اور مشکوک شخصیات و افراد سے نہ بچایا گیا ہو؟ جس ذات کے معدہ نے ایک مشتبہ چیز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو' کیا یہ ممکن ہے کہ اس کا قلب و دماغ کسی مشکوک شخصیت کو قبول کر لیتا؟ یقیناً یہ ناممکن ہے اور اسی وجہ سے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے تمام صحابہ کرامؓ ہمارے لیے معیار نجات اور راہ ہدایت کا چمکتا دمکتا ستارہ ہیں جن میں سے کسی ایک کی راہنمائی بھی ہمیں جنت تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔

اس حدیث پر ایک دوسرے نقطہ نظر سے نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ جس شخص کی زبان پر ایک مشتبہ بوٹی نہ ٹھہر سکی' کیا اس پر شیطانی کلام ٹھہر سکے گا؟ بھلا جس کے حلق سے ایک مشکوک غذا کا ایک لقمہ نہ اتر سکا' اس کی زبان سے نکلنے والے کسی لفظ میں شک کی راہ اختیار کرنا صحیح ہوگا' کیا اس کے ارشادات کو محض انسانی کلام قرار دے کر اقوال زریں کے درجے پر فائز کرنا صحیح ہوگا؟ یقیناً نہیں' کیونکہ اللہ نے ہر مشتبہ چیز سے ان کی حفاظت فرمائی ہے اور خدائی وعدہ ہے

والله يعصمك من الناس

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ

(۴۷۰) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔

نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والے کا بیان

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا بھی ایسے ہی ہے جیسے نیکی کرنے والا۔

(۴۷۱) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا بھی ایسے ہی ہے جیسے نیکی کرنے والا۔

(۴۷۲) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَاسْتَحْمَلَهٗ فَقَالَ مَا عِنْدِيْ مَا اَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ سَاَدُلُّكَ عَلٰى مَنْ يَحْمِلُكَ اِنْطَلِقْ اِلٰى مَقْبَرَةِ بَنِيْ فُلَانٍ فَاِنَّ فِيهَا شَابًّا مِنَ الْاَنْصَارِ يَتَرَامٰى مَعَ اَصْحَابٍ لَهٗ وَمَعَهٗ بَعِيْرٌ لَهٗ فَاسْتَحْمِلْهُ فَاِنَّهٗ سَيَحْمِلُكَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَاِذَا بِهٖ يَتَرَامٰى مَعَ اَصْحَابٍ لَهٗ فَقَصَّ عَلَيْهِ الرَّجُلُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَحْلَفَهٗ بِاللّٰهِ لَقَدْ قَالَ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَحَلَفَ لَهٗ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا ثُمَّ حَمَلَهٗ فَمَرَّ بِهٖ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ فَاَخْبَرَهُ الْخَبَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنْطَلِقْ فَاِنَّ الدَّالَ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَهٗ يَسْتَحْمِلُهٗ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا عِنْدِيْ مِنْ شَيْءٍ اَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ اِنْطَلِقْ فِيْ مَقْبَرَةِ بَنِيْ فُلَانٍ فَاِنَّكَ سَتَجِدُ ثَمَّهٗ شَابًّا مِنَ الْاَنْصَارِ يَتَرَامٰى مَعَ اَصْحَابٍ لَهٗ فَاسْتَحْمِلْهُ فَاِنَّهٗ سَيَحْمِلُكَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ حَتّٰى اَتَى الْمَقْبَرَةَ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ فَاسْتَحْلَفَهٗ فَقَالَ وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرْسَلَنِيْ اِلَيْكَ فَاَعْطَاهُ بَعِيْرًا لَهٗ فَانْطَلَقَ بِهِ الرَّجُلُ فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَهٗ ﷺ اِنْطَلِقْ فَاِنَّ الدَّالَ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ نبی ؑ کے پاس ایک آدمی نے آ کر سواری کی درخواست کی، نبی ؑ نے فرمایا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، جس پر میں تمہیں سوار کر سکوں البتہ میں تمہیں ایک ایسے آدمی کا پتہ دیتا ہوں جو تمہیں سواری مہیا کر دے گا، تم فلاں قبیلے کے قبرستان چلے جاؤ، وہاں ایک انصاری نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیر اندازی کا مقابلہ کر رہا ہو گا، اس کے پاس ایک اونٹ ہو گا، تم اس سے یہ درخواست کرنا وہ تمہیں سواری مہیا کر دے گا، وہ آدمی چلا گیا، وہاں پہنچ کر اسے وہ نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیر اندازی کرتا ہوا مل گیا، اس نے سارا واقعہ اس نوجوان کو سنایا، اس

نوجوان نے اس سے واقعہ کی سچائی پر حلف لیا کہ یہ بات نبی علیہ السلام نے فرمائی ہے' اس نے دو یا تین مرتبہ قسم کھائی اور نوجوان نے اسے اپنا اونٹ دے دیا' جب اس شخص کا نبی علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے نبی علیہ السلام کو بتایا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا بھی ایسے ہی ہے جیسے نیکی کرنے والا۔

حلِ عبارت: "**الدال**" باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی رہنمائی کرنا "**فاستحمله**" باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سواری طلب کرنا "**يترامى**" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی تیر اندازی کرنا "**فقص**" باب نصر سے فعل ماضی کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بیان کرنا "**فاستحلفه**" باب استفعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی قسم کا مطالبہ کرنا۔

تخریج حدیث: اما الاول والثانی فقد اخرجهما الترمذی: ۲٦٧٠' واحمد: ٢١٧٧١' والبزار: ١٥٧٠' وابویعلی: ٤٢٣٤۔ واما الثالث فقد اخرجه احمد مختصراً: ٢٣٤١٥' ومسلم: ٤٨٩٩ (١٨٩٣) والترمذی: ٢٦٧١' وابوداؤد: ٥١٢٩ والبخاری فی الأدب المفرد: ٢٤٢۔

مفہوم: کوئی برائی متعدی ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ نیکی اور برائی بہرحال متعدی ہوتی ہے' نیکی اپنے اثرات چھوڑتی ہے اور گناہ اپنے اثرات دکھاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک نیکی انسان کو دوسری نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور ایک گناہ انسان کو دوسرے گناہ کا راستہ سجھاتا ہے' اور یہی وجہ ہے کہ نیکی کا فائدہ صرف نیکی کرنے والوں کو ہی نہیں ہوتا بلکہ اس نیکی کا سبب بننے والا بھی اس فائدہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے' اسی طرح گناہ کا نقصان صرف گناہ کرنے والے کو ہی نہیں ہوتا بلکہ اس گناہ کا سبب بننے والا بھی اس گناہ اور نقصان میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

بَابٌ اَفُضَلُ الْجِهَادِ مَا هُوَ؟

(٤٧٣) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَآئِرٍ۔

افضل ترین جہاد کیا ہے؟

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا افضل ترین جہاد کسی ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ٤٠١١' والنسائی: ٤٢١٤' والترمذی: ٢١٧٤۔

مفہوم: میدان جہاد میں داد شجاعت دینے والا بعض اوقات جام شہادت نوش کرکے امر ہو جاتا ہے اور اکثر اوقات غازی بن کر واپس لوٹ آتا ہے جبکہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق کہنے کی سزا سوائے موت کے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی'

بظاہر اسی وجہ سے اسے افضل ترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔

اور الحمد للہ! امت میں ہمیشہ میدان جہاد میں جام شہادت نوش کرنے والے افراد بھی موجود رہے ہیں اور کلمۂ حق کا فریضہ ادا کرنے والے بھی اپنی جان پر کھیل کر امت کو سرخرو کرتے رہے ہیں خواہ وہ ماضی کے حجاج بن یوسف کے سامنے ہوں یا دور حاضر کے آمروں کے سامنے' ان کی ایک للکار ایوان کفر پر لرزہ طاری کر دیتی ہے' ان کی ایک پکار پوری قوم کے لیے حیات نو کا سہارا ہوتی ہے اور ان کا ایک ایک قدم اللہ کی راہ میں اٹھتا ہے خواہ وہ سعید بن جبیرؒ ہوں' مجدد الف ثانیؒ ہوں' شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ہوں' سید احمد شہید بریلویؒ ہوں یا غازی عبدالرشید شہیدؒ۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے۔

بَابٌ اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ

(٤٧٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَشَارَكَ فَاَشِرْهُ بِالرُّشْدِ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَقَدْ خُنْتَهٗ۔

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص تم سے مشورہ مانگے' اسے اچھا مشورہ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس سے خیانت کی۔

حل عبارت: "استشارك" باب استفعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی مشورہ طلب کرنا "فاشره" باب افعال سے امر معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی مشورہ دینا "خنته" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی خیانت کرنا۔

تخریج حدیث: اخرج الترمذی نحوه: ٢٨٢٢' وابوداؤد: ٥١٢٨' واحمد: ٨٢٤٩۔

مفہوم: پوری دنیا میں ہمیشہ یہ اصول کارفرما رہا ہے کہ انسان جس پر اعتماد کرتا ہے اسی سے اپنے دل کی بات کہتا ہے اور اسی سے اپنے نجی و ذاتی معاملات میں مشورہ کرتا ہے لیکن اگر حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو دوسرے کے اعتماد پر پورا اترنے والوں کی تعداد بہت کم ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم جس سے اپنے دل کی بات کہتے ہیں وہ دوسروں کے سامنے اس کی تشہیر کرتا پھرتا ہے اور جس سے ہم اپنے نجی معاملات میں مشورہ کرتے ہیں وہ مخلصانہ مشورہ دینے کی بجائے ان نجی معاملات کو بھی اپنے ملنے جلنے والوں تک پہنچانا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے درمیان باہمی اعتماد ختم ہو گیا' دوستی کے پیمانے بدل گئے اور لوگوں نے اپنے اندر ہی اندر گھلنا اور پگھلنا شروع کر دیا' اگر ہم کسی کے اعتماد پر پورے نہیں اتر سکتے تو کیا ہم میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ

اسے اپنی طبیعت سے آگاہ کر دیں؟ اگر ہم کسی کو صحیح مشورہ نہیں دے سکتے تو کیا ہم میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ اس سے معذرت کر لیں کہ اس وقت میرے ذہن میں کوئی اچھی تجویز نہیں آ رہی؟

میں تو حیران ہوں کہ اب مشورہ دینے والا مشورہ دیتے وقت اپنے مفاد کو عزیز رکھنے لگا ہے خواہ اس سے دوسرے کا نقصان ہی ہو جائے' اے کاش! ہم لوگوں کی زندگی تبدیل کرنے سے قبل اپنی زندگی کو تبدیل کر سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تَمْثِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ

(٤٧٥) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ جَسَدٍ وَاحِدٍ اِذَا اشْتَكٰى الرَّأْسُ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُهٗ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔

مسلمانوں کی مثال کا بیان

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپس میں محبت اور ایک دوسرے پر رحم کرنے میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر سر کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔

حل عبارت: "توادھم" محبت ومودت' باب تفاعل کا مصدر "اشتکی" باب افتعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی شکایت کرنا "تداعی" باب تفاعل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی موافقت کرنا "السھر" شب بیداری "الحمی" بخار۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٦٠١١' ومسلم: ٥٦٨٦ (٢٥٨٦) والترمذی: ٢١٧٣' وابن ماجه: ٣٩٨٤' وابن حبان: ٢٩٧' ٢٣٣۔

مفہوم: مسلمانوں میں باہمی محبت والفت اور تعلق کی اس سے بہترین مثال کوئی نہیں ہو سکتی جو جناب سرور دو عالم ﷺ نے بیان فرمائی ہے' واقعی اگر جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو دوسرا حصہ یہ نہیں کہتا کہ یہ تکلیف مجھے تو نہیں ہے' جسے یہ تکلیف ہے وہ خود اس کے ازالے کی کوشش کرے' اگر ایسا ہو جائے تو پاؤں کبھی انسان کو ڈاکٹر کے پاس نہ لے جائے' آنکھیں کبھی راستہ نہ دکھائیں' کان کبھی ڈاکٹر کی ہدایات نہ سنیں' ہاتھ کبھی فیس ادا نہ کرے' پورا جسم کبھی بے آرامی کا شکار نہ ہو' ایسا نہیں ہوتا کیونکہ جسم کے ہر حصے کو دوسرے حصے کا احساس ہے اور وہ اس کی خوشی غمی میں برابر کا شریک ہے' نجانے آج کے مسلمان کو کیا ہو گیا ہے کہ اسے کسی چیز کا دکھ اور احساس ہی نہیں ہوتا' جتنی مرضی بڑی قیامت بیت جائے' ہماری نظروں میں لال مسجد والے ہی برے رہیں گے' ہم جامعہ حفصہ والوں کو ہی اپنی صفوں سے خارج کریں گے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

بَابُ وَصِيَّةِ جِبْرِيْلَ بِالْجَارِ

(۴۷۶) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا زَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ يُوَرِّثُهٗ وَمَا زَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّ خِيَارَ اُمَّتِيْ لَا يَنَامُوْنَ اِلَّا قَلِيْلاً۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی پڑوسی کے متعلق وصیت

ترجمہ: حضرت انسؓ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے جبریل مسلسل پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ اسے وارث بنا دیا جائے گا اور مجھے جبریل مسلسل قیام اللیل کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ میری امت کے بہترین لوگ رات کو بہت تھوڑا سو سکیں گے۔

حل عبارت: "یوصینی" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وصیت کرنا "یورثه" باب تفعیل سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی وارث بنانا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مختصراً: ۶۰۱۴، ومسلم: ۶۶۸۷ (۲۶۲۵) والترمذی: ۱۹۴۲، وابن ماجه: ۳۶۷۳، وابن حبان: ۵۱۱، ۵۱۲، وابوداؤد: ۵۱۵۲۔

مفہوم: اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف سے دو چیزوں کی بکثرت تاکید کا ذکر آیا ہے، ایک تو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا اور دوسرے قیام اللیل یعنی تہجد کا، ان میں سے پہلی چیز کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور دوسری کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، اس تقدیم و تاخیر میں نکتہ یہی ہے کہ حقوق العباد کی اہمیت کو واضح کیا جائے کیونکہ اکثر لوگ اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں، اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ اگر تمہارا ہمسایہ اور پڑوسی اگر بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو، فوت ہو جائے تو جنازہ میں شرکت کرو، قرض کی درخواست کرے تو قرض دے دو، تنگدست ہو تو اس کی پردہ پوشی کرو، اسے کوئی خوشی نصیب ہو جائے تو مبارک باد دو، غم کا شکار ہو تو اس کے غم میں شریک ہو، اپنا مکان اس کے مکان سے اونچا نہ بناؤ کہیں اس کی ہوا نہ رک جائے، اگر پھل اور میوہ خرید کر لاؤ تو اسے بھی بھیجو، اگر نہیں بھیج سکتے تو اسے چھپا کر رکھو۔

اس فہرست پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے! کیا ہم واقعی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں یا ہمارا پڑوسی رات کو "بھوک" اپنے پیٹ باندھ کر سو جاتا ہے اور ہم مرغ مسلّم کی دعوتیں اڑاتے پھرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مہینہ بھر سے بیمار پڑا ہو اور ہمیں اس بات کی بھی فرصت نہ ہو کہ جا کر اس کی عیادت ہی کر لیں؟ سوچئے اور غور کیجیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی اِغَاثَةِ اللَّهْفَان

(۴۷۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ۔

مظلوموں کی فریاد رسی کا بیان

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ مظلوموں کی مدد کرنے کو پسند کرتا ہے۔

حل عبارت: "اغاثة" باب افعال کا مصدر ہے بمعنی داد رسی کرنا، فریاد رسی کرنا "اللهفان" مظلوم۔

تخریج حدیث: هو من الوحدانيات لابى حنيفة الامام وقد اخرجه احمد، وابو يعلى، وابن عساكر۔

مفہوم: مظلوم کو دیکھ کر اس کا مذاق اڑانا مردانگی نہیں، ظلم و ستم کی چکی میں پستے ہوئے بے بس مرد و عورت پر مزید ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا غیرت مندی نہیں اور ظالم کے ساتھ مل کر مظلوم کا استحصال کرنا شرافت نہیں، مردانگی تو یہ ہے کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ کر توڑ دے تاکہ آئندہ وہ کسی پر ظلم نہ کر سکے، غیرت مندی تو یہ ہے کہ مظلوم کو جان و مال کا تحفظ دے اور شرافت تو یہ ہے کہ مظلوم کی عزت و آبرو کو اپنے اہل خانہ کی عزت سمجھے۔

کیونکہ مظلوم کی دعا بھی بہت جلدی قبول ہوتی ہے اور بد دعا بھی، اس لیے کہ وہ شکستہ دل ہوتے ہیں اور حدیث قدسی میں آتا ہے "**انا عند المنكسرة قلوبهم**" اور وہ اللہ کے قریب بھی ہوتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے۔

"اتق دعوة المظلوم فانه ليس بينه وبين الله حجاب"

اس لیے مظلوم کی ہر ممکن مدد کرنا انسانیت کا تقاضا بھی ہے اور اللہ کا محبوب ہونے کی دلیل بھی۔

بَابُ النَّهْیِ عَنْ سَبِّ الدَّهْرِ

(۴۷۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ۔

زمانہ کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا زمانے کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے۔

حل عبارت: "لا تسبوا" باب نصر سے فعل نہی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی گالی دینا، برا بھلا کہنا، "الدهر" زمانہ، اس کی جمع "دهور" آتی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ٦١٨١، ومسلم: ٥٨٦٦ (٢٢٤٦) وابوداؤد: ٥٢٧٤۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک مثال سمجھئے تا کہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور وہ یہ کہ آپ اپنے گھر میں لکڑی کا کام کروانے کے لیے کسی ماہر بڑھئی اور ترکھان کو بلاتے ہیں' اسے کام سمجھاتے ہیں' سامان مہیا کرتے ہیں اور کام ختم ہونے پر اس کی مزدوری دے دیتے ہیں' کام ختم ہونے پر وہ آپ سے پوچھتا ہے کہ آیا میرا کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوا یا نہیں؟ اور آپ کو پسند آیا یا نہیں؟ اگر آپ اس کے کام کی تعریف کرتے ہیں اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں تو اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگتا ہے اور اگر آپ اس کے کام میں نقص نکالیں اور یوں کہیں کہ فلاں الماری تو بالکل ہی بھدی لگ رہی ہے' فلاں دروازہ ٹیڑھا لگا ہوا ہے اور فلاں کھڑکی مضبوطی کے ساتھ نہیں لگی ہوئی' تو ایک دم اس کے چہرے پر اس کے اثرات بھی نمایاں ہو جائیں گے۔

اب اگر اس سے کوئی پوچھے کہ بھئی! یہ تم نے رونی صورت کیوں بنا رکھی ہے؟ مالک نے تم میں کوئی نقص تھوڑی نکالا ہے' اس نے تو کام میں نقص نکالا ہے؟ اس نے صانع پر تو اعتراض نہیں کیا' اس نے تو مصنوع پر اعتراض کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ اس کا یہی جواب دے گا کہ مصنوع پر اعتراض درحقیقت صانع پر اعتراض ہے' اور کام پر اعتراض درحقیقت کام کرنے والے پر اعتراض ہے اس لیے وہ مجھ پر ہی اعتراض کر رہا ہے' اور اسی وجہ سے میں غمگین ہوں۔

بس اسی طرح سمجھ لیجیے کہ زمانے کو برا بھلا کہنے والے درحقیقت زمانہ بنانے والے کو برا بھلا کہتے ہیں' اسی بنا پر علماء کرام فرماتے ہیں کہ "اللہ ہی زمانہ ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی خالق زمانہ ہے' گویا مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یہ ہے:

"فان الله هو خالق الدهر"

اس لیے زمانے کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔

بَابُ مَا قِيلَ فِيْ حُبِّ الرَّجُلِ الشَّيْءَ

(٤٧٩) قَالَ اَبُوْ حَنِيفَةَ وُلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ وَقَدِمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُنَيْسٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلْكُوْفَةَ سَنَةَ اَرْبَعَ وَتِسْعِيْنَ وَرَاَيْتُهُ وَسَمِعْتُ مِنْهُ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشَرَةَ سَنَةً سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔

آدمی کا کسی چیز کی محبت میں فریفتہ ہو جانا

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میری پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی اور حضرت عبداللہ بن انیسؓ جو صحابی رسول ہیں' ۹۴ھ میں کوفہ تشریف لائے تھے' میں نے ان کی زیارت بھی کی ہے اور ان سے حدیث کی سماعت بھی کی ہے' اس وقت میری عمر

چودہ سال تھی، وہ فرماتے تھے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا بہرا کر سکتی ہے۔

حل عبارت: "حبك الشیء" حب مصدر ہے "ك" ضمیر اس کا فاعل ہے اور "الشیء" مفعول بہ ہے اور اسی وجہ سے منصوب بھی ہے "یعمی" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اندھا کر دینا "یصم" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بہرا کر دینا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ٥١٣٠، واحمد: ٢٢٠٣٦، وعبد بن حمید: ٢٠٥، وهو من الوحدانیات لابی حنیفة الامام

مفہوم: "محبت" ایک پاکیزہ جذبہ ہے جو مال و دولت، عہدہ و منصب اور حسن و جمال کی کم تر چیزوں کا محتاج نہیں ہوتا، اب دنیا سے محبت رخصت ہو گئی ہے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے درحقیقت حرص و لالچ اور ہوی و ہوس کو محبت سمجھ بیٹھے ہیں، یہ ایک دھوکہ ہے جس کے ذریعے لوگ اپنے مقاصد حاصل کر کے اپنے محبوب کو بیچ دریا کے چھوڑ آتے ہیں، لیکن اگر ایک لمحے کے لیے اس حرص و طمع سے بھرپور ملاقات اور تعلق ہی کو "محبت" تسلیم کر لیا جائے تب بھی حدیث کا مدعا واضح ہے کہ لوگ اس کی خاطر ہر چیز سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اور کسی ناصح کی نصیحت سن کر بھی ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، وہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں تک کو فراموش کر دیتے ہیں، اپنا کیریئر داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اپنے تمام خاندان کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت ہے جو کھلی آنکھوں ہمیں نظر آ رہی ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشَّمَاتَةِ

(٤٨٠) اَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تُظْهِرَنَّ شَمَاتَةً لِاَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ اللّٰهُ۔

کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت کا بیان

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقعؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار کبھی نہ کرنا، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عافیت دے دے اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے۔

حل عبارت: "لا تظهرن" باب افعال سے نہی معروف بانون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ظاہر کرنا "شماتة" مصیبت پر خوشی منانا۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ٢٥٠٦، وهو من الوحدانیات ایضاً۔

مفہوم: اللہ سے ڈرنے والے لوگ تو اپنے دشمن کی تکلیف اور مصیبت پر خوشی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اس پر غمگین

ہوتے ہیں اور اپنے لیے اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں اور اس مصیبت میں مبتلا ہونے سے بچنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کے دل اللہ کی معرفت سے خالی ہوں اگرچہ دیکھنے والے ان کی نمازوں سے دھوکہ کھا جائیں' وہ اپنے حقیقی بھائی کی پریشانی اور مصیبت پر بھی خوشی کے شادیانے بجاتے اور بتاشے بانٹتے ہیں' اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہم پر ایک ایسی ہستی بھی ہے جو میری خوشیوں کو چھین کر میرے بھائی کو خوشیوں سے مالا مال کر سکتی ہے اور جو اس کی پریشانیاں اس سے دور کر کے مجھ پر مسلط کر سکتی ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ ایسے واقعات حد و شمار سے باہر ہیں جن میں حالات بدلتے دیر نہیں لگی' اس لیے انسان کو ہر لمحہ اللہ سے عافیت کا سوال کرنا چاہیے۔

کتاب الرقاق

دل کو نرم کرنے والی احادیث کا بیان

(۴۸۱) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ فِی الْاِنْسَانِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ بِهَا سَائِرُ الْجَسَدِ وَاِذَا سَقُمَتْ سَقُمَ بِهَا سَائِرُ الْجَسَدِ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسم انسانی میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور اگر وہ بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بیمار پڑ جاتا ہے' یاد رکھو! وہ ٹکڑا دل ہے۔

حل عبارت: "مضغة" گوشت کا لوتھڑا' ٹکڑا "صلحت" باب کرم سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی صالح ہونا "سقمت" مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی بیمار ہونا "الا" حرف تنبیہ ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مطولاً: ۵۲' ومسلم: ۴۰۹۴ (۱۵۹۹) وابن ماجه: ۳۹۸۴۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم اچھی طرح سمجھنے کے لیے ایک مثال ذہن نشین کرنا ضروری ہے تاکہ اصل مقصد واضح ہو جائے اور وہ یہ کہ ہم اپنے گھروں' دفاتر' مساجد اور مدارس وغیرہ میں جتنی بھی بجلی استعمال کرتے ہیں' اس میں یہ اصول کار فرما ہوتا ہے کہ جیسے ہی بٹن دبایا جائے گا' برقی رو اپنا کام کرنا شروع کر دے گی لیکن شرط یہ ہے کہ مرکز یعنی واپڈا ہاؤس سے اس کا رابطہ برقرار ہو اور وہاں سے بجلی کی سپلائی ہو رہی ہو' اگر مرکز سے رابطہ برقرار نہ رہے یا مرکز سے بجلی کی سپلائی بند ہو جائے تو سونے کے پنکھے اور چاندی کی ٹیوبیں اور بلب بھی کام نہیں کریں گے' اسی طرح اگر مرکز میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تو کہیں بھی بجلی نہیں پہنچ سکے گی جیسا کہ لوڈ شیڈنگ کے موقع پر ہر انسان کو اس کا تجربہ ہوتا ہے۔

اسی طرح سمجھ لیجیے کہ جسم انسانی میں ''دل'' مرکز ہے اور یہاں سے پورے جسم کو توانائی کی سپلائی ہو رہی ہے' یہیں سے دانائی کی سپلائی ہو رہی ہے' یہیں سے خیر وشر کے راستے نکلتے ہیں' اب اگر دل صحیح ہے تو پورا جسم صحیح کام کرے گا اور اگر دل میں کوئی خرابی ہے تو پورے جسم میں خرابی کی لہر سرایت کر جائے گی۔

اگر دل تقویٰ وللّٰہیت سے بھرپور ہو تو پورے جسم میں تقویٰ وللّٰہیت کی سپلائی ہوگی' پھر آنکھ کا بٹن دبانے پر تقویٰ ہی کا ظہور ہوگا' کان کا بٹن دبانے پر تقویٰ ہی کا پنکھا چلے گا' زبان کا بٹن دبانے پر تقویٰ ہی کا بلب جلے گا اور اگر دل شیطان کی آماجگاہ بنا ہوا ہو تو ہر بٹن دبانے پر شیطانیت ٹپکتی دکھائے دے گی۔

اس لیے قلب کی اصلاح بہت ضروری ہے' اسے ہر طرح کی آلائشوں اور گندگیوں سے پاک کرنا ضروری ہے تاکہ اس میں حسد' بغض' عداوت' کینہ' تکبر' چغلی' خودنمائی' خودستائی' خود پسندی اور دیگر رذائل پنپ نہ سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ مَعِیْشَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(۴۸۲) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعْنَا ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهَا مِنْ خُبْزٍ مُتَتَابِعًا حَتّٰی فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا زَالَتِ الدُّنْیَا عَلَیْنَا كُدْرَةً عُسْرَةً حَتّٰی فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدُّنْیَا فَلَمَّا فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدُّنْیَا صُبَّتْ عَلَیْنَا صَبًّا۔

وَ فِیْ رِوَایَةٍ صُبَّ الدُّنْیَا عَلَیْنَا صَبًّا وَفِیْ رِوَایَةٍ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ مُتَوَالِیَةٍ مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ۔

نبی علیہ السلام کی معیشت کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم مسلسل تین دن رات تک کبھی بھی روٹی سے سیراب نہیں ہوئے' یہاں تک کہ نبی علیہ السلام دنیا سے رخصت ہو گئے اور ہم پر دنیا ہمیشہ تنگ اور منکدر رہی یہاں تک کہ نبی علیہ السلام دنیا سے رخصت ہو گئے' جب وہ دنیا سے تشریف لے گئے تو ہم پر دنیا انڈیل دی گئی۔

حل عبارت: ''ما شبعنا'' باب سمع سے فعل ماضی منفی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی سیراب ہونا ''متتابعا'' مسلسل ''فارق'' باب مفاعلہ سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی جدا ہونا ''صبت'' باب نصر سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی انڈیلنا۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ۲۳۵۸' ومسلم: ۷۴۴۴ (۲۹۷۰) وابن ماجه: ۳۳۴۳' وابن حبان: ۶۳۴۶' واحمد: ۹۶۰۹۔

مفہوم: زندگی کا یہ نقشہ کسی عام شخص کے حالات کی عکاسی نہیں کرتا' یہ اس ہستی کی زندگی کی عکاسی کرتا ہے جس سے

اللہ خود محبت کرتا تھا' جسے اللہ نے کائنات رنگ و بو کی وجہ تخلیق قرار دیا تھا' جس کے ایک آنسو پر اس کا عرش حرکت میں آجاتا تھا' جس کی ایک دعاء پر دنیا کے ضابطے بدل دیے جاتے تھے' جس کی ایک آہ پر پوری امت کے لیے عذاب سے محفوظ ہونے کے فیصلے کر دیے جاتے تھے' جس کے ایک حکم پر لوگوں کی گردنیں عمل کے لیے جھک جایا کرتی تھیں' جس کے وضو کا پانی اور ناک کی ریزش لوگوں کے لیے تبرک کی حیثیت رکھتے تھے' جس کا ایک ایک قدم لوگوں کے لیے نشانِ زندگی تھا' جو چلا تو کائنات چلی اور جو رکا تو پوری کائنات رک گئی۔

اس مبارک ہستی کے اہل خانہ پر کچھ کھائے پیے بغیر تین تین دن گزر جایا کرتے تھے' خود وہ ذات اپنی پوری زندگی میں تین دن تک تسلسل کے ساتھ پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھا سکی' حالانکہ ان کی شخصیت تو اتنی عظیم تھی کہ اگر وہ صرف اس پیشکش کو قبول کرنے کی حامی بھر لیتے کہ احد پہاڑ کو سونا بنا دیا جائے تو احد پہاڑ پتھر کی بجائے سونے کا بن جاتا' لیکن قربان جایئے! ان کی شخصیت جتنی عظیم تھی' ان کا حوصلہ بھی اتنا ہی عظیم تھا اس لیے فرماتے تھے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو تین دن سے پہلے سب کا سب راہ خدا میں تقسیم کر دوں اور اپنے پاس صرف اتنا رکھوں کہ اپنا قرض ادا کر سکوں۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر شخصیت بڑی ہو لیکن حوصلہ بڑا نہ ہو تو شخصیت کا بڑا پن بھی ختم ہو جاتا ہے اور اگر حوصلہ بڑا ہو تو شخصیت میں بخود بخود بڑا پن پیدا ہو جاتا ہے' اے کاش! ہماری بڑی شخصیات کا حوصلہ بھی بڑا ہو جائے۔

بَابُ مَنْ يَكُوْنُ اَشَدَّ بَلَاءً

(۴۸۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيْ شَكَاةٍ شَكَاهَا فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى عَبَاءَةٍ قُطْوَانِيَّةٍ وَمِرْفَقَةٍ مِنْ صُوْفٍ حَشْوُهَا اِذْخِرٌ فَقَالَ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كِسْرٰى وَقَيْصَرُ عَلَى الدِّيْبَاجِ فَقَالَ يَا عُمَرُ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَكُمُ الْاٰخِرَةُ ثُمَّ اِنَّ عُمَرَ مَسَّهٗ فَاِذَا هُوَ فِيْ شِدَّةِ الْحُمّٰى فَقَالَ تُحَمُّ هٰكَذَا وَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اَشَدَّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَلَاءً نَبِيُّهَا ثُمَّ الْخَيِّرُ ثُمَّ الْخَيِّرُ وَكَذٰلِكَ كَانَتِ الْاَنْبِيَاءُ قَبْلَكُمْ وَالْاُمَمُ۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروقؓ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کے بیمار ہونے پر عیادت کے لیے حاضر ہوئے' دیکھا کہ آپ ﷺ ''قطوان'' کی بنی ہوئی ایک کھردری چادر پر لیٹے ہوئے ہیں اور اون کا تکیہ رکھا ہوا ہے جس میں ''اذخر'' نامی گھاس بھری ہوئی ہے' عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر نثار! قیصر اور کسریٰ ریشم پر آرام کریں (اور آپ اس تنگی میں رہیں؟) فرمایا عمر! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ انہیں دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کے جسم مبارک کو ہاتھ لگایا تو وہ انتہائی تیز بخار میں تپتا ہوا محسوس ہوا' عرض کیا کہ آپ کو بھی اس طرح بخار ہوتا ہے حالانکہ آپ پیغمبر خدا ہیں؟ فرمایا اس امت میں سب سے زیادہ سخت تکلیف نبی کو ہوتی ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ بہترین لوگوں کو' اور تم سے پہلے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور امتوں کا بھی یہی حال تھا۔

حَلِّ عِبارت: "شكاة" ای مرض "عباء ة" کھردری چادری "قطوانية" ایک جگہ کی طرف منسوب "مسه" باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چھونا "تحم" فعل مضارع مجہول کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی بخار میں مبتلا ہونا "الخیر" خیر کی جمع ہے بمعنی بہترین لوگ۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری فی آخر: ۴۹۱۳' ومسلم فی ضمن: ۳۶۹۱ (۱۴۷۹) والترمذی: ۲۴۶۱' وابن حبان: ۶۳۶۲' واما قوله علیہ السلام: اشد بلاء فقد اخرجه الترمذی: ۲۳۹۸۔

مَفْهُوْم: اس حدیث کا آخری جملہ "جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تکالیف کو شدید ترین قرار دیا گیا ہے" سمجھنے کے لیے ماں کی محبت پر غور کرنا ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ذرا سی تکلیف پر بھی کس طرح تڑپتی ہے اور اولاد کی معمولی سی بھی لاپرواہی اسے کس قدر اذیت پہنچاتی ہے اور اپنی اولاد کی گستاخی اور بدتمیزی پر وہ اندر ہی اندر کتنا کڑھتی ہے گو کہ یہ تکلیف باپ' بھائیوں اور بہنوں کو بھی ہوتی ہے اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی' لیکن درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی امت سے ماں کی نسبت بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اس لیے اس کی معمولی سے لاپرواہی بھی انہیں بے چین کر دیتی ہے اور معمولی گستاخی و بدتمیزی بھی ان کے دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے جس کا احساس نہ تو امت کو ہوتا ہے اور نہ بعد والوں کو! البتہ انبیاء کے قریب رہنے والے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والے درجہ بدرجہ اس کی تکلیف اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔

پھر چونکہ نبی علیہ السلام اللہ کے آخری نبی اور مسلمانوں پر ہی نہیں' پوری امت پر تمام انبیاء سے زیادہ شفیق تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی معمولی سی لاپرواہی اور گستاخی بھی بہت تکلیف پہنچاتی تھی' اسی چیز کو احادیث میں نبی علیہ السلام نے اپنے لیے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت زیادہ ثابت کیا ہے جس پر بعض اوقات ایک طالب علمانہ اشکال ذہن میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آنے والے مصائب بظاہر زیادہ شدید محسوس ہوتے ہیں اور نبی علیہ السلام ان سب کی نسبت اپنے مصائب کو زیادہ شدید قرار دے رہے ہیں؟ ہماری مذکورہ بالا تقریر سے اس اشکال کا جواب بھی واضح ہو گیا۔ واللہ اعلم

کتاب الجنایات

جنایات کے احکام

(٤٨٤) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ عَفَا عَنْ دَمٍ لَمْ يَكُنْ لَهٗ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص خون معاف کر دیتا ہے اس کا ثواب جنت کے علاوہ کچھ نہیں۔

حل عبارت: "عفا" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی معاف کرنا "لم یکن" نفی ہے اور "الا الجنة" اثبات اس سے حصر کا فائدہ ہوا۔

تخریج حدیث: اخرجه الهندی: ٣٩٨٥٤، وابوداؤد مثله: ٤٤٩٧، والنسائی: ٤٧٨٧، وابن ماجه: ٢٦٩٢۔

مفہوم: اصولی طور پر تو مقتول کے ورثاء اور اولیاء کو قاتل سے قصاص لینے کا حق حاصل ہے اور شرعی طور پر اس میں کسی قسم کی کوئی قباحت بھی نہیں ہے لیکن اگر انسان اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ سوچ لے کہ اسے قصاصاً قتل کرنے سے ہمارا عزیز تو واپس نہیں آئے گا اور وسعت ظرفی سے کام لے کر اسے معاف کر دے تو گویا اس نے "تخلقوا باخلاق الله" پر عمل کیا اس لیے اس کا بدلہ یہی ہے کہ اسے اللہ کی وسیع جنت کا مالک بنا دیا جائے۔

اور اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر قرآن کریم کہتا ہے:

"فاجره علی الله"

اس آیت کی روشنی میں اللہ کی بارگاہ سے اسے وہ کچھ دیا جائے گا جو باری تعالیٰ کے شایان شان ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ دِيَةِ اَهْلِ الْكِتَابِ

(٤٨٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ دِيَةُ الْيَهُوْدِیِّ وَالنَّصْرَانِیِّ مِثْلُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ۔

اہل کتاب کی دیت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہودی اور عیسائی کی دیت بھی مسلمان

کی دیت جتنی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد فی مراسیله، وعبدالرزاق، والبیهقی، والطبرانی۔

مفہوم: اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے اس بحث کو چھیڑا ہے کہ یہودی اور عیسائی کی دیت کتنی ہے؟ بعض حضرات کے نزدیک مسلمان کی دیت کا نصف، بعض حضرات کے نزدیک چوتھائی اور بعض کے نزدیک بالکل برابر اور مساوی اور ہر ایک کی رائے پر اس کے دلائل اور جواب دلائل کی بحث مفصل ذکر کی ہے۔

لیکن ہمیں یہ بات ذکر کرنا ہے کہ پوری دنیا میں حقوقِ انسانی کے علمبردار بننے والے ذرا بتائیں تو سہی کہ انسانی حقوق میں مساوات کو قائم رکھتے ہوئے وہ مسلمانوں کے ساتھ معاملات کیوں نہیں کرتے؟ کیا وہ اپنے مذہبی آئین میں ایسی وسعت دکھا سکتے ہیں جو اسلام نے دکھائی ہے کہ اگر مسلم ممالک میں کوئی یہودی یا عیسائی ناحق مارا جائے اور مقتول کے ورثاء اس سے دیت کا مطالبہ کریں تو انہیں اس یہودی اور عیسائی کے بدلے میں وہی دیت دی جائے گی جو ایک مسلمان کے مقتول ہونے کی صورت میں متعین کی گئی ہے، یہ صرف اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کسی یہودی اور عیسائی کا خون بھی رائیگاں نہیں جانے دیا بلکہ مقتول کے ورثاء کو اس کا معاوضہ دلوایا ہے۔

اے کاش! اسلام پر تبرا بازی کرنے والے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں۔

بَابٌ مَتٰی یُسْتَقَادُ

(۴۸۶) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یُسْتَقَادُ مِنَ الْجِرَاحِ حَتّٰی تَبْرَأَ۔

قصاص کب لیا جائے گا؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا زخمی کا قصاص اس کے تندرست ہونے سے پہلے نہیں لیا جائے گا۔

حل عبارت: "لا یستقاد" باب استفعال سے فعل مضارع منفی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی قصاص کا مطالبہ کرنا "تبرا" باب سمع سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی تندرست ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه احمد مطولاً: ۷۰۳۴۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر زید نے عمرو کو کسی چیز سے زخمی کر دیا مثلاً چھری، چاقو یا تیر اور تلوار سے اور عمرو کے جسم پر زخم کا نشان پڑ گیا، خون بہنے لگا اور گوشت کٹ گیا تو اب ایک صورت تو یہ ہے کہ زید سے فوراً قصاص لیا جائے، بظاہر یہ بات صحیح بھی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ زخمی بھی موجود ہے اور زخم لگانے والا بھی موجود ہے اور قصاص لینے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے عمرو کا علاج کروایا جائے' اس کا زخم مندمل ہونے کا انتظار کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ زخم کتنا کاری تھا' اور اس سے کیا نقصان ہوا' اس کے بعد زید سے قصاص لیا جائے' بظاہر یہ صورت قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی لیکن اگر گہرائی اور گیرائی کو سامنے رکھا جائے تو یہی دوسری صورت زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اولاً تو زخم کا صحیح طور پر اندازہ ہو جائے گا اور زید سے انتقام لینے کی صورت میں عمرو اس پر زیادتی کرنے والا نہیں ہوگا۔

اور دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ اس وقت تک عمرو کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو چکا ہوگا' زید بھی اپنے فعل پر نادم و شرمسار ہوگا' ہوسکتا ہے کہ عمرو اسے معاف ہی کر دے' جو کہ انتقام کی نسبت تو بہت ہی افضل ہے اس لیے زیر بحث حدیث میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ تندرستی سے پہلے قصاص نہ لیا جائے۔

گویا اس تعلیم کے ذریعے مسلمانوں میں حوصلہ اور معاف کرنے کا جذبہ پیدا کیا گیا ہے کہ اگرچہ انتقام لینا جائز بھی ہو اور اس پر قدرت بھی ہو' پھر بھی اعلیٰ ظرفی اور بلند حوصلگی یہی ہے کہ انسان اپنے دشمن کو معاف کر دے۔ شاید اسی چیز کو دیکھ کر دشمن اپنی دشمنی ختم کر دے' لوگوں کو نقصان پہنچانے کی سرشت چھوڑ دے اور اللہ کی طرف رجوع کر لے۔

کتاب الاحکام
فیصلے اور احکام

(۴۸۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَا ذَرٍّ الْاِمَارَةُ اَمَانَةٌ وَهِیَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْیٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا مِنْ حَقِّهَا وَاَدَّی الَّذِیْ عَلَيْهِ وَاَنّٰی ذٰلِكَ وَفِیْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِیْ عَسَّالٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْاِمَارَةُ اَمَانَةٌ وَهِیَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خِزْیٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا مِنْ حَقِّهَا وَاَدَّی الَّذِیْ عَلَيْهِ وَاَنّٰی ذٰلِكَ يَا اَبَا ذَرٍّ۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو ذر! سرداری امانت ہے اور قیامت کے دن باعث شرمندگی و ندامت ہے' ہاں! جو شخص اسے اس کے حق کے ساتھ لے اور اس کی ذمہ داریاں پوری کرے اور ایسا ہوتا ہی کہاں ہے؟

حل عبارت: "امارة" ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی سرداری' گورنری' "خزی" رسوائی "ادی" باب تفعیل سے

فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ادا کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه مسلم: ٤٧١٩ (١٨٢٥) واحمد: ٢١٨٤٥۔

مفہوم: حکمرانی اور حکومت لوگوں کی نگاہ میں پھولوں کی سیج ہوتی ہے جس کے حصول کی آرزو ان کے من میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے اور وہ اس کے لیے ہر ممکن حربہ اور طریقہ استعمال کر گزرتے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ حکومت کانٹوں سے بنا ہوا تاج ہوتی ہے جو ہر لمحے انسان کو چبھتا رہے' حکومت اللہ کی طرف سے ملنے والی امانت ہوتی ہے جس میں خیانت کا ارتکاب کرنے والا قیامت کے دن شرمندگی اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ کر سکے گا' حکومت کی ابتداء ملامت' درمیان ندامت اور انتہاء عذاب یوم قیامت پر ہو جاتی ہے اس لیے انسان کو ان چکروں میں الجھنا ہی نہیں چاہیے۔

مجھے حیرانگی ہوتی ہے کہ لوگ کس ڈھٹائی کے ساتھ دیواروں اور پوسٹروں پر امیدوار برائے فلاں' امیدوار برائے فلاں لکھواتے ہیں اور عہدوں کے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں' سچ ہے کہ عہدے اور منصب کی محبت انسان کو ذلت و رسوائی کے اس گڑھے تک پہنچا دیتی ہے جہاں سے انسان کی واپسی ممکن نہ ہو سکے' اگر حکومت حاصل کرنی ہی ہے تو پھر صرف انسانوں پر حکومت کرنا کونسے کمال کی بات ہے؟ انسان پوری کائنات پر حکمرانی کر کے دکھائے' فضا و خلا' بر و بحر' حیوانات اور نباتات سب پر اپنا حکم چلا کر دکھائے' آپ اسے ناممکن سمجھتے ہوں گے لیکن میں اسے ناممکن نہیں سمجھتا اور شیخ سعدی کی زبان میں کہتا ہوں

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اَرْفَعِ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

(٤٨٨) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطِیَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اَرْفَعَ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِمَامٌ عَادِلٌ۔

قیامت کے دن سب سے زیادہ بلند درجہ آدمی کا بیان

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن انصاف کرنے والا حکمران سب سے زیادہ بلند درجہ ہو گا۔

تخریج حدیث: اخرج الترمذی مثله: ١٣٢٩' واحمد: ١١١٩٠' والبیهقی فی الشعب: ٧٣٦٦' وفی الکبری: ١٩٩٥٦۔

مفہوم: حکومت اور حکمران کے بارے میں اگر اسلامی تعلیمات کا ایک خلاصہ سامنے رکھا جائے تو وہ یوں ہو گا کہ حصول حکومت کے لیے انسان کو خود سے امیدواری ظاہر نہیں کرنی چاہیے البتہ اگر وہ اس کا جائز حقدار بنتا ہو اور اس میں

اسے سنبھالنے کی صلاحیتیں بھی موجود ہوں تو اس کی گنجائش ہے، حکومت فی نفسہ کوئی بری چیز ہے اور نہ اچھی، حکمرانوں کی اچھائی اور برائی سے وہ اچھی یا بری ہو جاتی ہے، اگر حکمران عدل و انصاف سے کام لیں تو روز قیامت اللہ کے نزدیک بلند ترین درجہ کے حامل ہوں گے اور اگر ظلم و ستم کی راہ اپنائیں تو وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہوں گے، عادل و منصف حکمران زمین پر اللہ کا نائب ہوتا ہے اور ظالم بادشاہ اللہ کا قہر اور غضب۔

اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ حکومت کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں، چنانچہ نوشیرواں کی حکومت اس کے کافر ہونے کے باوجود قائم رہی اور ظالموں کی حکومت خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا عراق میں، کبھی قائم نہیں رہی اور اب بھی نہیں رہے گی۔

بَابٌ الْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ

(۴۸۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبَيْبِ بْنِ اَبِیْ ثَابِتٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ قَاضِيَانِ فِی النَّارِ قَاضٍ يَقْضِیْ فِی النَّاسِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيُوْكِلُ بَعْضَهُمْ مَالَ بَعْضٍ وَقَاضٍ يَتْرُكُ عِلْمَهٗ وَيَقْضِیْ بِغَيْرِ الْحَقِّ فَهٰذَانِ فِی النَّارِ وَقَاضٍ يَقْضِیْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ فِی الْجَنَّةِ۔

قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قاضی (جج) تین طرح کے ہوتے ہیں، جن میں سے دو طرح کے قاضی جہنم میں جائیں گے (اور ایک جنت میں جائے گا) ایک تو وہ قاضی جو لوگوں کے درمیان بغیر علم کے فیصلے کرتا ہے اور ایک کا مال دوسرے کو کھلا دیتا ہے اور دوسرا وہ قاضی جو اپنے علم کو چھوڑ کر غلط اور ناحق فیصلے کرتا ہے یہ دونوں تو جہنم میں جائیں گے اور وہ قاضی جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ جنت میں جائے گا۔

(۴۹۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ اَنَّ اَبَاهُ كَتَبَ اِلَيْهِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَقْضِی الْحَاكِمُ وَهُوَ غَضْبَانُ۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کوئی جج غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

حلِ عبارت: "القضاۃ" قاضی کی جمع مکسر ہے "یو کل" باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی کھلانا "غضبان" بروزن "فعلان"، بمعنی غضب ناک۔

تخریج حدیث اول: اخرجه الترمذی: ۱۳۲۲م، وابوداؤد: ۳۵۷۳، وابن ماجه: ۲۳۱۵۔

تخریج حدیث ثانی: اخرجه البخاری: ۶۷۳۹، وابوداؤد: ۳۵۸۹، والترمذی: ۱۳۳٤، وابن ماجه: ۲۳۱۶، والنسائی:

۵٤٠٨، ومسلم: ٤٤٩٠ (١٧١٧)

مَفْهُوْمٌ: حدیث اول تو اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے اور اس پر کسی مزید اضافہ یا تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ ہمارے جج صاحبان کو یہ حدیث خود ہی پکار پکار کر دعوت فکر دے رہی ہے کہ آپ ان تین میں سے کس قسم میں شامل ہونا چاہتے ہیں، اب یہ ہمارے جج صاحبان اور جسٹس حضرات کی اپنی صوابدید ہے کہ ان میں سے کس گروہ اور جماعت کا انتخاب کرتے ہیں، جیسا انتخاب ہوگا ویسا ہی نتیجہ بھی ہوگا۔

اور دوسری حدیث بھی انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے اس لیے کہ انسان کا غصہ کی حالت میں اپنے ہوش و حواس پر قابو نہیں رہتا اور جذبات کی رو میں بہہ کر وہ بہت کچھ کہہ جاتا ہے جس کا احساس اسے بعد میں ہوتا ہے، اب اگر کوئی قاضی اور جج غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ دے دے اور لوگ اس کے مطابق عمل کر لیں اور فی الواقع اس میں نقصان کا خدشہ ہو تو بعد میں اسے پچھتانا پڑ سکتا ہے اس لیے اس حالت میں فیصلہ دینے سے گریز کرے خاص طور پر حدود اور سزاؤں کے معاملے میں۔

یہی حکم ان تمام صورتوں میں ہے جب انسان کو اپنے ہوش و حواس پر قابو نہ رہے مثلاً انتہائی خوشی کی کیفیت میں انسان عام طور پر اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے، یا انتہائی صدمہ اور غم کی کیفیت میں، یا شدید نیند سے بدحال ہونے کی کیفیت میں بھی انسان کو اپنے ہوش و حواس پر قابو نہیں رہتا، ان تمام صورتوں میں اس کے لیے لائحہ عمل یہی ہے کہ وہ کوئی بھی فیصلہ نہ کرے تاکہ اسے بھی نقصان نہ ہو، کسی فریق کو بھی نقصان نہ ہو اور ہر ایک کو اس کا حق بھی مل جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ رُفِعَ عَنْهُ الْقَلَمُ

(٤٩١) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَكْبُرَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ۔

کون لوگ مرفوع القلم ہیں؟

تَرْجَمَۃٌ: حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے لوگ مرفوع القلم ہیں، ایک بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، دوسرے مجنون، یہاں تک کہ تندرست ہو جائے، اور تیسرے سویا ہوا شخص، یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔

حَلِّ عِبارت: "رفع" باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی اٹھانا "یکبر" باب کرم سے فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے بمعنی بڑا ہونا "یفیق" باب افعال سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی افاقہ ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ۴۴۰۳، والترمذی: ۱۴۲۳، وابن ماجه: ۲۰۴۱، وابن حبان: ۱۴۲، والحاکم: ۲/۵۹، واحمد: ۱۲۲۰۱۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں تین قسم کے لوگوں کو جو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً و قانوناً ان کی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا، خواہ اس کا تعلق معاملات سے ہو یا معاشرت سے اس لیے کہ جو آدمی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو اس میں "مکلّف" ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی لہٰذا احکام شرعیہ کو بھی اس کی طرف متوجہ نہیں کیا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ بچہ کوئی معاملہ کر لے تو اس کے ولی کو وہ معاملہ فسخ کرنے کی اجازت ہوتی ہے، مجنون کی دی گئی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی اور سویا ہوا شخص اولاً تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے لیکن اگر اسی حالت میں اس کے منہ سے اپنی بیوی کے لیے طلاق کے الفاظ نکل جائیں یا جائیداد کسی کی ملکیت میں دینے کی بات آجائے تو اس کا بھی اعتبار نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا اِذَا لَمْ تَكُنْ بَيِّنَةٌ

(۴۹۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَلْمُدَّعٰى عَلَيْهِ اَوْلٰى بِالْيَمِيْنِ اِذَا لَمْ يَكُنْ بَيِّنَةٌ۔

اگر گواہ موجود نہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مدعیٰ علیہ قسم کھانے کا زیادہ حقدار ہے جبکہ مدعی کے پاس بینہ نہ ہو۔

حَلِّ عِبارت: "المدعی علیه" جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہو، دعویٰ کرنے والے کو "مدعی" کہتے ہیں۔

تخریج حدیث: اخرج ابو داؤد مثله: ۳۶۱۹، والحدیث مشهور مستفیض بالفاظ اخر، وبهذا السیاق اخرجه عبدالرزاق: ۱۴۷۴۱، وابن عدی: ۲۵۴۔

مفہوم: شریعت کے اصولوں میں یہ ایک اہم ترین اصول ہے کہ اگر قاضی کی عدالت میں کوئی جھگڑا پیش ہو تو اس کا فیصلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ مدعی جو دعویٰ کر رہا ہے اس کے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے گواہ بھی ہیں یا نہیں؟ اگر مدعی کے پاس گواہ موجود ہوں جو مدعی کے حق میں اور مدعا علیہ کے خلاف گواہی دیدیں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے۔

اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ مدعی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے' اگر وہ قسم کھالیتا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دیتا ہے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ اس کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مدعی کے دعویٰ میں کچھ نہ کچھ صداقت بہرحال موجود ہے۔

بَابُ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ؟

(۴۹۳) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ اَنَّ رَجُلاً حَدَّثَهٗ اَنَّ الْاَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ اِشْتَرٰى مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَقِيْقًا فَتَقَاضَاهُ عَبْدُاللّٰهِ فَقَالَ الْاَشْعَثُ وَابْتَعْتُ مِنْكَ بِعَشْرَةِ الْاٰفٍ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ بِعْتُ مِنْكَ بِعِشْرِيْنَ اَلْفًا فَقَالَ اِجْعَلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ مَنْ شِئْتَ فَقَالَ اَنْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اُخْبِرُكَ بِقَضَاءٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فِى الثَّمَنِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ اَوْ يَتَرَادَّانِ۔

اگر بائع اور مشتری کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک غلام خریدا' بعد میں حضرت ابن مسعودؓ نے جب قیمت کا مطالبہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ میں نے آپ سے دس ہزار کے بدلے میں خریدا ہے' حضرت ابن مسعودؓ کہنے لگے کہ میں نے تو آپ کو یہ بیس ہزار میں فروخت کیا ہے' اور فرمایا کہ میرے اور اپنے درمیان جسے چاہو ثالث بنا لو' اشعث کہنے لگے کہ آپ ہی میرے اور اپنے درمیان ثالث ہیں اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں تمہیں نبی علیہ السلام کے ایک فیصلے کے متعلق بتاتا ہوں' میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیمت کی مقدار میں بائع اور مشتری کا اختلاف ہو جائے اور دونوں کے پاس کوئی گواہ نہ ہو' اور مبیع موجود ہو تو بائع کی بات کا اعتبار ہوگا یا پھر وہ دونوں از سر نو بیع کر لیں۔

(۴۹۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ الْاَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ اشْتَرٰى مِنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَقِيْقًا مِنْ رَقِيْقِ الْاِمَارَةِ فَتَقَاضَاهُ عَبْدُاللّٰهِ فَاخْتَلَفَا فِيْهِ فَقَالَ الْاَشْعَثُ اِشْتَرَيْتُ مِنْكَ بِعَشْرَةِ الْاٰفِ دِرْهَمٍ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بِعْتُ مِنْكَ بِعِشْرِيْنَ اَلْفًا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اِجْعَلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ رَجُلاً فَقَالَ الْاَشْعَثُ فَاِنِّيْ اَجْعَلُكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ نَفْسِكَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَاِنِّيْ سَاَقْضِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بِقَضَاءٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ فَاِمَّا اَنْ يَرْضَى الْمُشْتَرِيْ بِهٖ اَوْ يَتَرَادَّانِ الْبَيْعَ۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ وَالسِّلْعَۃُ قَائِمَۃٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ اَوْ یَتَرَادَّانِ۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ اَنَّ الْاَشْعَثَ اشْتَرٰی مِنْہُ رَقِیْقًا فَتَقَاضَاہُ وَاخْتَلَفَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰہِ بِعِشْرِیْنَ اَلْفًا وَقَالَ الْاَشْعَثُ بِعَشْرَۃِ الَافٍ فَقَالَ عَبْدُاللّٰہِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ اَوْ یَتَرَادَّانِ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں گزرا۔

حلِ عبارت: "رقیقا" غلام "فتقاضاہ" باب تفاعل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی تقاضا کرنا' مطالبہ کرنا "البیعان" بائع ومشتری' "السلعۃ" سامان' مبیع' "یترادان" باب تفاعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب ہے بمعنی باہم لوٹا لینا۔

تخریج حدیث: اخرجھما ابوداؤد مختصراً: ۳۵۱۱' وابن ماجہ: ۲۱۸۶' والنسائی: ۴۶۵۳' واحمد: ۴۴۴۷ وابن ابی شیبۃ: ۲۲۷/۶۔

مفہوم: اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا بھی دنیوی معاملات میں باہم اختلاف ہو جایا کرتا تھا۔

۲۔ اس اختلاف کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے کی عظمت اور اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔

۳۔ اختلاف کے موقع پر وہ جھگڑا بڑھانے کے بجائے ثالث مقرر کر لیا کرتے تھے اور اس کے فیصلے پر راضی ہو جاتے تھے۔

۴۔ اختلاف کے موقع پر وہ نبی علیہ السلام کے فیصلوں سے استشہاد کرتے تھے۔

۵۔ یہ شرعی اصول ہے کہ اگر قیمت کی مقدار میں دکاندار اور گاہک کے درمیان اختلاف ہو جائے' دکاندار زیادہ بتائے اور گاہک کم بتائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کی دو صورتیں ہیں' یا تو بائع کی بات کا اعتبار کیا جائے اور قیمت وہی ہو جو بائع بتا رہا ہے' اور اگر مشتری اس پر راضی نہ ہو اور سامان بھی موجود ہو تو ان دونوں کو چاہیے کہ پہلا معاملہ فسخ کر دیں اور از سر نو معاملہ کر لیں' اگر کسی بات پر اتفاق ہو جائے تو بہت اچھا' ورنہ مشتری اپنے پیسے لے کر واپس لوٹ جائے اور بائع اپنا مبیع سنبھال لے۔

بَابُ اِذَا اَقَامَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَابِعِیْنَ الْبَیِّنَۃَ

(۴۹۵) اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّ رَجُلَیْنِ اخْتَصَمَا اِلَیْہِ فِیْ نَاقَۃٍ وَقَدْ اَقَامَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا اَنَّھَا نُتِجَتْ عِنْدَہٗ فَقَضٰی بِھَا لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہٖ۔

اگر فریقین میں سے ہر ایک گواہ پیش کر دے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو آدمی آئے' وہ ایک اونٹنی کے بارے

جھگڑا کر رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لیے بینہ بھی قائم کیے ہوئے تھا کہ یہ اس کے یہاں پیدا ہوئی ہے' نبی علیہ السلام نے فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جس کے قبضے میں وہ تھی۔

(۴۹۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اِخْتَصَمَ رَجُلَانِ فِيْ نَاقَةٍ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُقِيْمُ الْبَيِّنَةَ اَنَّهَا نَاقَةٌ نَتَجَهَا فَقَضٰى بِهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِلَّذِيْ هِيَ فِيْ يَدِهٖ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ اَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ نَاقَةٍ فَاَقَامَ هٰذَا الْبَيِّنَةَ اَنَّهٗ نَتَجَهَا وَاَقَامَ هٰذَا الْبَيِّنَةَ اَنَّهٗ نَتَجَهَا فَجَعَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِلَّذِيْ هِيَ فِيْ يَدِهٖ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں گزرا۔

حل عبارت: "ناقة" اونٹنی "نتجت" باب ضرب سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پیدا کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجهما الدارقطني في سننه' والحارثي في مسنده: ۳۴۔

مفہوم: بعض اوقات قاضی صاحبان کے سامنے ایسے مسائل پیش ہوتے ہیں جن میں ان کی عقل چکرا کر رہ جاتی ہے اور وہ مسئلے کا حل تلاش کرنے میں پریشان ہو جاتے ہیں مثلاً یہ بات تو واضح ہے کہ کہ عام طور پر پیش آنے والے مقدمات میں ایک شخص مدعی ہوتا ہے اور دوسرا مدعی علیہ' اس صورت میں مدعی پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے بصورت دیگر مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی لیکن اگر قاضی کی عدالت میں ایسا مقدمہ پیش ہو' جس میں دونوں فریق ہی مدعی ہوں' دونوں ایک ہی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہوں تو قاضی صاحب ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ جاتے ہیں کیونکہ اس مسئلے کو حل کرنے کی عقلی طور پر تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ وہ چیز دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دی جائے' بعض روایات سے اس کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔

۲۔ قرعہ اندازی کر کے دیکھ لیا جائے' جس کے نام قرعہ نکل آئے' اسی کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے۔

۳۔ قبضہ کے ذریعے فیصلہ کیا جائے' فریقین میں سے جس کے قبضہ میں وہ چیز ہو' اسی کے دعوے کو مضبوط سمجھا جائے گا اور اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

زیر بحث حدیث میں اسی تیسری صورت کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی پر فقہاء احناف نے اپنی رائے کی بنیاد رکھی ہے' جبکہ شوافع پہلی صورت کو اس مضمون کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ترجیح دیتے ہیں۔

"وللناس فيما يعشقون مذاهب"

کتاب الفتن

فتنوں کا بیان

(۴۹۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ حُمَيْدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلٰى اُمَّتِیْ فَاِنَّ لِجَهَنَّمَ سَبْعَةَ اَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص میری امت پر تلوار کھینچتا ہے تو وہ یاد رکھے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک اس شخص کے لیے بھی ہے۔

حل عبارت: "سل" باب نصر سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی سونتنا' کھینچنا۔

تخریج حدیث: اخرج مسلم مثله: ۲۸۱ (۹۹)، واحمد بهذا السياق: ۵۶۸۹۔

مفہوم: اگر کوئی شخص آپ سے آ کر کہے کہ حرم شریف میں داخل ہونے کے دروازوں میں سے ایک دروازہ آپ کے نام سے منسوب کر کے آپ کے لیے خاص کر دیا گیا ہے تو یقیناً آپ کو بہت خوشی ہوگی لیکن اگر کوئی شخص کسی کو جا کر یہ اطلاع دے کہ فلاں جیل میں ایک دروازہ آپ کے نام سے منسوب کر کے آپ کے لیے مختص کر دیا گیا ہے تو یقیناً اگر وہ عادی مجرم نہ ہو تو اس کے چہرے پر اوس پڑ جائے گی اور وہ مارے خوف کے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دے گا۔

دنیا کی ان جیلوں کی آخرت کی اس جیل سے کیا مناسبت؟ جس کا نام ہی جہنم ہے' پھر ذرا سوچئے کہ اگر اس دائمی جیل کے سات دروازوں میں سے ایک دروازے کو صرف اس شخص کے ساتھ منسوب کر دیا جائے جو امت کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے تو اسے کس قدر غمگین ہونا چاہیے اور اپنے اعمال سے کس قدر توبہ کرنا چاہیے۔

اس لیے کہ خانہ جنگی "خواہ کہیں بھی ہو" اندرونی طور پر بھی انسان کو تباہ کر کے چھوڑتی ہے اور بیرونی اعتماد کو بھی زائل کر دیتی ہے خاندانی خانہ جنگی کا نتیجہ بھی بربادی اور افسوس کے سوا کچھ نہیں نکلتا اور ملکی خانہ جنگی کا نتیجہ بھی ذلت و رسوائی اور تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

اسلام اس خانہ جنگی کو کسی صورت برداشت نہیں کرتا' وہ آپس میں افتراق وانتشار اور لڑائی جھگڑے کی بجائے مذاکرات' امن وصلح اور آشتی کا پیغام دیتا ہے' اس لیے امن عامہ کو خراب کرنے والے اور پورے ملک کو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے والے کی سزا بھی اتنی سخت مقرر فرمائی کہ جہنم کا ایک پورا دروازہ اس قسم کے لوگوں کے لیے خاص کر دیا گیا اور اس اخروی سزا کے علاوہ دنیوی سزا کے طور پر بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص "جو ہم پر اسلحہ اٹھاتا ہے" ہم میں سے نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ ثَلٰثِیْنَ کَذَّابًا

(۴۹۸) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِی الْجَلَّاسِ قَالَ کُنْتُ مِمَّنْ سَمِعَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ السَّبَائِیِّ کَلَامًا عَظِیْمًا فَاَتَیْنَا بِهٖ عَلِیًّا وَنَحْنُ نَهُزُّ عُنُقَهٗ فِیْ طَرِیْقِهٖ فَوَجَدْنَاهُ فِی الرَّحْبَةِ مُسْتَلْقِیًا عَلٰی ظَهْرِهٖ وَاضِعًا اِحْدٰی رِجْلَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی فَسَأَلَهٗ عَنِ الْکَلَامِ فَتَکَلَّمَ بِهٖ فَقَالَ اَتَرْوِیْهِ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَوْ عَنْ کِتَابِهٖ اَوْ عَنْ رَسُوْلِهٖ فَقَالَ لَا قَالَ فَعَمَّا تَرْوِیْ قَالَ عَنْ نَفْسِیْ قَالَ اَمَّا اَنَّكَ لَوْ رَوَیْتَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اَوْ عَنْ کِتَابِهٖ اَوْ عَنْ رَسُوْلِهٖ ضَرَبْتُ عُنُقَكَ وَلَوْ رَوَیْتَهٗ عَنِّیْ اَوْ جَعْتُكَ عُقُوْبَةً فَکُنْتَ کَاذِبًا وَلٰکِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ ثَلٰثُوْنَ کَذَّابًا وَاَنْتَ مِنْهُمْ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْ اَبِی الْجَلَّاسِ قَالَ کُنْتُ فِیْمَنْ سَمِعَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ السَّبَائِیِّ کَلَامًا عَظِیْمًا فَاَتَیْنَا بِهٖ عَلِیًّا فَوَجَدْنَاهُ فِی الرَّحْبَةِ مُسْتَلْقِیًا ظَهْرَهٗ وَاضِعًا اِحْدٰی رِجْلَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی فَسَأَلَهٗ عَنِ الْکَلَامِ فَتَکَلَّمَ فَقَالَ اَتَرْوِیْهِ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اَوْ عَنْ کِتَابِهٖ اَوْ عَنْ رَسُوْلِهٖ قَالَ لَا قَالَ فَعَمَّنْ تَرْوِیْهِ قَالَ عَنْ نَفْسِیْ قَالَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ رَوَیْتَ عَنِ اللّٰهِ اَوْ عَنْ کِتَابِهٖ اَوْ رَسُوْلِهٖ ضَرَبْتُ عُنُقَكَ وَلَوْ رَوَیْتَ عَنِّیْ اَوْ جَعْتُكَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ ثَلٰثُوْنَ کَذَّابًا فَاَنْتَ مِنْهُمْ۔

تیس کذاب لوگوں کا بیان

ترجمہ: ابوالجلاس کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا یہودی سے ''بڑی بات'' سننے والوں میں میں بھی شامل تھا' ہم اسے لے کر حضرت علی مرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور راستے بھر اس کی گردن کھینچتے رہے' ہم نے حضرت علیؓ کو مسجد کوفہ کے صحن میں چت لیٹے ہوئے اور ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھے ہوئے دیکھا' حضرت علیؓ نے اس سے اس کے عقائد کے بارے پوچھا' اس نے کچھ بولا' حضرت علیؓ نے پوچھا کہ کیا تم یہ باتیں اللہ کے حوالے سے یا اس کی کتاب کے حوالے سے یا اس کے پیغمبر کے حوالے سے نقل کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا پھر کہاں سے بیان کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ اپنے دل سے! فرمایا اگر اب تو نے کوئی جھوٹی بات اللہ تعالیٰ یا اس کی کتاب یا اس کے پیغمبر کے حوالے سے نقل کی تو میں تیری گردن اڑا دوں گا اور اگر میری طرف منسوب کر کے نقل کی تو میں تجھے دردناک سزا دوں گا اور تو جھوٹا قرار دیا جائے گا' میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے قریب تیس کذاب آئیں گے اور تو ان ہی میں سے ایک ہے۔

حل عبارت: ''نهز'' باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی کھینچنا' حرکت دینا' ''رحبة'' صحن' کشادہ جگہ' ''اوجعتك'' باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی سزا دینا۔

تخریج حدیث: اما قوله: بین یدی الساعة ثلثون کذابا فقد اخرجه احمد ومسلم وغیرهما' واما بهذا السیاق فقد اخرجه

احمد: ۱۰۶۰۵، وابن ابی شیبة: ۳۱۶۹۴، وابو عوانة: ۷۵۰۹۔

مَفْهُوْم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت وعقیدت کا جھوٹا دم بھرنے والوں نے جس طرح انہیں الوہیت کے درجے پر فائز کر کے عیسائیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت وعقیدت کا جھوٹا دم بھرنے والوں نے حضرت علیؓ کو الوہیت کے مقام پر فائز کرنے میں اپنی پوری توانائیاں صرف کر دیں جن میں سرفہرست عبداللہ بن سبا یہودی تھا، اگر اسلام خدا کا آخری دین نہ ہوتا اور اس کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمے نہ لے رکھی ہوتی تو دشمنانِ حضرت علیؓ اور دشمنانِ اسلام نے اسے صفحۂ ہستی سے مٹانے کی جان توڑ کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔

اور عجیب بات ہے کہ حضرت علیؓ جس شخص کو جھوٹا، کذاب اور تیس میں کا ایک دجال قرار دے رہے ہیں بعض لوگوں کے نزدیک اس کا وجود ہی مشکوک ہو اور بعض کی نگاہوں میں وہ قومی ہیرو ہو، ظاہر ہے کہ یہ دونوں خیالات حقائق اور تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کی ذریت نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اس پر "آستین کا سانپ" والی کہاوت پوری پوری صادق آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؓ اس کے مذموم مقاصد اور باطل عقائد ونظریات پر مطلع ہوئے تو آپ نے اسے سخت سزا کی دھمکی دی اور جب وہ اپنے ان نظریات کی اشاعت سے باز نہ آیا اور لوگوں کی ایک جماعت کو اپنے گرد اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو باوجود ممنوع ہونے کے حضرت علیؓ نے انہیں آگ میں جلا دیا، لیکن نظریات وخیالات کا جو بیج وہ بو چکا تھا اب وہ تناور درخت بن چکا تھا جس نے اب بڑھتے بڑھتے پورے جنگل کی شکل اختیار کر لی ہے۔

بَابُ مَا يَكُوْنُ لِشِدَّةِ الزَّمَنِ

(۴۹۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَخْتَلِفُوْنَ اِلَى الْقُبُوْرِ فَيَضَعُوْنَ بُطُوْنَهُمْ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ وَدِدْنَا لَوْ كُنَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَكَيْفَ يَكُوْنُ قَالَ لِشِدَّةِ الزَّمَانِ وَكَثْرَةِ الْبَلَايَا وَالْفِتَنِ۔

زمانے کی سختی کا نتیجہ کیا ہوگا؟

تَرْجَمَۃ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ وہ قبروں پر آکر اپنے جسم ان پر رگڑیں گے، اور کہیں گے کہ کاش! ہم اس قبر والے کی جگہ ہوتے، کسی نے پوچھا یارسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا شدتِ زمانہ اور کثرت مصائب وفتن کی وجہ سے۔

حَلِّ عِبَارَت: "یختلفون" باب افتعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی اختلاف کرنا، مراد آنا جانا ہے کیونکہ آنے والے مختلف راستے پر ہوتے ہیں جانے والے سے۔ "بطونهم" بطن کی جمع ہے بمعنی پیٹ "وددنا"

باب سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے بمعنی پسند کرنا "البلایا" بلیۃ کی جمع ہے بمعنی آزمائش۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاري: ۷۱۱۵، ومسلم: ۷۳۰۲ (۱۵۷)

مفہوم: علماء کرام نے قیامت کی علامت کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے اور انہیں علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ کا نام دیا ہے، علامات کبریٰ میں ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ، خروج یاجوج وماجوج وغیرہ کو شمار کیا ہے اور انہی کے ظہور کا انتظار ہے جیسے ہی ان میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہوگی، دوسری علامات بھی یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہونا شروع ہو جائیں گی اور قیامت آ لگے گی، نزول عیسیٰ پر تو بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، بقیہ تینوں علامتوں کے لیے راقم الحروف کی ان موضوعات پر الگ الگ کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔

رہی قیامت کی علامات صغریٰ تو وہ سب پوری ہو چکی ہیں، زیر بحث حدیث میں بھی ان ہی میں سے ایک علامت کو بیان کیا گیا ہے جس کا مشاہدہ اب ہر شخص اپنی آنکھوں سے کرسکتا ہے کہ جان اور مال کے عدم تحفظ کی وجہ سے اب ہر انسان زمین کے اوپر رہنے سے بہتر زمین کے اندر رہنا سمجھتا ہے، زمین کی پشت کی نسبت زمین کا پیٹ اپنے لیے بہتر سمجھتا ہے، دنیا سے رخصت ہو جانے والوں کو اچھا سمجھتا ہے کہ دنیا کے ان جھنجھٹوں سے نجات پا کر وہی اچھے رہ گئے، ہم ابھی تک ان ہی الجھنوں میں پھنسے ہوئے ہیں، اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ لوگ زندگی کی بجائے موت کی تمنا کرنے لگے ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ تمنائے موت کا شرعی حکم کیا ہے؟ قابل غور بات یہ ہے کہ آخر زندگی کے مقابلے میں موت کی تمنا کرنے پر کون سی چیز انسان کو ابھار رہی ہے؟ اور وہ کیوں زندگی پر موت کو ترجیح دے رہا ہے؟ اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ زمانے کی سختیوں، تکلیفوں، پریشانیوں اور کثرت سے پیش آنے والے حادثات اور فتنوں نے انسان کو یہ راستہ دکھایا ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کی پیشین گوئی آج سے چودہ سو سال قبل نبی علیہ السلام نے فرما دی تھی۔

کتاب التفسیر

آیات قرآنی کی تفسیر

(۵۰۰) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ فَرْوَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِی الضُّحٰی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ الٓمّٓرٰ قَالَ اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَاَرٰی۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے ارشاد باری تعالیٰ "الٓمّٓرٰ" کی تفسیر میں منقول ہے کہ میں اللہ ہوں، جانتا اور دیکھتا ہوں۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ابی حاتم، وابن جریر، کما قاله ابن کثیر: ۵۳/۱۔

مفہوم: ''حروف مقطعات'' قرآن کریم کا ایک اہم ترین جزو ہیں جن کے بارے جمہور علماء ومفسرین کی صحیح رائے یہی ہے کہ ان کا معنی اور مطلب اللہ ہی کو معلوم ہے' چونکہ ان حروف میں کوئی عملی حکم موجود نہیں ہے اس لیے امت کو ان کا معنی معلوم ہونا ضروری نہیں ہے' البتہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ یہ قرآن کریم کا حصہ ہیں اور مہمل یا بے معنی الفاظ نہیں ہیں۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو کہ ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور ہیں' ان حروف مقطعات میں سے ہر ایک کا معنی بیان فرماتے ہیں اور ان حروف مقطعات کو اسماء و صفات الٰہیہ کا مخفف قرار دیتے ہیں جیسا کہ زیر بحث روایت میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ الف سے ''انا'' لام سے اللہ' میم سے ''اعلم'' اور را سے ''اری'' مراد لے رہے ہیں۔
فائدہ: مسند کے اس نسخے میں جو ہمارے پیش نظر ہے ''الم'' لکھا ہوا ہے' لیکن ہم نے اسے کاتب کی غلطی پر محمول کرتے ہوئے اس کا تلفظ ''المر'' کیا ہے' ورنہ ''انا الله اعلم'' کے بعد ''اری'' کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔

بَابُ قَوۡلِهٖ تَعَالٰی اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ

(۵۰۱) حَمَّادٌ عَنۡ اَبِیۡهِ عَنۡ سَلَمَةَ بۡنِ نُبَیۡطٍ قَالَ کُنۡتُ عِنۡدَ الضَّحَّاكِ ابۡنِ مُزَاحِمٍ فَیَسۡئَالُهٗ رَجُلٌ عَنۡ هٰذِهِ الۡاٰیَةِ اِنَّا نَرَاكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ مَا کَانَ اِحۡسَانُهٗ قَالَ کَانَ اِذَا رَاٰی رَجُلًا مُضَیَّقًا عَلَیۡهِ وَسَّعَ عَلَیۡهِ وَاِذَا رَاٰی مَرِیۡضًا قَامَ عَلَیۡهِ وَاِذَا رَاٰی مُحۡتَاجًا سَاَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ۔

سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۳۶ کی تفسیر

ترجمہ: سلمہ بن نبیط کہتے ہیں کہ میں ضحاک بن مزاحم کے پاس تھا' ان سے ایک آدمی نے آکر یہ سوال پوچھا کہ ''انا نراك من المحسنين'' والی آیت میں ''احسان'' سے کیا مراد ہے؟ فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام جب کسی قیدی کو تنگی میں دیکھتے تو اس پر کشادگی کر دیتے' کسی کو بیمار پاتے تو اس کی دیکھ بھال کرتے اور جب کسی کو محتاج دیکھتے تو اس کی ضرورت پوری کر دیتے۔
تخریج حدیث: اخرجه البغوی فی تفسیره۔
مفہوم: اس حدیث میں سورۂ مبارکہ یوسف کی آیت نمبر ۳۶ کی تفسیر ذکر کی گئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب عزیز مصر نے ناکردہ گناہ کی پاداش میں جیل بھیجا تو وہاں ان سے دو قیدیوں نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی اور کہا کہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں' جیل میں ''احسان'' چہ معنی دارد؟ زیر بحث روایت میں اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

لیکن اس وضاحت پر پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جیل میں تو آدمی خود تنگدست ہوتا ہے' دوسروں پر کیا کشادگی

کرے گا اور کسی محتاج کی ضرورت کیونکر پوری کرے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی عادات اور طور طریقوں سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ آدمی جب جیل میں اتنا اچھا ثابت ہو رہا ہے' تو یقیناً جیل سے باہر یہ لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہوگا' ان کی بیمار پرسی کرتا ہوگا اور تنگدستوں کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہوگا اس لیے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ان عادات کو سامنے رکھ کر یہ کہا کہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں یعنی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا شیوہ احسان کرنا ہے لہٰذا ہم پر بھی ایک احسان کر دیجیے اور ہمارے خواب کی تعبیر بتا دیجیے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ

(۵۰۲) حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَطِیَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ اَلْمُتَفَرِّسِیْنَ۔

فراستِ مؤمن کا بیان

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی ''ان فی ذلك لایت للمتوسمین'' بمعنی فراست والے۔

حلِ عبارت: ''فراسة'' وہ باطنی نور جو انسان کو صحیح راستہ اور مخفی اشیاء دکھا دے' اسی سے ''متفرسین'' بھی ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ۳۱۲۷۔

مفہوم: ''فراست'' ایک ایسے باطنی نور کا نام ہے جس کی روشنی اور چمک سے انسان ''ظاہر'' کے حالات وحقائق پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس نور کے اثرات کا بعض اوقات لوگوں کو بھی مشاہدہ ہوتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کی کرامات اسی قبیل سے ہیں لیکن یہ چیز یوں ہی حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے لیے اللہ سے مضبوط ترین تعلق بہت ضروری ہوتا ہے' یہ بات اس لیے کہی جا رہی ہے کہ فراست اور شعبدہ بازی میں فرق کرنا ممکن ہو سکے۔

جبکہ بعض علماء کرام فراست کا معنی تجربہ بتاتے ہیں کہ انسان لوگوں کے طور طریقوں کو دیکھ دیکھ کر اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر چہرہ شناسی کا جو مرتبہ حاصل کرتا ہے اسے ''فراست'' کہا جاتا ہے' پہلی صورت میں اس کا نور الٰہی کا اثر ہونا واضح ہے اور سورۂ حجر کی آیت نمبر ۷۵ جس کی نبی علیہ السلام نے تلاوت فرمائی اور زیر بحث حدیث میں فراست سے پہلا معنی ہی مراد ہے' جبکہ دوسری صورت میں یہ انسانی محنت و مشقت پر مبنی ہے نیز پہلی صورت میں یہ نعمت کسی کو بھی حاصل ہو سکتی ہے' جبکہ دوسری صورت میں اس کے لیے طویل تجربہ اور مزاج شناسی کا ملکہ نہ ہونے کی صورت میں یہ کیفیت

حاصل نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

بَابُ قَوْلِهٖ تَعَالٰی فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ

(۵۰۳) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

سورۂ حجر کی آیت نمبر ۹۲ کی تفسیر

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے "**فو ربك لنسالنهم اجمعين عما كانوا يعملون**" کی وضاحت میں فرمایا ہے اس سے مراد "**لا اله الا الله**" ہے۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذي: ۳۱۲٦۔

مفہوم: علماء کرام نے یہاں یہ بحث چھیڑی ہے کہ قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے یا نہیں؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے جو کہ سورۂ حجر کی آیت نمبر ۹۲، ۹۳ ہے کہ قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے جبکہ بعض آیات سے اس کی نفی ہوتی ہے؟ پھر انہوں نے اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو سوال کی ضرورت ہی نہیں اس لیے جن آیات میں نفی ہے ان کا مطلب تو واضح ہے اور جن آیات میں سوال کا اثبات ہے وہ زجر و توبیخ پر محمول ہیں۔

لیکن راقم الحروف کے نزدیک اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس آیت میں درحقیقت منکرین قرآن کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ تم تکذیب و تردید کی جس راہ پر چل رہے ہو یہ تمہارے حق میں مفید نہیں کیونکہ دنیا میں بھی تم پر ہماری پکڑ آ سکتی ہے اور اگر یہاں ڈھیل مل گئی تو آخرت کے عذاب سے بچ کر کہاں جا سکو گے؟ وہاں تمہارا مال و دولت اور آل و اولاد کسی کام نہ آ سکیں گے، وہاں تو سکہ رائج الوقت کلمہ توحید و رسالت کا اقرار اور اعمال صالحہ کی پونجی ہوگی، اور ہم ایک ایک سے اسی سکہ رائج الوقت کا سوال کریں گے، جس کے پاس یہ نکل آیا اسے سیدھا جنت میں بھیج دیں گے اور جس کے پاس نہ نکلا اسے سیدھا جہنم میں بھیج دیں گے، اس تقریر سے آیت کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے اور مذکورہ سوال جواب کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

بَابُ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ

(۵۰۴) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ زِرٍّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِجِبْرَئِيْلَ مَالَكَ تَزُوْرُنَا اَكْثَرَ مَا تَزُوْرُنَا قَالَ فَاُنْزِلَتْ بَعْدَ لَيَالٍ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا۔

سورۂ مریم کی آیت نمبر ٦۴ کی تفسیر

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل سے ایک مرتبہ فرمایا تم اس مقدار

سے زیادہ کثرت کے ساتھ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ چند ہی دنوں کے بعد یہ آیت نازل ہوگئی "**وما نتنزل الا بامر ربك له ما بين ايدينا وما خلفنا**"

حلِ عبارت: "مالك" میں "ما" حرف استفہام ہے "تزورنا" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی ملاقات کرنا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٤٧٣١' والترمذی: ٣١٥٨۔

مفہوم: اس حدیث میں سورۂ مبارکہ مریم کی آیت نمبر۶۴ کا شان نزول بیان کیا گیا ہے' جس پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض روایات کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام جتنی کثرت کے ساتھ (بعض علماء کے مطابق ۲۳ سالہ دور نبوت میں ۲۴ ہزار مرتبہ) نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں' کسی اور نبی کی خدمت میں باوجود ان کی طویل عمروں کی تشریف نہیں لائے' اس کے باوجود نبی علیہ السلام کا ان سے کثرت اور اضافہ کا تقاضا کرنا چہ معنی وارد؟

بہت سے علماء کرام نے اسے شوق اور رغبت پر محمول کیا ہے کیونکہ جبرئیل کی آمد کسی نہ کسی حکم الٰہی کا اعلان ہوتی تھی' اور محبوب کی بات بھی محبوب ہوتی ہے اس لیے یہ تقاضا کیا' لیکن راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب کہ فترت وحی کا زمانہ گزرنے کے بعد پہلی مرتبہ حضرت جبریل حاضر خدمت ہوئے تھے' درایۃً بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ فترت وحی کے بعد تو خود بخاری شریف کی روایت کے مطابق "**فحمی الوحی وتتابع**" والی صورت پیدا ہوگئی تھی۔

اور الحمد للہ! بعد میں کتب تفسیر کی مراجعت سے حافظ ابن ابی حاتم کا قول بھی راقم کی موافقت میں مل گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُنْكَرِ الَّذِىْ يَأْتِيهِ قَوْمُ لُوْطٍ

(٥٠٥) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِىءٍ قَالَتْ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا كَانَ الْمُنْكَرُ الَّذِىْ كَانُوْا يَأْتُوْنَ فِىْ نَادِيْهِمْ قَالَ كَانُوْا يَخْذِفُوْنَ النَّاسَ بِالنَّوَاةِ وَالْحَصَاةِ وَيَسْخَرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الطَّرِيْقِ۔

قوم لوط کے ناپسندیدہ عمل کا بیان

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون سا ناپسندیدہ کام تھا' جو قوم لوط کے لوگ اپنی مجلسوں میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا وہ لوگوں کو گٹھلیاں اور کنکریاں مارتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

حلِ عبارت: "يخذفون" باب ضرب سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کنکر مارنا "النواة" گٹھلی "الحصاة"، کنکری' "يسخرون" باب سمع سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی مذاق اڑانا۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ۳۱۹۰، واحمد: ۲۷٤۲۹، والطیالسی: ۱٦۱۷۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کا تعلق سورۂ عنکبوت کی آیت نمبر ۲۹ سے ہے جس میں قوم لوط کی عادات و خصائل میں سے ایک خصلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی مجلسوں میں برسر عام ہر ایک کے سامنے ناپسندیدہ کاموں اور حرکتوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے، اور ایک دوسرے کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے کہ کسی چھوٹے بڑے کو دیکھ کر ہی شرما جائیں بلکہ سب مل کر ایسی حرکتیں کرتے تھے کہ ہر راہ گیر کو چھیڑتے، اسے کنکریاں مارتے اور اس کا مذاق اڑاتے اور قہقہے لگاتے، جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ برسرعام بھری محفل اور مجلس میں ایک دوسرے سے جسمانی لذت حاصل کر لیا کرتے تھے، اور ایک دوسرے کے سامنے اپنے اعضاء رئیسہ کو ظاہر کر دیتے تھے اور اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں ان ہی کی مذمت بیان کی گئی ہے اور ان کی غلطیوں کو دہرانے سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے ان کا انجام بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہر اخلاقی عیب اور ہر قسم کی گندگی و بدکرداری سے ہماری حفاظت فرمائے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي ضُعُفٍ

(۵۰٦) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَرَاَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً فَرَدَّ عَلَيْهِ وَقَالَ قُلْ مِنْ ضُعُفٍ۔

لفظ ضعف میں قراءت کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے نبی علیہ السلام کے سامنے "اللہ الذی خلقکم من ضعف الخ" والی آیت ض کے فتحہ کے ساتھ پڑھی تو آپ ﷺ نے اسے رد کرتے ہوئے فرمایا "من ضعف" (ضمہ کے ساتھ) کہو۔

تخریج حدیث: اخرجه الترمذی: ۲۹۳٦، وابوداؤد: ۳۹۷۸، واحمد: ۵۲۲۷، و ابن کثیر: ۵۷٦/۳۔

مفہوم: اس حدیث کا مفہوم واضح ہونے کے لیے ضُعف اور ضَعف میں فرق واضح ہونا ضروری ہے، چنانچہ علماء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ ضُعف کا معنی جسمانی کمزوری ہے اور ضَعف کا معنی عقلی کمزوری ہے، ظاہر ہے کہ جسمانی کمزوری کے بعد قوت کا حاصل ہونا تو سمجھ میں آتا ہے اور یہی آیت کا منشاء ہے لیکن عقلی کمزوری کے بعد قوت جسمانی کا حاصل ہونا ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، اسی لیے نبی علیہ السلام نے اس لفظ کو ضمہ کے ساتھ پڑھنے پر اصرار فرمایا۔

جبکہ بعض علماء کرام ان دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے اور یہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو ض کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا مَضٰى مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ

(۵۰۷) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَدْ مَضٰى الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قیامت کی گزر جانے والی علامات کا بیان

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "دخان اور بطشہ" تو نبی علیہ السلام کے دور باسعادت میں ہی گزر چکے۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مطولاً: ٤٧٧٤، ومسلم: ٧٠٦٨ (٢٧٩٨) والترمذی: ٣٢٥٤۔

مفہوم: اس روایت کا مکمل پس منظر سمجھنے کے لیے بخاری شریف کی اس روایت کو بھی ساتھ ملانا ضروری ہے کہ جس کے مطابق ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے قریش کی چیرہ دستیوں اور سازشوں سے تنگ آ کر ان کے خلاف بددعاء کی بارگاہ خداوندی میں اسی وقت اسے شرف قبولیت مل گیا' اور اہل مکہ سخت قسم کی قحط سالی میں مبتلا ہو گئے اور نوبت بایں جا رسید کہ کتے اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے اور بہت سے اسی دوران مر گئے' ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اپنی قوم کے لیے دعا کیجیے' بالآخر نبی علیہ السلام کی دعاء پر وہ عذاب ٹلا۔

اس قحط میں اہل مکہ کی صورت حال یہ تھی کہ بھوک سے نڈھال ہو کر انہیں بس ہر طرف دھواں ہی دھواں دکھائی دیتا تھا' اور کچھ نہ سجھائی دیتا' قرآن کریم نے سورۂ دخان میں اسی کا تذکرہ کیا ہے' اسی طرح سورۂ دخان میں جس بطشۂ کبریٰ کا ذکر آیا ہے وہ غزوۂ بدر کی صورت میں ہو گئی اور اتنی سخت پکڑ ثابت ہوئی کہ اس میں قریش کے بڑے بڑے سورما مارے گئے۔

گویا حضرت ابن مسعودؓ کی رائے کے مطابق یہ دونوں چیزیں دور نبوت میں ہی وقوع پذیر ہو چکیں' رہی یہ بات کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس بات کی وضاحت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس کے برعکس رائے رکھتے تھے اور وہ انہیں ان علامات قیامت میں شمار کرتے تھے جو قرب قیامت میں ظاہر ہوں گی' ان کی رائے مبنی بر صحت نہ ہونے کو ثابت کرنے کے لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ وضاحت کرنا پڑی۔

بَابُ الْوَلَدُ مِنْ كَسْبِ الرَّجُلِ

(۵۰۸) اَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَهِبَةُ اللّٰهِ لَكُمْ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ۔

اولاد انسان کی کمائی ہوتی ہے

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہاری اولاد تمہاری کمائی میں سے ہے اور تمہارے لیے اللہ کا تحفہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں دے دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بیٹے دے دیتا ہے۔

تخریج حدیث: اخرج ابوداؤد مثله: ۳۵۲۸، والترمذی: ۱۳۵۸، وابن ماجه: ۲۲۹۰، والنسائی من: ٤٤٥٤ الی: ٤٤٥٧، واحمد: ۲٤٥۳۳، وابن حبان: ٤۲٦٠۔

مفہوم: چونکہ دنیا میں نسل انسانی کی بقاء کا ظاہری اعتبار سے سب سے بڑا ذریعہ اولاد ہی ہے اور ہر انسان اپنی نسل کی بقاء کی خواہش رکھتا ہے اس لیے فطری طور پر اسے اولاد کی خواہش بھی ہوتی ہے جو اکثر اوقات پوری بھی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات حکمت خداوندی کا تقاضا اولاد نہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جسے اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمایا جائے، ایک قدم آگے بڑھ کر اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسے اولاد نرینہ عطاء ہو، اسی خواہش کی تکمیل میں بعض اوقات اس کی اولاد کی تعداد آٹھ نو سے بھی تجاوز کر جاتی ہے، اور اسی چکر میں بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان خاموش جنگ بھی شروع ہو جاتی ہے، میاں کہتا ہے کہ تم ہر مرتبہ بچی کو جنم دیتی ہو؟ بیوی کہتی ہے کہ اس میں میرا کیا عمل دخل ہے؟ یہ تو تو میں میں بڑھتے بڑھتے دونوں کے خاندانوں تک وسیع ہو جاتی ہے اور نتیجہ اولاد کی عدم تربیت کی صورت میں نکلتا ہے، اگر انسان صرف اس بات پر غور کر لے کہ یہ چیز میری خواہش پر نہیں، اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتی ہے تو کبھی یہاں تک نوبت ہی نہ پہنچے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ

(۵۰۹) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مَكِّيِّ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ لَهِيْعَةَ عَنْ اَبِيْ قَبِيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْمُزَنِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِمَا فِيْهَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَقَالَ رَجُلٌ وَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ وَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ وَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ۔

اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کا بیان

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، جو نبی علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے دنیا و مافیہا کے مقابلے میں مجھے یہ آیت زیادہ پسند ہے **"قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم الخ"** ایک شخص نے عرض کیا کہ مشرک کا کیا حکم ہے؟ اس پر نبی علیہ السلام خاموش رہے تین مرتبہ اس طرح سوال اور خاموشی کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا

ہاں! مشرک کا بھی یہی حکم ہے۔

تخریج حدیث: اخرجہ احمد: ۲۲۷۲۰۔

مفہوم: سورۂ مبارکہ زمر کی یہ آیت نمبر ۵۳ ہے جو ''آیت امید'' ہے علامت رحمت اور مایوسیوں کے بادلوں کی دبیز تہوں کو پھاڑنے والی ہے' یہ بڑے سے بڑے گناہگار اور مشرک کو ناامید ہونے سے بچاتی ہے' یہ بڑے سے بڑے ظالم اور بدکار و قاتل کو مایوسی کے بھنور سے نکالتی ہے' یہ زندگی کے ہر شعبے میں پاپی بن کر زندگی گزارنے والوں کو اپنے رب سے قریب کرتی ہے اور امیدوں کے ایسے دیے روشن کرتی ہے جس سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے دل روشن ہو جائیں۔

اس آیت کا ترجمہ خود اپنی وضاحت آپ ہے اس لیے اس کی تشریح کیے بغیر ہم اس کا ترجمہ ہی پیش کیے دیتے ہیں۔

''اے میرے حبیب ﷺ! آپ فرما دیجیے کہ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بیشک وہ سارے گناہوں کو معاف فرما دے گا' وہی تو بے انتہاء بخشنے والا اور بے حد مہربان ہے۔''

بَابُ كَيْفَ اَسْلَمَ وَحْشِيُّ بْنُ حَرْبٍ

(۵۱۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيِّ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ وَحْشِيًّا لَمَّا قَتَلَ حَمْزَةَ مَكَثَ زَمَانًا ثُمَّ وَقَعَ فِيْ قَلْبِهِ الْاِسْلَامُ فَاَرْسَلَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهٗ قَدْ وَقَعَ فِيْ قَلْبِهِ الْاِسْلَامُ وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا فَاِنِّيْ قَدْ فَعَلْتُهُنَّ جَمِيْعًا فَهَلْ لِيْ رُخْصَةٌ۔

قَالَ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْ لَهٗ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا قَالَ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهٰذِهٖ فَلَمَّا قُرِاَتْ عَلَيْهِ قَالَ وَحْشِيٌّ اِنَّ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ شُرُوْطًا وَاَخْشٰى اَنْ لَّا اٰتِيَ بِهَا وَلَا اُحَقِّقُ اَنْ اَعْمَلَ عَمَلًا صَالِحًا اَمْ لَا فَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ اَلْيَنُ مِنْ هٰذَا يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ قَالَ فَكَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ وَبَعَثَ اِلٰى وَحْشِيٍّ۔

قَالَ فَلَمَّا قُرِاَتْ لَهٗ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاَنَا لَا اَدْرِيْ لَعَلِّيْ اَنْ لَا اَكُوْنَ فِيْ مَشِيَّتِهٖ اِنْ شَاءَ فِي الْمَغْفِرَةِ وَلَوْ كَانَتِ الْاٰيَةُ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلَمْ يَقُلْ لِمَنْ شَاءَ كَانَ ذٰلِكَ فَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ اَوْ سَعُ مِنْ ذٰلِكَ يَا مُحَمَّدُ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ بِهٰذِهٖ

الْاٰیَةِ قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ قَالَ فَکَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَبَعَثَ بِهَا اِلٰی وَحْشِیٍّ فَلَمَّا قُرِأَتْ عَلَیْهِ قَالَ اَمَّا هٰذِهِ الْاٰیَةُ فَنَعَمْ ثُمَّ اَسْلَمَ فَاَرْسَلَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ قَدْ اَسْلَمْتُ فَاْذَنْ لِیْ فِیْ لِقَائِكَ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ وَارِعَنِّیْ وَجْهَكَ فَاِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اَمْلَاءَ عَیْنِیْ مِنْ قَاتِلِ حَمْزَةَ عَمِّیْ قَالَ فَسَكَتَ وَحْشِیٌّ حَتّٰی كَتَبَ مُسَیْلَمَةُ مِنْ مُسَیْلَمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اشْرَكْتُ فِی الْاَرْضِ فَلِیَ نِصْفُ الْاَرْضِ وَلِقُرَیْشٍ نِصْفُهَا غَیْرَ اَنَّ قُرَیْشًا قَوْمٌ یَعْتَدُّوْنَ قَالَ فَقَدِمَ بِكِتَابِهٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجُلَانِ فَلَمَّا قُرِیَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْكِتَابُ قَالَ لِلرَّسُوْلَیْنِ لَوْلَا اَنَّكُمَا رَسُوْلَانِ لَقَتَلْتُكُمَا ثُمَّ دَعَا بِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ اُكْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی مُسَیْلَمَةَ الْكَذَّابِ السَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔

قَالَ فَلَمَّا بَلَغَ وَحْشِیًّا مَا كَتَبَ مُسَیْلَمَةُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَخْرَجَ الْمِدْرَاعَ فَصَقَلَهٗ وَهَمَّ بِقَتْلِ مُسَیْلَمَةَ فَلَمْ یَزَلْ عَلٰی عَزْمِ ذٰلِكَ حَتّٰی قَتَلَهٗ یَوْمَ الْیَمَامَةِ۔

وحشی بن حرب نے اسلام کیسے قبول کیا؟

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب وحشی بن حرب نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو ایک زمانہ تک کفر پر ہی رہے جب دل میں اسلام گھر کر گیا تو نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اسلام میرے دل میں گھر کر چکا ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے اور ناحق کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہو اور زنا نہیں کرتے' جو شخص ایسا کرے گا وہ سزا سے دو چار ہوگا' جو قیامت کے دن دوگنی کر دی جائے گی اور وہ اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا' میں نے یہ سب کام کر رکھے ہیں' کیا میرے لیے رخصت کا کوئی پہلو ہے؟

راوی کہتے ہیں کہ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد ﷺ! اسے کہہ دیجیے کہ جو شخص توبہ کر لے' ایمان لے آئے اور اچھے اعمال کرے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے' نبی علیہ السلام نے اسے یہ جواب بھجوا دیا' جب وہ آیات اسے پڑھ کر سنائی گئیں تو اس نے کہا کہ اس آیت میں تو کچھ شرائط ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں ان شرائط کو پورا نہیں کر سکوں گا اور مجھے یقین نہیں ہے کہ میں اچھے اعمال کر سکوں

گا یا نہیں؟ تو کیا اس سے زیادہ بھی نرم حکم ہو سکتا ہے؟

اس پر جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ ہر گناہ جسے چاہے گا معاف فرما دے گا' نبی علیہ السلام نے یہ آیت وحشی کے پاس لکھ بھیجی' جب اس کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو اس نے اپنے عریضے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے "ان الله لا يغفر ان يشرك به الخ" مجھے کیا پتہ کہ اس کی مشیت میری مغفرت سے متعلق ہے یا نہیں؟ اگر یہ آیت یوں ہوتی "ويغفر ما دون ذلك" اور "لمن يشآء" نہ ہوتا تو بات بن جاتی' کیا آپ کے پاس اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے؟

اس پر جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرما دیجیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بیشک اللہ سب گناہوں کو معاف فرما دے گا' بیشک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے' نبی علیہ السلام نے یہ آیت لکھ کر وحشی کو بھیج دی' جب اس کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو اس نے کہا کہ ہاں! یہ آیت ہے' پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد اس نے پیغام بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اب مجھے ملاقات کی اجازت بھی مرحمت فرمایئے' نبی علیہ السلام نے یہ جواب بھیجا کہ مجھ سے اپنے چہرے کو چھپا کر ہی رکھو کیونکہ میں اپنے چچا حمزہ کے قاتل کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا' اس پر وحشی خاموش ہو گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد مسیلمہ نے نبی علیہ السلام کے پاس یہ پیغام بھیجا "پیغمبر خدا مسیلمہ کی طرف سے پیغمبر خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف' اما بعد! میں زمین میں آپ کا شریک ہوں' اس لیے نصف زمین میری ہے اور نصف قریش کی' یہ الگ بات ہے کہ قریش ایک با اعتماد قوم ہے" اس کا یہ پیغام نبی علیہ السلام کے پاس دو آدمی لے کر آئے' نبی علیہ السلام کو جب یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قاصدوں سے فرمایا اگر تم دونوں قاصد نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کروا دیتا' پھر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا لکھو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف' پیروکارِ ہدایت پر اللہ کی سلامتی ہو' اما بعد! زمین اللہ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام متقیوں کا ہوتا ہے' وصلى الله على سيدنا محمد۔

جب وحشی کو مسیلمہ کے اس خط کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے اپنا حربہ نکالا' اس کی دھار تیز کی اور مسیلمہ کے قتل کی فکر میں رہا یہاں تک کہ جنگ یمامہ کے دن اسے جہنم رسید کر دیا۔

حلِّ عبارت: "فعلتهن" فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی کرنا "شروطا" شرط کی جمع ہے "احقق" باب تفعیل سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی محقق کرنا' ثابت کرنا "الين" اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی نرم "قرات" باب فتح سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی پڑھنا' "اوسع" اسم تفضیل کا صیغہ ہے بمعنی کشادگی "وادعنی" "عن" حرف جار اور "ی" ضمیر متکلم مجرور ہے' صرف لفظ "وار" صیغہ ہے جو باب مفاعلہ سے فعل امر

معروف کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی چھپانا "املا" باب فتح سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی بھرنا "اشرکت" باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی شریک کرنا "المدراع" حربۃ چھوٹا نیزہ "فصقله" باب نصر اور سمع سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی چمکانا' دھار تیز کرنا "هم" باب نصر سے مذکورہ صیغہ ہے بمعنی ارادہ کرنا۔

تخریج حدیث: اورده الزبيدى في عقود الجواهر المنيفة: ١/٢٠٠' واما انه كيف اسلم فقد اخرجه البخارى: ٤٠٧٢۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ کی تفصیلی وضاحت اور اس پر سیر حاصل بحث کے لیے تو بڑا وقت درکار ہے جس کی فرصت اجازت دی جاتی ہے اور نہ یہ صفحات اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اس لیے صرف ایک نکتے کی طرف آپ کو متوجہ کرتا ہوں۔

'اور وہ یہ کہ جب وحشی بن حرب نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کیا تو اس نے صرف ایک صحابی کو شہید نہیں کیا تھا' بلکہ اس نے نبی علیہ السلام سے ان کا حقیقی چچا چھین لیا تھا' نبی علیہ السلام سے ان کا رضائی اور دودھ شریک بھائی چھین لیا تھا' ایک ایسا بہادر اور جی دار پہلوان چھین لیا تھا جو اکیلا ہی پورے غنیم کو کافی ہو جاتا تھا' ایک سجیلا اور کڑیل نوجوان چھین لیا تھا اور صرف اس پر اکتفاء نہیں کیا تھا بلکہ اس کے جسم کے ٹکڑے کیے گئے' اس کا سینہ چیر کر جگر چبایا گیا' اس میں شراب پی گئی اور بزعم خود اپنے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچائی گئی۔

یہ نبی علیہ السلام ہی کا حوصلہ تھا کہ اس شخص کو نہ صرف یہ کہ معاف کر دیا بلکہ اسے مسلمانوں کی صف میں قبول بھی کر لیا' اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی علیہ السلام نے اسے اپنے سامنے آنے سے کیوں روکا؟ تو ظاہر ہے کہ یہ شخص جان بوجھ کر نادان بن رہا ہے اور حقائق کو چھپا رہا ہے۔

الغرض! وحشی نے حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کر کے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا' اسی وحشی سے پروردگار عالم نے اس نقصان کا ازالہ اس طرح کروایا کہ نبوت کے جھوٹے دعوے دار مسیلمہ کذاب کو اس کے ہاتھوں' اسی نیزے سے جہنم رسید کروایا جس سے اس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ پروردگار اپنے دین کی خدمت جس سے چاہے' لے سکتا ہے' نیز یہ کہ کسی شخص کے برے کام کو دیکھ کر اس پر کوئی حکم صادر نہیں کرنا چاہیے' ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے انجام کار ایسا کام لے لے جس سے اس کا سارا داغدار ماضی دھل کر صاف ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ

(٥١١) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِى الزَّعْرَاءِ مِنْ اَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيُخْرَجَنَّ بِشَفَاعَتِىْ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ مِنَ النَّارِ حَتّٰى لَا يَبْقٰى فِيْهَا اَحَدٌ اِلَّا اَهْلُ هٰذِهِ الْاٰيَةِ مَا

سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰى اَتَانَا الْيَقِيْنُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ يُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَقْوَامًا مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ حَتّٰى لَا يَبْقٰى اِلَّا مَنْ ذَكَرَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ اِلَى الشَّافِعِيْنَ ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری شفاعت کی برکت سے اہل ایمان کو جہنم سے نکالا جائے گا حتی کہ اس میں کوئی مومن باقی نہیں رہے گا مگر اس آیت کی وجہ سے کہ تمہیں کون سی چیز جہنم میں لے آئی؟ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے' مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے' بیکار کاموں میں گھسے رہتے تھے اور قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی' سو اب انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

(۵۱۲) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا يَبْقٰى فِی النَّارِ اِلَّا مَنْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِیْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ اِلَى الشَّافِعِيْنَ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔

تخریج حدیث: اخرجهما فی سراج المنیر۔

مفہوم: بعض لوگوں کی رائے عام طور پر پڑھنے اور سننے کو ملتی رہتی ہے کہ ہم تو جنت کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور مرتے ہی سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے' اس لیے ہمیں نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں' کوئی بھوکا مرتا ہے تو ہماری بلا سے اور ہماری مصروفیات لغویات ہیں یا ضروریات؟ انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی' اور اگر ان سے کوئی ان کاموں پر اصرار کرے تو کہتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب ہمیں بخشوالیں گے' وہ ہماری سفارش کر دیں گے اور ہم فرشتوں کو چکمہ دے کر جنت میں پہنچ جائیں گے' اور اس پر حاشیہ یہ لگاتے ہیں کہ جنت میں جانے کے لیے اصل چیز ایمان ہے' جس کے پاس ایمان ہے وہ جہنم میں نہیں جائے گا خواہ اس کے اعمال دیکھ کر شیطان بھی کیوں نہ شرما جاتا ہو۔

ایسے حضرات سے بڑی عاجزی اور انتہائی ادب سے درخواست ہے کہ ان آیات کریمہ کے متعلق جناب والا کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ان آیات میں تو ایمان کے ساتھ اعمال کی پونجی نہ ہونے کی صورت میں جہنم کے عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے' ظاہر ہے کہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ لوگ تو اعمال کی ضرورت کا ہی انکار کرتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ واقعۃً اگر ایمان نہ ہو تو انسان کے سارے نیک اعمال دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور واقعۃً ایمان کے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکے گا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس سے ضرورتِ اعمال کی نفی کا استنباط کر لیا جائے، ایمان اور عمل صالح میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی حیثیت ہے اور ہر مسلمان کے پاس یہ دونوں چیزیں ہونی چاہئیں۔

اس بات کی وضاحت ایک مثال سے یوں کی جا سکتی ہے کہ دنیا میں ہر تالے کو کھولنے کے لیے ایک چابی ہوتی ہے اور ہر چابی پر دندانے ہوتے ہیں، اگر چابی نہ ہو تب بھی تالا نہیں کھلتا، اور اگر چابی پر دندانے نہ ہوں تب بھی تالا نہیں کھلتا، ایمان کی مثال چابی کی سی ہے اور اعمال کی مثال دندانوں کی سی ہے اور جنت کا تالا کھولنے کے لیے ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہے، باقی جسے اللہ تعالیٰ صرف ایمان کی برکت سے جنت میں داخلہ نصیب فرما دیں وہ ان کا کرم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحُقُبِ

(۵۱۳) حَمَّادٌ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ قَالَ اَلْحُقُبُ ثَمَانُوْنَ سَنَةً مِنْهَا سِتَّةُ اَيَّامٍ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا۔

ترجمہ: ابو صالح کہتے ہیں کہ ''حقب'' اسی سال کا ہوگا جس میں سے چھ دن دنیا کے سارے ایام کے برابر ہوں گے۔

تخریج حدیث: ذکرہ ابن کثیر: ۵۹۵/۴

مفہوم: قرآن کریم کی سورۂ نبا آیت نمبر ۲۳ میں کفار و مشرکین اور نافرمانوں کے متعلق یہ سزا بیان کی گئی ہے کہ وہ جہنم میں کئی ''حقب'' رہیں گے، بنیادی طور پر اس کا مقصد غیر متعینہ مدت کی طرف اشارہ کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، لیکن لفظ ''حقب'' کی مراد معلوم کرنے کے لیے مفسرین کرام نے مختلف خیالات اور آراء کا اظہار فرمایا ہے چنانچہ ایک رائے تو وہ ہے جس کا ذکر زیر بحث روایت میں آیا ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ ایک ''حقب'' اسی سال کا ہوگا ہر سال میں بارہ مہینے ہوں گے، ہر مہینے میں تیس دن ہوں گے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا، تیسری رائے یہ ہے کہ ایک حقب سترہ ہزار سال پر مشتمل ہوگا۔

ان میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دینا مشکل ہے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی نسبت بھی نبی علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ حضرات مفسرین کی اپنی اپنی آراء ہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ جو بھی مراد ہو، قرآن کریم کا اصل مقصد مدنظر رہنا چاہیے اور وہ مجروح نہیں ہونا چاہیے۔

بَابُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى

(۵۱۴) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ قَالَ قُرِأَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

سورۃ اللیل کی آیت نمبر ٦ کی تفسیر

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کے سامنے ''وصدق بالحسنٰی'' کی تلاوت کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنٰی کا مصداق ''لا الہ الا اللہ'' کو قرار دیا۔

تخریج حدیث: ذکرہ فی تفسیر سراج المنیر۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں سورۂ لیل کی آیت نمبر ٦ کا مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ''تصدیق حسنٰی'' کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے مراد ''کلمہ توحید'' ہے کہ جو شخص کلمۂ توحید کا اقرار و تصدیق کرے صدق دل سے اللہ کو وحدہ لا شریک تسلیم کرے اور موقع آنے پر زبان سے اس کا اظہار و اعتراف کرے منافقین کی طرح اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ نہ ہو یا مشرکین کی طرح اس تصدیق سے کورا نہ ہو تو پروردگار عالم کا وعدہ ہے کہ اس کی مشکلات کو دور فرمائیں گے اس کے لیے آسانیاں پیدا فرمائیں گے اس کی پریشانیوں کو حل فرمائیں گے اس کی بیماریوں کو دور فرمائیں گے اسے قرضوں سے خلاصی عطاء فرمائیں گے اسے کشادگی اور فراخی عطاء فرمائیں گے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کے لیے سہولتیں اور آسانیاں پیدا کریں گے اور تاریخ گواہ ہے کہ جس نے ایسا کیا اس کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

کتاب الوصایا والفرائض

وصیت اور میراث کے احکام

(۵۱۵) اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِیهِ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِی وَقَّاصٍ قَالَ دَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَعُوْدُ فِی مَرَضٍ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اُوْصِی بِمَا لِی کُلِّهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَنِصْفِهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَثُلُثِهٖ قَالَ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ لَا تَدَعُ اَهْلَكَ یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ۔

وَفِی رِوَایَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلٰی سَعْدٍ یَعُوْدُ قَالَ اَوْصَیْتَ قَالَ نَعَمْ اَوْصَیْتُ بِمَالِی کُلِّهٖ فَلَمْ یَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یُنَاقِصُهٗ حَتّٰی قَالَ الثُّلُثَ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ۔

وَفِی رِوَایَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِیهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ سَعْدٍ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَعُوْدُنِی فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْصِی بِمَا لِی کُلِّهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَبِالنِّصْفِ قَالَ لَا قُلْتُ فَبِالثُّلُثِ قَالَ فَبِالثُّلُثِ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ اَنْ تَدَعَ اَهْلَكَ بِخَیْرٍ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے' میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنے سارے مال کی وصیت کرنا چاہتا ہوں؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا نصف؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا تہائی؟ فرمایا ہاں! اور تہائی بھی زیادہ ہے' اپنے اہل خانہ کو اس حال میں نہ چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائیں۔

حل عبارت: "اوصی" ہمزہ استفہام کے حذف کے ساتھ یہ باب افعال سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد متکلم ہے بمعنی وصیت کرنا "یتکففون" باب تفعل سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے بمعنی کف پھیلانا' ہاتھ پھیلانا۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ۱۲۹۵' ومسلم: ۴۲۰۹ (۱۶۲۸) وابوداؤد: ۲۸۲۴' والترمذی: ۱۱۶' والنسائی من: ۳۶۵۶ الی ۳۶۶۵' وابن ماجه: ۲۷۰۸' واحمد: ۱۴۸۲' وابن خزیمه: ۲۳۵۵۔

مفہوم: وصیت کے بارے شریعت کا یہ اصول نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ انسان اپنے پورے مال میں سے صرف ایک تہائی کی وصیت کسی ادارے یا مسجد اور مدرسہ کے لیے کرنے کا مجاز ہے' اس سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں اور اگر کسی نے اس سے زیادہ کی وصیت کی تو ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

بظاہر یہ اصول بہت چھوٹا اور معمولی محسوس ہوتا ہے لیکن جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ کا تعلق کسی سیاسی یا مذہبی تنظیم سے تھا اور وہ مرتے وقت ساری جائیداد اور دولت اس تنظیم کے نام کر گیا اور اب اس کی اولاد در بدر کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے' کھانے کی جگہ خاک پھانک رہی ہے اور لباس کی جگہ چیتھڑے اوڑھ رکھے ہیں تب احساس ہوتا ہے کہ واقعی اس اصول سے کتنے لوگوں کی زندگی وابستہ ہے' کتنوں کا سہارا ہے اور کتنے ہی گھرانے اس اصول کی وجہ سے قائم نظر آتے ہیں۔

یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف حضور نبی مکرم' سرور دو عالم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو "جو رشتہ میں نبی علیہ السلام کے ماموں لگتے تھے" متوجہ کیا تھا اور انہوں نے اپنے اس ارادے سے رجوع کر لیا تھا جس کے مطابق وہ اپنے سارے مال کی وصیت کرنے جا رہے تھے۔

یاد رہے کہ نبی علیہ السلام نے جس بیماری میں ان کی عیادت کی تھی اور وہ وصیت کرنا چاہ رہے تھے' نبی علیہ السلام نے اسی موقع پر فرما دیا تھا کہ سعد! ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تم سے بہت سے لوگوں کو فائدہ اور دوسروں کو نقصان پہنچائیں' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ اس بیماری سے صحت یاب ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے ذریعے بہت فائدہ پہنچایا اور کفار کو ان کے ذریعے بہت سی ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

بَابٌ هَلْ يَرِثُ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ؟

(۵۱۶) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ اِلَّا اَنْ

يَكُوْنَ عَبْدَهٗ اَوْ اَمَتَهٗ۔

کیا کوئی مسلمان کسی عیسائی کا وارث ہوسکتا ہے؟

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمان عیسائی کا وارث نہیں ہوسکتا الا یہ کہ وہ اس کا غلام یا باندی ہو۔

حل عبارت: "لا یرث" باب ضرب اور حسب سے فعل مضارع منفی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی وارث بننا۔

تخریج حدیث: اخرجه الدارقطني: ٤/٧٤، ٧٥، ٣اما نفس مضمون الحديث فقد اخرجه البخاري: ٦٧٦٤، وابو داؤد: ٢٩١١، والترمذي: ٢١٠٧، وابن ماجه: ٢٧٢٩، ٢٧٣١، ومسلم: ٤١٤٠ (١٦١٤)

مفہوم: ماہرین وارثت نے تحریر فرمایا ہے کہ بعض چیزیں انسان کو وارثت سے محروم کر دیتی ہیں، ان میں سے ایک چیز ''اختلاف دین'' بھی ہے، مثلاً ایک شخص ہندو ہے لیکن اس کا باپ مسلمان ہے، مرتے وقت اس کا باپ جتنی بھی جائیداد اور مال و دولت چھوڑے، شرعی طور پر اس ہندو کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا البتہ اس مسلمان کی دوسری اولاد جو مسلمان ہو یا دوسرے رشتہ دار جن کا وارثت میں حصہ بنتا ہو انہیں ان کا حصہ دیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص مسلمان ہے لیکن اس کا باپ کافر ہے، آیا اس مسلمان کو اپنے باپ کی وارثت ملے گی یا نہیں؟ زیر بحث حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے وارثت نہیں ملے گی جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے وراثت ملے گی۔

ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ عام حالات میں تو مسلمان کو اپنے کافر مورث کی وراثت نہیں ملے گی جیسا کہ زیر بحث حدیث میں بھی ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ''اختلاف دین'' کا اعتبار دونوں طرف سے ہونا چاہیے لیکن اگر مرنے والا کافر اس مسلمان کا غلام یا باندی ہو تو اس کی ولاء مسلمان ہی کو ملے گی کیونکہ درحقیقت غلام اور باندی کی ملکیت بھی آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے، اس صورت میں اثبات وراثت والی روایات پر عمل کر لیا جائے گا۔

واللہ اعلم

بَابُ اِلْحَاقِ الْفَرَائِضِ بِاَهْلِهَا

(۵۱۷) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ طَاوٗسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

وراثت کے حصے ذوی الفروض کو دینے کا بیان

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وراثت کے حصے ذوی الفروض میں

تقسیم کر دیا کرو اور جو باقی بچے وہ قریبی مذکر شخص کو دے دیا کرو۔

حلِّ عبارت: "الحقوا" باب افعال سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے بمعنی ملانا "الفرائض" فریضۃ کی جمع ہے بمعنی حصہ "ذکر" مذکر۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری: ٦٧٤٦' ومسلم: ٤١٤١ (١٦١٥) واحمد: ٢٦٥٧۔

مفہوم: یہ حدیث علم الفرائض میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اور ماہرین وراثت نے اس پر مفصل کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے کچھ لوگوں کو مرنے والے کے ترکہ میں حصہ دار مقرر کیا ہے اور ان کے حصے بھی متعین کیے ہیں' ایسے لوگوں کو اصحاب الفروض یا ذوی الفروض کہتے ہیں' ان میں چار مرد اور آٹھ عورتیں شامل ہیں' مثلاً باپ' دادا' شوہر' اخیافی بھائی' ماں' بہن' بیٹی' دادی اور بیوی وغیرہ' اور یہ اصول ہے کہ مرنے والے کا ترکہ سب سے پہلے ذوی الفروض میں تقسیم کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔

اب بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ترکہ ورثاء پر پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر وارث کو اس کا مقررہ حصہ دینے کے بعد بھی کچھ حصہ بچ جاتا ہے ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں تو کوئی پیچیدگی نہیں۔ البتہ دوسری صورت میں یہ اشکال سامنے آتا ہے کہ اب اس بقیہ مال کا کیا کیا جائے کیونکہ میت کی تجہیز و تکفین بھی ہو چکی' قرض بھی ادا ہو چکا اور وصیت بھی نافذ ہو چکی' ان تین کے بعد چوتھا حق تقسیم ترکہ تھا' وہ بھی مکمل ہو چکا لیکن مال کا کچھ حصہ اب بھی باقی ہے تو ذوی الفروض کے بعد دوسرا حق "عصبہ" کا بنتا ہے جس کی تفصیل سراجی میں مذکور ہے۔

مثلاً باپ کا ترکہ میں حصہ "سدس" بنتا ہے' اسے وہ دے دیا گیا اور دوسرے ورثاء کو بھی ان کا حصہ دے دیا گیا' اب چونکہ ان تمام ورثاء کی نسبت باپ مرنے والے کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے لہٰذا "عصبہ" ہونے کی وجہ سے باقی سارا مال بھی اسے دے دیا جائے گا' زیر بحث حدیث کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ اِذَا عُتِقَ الْعَبْدُ فَمَاتَ

(۵۱۸) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ اَنَّ ابْنَةً لِحَمْزَةَ اَعْتَقَتْ مَمْلُوْكًا فَمَاتَ فَتَرَكَ ابْنَةً فَاَعْطَى النَّبِيُّ ﷺ الْاِبْنَةَ النِّصْفَ وَاَعْطَى ابْنَةَ حَمْزَةَ النِّصْفَ۔

اگر غلام آزاد ہونے کے بعد مر جائے تو کیا حکم ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شدادؓ سے مروی ہے کہ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی نے ایک غلام آزاد کیا' وہ فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے ایک بیٹی چھوڑ گیا' نبی علیہ السلام نے اس کی وراثت میں سے آدھا مال اس کی بیٹی کو دے دیا اور آدھا حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کو دے دیا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابن ماجه: ٢٧٣٤، واحمد: ٢٧٨٢٧۔

مفہوم: اس حدیث میں دو باتیں قابل غور ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن شدادؓ جو راوی حدیث ہیں اور حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی جن کا نام بعض روایات کے مطابق فاطمہ اور بعض کے مطابق عمارہ ہے آپس میں اخیافی بہن بھائی تھے کیونکہ ان دونوں کی والدہ حضرت سلمی بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں' جو پہلے حضرت حمزہؓ کے نکاح میں تھیں اور ان سے مذکورہ بچی پیدا ہوئی تھی' پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ احد میں شہادت کے بعد حضرت سلمی بنت عمیسؓ نے حضرت شداد بن الہادؓ سے نکاح کر لیا اور ان سے مذکورہ صاحبزادے پیدا ہوئے' گویا دونوں بچوں کی والدہ ایک تھیں اور والد جدا جدا' علم الفرائض کی اصطلاح میں اس رشتے کو اخیافی بہن بھائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ یہ بات عنقریب گزر چکی ہے کہ میت کا ترکہ دوسرے حقوق کے ادا ہو چکنے کے بعد جب تقسیم کیا جائے گا تو سب سے پہلے ذوی الفروض کو ان کا مقررہ حصہ دیا جائے گا' اگر وہ ان میں پورا پورا تقسیم ہو جائے تو بہت اچھا' ورنہ وہ مال ''عصبہ'' کو دے دیا جائے گا عصبہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ عصبۂ نسبی۔ جیسے باپ

۲۔ عصبۂ سببی' اس سے مراد غلام کا وہ آقا ہوتا ہے جو اسے آزاد کر دے' ظاہر ہے کہ جو آقا غلام کو آزاد کرے گا وہ اس کا آخری آقا ہوگا اور اس کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا اس لیے ذوی الفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد اس کا جو بھی مال بچے گا وہ سب اس کے آقا کو ملے گا اور اگر اس کا کوئی بھی قریبی رشتہ دار موجود نہ ہو تو اس کا سارا مال آقا کو مل جائے گا' یہی حکم عصبۂ نسبی کا بھی ہے کہ اکیلا ہونے کی صورت میں سارا مال اسی کو مل جاتا ہے بصورت دیگر مابقیہ سارا اسی کا ہوتا ہے۔

اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر اب زیر بحث حدیث پر غور فرمائیے کہ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی نے جس غلام کو آزاد کیا تھا' ذوی الفروض میں سے صرف اس کی بیٹی موجود تھی اور شریعت نے بیٹی کا حصہ اکیلی ہونے کی صورت میں نصف مقرر کیا ہے اس لیے نبی علیہ السلام نے اسے کل مال کا نصف دے دیا' اور چونکہ کوئی دوسرا رشتہ موجود نہ تھا عصبہ سببی کے طور پر حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی تھیں اس لیے بقیہ نصف انہیں دے دیا گیا' اور ان کے اخیافی بھائی حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کو اس میں سے کچھ نہیں دیا گیا کیونکہ ایک تو وہ مرنے والے کے اخیافی بھائی نہ تھے اور دوسرے یہ کہ وہ اس کا عصبۂ نسبی یا سببی کچھ بھی نہ تھے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ اَکَلَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا

(۵۱۹) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا عَدَلَ مَنْ کَانَ یَعُوْلُ اَمْوَالَ

الْيَتَامٰى فَلَمْ يَقْرَبُوْهَا وَشَقَّ عَلَيْهِمْ حِفْظُهَا وَخَافُوا الْاِثْمَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَنَزَلَتِ الْاٰيَةُ فَخَفَّفَتْ عَلَيْهِمْ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ الْاٰيَةَ۔

یتیم کا مال ناحق کھانے والے کا بیان

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آیت "ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما الخ" نازل ہوئی تو یتیموں کے مال کی سرپرستی کرنے والے پیچھے ہٹ گئے اور اس کے قریب بھی نہ پھٹکے کیونکہ انہیں اس کی حفاظت سخت گراں محسوس ہوئی اور انہیں خود پر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہنے لگا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان پر تخفیف کر دی گئی کہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیجیے کہ اصلاح ان کے لیے بہتر ہے اور اگر اپنا مال ان کے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

حلِ عبارت: "عدل" وفی نسخة "عزل" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے بمعنی ہٹ جانا "یعول" باب نصر سے فعل مضارع معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی خبر گیری کرنا "شق" باب ضرب سے فعل ماضی معروف کا مذکورہ صیغہ ہے بمعنی گراں ہونا۔

تخریج حدیث: اخرجه ابوداؤد: ۲۸۷۱' والنسائی: ۳۶۹۹' واحمد: ۳۰۰۲' والحاکم: ۲/۲۷۸۔

مفہوم: دراصل یہ حضور نبی مکرم' سرور دو عالم ﷺ کی تربیت کا اثر اور صحابہ کرام کے خوف خدا کا مظہر تھا کہ وہ اپنے لیے کسی یتیم کا مال استعمال کرنا مجبوری کے علاوہ حلال نہیں سمجھتے تھے' اگر ہمارا معاشرہ بھی تربیت کا اثر اور خوف خدا کا مظہر بنا قبول کر لے تو کوئی شخص اپنے یتیم بھتیجوں کی جائیداد پر قبضہ نہ کرے' اپنی یتیم بھتیجیوں کو کبھی دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور نہ کرے' کبھی اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے نہ بھرے اور کبھی ان کی آہوں اور سسکیوں سے لبریز بددعاؤں کا ذخیرہ اپنے لیے اکٹھا نہ کرے چنانچہ جو لوگ تربیت یافتہ اور خوف خدا رکھنے والے ہوتے ہیں وہ یتیم بچوں کے مال کی ایک ایک پائی کا حساب رکھتے ہیں اور جو اس تربیت وخوف کا فقدان لیے پھرتے ہوں' وہ لاکھوں روپے ڈکار مارے بغیر ہضم کر جاتے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں کرتے' اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اسلامی تربیت کا اثر اور خوف خدا کا تصور ظاہر فرما دے۔

بَابٌ اِلٰى مَتٰى يَكُوْنُ الْيُتْمُ

(۵۲۰) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايُتْمَ بَعْدَ الْحُلُمِ۔

یتیمی کب تک رہتی ہے؟

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بالغ ہونے کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔

تخریج حدیث: اخرجه ابو داؤد: ۲۸۷۳، وابن عدی: ۲۴۳۲، والشهاب فی مسنده: ۷۸۲۔

مفہوم: دنیا میں آنے والے ہر انسان پر دو زمانے گزرتے ہیں ایک بلوغت سے پہلے اور ایک بلوغت کے بعد، شریعت نے ہر دو زمانوں کے لیے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں چنانچہ بلوغت سے پہلے کا اصول یہ ہے کہ اس کی نیکیاں والدین کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور گناہوں کا اندراج نہیں کیا جائے گا' نیز معاملات میں اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا' جبکہ بلوغت کے بعد وہ اپنے معاملات کا ذمہ دار بھی ہوگا اور مختار بھی' نیز نیکیوں پر ثواب اور گناہوں پر سزا کا قانون اسی کے ساتھ وابستہ ہو جائے گا۔

انہی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے باپ کا انتقال ہو جائے تو اس شخص کو بالغ ہونے سے پہلے تک تو یتیم کہا جا سکتا ہے لیکن بالغ ہونے کے بعد اسے یتیم نہیں کہا جا سکتا' یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس کا باپ اس کے بالغ ہونے کے بعد فوت ہوا ہو کہ اسے یتیم نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ اگر ایسا ہونا شروع ہو جائے تو پھر دنیا میں ہر دوسرا شخص ہی اپنے آپ کو یتیم کہنا شروع کر دے گا' اور یتیموں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر بہت سے منافع کما لے گا۔

اس زاویے سے اگر غور کیا جائے تو یہ حدیث ''حقوق یتامیٰ'' کے تحفظ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم

کتاب القیمۃ وصفۃ الجنۃ
قیامت اور جنت کی صفات کا بیان

(۵۲۱) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذُوْ حَسْرَةٍ وَنَدَامَةٍ۔

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کا دن حسرت وندامت کا دن ہوگا۔

(۵۲۲) اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْقِيٰمَةَ ذُوْ حَسْرَةٍ وَنَدَامَةٍ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

تخریج حدیث: اما نفس مضمون الحديث فيؤيده كثير من المرويات والايات، واما بهذا السياق فقد اخرجهما

الحارثی: ۷۵۷۔

مفہوم : اس حدیث مبارکہ میں قیامت کے دن کو جو "یوم الحسرۃ والندامۃ" قرار دیا گیا ہے' اگر نقشہ کشی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ واقعۃً اس دن کی حسرت سے زیادہ انسان پر کبھی حسرت طاری نہ ہوئی ہوگی اور اس دن کی ندامت سے زیادہ آدمی پر کبھی ندامت کے اثرات نہ دکھائے گئے ہوں گے' اس لیے کہ جب انسان اپنی آنکھوں سے کچھ لوگوں کو عرش کے سائے میں دیکھے گا تو اسے بھی سائے کی حسرت اور اس کے مقتضا پر عمل نہ کرنے کی ندامت ہوگی' جب انسان اپنی آنکھوں سے کچھ لوگوں کو نور اور مشک وعنبر کے منبروں پر بیٹھے ہوئے دیکھے گا تو اسے بھی اس مقام بلند کی حسرت اور اس کے ذرائع اختیار نہ کرنے پر ندامت ہوگی' جب انسان اپنی آنکھوں سے لوگوں کو حوض کوثر سے سیراب ہوتے ہوئے دیکھے گا تو اسے بھی اس پانی کے ایک قطرے کی حسرت اور اس کے اسباب اختیار نہ کرنے پر ندامت ہوگی' جب انسان اپنی آنکھوں سے فوج درفوج اور قطار در قطار لوگوں کو پل صراط عبور کرتے ہوئے جنت میں داخل ہوتے دیکھے گا تو اسے بھی اس عبور و دخول کی حسرت ہوگی اور اعمال صالحہ بجا نہ لانے پر ندامت ہوگی۔

جب انسان اپنی آنکھوں سے لوگوں کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیکھے گا تو اسے بھی یہ سعادت حاصل کرنے کی حسرت ہوگی اور اس کے تقاضے پورے نہ کرنے پر ندامت ہوگی جب انسان اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد' بیوی بچے' عزیز واقارب اور دوست احباب کو اپنے سے دور بھاگتے ہوئے دیکھے گا تو اس پر وہ حسرت کے سمندر میں غرق اور ندامت کے آنسوؤں سے لبریز ہو جائے گا اور یہی وہ لمحہ ہوگا جب اس کی زبان سے نکلے گا۔

"یلیتنی کنت ترابا"

اللہ تعالیٰ ہمیں اس دن کی حسرت و ندامت سے محفوظ فرمائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِفَةِ الْحُوْرِ الْعِیْنِ

(۵۲۳) اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیْءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ مِنَ الْجَنَّةِ مَدِیْنَةً مِنْ مِسْكٍ اَذْخَرَ مَاؤُهَا السَّلْسَبِیْلُ وَشَجَرُهَا خُلِقَتْ مِنْ نُوْرٍ فِیْهَا حُوْرٌ حِسَانٌ عَلٰی كُلِّ وَاحِدَةٍ سَبْعُوْنَ ذُؤَابَةً لَوْ اَنَّ وَاحِدَةً مِنْهَا اَشْرَقَتْ فِی الْاَرْضِ لَاَ ضَائَتْ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَاَتْ مِنْ طِیْبِ رِیْحِهَا مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنْ هٰذَا قَالَ لِمَنْ كَانَ سَمْحًا فِی التَّقَاضِیْ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ لَوْ اَنَّ وَاحِدَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ اَشْرَقَتْ لَاَ ضَائَتْ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَأَتْ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ مِنْ طِیْبِهَا۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ لِلّٰہِ مَدِیْنَۃً خُلِقَتْ مِنْ مِسْکٍ اَذْفَرَ مُعَلَّقَۃٌ تَحْتَ الْعَرْشِ وَشَجَرٌ مِنَ النُّوْرِ وَمَاؤُھَا السَّلْسَبِیْلُ وَحُوْرٌ عِیْنُھَا خُلِقَتْ مِنْ نَبَاتِ الْجِنَانِ عَلٰی کُلِّ وَاحِدَۃٍ مِنْھُنَّ سَبْعُوْنَ ذُؤَابَۃً لَوْ اَنَّ وَاحِدَۃً مِنْھُنَّ عَلَّقَتْ فِی الْمَشْرِقِ لَاَضَائَتْ اَھْلَ الْمَغْرِبِ۔

حورعین کی صفات کا بیان

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا اللہ تعالیٰ نے جنت میں مشک کا ایک شہر بنا رکھا ہے، جس کی خوشبو عمدہ، پانی نہر سلسبیل کا، اوراس کے درخت سے نور پیدا کیے گئے ہیں، جس میں خوبصورت حوریں ہوں گی، ہرحور کی ستر لٹیں ہوں گی اگر ان میں سے کوئی ایک لٹ بھی زمین پر لٹکا دے تو مشرق اور مغرب کے درمیان ساری جگہ کو روشن کر دے اور اس کی خوشبو سے زمین و آسمان کے درمیان ساری فضاء بھر جائے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ نعمتیں کس کے لیے ہوں گی؟ فرمایا جو قرض کا تقاضا کرنے میں نرمی اختیار کرے۔

حل عبارت: "مدینة" شہر، اس کی جمع "مدن" آتی ہے "مسك" مشک، مشہور خوشبو، "حسان" خوبصورت "ذؤابة" جوڑا بالوں کی لٹ، "لا ضاء ت" لام ابتدائیہ ہے اور باب افعال سے فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے بمعنی روشن کرنا "سمحا" سہولت پسند۔

تخریج حدیث: اخرجه البخاری مختصراً: ۲۷۹۶، والترمذی: ۱۶۵۱، والحارثی بهذا السیاق: ۷۴۵۔

مفہوم: اس حدیث مبارکہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ جنت کی نعمتوں، آسائشوں اور اسباب آرام وراحت کی تفصیلات پر مشتمل احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود و دستیاب ہے، زیر بحث حدیث بھی ان ہی میں سے ایک ہے، ان احادیث سے جنت کا ایک بڑا خوشنما منظر تیار کیا جا سکتا ہے جن میں ایک طرف اپنی عظیم اور محبوب ہستیوں کی زیارت و رفاقت کا منظر ہے اور دوسری طرف پاکیزہ اور ہمیشہ الفت و وفاء کا دم بھرنے والی بیویوں کی رونق ہے، ایک طرف اپنی ہر خواہش کی تکمیل ہے اور ایک طرف دوام و خلود کا وعدۂ الٰہی ہے لیکن ان سب چیزوں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اور ان کی ضرورت و افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم الحروف کی "ذاتی" رائے یہ ہے کہ جنت کی تمام نعمتوں میں سے دو نعمتیں سب سے زیادہ عظیم اور اہم ہیں ایک تو دیدار باری تعالیٰ جس کی مجھ سمیت ہر مسلمان کو تمنا ہے اور جسے انشاء اللہ ہمیں پورا کرنے کا موقع فراہم کیا جائے گا اور دوسری عظیم نعمت رضاء الٰہی ہے جس کا اعلان باری تعالیٰ خود اپنی سب سے زیادہ عظیم نعمت کے طور پر اہل جنت کے سامنے فرمائیں گے اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ جنت نام ہے اللہ کی طرف سے ملنے والے مقام رضا کا تو یہ کچھ بعید نہ ہوگا۔

۲۔ قرض کی وصولی میں نرمی اور سہولت کا معاملہ کرنے والے کے لیے جنت کی ان عظیم نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ قرض

کی وصولی قرض خواہ کا حق ہوتی ہے' اگر وہ اپنے حق کو چھوڑ دیتا ہے تو قیامت کے دن پروردگار عالم اس سے متعلق اپنے حقوق چھوڑ دیں گے اور اگر وہ اپنے حق کی وصولی میں مقروض سے نرمی کرتا ہے تو قیامت کے دن پروردگار عالم اپنے حقوق کی وصولی میں اس سے نرمی فرمائیں گے اور پروردگار عالم کی نرمی یہی ہوگی کہ اس کے لیے معافی کا پروانہ جاری کرتے ہوئے جنت میں داخلہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرض کی وصولی میں قرض خواہ کو مقروض کے ساتھ سختی کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے' نرمی سے تقاضا کرے' اگر اس کی طرف سے تاخیر ہو تو اسے سخت سست نہ کہے بلکہ ممکن ہو تو اس کے قرض میں کمی کر دے یا مکمل معاف کر دے' پروردگار عالم کو معاف کرنے والے بہت پسند ہیں اس لیے عین ممکن ہے کہ وہ اسی وجہ سے انسان کی بخشش کا فیصلہ فرما لیں کیونکہ

رحمت حق بہانہ می جوید

قَالَ جَامِعَهُ الشَّيْخُ الْمُحَقِّقُ الْعَلَّامَةُ الْفَهَّامَةُ مَوْلَانَا الشَّيْخُ مُحَمَّد عَابِدٌ السِّنْدِيُّ الْاَنْصَارِيُّ هٰذَا اٰخِرُ مَا وَجَدْتُهُ مِنْ رِوَايَةِ الْحَصْكَفِي فِيْ مُسْنَدِ الْإِمَامِ الْاَعْظَمِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَمَّ نَوَالُهُ عَلَى الْعِبَادِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ الْاَمْجَادِ۔

اس کتاب کے جامع حضرت الشیخ' محقق عصر' علامہ زماں' فہامہ دوراں مولانا محمد عابد سندھی انصاریؒ فرماتے ہیں کہ امام حصکفیؒ کی روایت سے مسند امام اعظم ابوحنیفہؒ کی یہ آخری روایت ہے جو مجھے ملی ہے' اللہ کا شکر ہے جس کے احسانات اپنے بندوں پر عام ہیں' اور رحمت کاملہ وسلامتی کا نزول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو اللہ کے پیغمبر ہیں اور ان کی آل واصحاب کرام پر۔

تشکر و امتنان

الحمد للہ! پروردگار عالم کے بے پایاں فضل وکرم اور ان ہی کی توفیق و مہربانی سے صرف تین ماہ کے مختصر عرصے میں آج مؤرخہ ۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بروز جمعرات بمطابق ۳' اپریل ۲۰۰۸ء کو ایک عظیم محدث وفقیہہ کی اس عظیم کتاب کا ترجمہ وتخریج بتویب وترقیم اور تشریح وتوضیح سے فراغت ہو رہی ہے۔

راقم الحروف کو مکرر اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ وہ اس کتاب کا حق ادا نہیں کر سکا اور چند صفات تو سیاہ ہو گئے لیکن منزل پھر بھی دور ہی رہی تاہم اس بات کی خوشی سے اس فقیر بے نوا کے جسم کا ایک ایک جوڑ اور ایک ایک عضو بارگاہ ایزدی میں سربسجود اور شکر گزار ہے کہ اس نے اپنے حبیب علیہ السلام کی احادیث کی ''جیسی بھی بن سکی'' خدمت کے

لیے اسے قبول فرمایا اور موقع مرحمت فرمایا۔

اور اس پر امید کامل اور یقین محکم بھی ہے کہ جس ذات نے اس عاجز و کم حیثیت کو اس خدمت کے لیے قبول فرمایا ہے' وہی ذات اس کی اس خدمت کو بھی شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے گی' امت کے لیے نافع اور اہل علم کے لیے مفید فرمائے گی۔

اللہ تعالیٰ حیا ومیتاً اپنے حبیب علیہ السلام کی خدمت کے لیے ہم سب کو قبول فرمائے

آمین

محمد ظفر

فاضل و مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور

❀❀❀

﴿کتابیات﴾
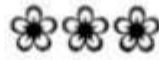
(۱)	الکتب الستة	دار السلام' ریاض
(۲)	صحیح ابن حبان	دار المعرفة' بیروت
(۳)	مسند احمد بن حنبل	بیت الافکار الدولیة
(٤)	فتح الباری	مکتبه حقانیه
(٥)	نیل الاوطار	دار الکتاب العربی
(٦)	شرح معانی الآثار	قدیمی کتب خانه
(۷)	الثنائیات فی مسند الامام	دار الکتب العلمیة
(۸)	تفسیر ابن کثیر	قدیمی کتب خانه
(۹)	فضل الباری	مکتبه رشیدیه
(۱۰)	فتح الملهم	مکتبه رشیدیه
(۱۱)	مفتاح کنوز السنة	سهیل اکیڈمی لاهور
(۱۲)	مسند ابی حنیفة بروایة الحارثی	دار الکتب العلمیة
(۱۳)	کتب اللغاة والسیرة	
(۱٤)	اعلاء السنن	دار الفکر بیروت
(۱٥)	معارف السنن	ایچ ایم سعید کمپنی